کلیاتِ شوکت واسطی

(تراجم حصہ اوّل)

PARADISE LOST
JOHN MILTON

فردوسِ گم گشتہ

THE TRAGIC LIFE
OF
DOCTOR FAUSTUS
(Christopher Marlowe)

المیۂ حکیم فسطاس

GEETANJALI
TAGORE

راگ کی آگ

مرتبین

صباحت عاصم واسطی

عباس تابش

کلّیات
شوکت واسطی

(تراجم حصہ اوّل)

کُلّیاتِ شوکت واسطی

(تراجم حصہ اوّل)

مرتبین

صباحت عاصم واسطی

عباس تابش

الحمد پبلی کیشنز

رانا چیمبرز۔ سیکنڈ فلور۔ (چوک پرانی انارکلی)۔ لیک روڈ۔ لاہور

☎ 37231490 - 37310944

ھماری کتابیں .....

خُوبصورت ، معیاری اور

کم قیمت کتابیں

تزئین واہتمام اشاعت

صفدر حسین

ضابطہ:-

مطبع : شرکت پریس لاہور

سرورق : شاہد مرزا

تعداد : پانچ سو

قیمت : 1000 روپے

انتساب

بہن فرزانہ سعید

اور

بھائی التفات علی واسطی

کے نام

ہماری بات رہ جائے گی شوکتؔ

برگد کے پیڑ کا پھیلاؤ جانچنے کے لئے فاصلے سے دیکھنا لازم ہے۔ سائے میں رہ کر اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ شوکت واسطی بھی میرے لیے برگد مثال رہے۔ وہ اپنی زندگی میں مجھے ایک شفیق سایہ مہیا کیے رہے۔ میں اس سائے میں ہر طرح مطمئن رہا۔ اُن کے ادبی قدوقامت پر میں نے کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ اُن کی وفات کے بعد مجھے اس بات کا شدید احساس ہوا۔ اسی سبب سے میں اس جانب متوجہ ہوا اور اُن کی تخلیقات کا بغور مطالعہ شروع کیا۔ جیسے جیسے میں اس کام میں آگے بڑھا مجھ میں یہ خیال تقویت پکڑتا گیا کہ اس تمام گرانقدر کام کو ایک مربوط صورت میں منظرِ عام پر لانا ایک فریضہ بحیثیتِ پسر ہی لازم نہیں بلکہ ایک ادبی تقاضا ہے۔

شوکت واسطی نے اپنی ستر سالہ ادبی زندگی میں عام شاعرانہ رجحانات سے ہٹ کر مختلف نوعیت کے کام اپنے ذمے لیے اور بعض ایسی تخلیقات کو پایہ، تکمیل تک پہنچایا جن کے بارے میں سوچنے ہی سے ہم جیسوں کے حواس جواب دے جائیں۔ انھوں نے پیراڈائز لاسٹ جیسی ادق نظم کا منظوم ترجمہ کرنے کے علاوہ قلم کے قرض کے عنوان سے اردو ادب کو پہلا باقاعدہ ایپک فراہم کیا۔ ان تخلیقات کی ادبی حیثیت وقت کے ساتھ ساتھ واضح ہو جائے گی مگر میرے نزدیک اردو ادب میں ان کا اضافہ ہی ایک بڑا کارنامہ ہے۔ شوکت واسطی نے غزل میں اپنا لہجہ الگ متعین کیا اور طویل اور تاریخی پس منظر میں لکھی نظموں کو جداگانہ انداز سے برتا۔ ہمارے معاشرے کا ایک بڑا مسئلہ علمیت کی قلت کا ہے۔ شائد اسی سبب سے اُن کی پہچان قدرے محدود رہی۔ شوکت واسطی کے کئی اشعار ایسے ہیں کہ جن کا ایک مصرعہ کسی بھی ادب کے قاری کے سامنے پڑھا جائے تو جھٹ دوسرا مصرعہ سنا دے گا، مگر شاعر کا نام بتانے سے ممکن ہے قاصر رہے۔ اُن کے زبان زدِ عام اشعار میں سے چند درج ذیل ہیں:

بڑے وثوق سے دنیا فریب دیتی رہی
بڑے خلوص سے ہم اعتبار کرتے رہے

ہم زندگی کی جنگ میں ہارے ضرور ہیں
لیکن کسی محاذ پہ پسپا نہیں ہوئے

شوکتؔ ہمارے ساتھ بڑا حادثہ ہوا
ہم رہ گئے ہمارا زمانہ چلا گیا

شوکت واسطی کے بارے میں کسی بھی ایسے شخص سے بات کی جائے جو اُن سے شناسا تھا تو وہ فوراً کہے گا کہ شوکت واسطی ایک تنہا شاعر نہیں تھے بلکہ شاعری کا پورا ادارہ تھے۔ میرے سمیت بیسیوں مبتدی شاعر اور شاعری کے طالب علم اُن سے مستفید ہوئے۔ وہ نئے لکھنے والوں کو شاعری کے اصول، محاسن و عیوب کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے بلکہ ادبی حلقوں میں اُن کا تعارف کروانا اپنا فرض مانتے تھے۔ میں نے ایک بار اُن سے کہا کہ اگر آپ اتنی توانائی اپنے کام کی تشہیر میں صرف کریں جتنی اوروں کی تخلیقات پھیلانے میں کرتے ہیں تو لوگ آپ کے مشہور اشعار آپ کا نام لے کر سنانے لگیں۔ بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ اگر ہم بھی یہ کام چھوڑ دیں تو اُن نئے لکھنے والوں کے لیے راستہ کون بنائے گا جن کی راہ ادبی مافیا کے سرکردہ روکے ہوئے ہیں۔ میں بڑے وثوق اور ذمہ داری سے یہ بات کہتا ہوں کہ شوکت واسطی نے نئے لکھنے والوں کے واسطے رزم آرائی میں اپنے ادبی قد و قامت کی قربانی دی۔ اُنھیں اس بات کا احساس تکلیف بہر طور دیتا تھا کہ اُن کا علمی اور ادبی کام قدرے نظر انداز ہوا ہے۔ ایک جگہ انھوں نے اس دکھ کا اظہار یوں کیا ہے:

شوکتؔ اپنی شاعری اپنی ذہانت اپنا فن
خطۂ ارباب بے بہرہ میں غارت ہو گئے

شوکت واسطی کی کلیات مرتب کرنے کا جب میں نے ارادہ باندھا اور اس بارے میں

بزرگ اساتذہ اور ہم عصر رفقاء سے مشورہ کیا تو سب نے میری بڑی حوصلہ افزائی کی۔ ڈاکٹر مختارالدین نے بہت مفید مشوروں سے نوازا۔ مظفر حنفی نے مجھ سے کہا کہ یہ کام تمہارا فرض ایک فرزند کی حیثیت ہی سے نہیں بنتا بلکہ ادب کے ایک قاری ہونے کے باعث زیادہ ہے۔ باصر کاظمی سے میری سیر حاصل گفتگو رہی اور انھوں نے اپنے تجربے کی روشنی میں میری بہت رہنمائی کی۔ بہن فرزانہ سعید اور بھائی التفات واسطی نے مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے اس گرانقدر کام کی ذمہ داری میرے سپرد کردی۔ میں جب یہ تمام مشورے، تاکیدیں اور کلیات کا مواد لیے لاہور عباس تابش کے پاس پہنچا تو اُس مردِ قلندر نے اس دقیق اور گنجلک کام کا تمام ذمہ اپنے سر لے لیا۔ الحمد کے صفدر حسین نے کلیات کو اشاعت کے مرحلوں سے گزارا اور میری تمام ترسست روی اور غفلتیں درگزر کرتے ہوئے تندہی سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں لگے رہے۔ میں ان تمام بزرگوں، دوستوں اور رفقاء کا بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ قریب ڈیڑھ برس کی مستقل کوششوں اور دیدہ ریزی کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شوکت واسطی کی کلیات تکمیل کے مراحل سے گزر کر قارئین کے ادبی اور علمی ذوق کو تسکین فراہم کرنے کے لیے تیار ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ کلیات اردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ اور ادب کے قارئین کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ثابت ہوگا۔

وہ بزم آرائی فرماتا رہے گا
کوئی آتا کوئی جاتا رہے گا
ہماری بات رہ جائے گی شوکت
زمانہ ہم کو دہراتا رہے گا

صباحت عاصم واسطی
۱۵ اکتوبر ۲۰۱۱
ابوظہبی۔ متحدہ عرب امارات

فردوسِ گُم گشتہ

(نظرثانی شدہ مع فرہنگ)

PARADISE LOST

☆

JOHN MILTON

منظوم ترجمہ

شوکت واسطی

انتساب

والد مرحوم

سید نعمت علی شاہ

کے نام

دیباچہ

بہشتِ ضبط شدہ وا گذار کر ہم پر
کہ تیرے ساتھ خدایا مصالحت ہو جائے

مترجم

دیباچہ

(طبع ثانی)

ملٹن کی شہرہ آفاق طویل نظم "پیراڈائز لاسٹ" کا مکمل اُردو منظوم ترجمہ "فردوس گم گشتہ" کے نام سے ساتویں دہائی کے آخر میں شائع کیا گیا۔ اس کے پہلے دفتر پر چند سال قبل ارتجالاً قبائے اُردو چست کی تھی۔ غضب ہوا نقاد سلیم الرحمٰن نے مبارزتی لہجے میں کہہ سنایا بارہ کے بارہ دفتر اپنی زبان میں ڈھالو تو مانیں۔ سوتن من اور پھر دھن لگا کر سالہا سال کی محنت کے بعد یہ مہم سر ہوئی۔ فردوسی کی "بسا رنج بردم" کی کیفیت کا کماحقہ اندازہ ہوا۔

پھر جیسا کیسا بھی تھا انگریزی رزمیہ کا یہ اُردو متن دلچسپی کے ساتھ پڑھا گیا۔ زبان و بیان پر لے دے ہوئی۔ بجا طور پر کچھ غلطیوں خامیوں کی نشاندہی بھی کی گئی۔

بعدازاں مرے ذوق شوق کا ہدایت کار ایوب محسن بولا: "شوکت قابل معافی ہو، کام ادق تھا، مگر پیرایہ ایسا قابل قبول نہیں۔ بندش میں جو شکست و ریخت مصرع وارتم نے برتی ہے، مجھے روا نہیں۔ بحر کو توڑ مروڑ کر مفہوم واضح کرنے کا اقدام غیر مستحسن۔ سلاست نہ سہی نفاست تو ہو"

یہ فہمائش جی کو لگی۔ منتظر رہا کہ باردوم کی نوبت آئے تو میں یہ جھول نکال دوں۔ اب جو کاوش کے بعد اصلاح شدہ مسودہ منظر عام پر لا رہا ہوں تو بالکل ایسا ہے کہ نو بہ نو کہیے۔ ساری ہیئت منقلب ہو گئی ہے۔

وقت و مشقت تو بڑی درپیش آئی۔ اپنی اصلاح در اصلاح کا مرحلہ سہل نہیں......

بارے یہ نسخہ اس وثوق کے ساتھ ہدیہ قارئین ہے کہ:

نقش ثانی کشد مصور بہ!

اسلام آباد (مارچ ۱۹۹۴ء)

شوکت واسطی

دفترِ اوّل

تلخیص

مجملاً۔ دفتر اول میں تمام موضوع کی صراحت ہے۔

آدم کی نافرمانی، نتیجۂ فردوس سے بے دخلی، ہبوط کے اصل محرک سے بحث، افعی یا اس روپ میں شیطان — ابلیس — کی چال — ابی واستکبروا و کان من الکافرین۔

یزداں سے بغاوت، راندہ درگاہ فرشتوں کو ابلیس اپنے پرچم تلے جمع کرتا ہے، دوزخ کا احوال جہاں ابلیس اور اس کے ساتھ زندانی ہیں۔ یہ جگہ مرکزی نہیں کیوں کہ عرش وفرش ابھی قائم نہیں، بلکہ ایک گھور گھمبیر تا گھر ہے، جسے اختلال CHAOS سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ابلیس ایک جلتی جھلتی جھیل میں یہاں حیران پریشان پڑا ہے، چندے بعد یہ لاؤلشکر اس سراسیمگی کے عالم سے سنبھالا لیتا ہے۔ ابلیس اپنے اس رفیق کو جھنجھوڑتا ہے جو پاس لیٹا ہے اور آن بان میں اس سے کچھ ہی کم ہے — اس کا نام بالذبب ہے۔ دونوں واژگوں بختی اور زبوں حالی کا تجزیہ کرتے ہیں۔ ابلیس یکایک اس تمام شطونگڑے دَل کو للکارتا ہے جواب تک دم بخود اور گم سم ہے۔

وہ مستعد تیار لام بندی کو حاضر آتے ہیں۔ ان کی کثیر تعداد، صف بستہ ترتیب، جنگ آرائی اور قابل ذکر سالاروں کا تذکرہ۔ یہ وہی ارضی خداوند اور دیوتا ہیں بعد ازاں جن کی کنعان اور مضافات میں پرستش ہوتی ہے۔

ابلیس کا ان سے خطاب۔ انہیں ڈھارس دیتا ہے کہ گم شدہ فردوس کی بازیابی

کارگراں نہیں۔ یاددلاتا ہے کہ روایت سماوی کے مطابق ایک نئے جہاں کی تخلیق ہوگی اور ایک نئی مخلوق معرض وجود میں آئے گی۔ اس کی تصدیق اور نئے حالات میں لائحہ عمل تیار کرنے کو مجلس مشاورت طلب کی جاتی ہے۔ اس کے پیروکار اس مجلس کے اہتمام میں مصروف ہوتے ہیں اور یک بیک پاتال سے ایک دارالخبائث PANDEMONIUM رونما ہوتا ہے، یہ لعین وڈیرے باہم مشاورت کو مل بیٹھتے ہیں۔

ہائے انساں کی پہلی سرتابی،
پھل وہ مکروہ پیڑ کا، یعنی سم اثر ذائقہ،
کہ جس کے سبب موت دنیائے دوں میں آن بسی۔
وائے حرماں نصیباں اپنی ہاتھ سے جنت عدن بھی گئی!
(ایک امید سی جھلکتی ہے) ہم بہ فیضان مہدی موعود
ہوں گے آباد کار دوبارہ نخل طوبیٰ کے سائبان تلے۔
زمزمہ سنج، روح ربانی! آج پھر ہو اہتمام کے ساتھ،
جیسے چوٹی پہ طور کی او جھل یا (مصّرِ عام) صحن سینا میں
ہم کلام اس شباں سے تھی، جس نے
برگزیدہ دلوں پہ واضح کی یہ حقیقت کہ کیسے پہلے پہل
ایک مجہول و بد ہیولیٰ سے ارض و افلاک کی ہوئی تعمیر!
وہ پہاڑی زیونِ خوش منظر (نواح یروشلم)
اور ہیکل کے پاس بہتی ہوئی تیز رفتار سیلو اندی،
(ان کی تقدیس کے حسیں ناتے)
اس مری نظمِ فکر آرا کو بخش دے جامہ فنِ زیبا!
ہے مرے فکر کا پرِ پرواز بس کہ طیار بھر کے طرارہ
کوہِ آیون سے اڑے اوپر — (بالِ عنقا جہاں ہو خاکستر) (یونان میں ہے)
اس مری مثنوی کا ہے موضوع وہ اچھوتا کہ آج تک کوئی
ہار میں نظم و نثر کے انمول ایسے موتی نہیں پرو پایا۔
سجدہ خانوں سے بڑھ کے، روحِ ازل!
تیرے نزدیک تو نکوکار اور صاف پاکیزہ دل مقرب ہیں۔

تو خبیر و علیم ہے، قائم آفرینش سے ہے وجود تیرا،
اور کل کائنات پر گویا تیرے شہپر سحاب افگن ہیں،
مثل سیمرغ جو ژرف و بسیط
اس کے تخلیق کار جوہر سے (روز) لبریز اور مملو ہو۔
تیری قدرت سے ہو مجھے الہام تا کہ میں اس عظیم آئینہ میں
حی و قیوم کی حقیقت کو منکشف اور مستند کر دوں،
اور یہ امر فیصلہ ہو جائے
اپنے بندوں سے قادرِ مطلق ناروا کو روا نہیں رکھتا۔
تو بتا (اے ازل کی روح رواں) لامکاں و مکاں ہیں تجھ پہ عیاں
خلد بھی آئینہ ہے تیرے لئے
اور جہنم کا بھی عمیق تریں سارا پاتال تیرے سامنے ہے
کون سی دلفریب خواہش تھی جو سزاوارِ احترام اجداد
لڑکھڑائے تو پھر سنبھل نہ سکے؟
المیہ دلخراش تھا ہیہات — وہ المناک داستان ہبوط!!
ہائے رنگیں بہشت کا ماحول، "ماتکذب" ظہور نور ظہور
اذن ربی سے منحرف ہو کر ہم بنے وارثانِ محرومی!
حیف وہ ضبطِ نفس کا فقدان،
ورنہ ہم لوگ کتنی دنیاؤں اور جہانوں کے حکمراں ہوتے!
کون تھا وہ کہ جس نے بہکا کر
اس طرح کر دیا انہیں بے باک بدنما سرکشی پر آمادہ؟
تھا وہ ملعون سانپ (بہروپی)، یہ وہی تھا،

وہی کہ جس کا مکر انتقام و حسد سے آلودہ
ام انسان (بی بی حوا) کو دے گیا جُل (کہ سادہ عورت تھی)
کیسی ساعت تھی جب تکبر نے اس کو خلد بریں میں خوار کیا،
وہ بھی، اس کے شریر چیلے بھی ٹھہرے مردود و راندۂ درگاہ،
چیلے چانٹے، گھمنڈ میں جن کی
(تھا شرف اس کو ان وڈیروں کی بے شریکانہ سربراہی کا)
اس کے سر میں سما گئی دو ٹوک ہمسری ذات کبریائی کی۔
عرش کی بادشاہت و کرسی بن گئی اس کی منتہائے ہوس
اور اس کے حصول کی خاطر
بے تکاں ایک جنگ بے ہودہ — غرہ انگیختہ ستیز — مگر
(اے بسا آرزو کہ خاک شدہ)، دی وہ قہار نے اسے پٹخی
سوختہ جان و قلب سر کے بل آسمانوں سے نیچے دے مارا۔
وہ بنی گت کہ مستقر ٹھہرا اک مذلول قعر بے پایاں — (مذلت کا)
آہنی جال، آتش سیال، یہ عذاب اس لئے مجال ہوئی
مالک دوسرا کو للکاریں۔
خاک زادے کے واسطے نو بار کوئی پیمانۂ زماں لے کر
رات اور دن کا طول ناپتا ہے،
اس قدر دیر تک وہ بھیانک غول — سرنگوں، سرگراں، سرگرداں
اک بساطِ بسیطِ سوزاں پر گرم رفتار سے روانہ رہا
سب بقیدِ حیاتِ لافانی
گرچہ کرتوت کا تقاضا تھا اور بھی سخت قہر نازل ہو۔

کچھ سرورِ ربودہ کا احساس، اس پہ دردِ دوام کا دگدا
(سرغنہ) کو عجیب وحشت تھی۔
اس نے حسرت زدہ نظر ڈالی چار سو عالم تذبذب میں —
تھی نظر میں نہ طے مگر نخوت اور نفرت کی مستقل بوچھاڑ —
نظر آسیب گوں، بلا کی تیز جس نے فوراً ملاحظہ کر لی —
شور ویران صورت حالات — شش جہت عالم لق و دق تھا!
ایک گھپ کال کوٹھڑی بھڑکی بھٹیوں کے الاؤ میں محصور،
شعلہ افشاں، مگر عجب شعلے
روشنی تو دھواں دھواں لیکن تیرگی سی سُجھائی دیتی تھی
اور کچھ ایسا دھیان پڑتا تھا —
چند اندوہ گیں نظارے تھے چند رنج آفرین خطّے تھے، چند منحوس گھور پرچھائیں —
ایک ایسی فضا تھی مستولی جس میں سکھ چین بس نہیں سکتے —
شمعِ امید — جو ہر اک دل کو بقعہ نور کر کے جاتی ہے،
اس جگہ جگمگا نہیں سکتی!
سخت سوہانِ جاں اذیت تھی، دمبدم دمبدم اثر افزوں
تُند سیل رواں لاوے کا، جل کے نقطہ نمط جسے گندھک
دائمانہ دھکتا رکھتی تھی، کیوں کہ خود راکھ ہو نہ سکتی تھی۔
تھا یہ فتویٰ ازل کے قاضی کا یہ (جہنم) ٹھکانہ بن جائے
پرلے درجے کے ڈھیٹ، نافرماں باغیوں اور فتنہ سازوں کا،
ظلمتستان — مہیب بئسِ مصیر، ان کی یہ مستقل رہائش گاہ (برا ٹھکانہ)
دور مشکواۃ عرش یزداں سے، اس قدر فاصلے پہ واقع تھی (طاق)

مرکزِ ارض سے مساحت میں جو نکلتی تھی ٹھیک تین گنا
پس اگر منتہائے قطبی تک
اور اس کے مقابلے میں ہائے وہ مقام (نعیم لطف ونشاط)
جس سے نکلے جلاوطن ہو کر اس کی رسوائیوں کے سب ساجھی۔
سرغنہ کی نظر پڑی ان پر (اف بڑا خوفناک منظر تھا)
آگ کی تیز مشتعل لپیٹیں، تند جھکڑ سموم وصرصر کے
بے محابا انہیں جھلستے تھے:
لوٹتا تھا وہیں پہ بھوبھل میں ایک ہمدم، کہ تھا وہی اس کا
طنطنہ میں حریف بے ہمتا، اور فسق وفجور میں پاسنگ ـــــ
جو فلسطین میں رہا اوتار صورت بالذبب زمانوں تک۔
اس حریفِ خدائے لم یزلی (المسمی بہ ابرمن) نے اب
بالذبب کی طرف رجوع کیا،
پھاڑ کر چادر سکوت مہیب اس چھلاوے سے یوں ہوا گویا
تو وہی دوست ہے اگر لیکن منصبِ باوقار سے معزول
تیری ہیئت کذائی موجود اور وہ طمطراق جب تو نے
پرفضا نور کی قلمرو میں زیب تن چاندنی سی خلعت کی،
تب تری آب وتاب کے آگے بجھ گئیں تھیں تجلیات کثیر۔
تو وہی، تھا جو ہمنوا میرا باہمی ساز باز میں پیہم
متفق داؤ پیچ، سوچ بچار،
ہم قدم درمیان بیم ورجا، ہر جگہ متحد، بہم ہر دم،
ہم نے (یزدان سے بغاوت کی) جب چلائی مہم دلیرانہ۔

آج تو پھر شریک حال ہو اس تبہ حالی و فلاکت میں،
سوچ تو کس بلند عظمت سے ہم گرے کس گڑھے میں پستی کے،
قہر کی بے پناہ قوت سے ہم پہ وہ ذات غالب آئی ہے۔
اور حق بات یہ ہے، آج تلک
اس کے مہلک سلاح خانہ کا تھا ہمیں بھی نہ خاص اندازہ۔
تاہم اس مصلحت سے قطع نظر،
اور اس سے بھی بے نیاز کہ وہ فاتح قاہر آزمائے گا
ہم کو غیض و غضب میں بارِ دگر،
مجھ کو اصلاً نہیں پشیمانی جو میں اصلاح حسب حال کروں
(گومری آب ڈھلتی جاتی ہے اور درکار کچھ ملمع ہے)۔
دھن کا پکا ہوں، زخم خوردہ ہوں خوب ناقدریٔ محاسن کا۔
تھا بہت جذبۂ جنوں سر تیز،
اس لئے قہرمان سے میں نے بے دھڑک پنجہ آزمائی کی۔
صف بہ صف خون ریز دنگل میں
ان گنت بھوت پریت شامل تھے، وہ جری، لیس کیل کانٹے سے،
اس کی فرمانروائی سے بدظن مجھ کو جی جان سے جو چاہتے تھے۔
وہ علیٰ کل شئ ،قدیر ادھر ایک جرار فوج طاغوتی
طاس میں سلسبیل و کوثر کے ایسا مجہول رن پڑا، جس میں
اس کی کرسی لرز لرز اٹھی۔
(گو مرے جان باز کھیت رہے)
کیا ہوا ہاتھ سے اگر میدان (اے نبرد آزماؤ) جاتا رہا،

کیوں ملیں ہاتھ، کیسا پچھتاوا ہم نے کچھ بھی نہیں گنوایا ہے،
ہمت سخت جاں سلامت ہے، آتش انتقام سرد نہیں،
دائما بغض شدت آمادہ،
(کشتی ما در آب افتادہ، برلب ایں نعرہ باد چوں بادا)
کامیابی کا کلیہ آخر اس تماشے کے ماسوا کیا ہے؟
یہ نشہ وہ ہے جو نہ ٹوٹے گا
حشم و خشم کے مظاہروں کا اہتمام اب کیا کرے کوئی
ڈوب مرنے کا ہے مقام اگر اب تہ سنگ دست فرض کریں
اور ہم کورنش بجا لائیں
تہ کریں زانوئے گدا پیشہ، اس سے شکرانہ کرم مانگیں
آج تک جس کی پادشاہی کا بے تکاں مضحکہ اڑایا ہے۔
صورتِ حال اگرچہ مشکل ہے اور افتاد سخت نازل ہے
پھر بھی ایسا کلنک کا ٹیکہ اپنے ماتھے پہ بدنما ہوگا۔
ہم شیاطین ہیں ہمیں لاریب ہستیٔ بے قضا مقدر ہے،
ناری الاصل، آتمائی گن، یہ ابد تک تلف نہیں ہوں گے،
واقعہ فاجعہ سہی لیکن کچھ نہ کچھ تجربہ ضرور ہوا۔
عسکری زعم اگرچہ ٹوٹ گیا،
لیکن اس بھاؤ بھی نہیں مہنگا پیش بینی کا درکِ ذہن افروز۔
اک زبردست امید کا امکان پھر ہمیں کر رہا ہے برانگیخت،
زور و تزویر میرے مسلح ہم حرب خونیں کا غلغلہ کر دیں،
اور اپنے حریف اکبر سے کسی عنوان مفاہمت نہ کریں۔

وہ کہ اب خمرِ فتح میں سرشار
عرش پر دھاندلی کے بل بوتے مستقل ہم کو دھونس دیتا ہے
یوں کہو لا الٰہ الا اللہ!
اس طرح وہ ہزیمتی مرتد راندہ ابلیس اب تھا زہر چکاں
واقعی وہ بڑے عذاب میں تھا — شیخیاں تو بگھارتا تھا مگر
یاس دیمک سی خول کو اس کے اندر اندر گھلائے جاتی تھی۔
سن کے یہ بات یوں نڈر ساتھی اس سے فی الفور ہمکلام ہوا۔
میرے سردار اے کئی دیگر والیان زعیم کے آقا!
جن کے زیر کماں شطونگڑے دل سور، سرباز، جرأتی جی دار،
محشرِ کشت وخوں بپا کر کے تیری مشاق رہنمائی میں
لم یزل شاہ کو سرِ گردوں چاہتے تھے کریں سراسیمہ،
تا کہ یہ بات صاف ہو جائے
اس کی غیور بالادستی میں کون سا راز کارفرما ہے —
تقویت، اتفاق یا تقدیر!
ہم ہیں اب اور عالم ناسوت — کہ ہمیں کر دیا ہے ملیا میٹ
اسطرح ان قشونِ قاہرہ نے
جوہرِ قدسیاں مگر برباد، شان کر دیاں مگر پامال!
یہ خرابی بہ اعتبار خواص ایک حد تک اگرچہ ممکن ہے،
بس کہ مغلوب ہو نہیں سکتے، روح اور ذہن — یہ مسلّم ہے
اور زائل شدہ توانائی بالیقیں جلد عود کرتی ہے۔
پس گذشتہ شکوہ کا غم کیسا اور اس حزنیہ کا ماتم کیوں

گرہماری وہ مطمئن گھڑیاں تند گھڑیال نے نگل ڈالیں؟
وہ کہ اب ہے مظفر و منصور
(اور اس کو بہ امر مجبوری کیجئے تسلیم قادر مطلق)
ورنہ ہے کون لال مائی کا جو ہمیں یوں ذلیل کر سکتا؟
اس نے روئیں تنی کے ساتھ مگر روح ہم میں بحال رکھی ہے
شاید اس کا یہ عزم ہے، ہم لوگ
مستقل کیفیت کریں برداشت — خلق النار خالدون فی ہا۔
آتش انتقام پر اس کی چند چھینٹے ضرور پڑ جائیں
ہم اسیران جنگ ہیں گویا اس کے حلقہ بگوش، خانہ زاد
اس کے احکام خواہ سخت سہی، جا و بے جا مگر بجالائیں۔
کس مپرسی کا عالم بیزار ہم پہ چھایا رہے۔ کہ اپنے گھر
ہیں دہکتے ہوئے تنوروں میں یا ابلتی ہوئی خلیجوں میں
سوچ اپنا انار کی ناٹک کیا ہے جز ایک سعی لا حاصل،
گو قویٰ مضمحل نہیں اپنے (پر عناصر میں اعتدال کہاں؟)
ہم امر ہیں مگر اٹل دگدے، گھور گھٹنائیں بھوگنے، کے لئے۔
یہ خیالات اہرمن سن کر یوں ہوا جھٹ جواب میں گویا
قدسی راندہ! ہے ضعیفی جرم جس کا بس ایک شاخسانہ ہے
مرگ اور مرگ بھی مفاجاتی، جینا مر مر کے، جیتے جی مرنا!
آ — دلیرانہ فیصلہ کر لیں
ہم ہدایت کی رہگذاروں پر بھول کر بھی نہ گامزن ہوں گے،
من یشا، کے خلاف گرم عمل — اس کی شانِ، ارادکن، جب بھی

چاہے اتریں بدی کے پیڑوں سے نیکیوں کی مٹھاس کے پھل پھول،
اپنی سر توڑ کوششوں سے ہم خواہش اس کی یہ فسخ کر ڈالیں
راستی کے صراط کو باطل وادیوں کے خلا میں گم کر کے
ہم اگر اس میں کامراں نکلے اس کو بے حد ملال پہنچے گا
میں تو کہتا ہوں عین ممکن ہے ایسی فتنہ پائیوں کے سبب
سب دھرے کا دھرا ہی رہ جائے اس کی تخلیق کائنات کا کھیل
دیکھ لو آج حضرت فاتح کتنا جز بز دکھائی دیتا ہے
اور پھر اس کی آگیا پر آج (حکم)
منتری کھوج اور بدلہ کے نرگ پر سب کو اڑ رو کے ہیں
ہم پہ گندھک کی گولیوں کی باڑ، گو کھرو سے تگرگ کی بوچھاڑ، (اولے)
اس قدر سخت چاند ماری ہے
جیسے سیال آگ کا سیلاب،
اور ڈھلوان سے ثریا کی ہم جو لڑھکے تو اس پہ بہ نکلے
اور یہ رعد اڑتا پھرتا ہے بجلیوں کے پروں کی لالی پر،
گڑگڑاہٹ سے دل دہلتے ہیں
اس نے وہ منجنیقیں چلائی ہیں، منجنیقیں ہر فضا کو چاٹ گئیں
یہ گگن تو نہیں، بھنور ہی بھنور گہرے ساگر میں مارتے ٹھاٹھیں،
ایسا موقع نہ ہاتھ سے دیجئے، گھن ہو یا گھن گرج، ہر آلہ سے
ہم نے بیری کو مات دینی ہے۔
دور وہ وادیِ غیر زرعی زرع دیکھ بنجر، اجاڑ، چٹیل، گھپ، گھورتا جھیل کی ڈبکنی ناؤ
صرف احساس بھانپ سکتا ہے

گھپ نرک اگنیوں کے سرلاٹے، زرد پرچھائیوں کے فراٹے،
مرگھٹوں کی سمان وا اس روشن — کچھ خبر اس جگہ کی لیں چل کر،
کیوں یہاں بیچ موج پر دائم کروٹیں لیں کباب کی صورت؟
سکھ اگر اس جگہ پڑا پایا چین کی بنسری بجائیں گے۔
مجتمع کر کے ہم حواس اپنے پھر یہ سوچیں گے اپنے دشمن کو
کون سی چڑ بنا کے چھیڑا جائے؟
واژگونئ بخت پر آخر کس طریقے سے پایئے قابو؟
غیر ممکن جو آس لیلا ہو، آس کیسے بندھے نراشا میں؟ (نیرنگ امید)
شورہ پشتی میں مرنے مارنے کا ہم اٹھائیں تو کس طرح بیڑا؟
اپنے تربورا اپنے یار کے ساتھ اہرمن بات چیت میں مشغول، (پشتو۔عم زاد)
نہر پر صرف سر جھلکتا ہے، چھوٹتی ہیں نظر میں پھلجڑیاں،
بیچ منجدھار کے سنگھاسن پر تن بدن ہاتھ پاؤں پھیلائے
بحر ظلمات میں جریبوں تک ڈولتا ڈوبتا روانہ ہے۔
ڈیل ڈول اس کا جثۂ لندھور (داستان امیر حمزہ) سا
دیو پیکر ٹٹان، دھرتی دھک، مشتری سے وہ برسرپیکار،
یا بر ایار (راون صد دست) یا تیا خون دیو کا ہمدست (زادہ گیتی وسقر بھونچال)
وہ نظر بند ایک بھورے میں کہنہ طرسوس کے قریب کہیں۔ (تہہ خانہ)
یا وہ بحری بلا لوایاتی، حشراۃ البحور میں مخلوق
اس سے بڑھ کر کوئی قوی ہیکل پھر خدا نے کبھی بنائی نہیں۔
ناروے کے سوادساحل پر رات بھر کی بھٹکتی ڈونگی میں
جس طرح کچی نیند سے اٹھ کر سند باد اتفاق سے اس کو

اک جگہ دیکھ کر سمجھتا ہے — یہ کھوئیوں کا لوک قصہ ہے —
کوئی ٹاپو ہے اور وہ جھٹ پٹ
ڈال کر لنگر اس مگرمچھ کی گل مچی چھال میں کھبوتا ہے، (فلس ابری دار)
اور یوں لے کر اس کے پہلو کی آڑ چندے نچنت رہتا ہے،
رات اندھیری ہے، بیم طوفاں ہے، صبح سودھیرے دھیرے پہنچے گی —
جھیل جلتی تھی، چارشانے چت اہرمن یوں دراز تھا اس پر
حلق حلقے ہیں، ریسماں میں راس' (سر)
پا بہ جولاں، دست در زنجیر۔
خارج از بحث سربلندی تھی، تھا نہ کوئی صعود کا امکان،
اس قدر التزام البتہ، بے شک اب تب بتائے وہ دھتہ
(اذنِ مختارِ کل اسے) رکھے راندہ ریشہ دوانیاں جاری،
بوالعجب کا ستم ظریف نصیب اس کی تعمیر میں خرابی تھی۔
مرتکب ان گنت جرائم کا پے بہ پے وہ رجیم اور لعین،
خوب اغماض اور خیر اعراض، بد اثر، روح سوز، شر آموز —
کینہ ور اور پاپ پر چارک اہرمن کو مگر اچنبھا تھا
اس کی پرفن خباثتیں کیسے نیکیوں کے لئے محرک ہیں،
(یہ معمہ کوئی تو حل کر دے؟)
وہ کسی کو کرے اگر گمراہ، رحمت حق کو جوش آتا ہے،
عفو وغفران کی شرابوں کا جشن بے مثل عام ہوتا ہے
مہربان و رحیم یزداں کا عاصیوں پر سلام ہوتا ہے،
صدق دل سے جو کوئی تائب ہو عرق انفعال کے قطرے

بڑھ کے شان کریم چنتی ہے جس طرح آبدار موتی ہوں۔
اہرمن اب حواس باختہ ہے،
اس کو اپنے غضب سے ماختہ ہے، عقربِ انتقام آختہ ہے،　　　　(ارمان)
جانِ مجنوں پہ الغرض اب کے پڑ گیا ہے عذاب سہ گونہ
وہ اٹھا اب کچھار سے بوالہول بھر کے یکدم قلانچ ضیغم سا،
تند شعلوں، بلند لاٹوں کو جب وہ ہر ہاتھ سے دھکیلتا تھا
بچھ کے ٹھاٹھوں میں نوکدار کلس ڈالتے تھے ڈراؤنے رخنے
چوڑے شہپر بکھیر کر آ کر خوب اونچی اڑان کرتا ہے،
ملگجی ملگجی فضا اس کے بوجھ نیچے دبی دبی جائے،
وہ اترتا ہے شور خشکی پر —
ان چٹختی ہوئی چٹانوں کو ہم اگر خطۂ زمیں مانیں
جس طرح پگھلی پگھلی آگ کی جھیل؛
اٹھے تحت الثریٰ سے جھکڑ تیز اور پلورس سے نوچ کر تودے
ہر طرفِ کھیل کھیل بکھرا دے۔
یا کڑکتے بھڑکتے ایٹنا کی بھوم شمشان پاش پاش بغل،　　　　(سسلی کا آتش فشاں پہاڑ)
جس کے آتش پذیر رحم میں ڈال اپنی شوریدہ دھات کا ایندھن
آگ دیو اندرا کرے گا بھن، شعلہ آگیں حمل ٹھہرا دے
لے کر اس سے جنم سموم چلے اور پاتال تہ جھلس ڈالے،
وہ دھواں دار، دھوانسے، بھپکے، بھاپ پیچھے بکھیرتی جائے۔
اس نجس پاؤں کے لئے چوکی ایسا اک لکۂ زمین بنا۔
تھا لگا ساتھ ساتھ دم چھلا، دونوں پھولے نہیں سماتے تھے　　　　(یعنی بالذنب)

کہ جہنم کا وہ بحیرہ شور (تند، تاریک، تنگ اسٹائکس)　　(ف)
پار کر کے نکل ہی آئے اب۔
تھے جو مافوقیہ طبیعاتی اس لئے بل پہ اپنے اُبھرے تھے،
ورنہ قہار طاقت علوی انہیں اس امر کی اجازت نہ تھی
کیا یہ کرہ، یہ سرزمیں، یہ فضا
بولا ابلیس یہ ہے وہ خطہ جو ملے گا بہشت کے بدلے؟
یعنی اک تیرہ خاکداں اپنے اس سمائے منوریں کی جگہ،
خیر یونہی سہی، چلو، سکہ بحر و بر میں خدا کا چلتا ہے،
صورت حال یہ غنیمت ہے دور ہم انتہائی ہوں اس سے
ہیچ دانائی میں نہیں جس سے،
جس کی شکتی نے کر دیا اس کو سب مگر ہمسروں میں بالاتر۔
الوداع اے وطن مدام جہاں شادمانی کے پھول کھلتے ہیں،
ہائے او ہول وائے اے ماحول، غول پرور، کریہہ، ہیبت ناک،
دیکھ ہاں دیکھ عالم اسفل آن پہنچے ترے نئے باشی،
لے کر آئے جو ذہن یہ ہستی ہے زمان و مکان کی چیرہ دستی و دستبرد سے محفوظ۔
ذہن کا اک احاطہ اپنا ہے، جس میں کایا پلٹ کے منتر سے
(دم زدن میں) بہشت ہو دوزخ اور دوزخ بہشت ہو جائے۔
ہم وہی ہیں تو پھر کہیں بھی ہوں، خاص کیا فرق اس میں پڑتا ہے،
اور یہ فخر بھی نہیں بے جا میں فقط اک اسی سے کمتر ہوں
(ذات قہار) مجھ سے افضل ہے جو ہر قہرمانیت کے سبب،
اس جگہ یہ تو ہے کہ ہم ہوں گے آپ مرضی کے مالک و مختار!

لاکھ غیور وہ قدیر سہی کچھ رعایت سے کام تو لے گا

یاں سے بن باس اب نہیں دے گا۔

ہم بڑی دھوم سے بجائیں گے چار کھونٹ اپنے نام کا ڈنکہ،

اس نظریہ پہ میں تو پہنچا ہوں

راج نیتی امنگ لیلا ہے چاہے یہ نرک ہی کے اندر ہو، (حکومت)

حکم دوزخ میں گر چلے میرا، دست بستہ نہ جاؤں جنت میں

اے وفادار دوستو پھر کیوں — ساتھیو ساتھ کے زیاں کارو —

خود فراموشیوں کے دلدل میں توڑ کر ہاتھ پاؤں بیٹھ رہیں،

کیوں نہ سب بھوت پریت بس جائیں اب اسی بے سکون حجرے میں

متحد مستعد کمر باندھیں اور باغ ارم پہ چڑھ دوڑیں

جو بھی ساجھے کا مال ہاتھ لگے

ہے جہنم میں پاس جو اپنے وہ اگر ہم نے ہار بھی ڈالا

تو بھی ہم لوگ کیا گنوائیں گے؟

ختم کی اہرمن نے بات تو یوں بالذبب اس سے ہمکلام ہوا

اے امیر اس سپاہ ناری کے

جو خراب و شکستہ و بدحال گر ہوئی بھی تو دست قدرت سے،

گونج کر پھر ندائے قم تیری زندگی بخش، حوصلہ افراز،

وہ کہ گھمسان کے اڑے رن میں بزدلوں کو دلیر کرتی ہے (جیسے جے کار، نعرہ تکبیر)

جوش جرات بحال فرمادے اور شوق مبارزت طلبی۔

یاس تاس اور نراس کے باوصف حس خوف و خطر کو شل کردے، (مر بھکی چاہ)

تیرے ہارے تھکے تلنگے جو اینڈتے ہیں غدیرِ آتش میں

جیسے سچ مچ تمام کھیت رہے — ان کو بیدار و مستعد کر دے۔
کیوں اچنبھا نہ ہو، یہی کل تک
ہکا بکا ہوئے تھے ہم، سارا تن بدن، انگ انگ سکتہ میں
جیسے اُچھلے بلند ہونے کو اور کوئی کھجور میں اٹکے۔
جونہی بات اس نے ختم کی ابلیس (کلبلاتا) سُوئے کنار چلا،
ہاتھ میں اک گراں سپر اس کے اور پہلو میں اک سبک شمشیر
دھات دونوں کی سخت، صاف، دبیز،
قطر کاندھوں سے دور اُبھرا ہوا، پاس گولائی چاند کی جیسے
ٹسکنی آرٹسٹ (گلیلیو) کی دوربیں کے بصیر عدسہ میں
قرص کی طرح سے جھلکتی ہے،
یا تو فیسول کی رصد گہ میں یا معمل میں والدرنو کی،
اور وہ داغ داغِ جرم فلک اس لئے زیرِ غور لاتا ہے
تا کہ دریافت کر سکے اس میں نئے دریا، پہاڑ، بن، میداں۔
اور اس (عوج بن عنق) کے پاس ایک اتنا دراز نیزہ تھا۔
ناروے کے گھنیرے جنگل کا سب سے لمبا اکھاڑیں چیڑ کا پیڑ
جس سے بن جائے سالم اک مستول، گر وہ درکار امیر بحر کو ہو،
وہ بھی اس کے مقابلے میں بس ہاتھ بھر کی چھڑی نظر آئے۔
چل رہا تھا لگائے ٹیک اس پر ہوں مبادا پھسلواں انگارے
وہ رپٹ کر دھڑام سے گر جائے۔
(یہ قدم ہیں وہی کہ پڑتے تھے چرخ نیلوفری پہ مستحکم)
تیز بادِ سموم کی لپٹیں، کر کے تعمیر آگ کی محراب

بھونتی تھی جلن کے چولہوں پر اس کا ایک ایک دنبل وناسور
تاہم اس کیفیت سے وامانده، شعلہ زا بحر کے دہانے تک
جا ہی پہنچا وہ افتاں وخیزاں۔
لاؤ لشکر وہ بے ہیولی سب اس طرح تھا پڑا ہوا مبہوت
جیسے قتلِ خزاں سے پتوں کا بکھرا بکھرا اٹاٹا منظر ندیوں پر دلبر وسہ کی،
جیسے اطرور یہ میں محرابی برگ پوشوں کی دھوپ چھاؤں گھنی،
یا وہ بکھرے ہوئے رواں نرسل
جنہیں جوزا کی زائیدہ آندھی یوں بکھیرے کنار قلزم پر
جیسے لہروں میں ممفسی ساونت، شہ بصیرض کے حاشیہ بردار
ہوئے غرقاب نیل عبرت زا۔
جب تعصب کی باندھ کر پٹی بے تکاں آئے تھے تعاقب میں
مصر کے عارضی مقیموں کے — (وہی گوشہ نشین، گوشینی)
جو کھڑے دوسرے کنارے پر کر رہے تھے مہیب نظارہ
بہتی لاشوں، رتھوں کے پہیوں کا۔
اس طرح خلط ملط، گم سم، ہیچ اپنے کایا کلپ پر اب ششدر
وہ بچھے تھے تمام طوفاں پر۔
وہ دہاڑا تو گونج اٹھیں جیسے کھوکھلی کھائیاں جہنم کی۔
"والیو، دہ ہزار یو، ویرو، اس منوہر سورگ کے پھولو
جو ہبہ تھی ابھی تلک ہم کو
جس سے بے دخل و دربدر ہو کر سخت حیران ہیں امر روحیں،
یوں تحیر زدہ کہ یہ ماحول اس لئے ہم نے انتخاب کیا

زخم چاٹا کریں یہاں اپنے یاد کر کے وہ مضطرب جوہر جو ہماری طفیل ماند ہوئے۔
یا مرے ساتھیو یہ وادی بھی
دلکش اتنی ہی، دلکشا ایسی جنتوں کا سرور ملتا ہے،
یا پھر اس بے سبھاؤ آسن سے چکرورتی کو تم کرو ڈنڈوت (تسلیم)
وہ کہ پھولا نہیں سماتا ہے کس طرح سیل میں لڑھکتے ہیں ہم فرشتے، ملائکہ، ارواح
اپنے ہتھیار اور پھریروں کا رن میں بکھرا پڑا ہے شیرازہ۔
حادثہ یہ ابھی تو گزرا ہے،
اس کے طرّار پالڑاکوں نے دور جنت سے جھانک کر دیکھا
زد میں ان کی تھے ہم یہاں نیچے،
ٹوٹ کر وہ جھپٹ پڑے ہم پر، وہ جھپٹ کر جو ہم پہ ٹوٹ پڑے
برق کے تیز دھار بھالوں سے ہم کو دوزخ کی تہ میں گاڑ دیا۔
عالم پیش و پس یہ چھوڑو بھی، خوابِ غفلت کو اب جھنجھوڑ و بھی
بیڑیاں جو پڑی ہیں توڑو بھی اور پاؤں پہ اب کھڑے ہو جاؤ
ورنہ یہ جان لو یہ رسوائی یوں ہی تا حشر حرزِ جاں ہو گی"
سحر تقریر سے ندامت کا تند احساس جاگ اٹھا ان میں
وہ پر اس طرح پھڑ پھڑا کے اُٹھے، جس طرح کوئی شب کا پہریدار
اونگھتا ہو تو ہڑ بڑا کے اُٹھے، سن کے آقا کے پاؤں کا کھڑکا
واژگوں بخت کے ستائے ہوئے، دردِ جاں کے عوض چھپائے ہوئے
میر سالار کے اشارے پر، بے تامل وہ سر جھکائے ہوئے
صف بہ صف یوں کھڑے تھے لاتعداد
ہو بہو یہ وہی نظارہ تھا —— مصر کا ملک، دورِ گمراہی

ابن عمراں، عصائے نادر کی ساحل نیل پر سبک جنبش
تیز پروا کے سخت جھونکوں میں اُمڈ آئے مہیب ٹڈی دل
اور کالی سیاہ رات تنے ملک میں پورب اور پچھم تک،
ملک فرعون کفر ساماں کا۔
وہ نرک ان گنت اسوراس میں شہپروں پر طواف کرتے تھے۔
آگ دائیں تھی، آگ بائیں تھی، آگ بالا تھی، آگ پائیں تھی۔
آگ ہی آگ، آگ، گھپ، گھنگھور۔
پھر اشارہ بلند نیزے کا جب کیا اس عظیم سلطاں نے
نیچی نیچی اڑان سے اترے نیچے نیچے وہ خارزاروں میں،
سارا میدان پٹ گیا ان سے دفعۃً مثل عرصہ محشر——
ٹھٹ کے ٹھٹ وہ کہ پرہجوم شمال اپنی برفاب پشت سے ایسی
جوق در جوق بھیڑ اگل نہ سکے رائن وڈینوب پر بسانے کو
واقعی تھے نہ بے شمار اتنے اتری بربری سپوت کپوت (مثل یاجوج صورت ماجوج)
جو امڈ کر سوئے جنوب بڑھے
اور جبرالٹر کے ساحل سے تا بصحرائے لیبیا پھیلے
جھٹ پٹ اک اک خبیث ٹولے کا، ایک اک سنگھ ایک اک دل کا،
چودھری، سرغنہ، نواب ہوا باادب باملاحظہ حاضر
خدمت سربراہ اعظم میں،
روپ میں دیوتا سروپ بھئے، آدمی شکل میں فرشتے سب،
شاہزادے، مقرّبیں کل تک جو سرِ عرش مسند آرا تھے۔
آج حرف غلط سے نام مٹے لوحِ محفوظ سے تمام ان کے

آسمانی کسی صحیفے میں ان کا اب ذکر خیر ہی نہ رہا،
حیف طغیان، سرکشی، عدوان۔
یہ بہشت بریں کے بن باسی نسل حوا میں اجنبی تا حال
ہر نئے اسم و جسم سے محروم۔
پھر بھی حارج رضا قضا نہ ہوئے، حشر تک مل گئی کھلی چھٹی
کہ وہ یزداں سے خوب کھل کھیلیں
منحرف خالق حقیقی سے گروہ مخلوق کر سکیں، کرلیں۔
تھی سہولت بھی اس کرشمہ کی وہ رہیں عام آنکھ سے اوجھل یا بہیمانہ کوئی سوانگ بھریں۔
شاندار و حسیں شوالوں میں سونے چاندی کے اُچ سنگھاسن پر
ٹھاٹھ سے وہ براجمان رہیں۔
یہ خدائی کے مدعی جھوٹے سینکڑوں امتوں کو بہکائیں،
نو بہ نو نام، نو بہ نو حلیے ـــــ دیوتا، بت، پریت، بھوت، صنم،
اے میوز آ انہیں شمار کریں آج تقدیم اور تاخر سے۔
آتشیں مسندوں سے چونک اٹھے سن کر اعلان شاہ عالی کا
آیا سردار ایک ایک جہاں وہ کھڑا تھا اجاڑ ساحل پر
جب کہ گڈ مڈ کھڑے رہے انبوہ سب مریدوں کے دور، ایک طرف
قابل ذکر چند وہ ان میں قعر دوزخ سے جو نکل کے چلے
ارض پر ڈھونڈنے شکار اپنے، وہ خدایان پر فریب، کہ جو
روبرو، مدت مدید کے بعد، بن کے اللہ کے بدترین حریف
اس کے منبر کے ساتھ پاٹ ان کا، اس کے معبد کے پاس قرباں گاہ۔
لغو و باطل تمام یہ معبود ملتیں جن کے سامنے سربہ سجود، گھن گرج میں زیون کے اوپر

اپنے کروبیاں کے ہالے سے دیکھتا تھا بہ چشم خشم انہیں (جاح) توریت کا خدائے قدیر،
حرم پاکِ ذات باری، ان راندہ ملعون دیوتاؤں کے دیوستھان ادھرم سال بنے
(بے دینی کے مرکز)

بدعت و فسق سے نجس سارے شرع برحق کے طرز و طور ہوئے
نیک دستور بدروپے رسم، میلے ٹھیلے متین تقریبات
تیرگی آشکار ہو ہو کر نور کا مضحکہ اڑاتی تھی۔
پہلا مالوق دیوتا لت پت اشکوں میں جسم سارا لہولہو لتھڑا
آنسوان والدین کے جن کی ننھی اولاد کا لہو پی کر
خون آشام دیو جیتا تھا۔۔۔
اس کی بھٹی میں بھینٹ بچوں کی۔۔۔ سسکیاں دلخراش دل افگار
ڈھول تاشوں کے شور کے باعث آدمی سن تلک نہ سکتا تھا۔
راکھش یہ اموینوں کا رب جس کا ربہ میں اک مصلیٰ تھا،
اوراس آب شاد وادی میں (شرق اردن) زنہار مانے
تا بحد بسان ارگوبے اس صنم کی خدائی چلتی تھی۔
ہوکے زچ خیرہ چشم قربت سے (اسرائیلی تو منکر اس کے تھے)
ورغلا کر نبی سلیماں کو (کان دانش دماغ جس کا تھا)
عین بیتِ الٰہ کے سائے میں اپنا اک پاٹ شالہ بنوایا۔
اور بدنام ہو گیا ٹیلہ بن کے یوں بارگاہ نافرجام،
وادیٔ دلکشا حنام میں سب، جہاں آباد اہلِ طافت ہوئے
اس ستم گر کا جاپ جپتے تھے۔
اہلِ یونان اسی کو کہتے تھے قرب دوزخ سیاہ جی ہنّہ۔

دوسرے بت کا نام تھا خیماس،
فحش عریانیت زدہ منحوس یہ صنم لائے معب کے بیٹے
تھے جو اخلاق باختہ، بدکار۔
دائرہ دور تک خدائی کا —— اور عیر، اور نیبو اور لیہرم،
اور حسبان اور حرنائم اور اسیون کی قلمرو سے سیب ما کی حسین وادی تک
خوشنما گلستان و تاکستاں۔
پھر الیلی سے حوض شور تلک (تا بہ حد بحیرۂ مردار)۔
اس صنم کی، پیور، کنیت تھی، ہو گئے تھے اسی کے پیرو کار
اسرائیلی ستیم میں گمراہ —— وادی نیل سے وہ جب نکلے۔
اس کے رسم و رواج بے ہودہ باعث قہر ذوالجلال ہوئے۔
اس کی شہوت نواز خرمستی پھیلی بدنامِ عہد ٹیلے تک
جس پہ مالوق کا دوارہ تھا،
فسق، نفسانیت، بدی، مستی، چوب چینی، حرام، بدفعلی (لواطت)
آخر کار ایک پیغمبر —— جوشیا —— نے انہیں کیا فی النار (جوشیا سے مراد یوشع ہیں)
ساتھ ساتھ ان کے آبراجے تھے
پھر پرانے فرات دریا کے مسخ طوفاں زدہ کناروں سے
اس رواں توئی تک جو کرتی ہے ارضِ مصر ارضِ شام کو دولخت (ہندکو۔ ندی)
مشترک مشتہر توام وہ طیف اشتیاروث، بعل —— ذو صنفی
یا الگ سے نرینہ مادینہ، یوں بھی تو بھوت پریت جب چاہیں
جنس اپنی ادل بدل کر لیں، یا کبھی روپ دھار لیں دونوں

جوہران کا ملائم و نازک، ہم سے اعضا نہیں ہیں مخصوصہ
نہ ہی جثے بدن لحیم شحیم، بلکہ مقدور ہے یہ فن ان کا
شکل چاہیں کوئی وہ نرم کرخت، صاف نرمل، کثیف اندھیالی
اس میں اپنے شریر کو ڈھالیں (دشمنی اور دوستی کے لیے) (بدن)
حیِ وقیوم سے ابا کر کے، ترک کر کے طواف بیت الہ
تھے بنی اسرائیل سجدہ ریز بہ خضوع و خشوع و ورع و نیاز
سامنے ان نجس شیاطیں کے۔
سرِ تسلیم کا وہی نقشہ جیسے میدان جنگ میں کٹ کر
گردنیں زیر پائے دشمن ہوں نیزہ بردار دشمن خونخوار
آستورث بھی اس ہجوم میں تھی (اہلِ فینیقیہ کی اسطرطی)
ملکہ آسمان کی —— جھومر شاخہائے ہلال جس کا تھا
چندنی مورتی کے چرنوں میں چاندنی رات کو، سدونہ کی
خوبصورت کنواریاں گا کر (زندگانی) کا حلف اٹھاتی ہیں
زیون پر بھی اسی کا مندر تھا، پاٹ پوجا اسی کی ہوتی تھی۔
مندر، ازواج خواہ سلطاں نے قلۂ کوہ پر جو بنوایا۔
وہ پہاڑی خراب رسوا زشت،
اور یہ باہمہ بسیرتِ ذات اپسراؤں کے لوبھ میں آ کر
ناز بردار بن گیا ایسا ان بتان پلید و مہمل کا۔
پھر شموز (اڈونس یوناں) جسے لبنان میں بنایا تھا ایک خونخوار ریچھ نے لقمہ
اور ہر سال تازہ ہوتا تھا زخم اس کا گلابی جاڑوں میں

دن بھر اس حادثہ میں نوحہ گر شام کی مہ جبین کنیائیں عشقیہ راگنی سناتی تھیں۔
اس ثموز کے زخم سے شاید اوڈنس کی رواں دواں ندی
منبع کوہ سے دہانہ تک لال ہی لال بہنے لگتی ہے۔
دختران زیون تھیں بے آپ سن کے یہ دلفریب پریم کتھا،
ان کی جذبات باختہ حالت خود ازاقیل نے ملاحظہ کی
اس حریمانہ آستانے پر جب بصیرت نے دی اسے ترغیب
کہ صنم دوستی نظارہ کرے غیر سے آشنا یہودا کی۔
(پھر فلسطینیوں کا دیوتا وہ) اہلِ تابوت اسیروں نے توڑا
جس کا مجسمۂ منحوس —— سر کہیں اور ہاتھ پیر کہیں
استخوان شکستہ بے چارہ، دیر کے آستان پر چت تھا۔
نام اس کا دغون —— ساگر دیو —— نصف دھڑ مرد، نصف دھڑ مچھلی،
اس خرابی کے باوجود اس کا ایزتس میں بڑا ادہارا تھا۔ (مندر)
دبدبہ دہشت اس کی ایسی تھی ساحل گاذ وغازہ ترسیدہ عکہ وعسقلان خوف زدہ۔
متصل ہی لگا ہوا رمّون، خوبصورت دمشق کا خوش باش
رودہائے ابانہ وفرقاران کے زلال کنا روں پر
کیسا بیت الہ میں دیدہ دلیر اک جذامی کو اس نے ٹھکرایا
فیض عیسیٰ سے ہو گیا جب ٹھیک نام لیوا ہی اس کا بنا
احض اس کا خراب مے منصور، کر کے بیت اللہ پلید نجس
احض نے، اس صنم کا نام کیا، دین اس کا شعار شام کیا،
جن خداؤں پہ پیش دستی تھی،
دی نیاز اور نذر بھی ان کو اور انہی کے حضور سجدہ گذار۔

پھر ہوا رو نما نیا ٹولہ — خوب جن کا اتہ پتہ مانوس،
ایرس آئسس ارس ایسے ایرے غیرے بھی، نتھو خیرے بھی،
جن کے حلیے ڈراؤنے بھدے، جن کا جپ جاپ ٹوٹکے منتر
نا سمجھ ساحرانِ مصری نے اپنے ان اوڈ دیوتاؤں کو ہیکلیں دیں خلافِ انسانی۔ (وحشی)
یا بنی اسرائیل یاد کرو قبطیوں کا وہ زینہ (سونا)
تم کو بو جھل ہوا تو سامری نے عجل تیار کر دیا اس کا،
اک قدم اور بڑھ گیا فرعون، خالق کل کو بیل کی مانند
دان و بیتال میں بنا ڈالا گھاس چرتا (جگالیاں کرتا)
دفعۃً جاج نے کیا نازل صیحۃ — یعنی اک عذاب کی رات
جب پلوٹھی کے لاڈلے بچے اور خوار — صنم — (غلط معبود)
طرفۃ العین میں تباہ ہوئے۔
بلیل آیا عقب میں سافتہ سا سخت بدذات اور نفس پرست
حق میں عصیاں برائے عصیاں کے کوئی ایسا نہ عرش سے اترا۔
نہ تو اس کا کہیں پہ تیرتھ تھا، نہ ہی اس کے کہیں دوار استھان عود کی دھونیاں مہکتی تھیں۔
گوئی سبقت ربود ہاں لاریب، منبروں پر سنگھاسنوں پر وہ۔
اس کے دم سے تھے دہریے راہب، جیسے ایلی کے ناخلف بیٹے
جو ہوا و ہوس سے آلودہ بارگاہ الہ کرتے رہے۔
سارے ایوان اور سب دیوان اس کے زیر نگین آئے تھے،
اور ڈنکا اسی کا بجتا تھا سارے عشرت قماش شہروں میں۔
اونچے اونچے کلس سے بھی سرلا وہ دھما چوکڑی کا غل مچتا،
پیش دستی، دراز دستی — عیش، بادہ آشامی و ہوس رانی،

اوڑھتی ہیں نقابِ شب گلیاں بیٹے کھل کھیلتے ہیں بلیل کے،
ہیں رہس گھر سدوم کی گلیاں!
جبیہ کی سیاہ رات کی بات، میزباں نے بہ امر مجبوری
جب حوالے کیا کنیزک کو تا نہ بدتر ہو آبرو ریزی۔
دیوتاؤں کے یہ گور گھنتال شانتی، شان، شور، شکتی میں۔
جانشینوں کا دور آئے گا، ہوں گے ان سے دو چار ہاتھ وہ آگے۔
آیونی دیوتا، وہ ان داتا نسل جاوان (ابن یافث کے)
جن کے ارض و سما (یوری نس۔جی) باوا آدم تھا اماں حوا تھی۔
ان کے اپنے یقین کے مصداق
پوت ٹیٹان تھا پلوٹھی کا آسماں کے کثیر کنبہ میں،
جن کا ورثہ زحل نے چھین لیا، عمر میں اگر چہ چھوٹا تھا۔
ابن ریحہ، زحل کا بیٹا جوو، باپ سے زور میں زبردستی،
وہ چلا چال، جیسے کو تیسا، اور اقلیم صاف ہتھیالی۔
وہ کریٹ ایدا میں بڑا مقبول وہ وہاں سے چلا تو جا پہنچا
درمیانِ گُرہ المپس کی سرد، سن، برف پوش چوٹی پر
ڈلفیہ کے پہاڑ پر بھی تھا آستانہ تو دودنہ پر بھی،
ہر جگہ سرزمین ڈورہ میں زحل پیر کے وہی ہمراہ،
ادریہ سے گذر کے پھر آیا ہسپری کے ہرے بھرے کھیتوں
اور ان دور کے جزیروں پر — گھومتے تھے جہاں کبھی قلطی
ایک جم غفیر میں سارے بلکہ ان سے بھی ماسوا پہنچے،
تھیں نگاہیں جھکی جھکی نمناک،

اک رمق سی نمو مسرت کی، اک رمق ہی سہی، ہویدا تھی،
اس سبب سے کہ یہ وڈیرہ تو یاس و نومید سے ہے بیگانہ۔
تھے زیاں کار بے زیاں گویا (بے زیاں وہ بزعم خویش مگر)
رخ کی رنگت اڑی اڑی، پھر بھی فطرت کبر پردہ پوش اس کی
مایہ افتخار و نازش تھا وہ تکبر (اپنی کی خاص دلیل)،
پیرہن میں بلیغ لفظوں کے، واقعی کم سہی، وقیع بھی تھا
پست و دوں ہمتی کو للکارا یوں کہ خدشات چھٹ گئے یکسر،
پھر تو اک نعرۂ بزن گونجا،
جنگجویانہ شورشوں کے ساتھ چیخ اٹھے کوس دف طبل قرنائی
سرکشیدہ کرو عظیم لوئی۔
ایک بلینڈ افرشتہ (بلعم سا) جم، عزازیل، دست راست اس کا (بگولہ۔ ملک الموت)
مدعی یہ کہ منصب اس کا ہو پرچم افرازی و علم داری۔
اک عصائے طلائی پر اس نے خسروانہ نشان لہرایا،
دیکھتے دیکھتے شتابی سے سرکشیدہ درفش قبہ دار جیسے جگمگ شہاب ثاقب ہو۔
ہیرے موتی جڑا صفا چم چم دیومالائی اسلحۂ وافر،
خوبصورت نمائشات ظفر
رجز انگیز دھات کی دھاڑیں، دھم، دھما دھم کی دھوم دھام دھنیں
جن پہ وہ حشر نشر نڈی دل یوں دھاڑ اٹھا پھاڑ پھاڑ گلا
جی جہنم کا جل بھڑک اٹھا من ہر اک کا دہل دھڑک اٹھا
بلکہ ہل چل مچی تمام اس پار شب یلدائے قبل تکویں میں۔
چھید کر تیرگی کو ثانیے میں تھے محیط نظر علم ہی علم اور وہ تھے نہ دس ہزار سے کم۔

ارغواں رنگ تاباں و پرآں،
اوران کے جلو میں نیزوں کا اک گھنا بن اچانک اُگ آیا،
یوں گھٹا ٹوپ خود اٹڈ آئے، اتنی صف بستہ گنجلک ڈھالیں
کہ کھوے سے کھوا چھلے جیسے۔
کوچ نقارہ یک بیک باجا اور توماں قشون قاہرہ کے --- اردوئے منضبط، پری ٹوری (ف)
ٹھگ، تلنگے، ینی چری، قازق، ترکماں، غز، مغول، پنڈاری (ف)
چل پڑے زیر و بم پہ نغموں کی،
کھرج میں ڈوریائی شہنائی، سارے گاما کی دھیمی استھائی،
یہ عجیب و غریب لے کیا تھی
جن کی تاثیر سے متین بزرگ، لیس بھٹی میں جنگ کی کودے؟
غضب و غیض کے عوض دل میں سانس اب لے رہی تھی جیداری،
ایسے اڑیل، اچل، اٹل نہ کرے خوف اجل کا بھی، شرمناکی سے
لیں وہ راہ فرار و پسپائی۔
نہ تھا فقدانِ جذبِ جاں بازی مَسِ مضبوط ازالہ کرتا ہے
دہشتی، وحشتی خیالوں کا اور فوری کرے ففرو سب
رنج، شک، خوف، کرب، یاس، افسوس ان امر نا امرد ماغوں سے
ایسے عالم میں، دمبدم، دم دار ٹھیگر اکشوہنی نری دھن میں (ف)
ہلکی ہلکی نضیریوں پہ خموش گرم بھوبل پہ چل رہی تھی یوں جیسے تلووں کو آنچ سہلائے
تا بحد نگاہ صف بستہ ہلکی ہلکی نفیریوں پہ خموش، گرم بھوبل پہ چل رہی تھی یوں
جیسے تلووں کو آگ سہلائے!
اک محاذ طویل ہیبت خیز، اسلحہ خیر گی فزا، سر تیز

سونت کرپانیں تان کرڈھالیں، وردیوں میں قدیم بانکوں کی
حکم کے منتظر، بگوسردار،
غائرانہ نگاہ وہ ڈالے سارے ہتھیار بند دستوں پر اور لے جائزہ قطار قطار۔
قامتیں قاعدے سے ترتیبی‘ خوشخط انداز سے لگے چہرے‘
آخرکار احتیاط کے ساتھ گنتی ان کی شمار کرتا ہے
جی میں پھولا نہیں سماتا ہے، زور حشمت کی یہ فراوانی
چشم انسان سے نہ گذری تھی‘ فوج شیرازہ بندیوں پہلے
دبدبہ اس قدر کہ دنیا میں دھاک بھی چاردانگ بیٹھی ہو۔
جیسے پدّوں کا وہ پیادہ دل جس پہ سارس کلنگ ٹوٹے تھے،
پھر فلیگرا کے دیوزاد تمام جو نژاد شجاع کے شامل
تھیبز والیوم میں نبرد آرا،
(مدعی) جانبین کو حاصل کمکی دیوتاؤں کی امداد۔
اور وہ گونج ہے بپا جس کی ابن اوثر کے نقل وروماں میں
(بادشہ آرتھر) کمر بستہ ساتھ برطانوی وارموری سورماؤں کے سوربیروں کے
یا وہ بے انت بے شمار کثیر
جملہ سرباز من چلے ساونت، کفر خو یار ہین بپتسمہ
جو کہ گھمسان رن میں کھیت رہے، اسپرامانٹ، ماٹل بن میں،
یا مراکش، دمشق، طربوں میں۔
یا فرستادہ بزرطہ سیاہ آئے افریقیہ کے ساحل سے
(پانیوں میں اٹلہ کے بسکہ سے)
شارلیمان اور اس کے ڈیوک جب فنٹربہ میں خس بدنداں ہوں

بے حساب اس قدر جواں ہمت آدمیت نہ کھا سکے لگا،
سرِ تسلیم خم کئے دیکھا راکھشس دل پچی کو ان سب نے،
اپنی سج دھج میں صورت مینارہ۔ ان کے مابین وہ نمایاں تھا
رخ پہ مدھم نہ تھا جبلی نور،
وہ رئیس الملائکہ بالکل اب بھی (البتہ راندہ درگاہ)
نہ تھا افزودئی جلال میں فرق،
جیسے دھندلی افق میں جھانکتا ہو نیا سورج مگر کرن کترا
یا شفق ملگجے گرہن میں جب
نصف قوموں پہ چاند کے پیچھے کل مضرت رساں بکھرتی ہو
خوف سے انقلاب کے (بدفال) بادشاہوں کے دل دہل جائیں۔
تیرہ فام، اس پہ بھی الگ سب سے وہ رئیس الملائکہ جھلکے
رخ خشونت سے داغ داغ بھی گو، اور رخسار پھیکے پھیکے سو،
جن پہ سوچوں کے سائے بھی گہرے۔
بے تکی جرأت ابروؤں سے عیاں، آشکارا تکی تکبر بھی
وہ کمیں گاہ انتقام میں تھا،
دیکھ کر جرم کے شریکوں کو اس کی خوں بار چشم قاتل سے
تھی فزودہ چکیدہ باریدہ خستگی و فسردگی کیسی
یہ سب اس کے وہی حواری تھے جو رہے تھے جوار رحمت میں
لیکن اب غیر مختتم ایذا ان کا مقسوم دردناک بنی۔
اس کے استکبر وابی کے تان وہ بیدم آ تمائی سنت مہنت (کھربوں سے زیادہ)
نیچے عرش بریں سے آن گرے،

پھر بہ پاداشِ سرکشی سارے ابدی عظمتوں سے دور ہوئے
بے نیازِ زیاں مگر دیکھو سب کے سب جاں نثار حاضر تھے
آن بان اور کر و فر معدوم۔
آسمانوں کی آگ (یعنی برق) جس طرح بے دھڑک بھسم کر دے
پربتی چیل شہ بلوط بنی ٹنڈ منڈ اگنیوں میں جھلسی ہوئی، چوٹیوں کو لئے ستادہ ہوں۔
(جنگل کے)
آتشیں راکھ راکھ میداں میں — تھے کبھی جس طرح تناور پیڑ —
اب انہیں وہ خطاب کرتا ہے، جھٹ پیارو میں پرے دُہرے
اردگرد اس کے برچھیاں بھالے تانتے ہیں دو نیم ہالوں میں —
سب خموش اور سب سراپا گوش۔
سعی میں بولنے کی وہ سہ بار (قاریو) سرمہ در گلو نکلا،
ضبط کی سعی رائیگاں، امڈے اشک جیسے سروش روتے ہوں،
آخر کار تانے بانے میں خنک آہوں تنک کراہوں کے۔
تند الفاظ کا بندھا تانتا:
''او مری ان گنت امر روحو، قوتو بے بدل — مگر وہ تو
قادرِ مطلق آ گیا آگے، ٹھن گئی، اس سے پڑ گیا پالا،
پھر بھی وہ معرکہ قبیح نہ تھا — گو نتیجہ بڑا خراب ہوا
یہ خرابہ ثبوت ہے اس کا، یہ برا حال یہ بری حالت،
درگت ایسی بنی کہ جی اوبھے، سرسری بھی اگر بیان کروں
پر کہاں کوئی صالحانہ ذہن حال و ماضی کے واقعات کے ساتھ۔
پیش جوئی و دور بینی سے سوچ سکتا تھا احتمال امکاں

کہ فرشتوں کا لشکرِ جرار، یہ جو ہے سامنے یہی لشکر
پا گریز اور منہزم ہوگا
تاہم اس کا نہیں یقین کسے یہ جری فوج شیر دل عسکر
ایسے نقصان، اس گزند کے بعد سہہ سہا کر ہزیمت ایسی بھی
جس کا خمیازہ اب ہے یہ بن باس، سونی سونی اداس اداس ارم
بار دیگر صعود اگر چاہیں کامیابی سے ہمکنار نہ ہوں،
اپنی ہمت کے بل پہ ہم اٹھیں، تو جنم بھوم پھر نہ قبھالیں
عرش کی فوج اس پہ شاہد ہو— گر بہم اتفاق رائے نہیں،
یا مجھے، ہو گریز خطرے سے تب تو بے شک ہو آس ملیامیٹ۔
ہاں وہ فرمانروائے عرش نشیں کرسی خود پہ قائم و مصئون،
جب تلک ساکھ پرانی ہے یا رضا و قضا کے حیلے سے
ٹھیک اس کی شہانہ عظمت کا مہر نصف النہار پر چمکے۔
اس کی شکتی کی گیت باگی تھی سعی تھی مبنی غلط فہمی،
ہم نے فولاد سے کیا پنجہ رنجہ ہے ساعد سیمیں،
یہ ہے اپنے ہبوط کی توجیہہ۔
زور اب آشکار اس کا ہے اور اپنی بساط بھی معلوم،
کیوں نبرد آزمائی کا اعلان، اور بے کار لرزہ بر اندام،
جب نہیں ہم حواس باختہ ہیں کیوں نہ ترکیب سے چلائیں کام
مکر و تزویر اسلحہ کر کے آج یزدان کو شکار کریں
کیوں ظفر کا مدار قوت پر؟ بلکہ ثابت یہ کلیہ ہم سے
وہ جو قوت سے غالب آتا ہے، ادھ موا ہی عدو کو پاتا ہے،

بازی کن کی ہے تماشازار، جو وسعت بروفقید کنار،
اب اسی ضمن میں اڑی ہے خبر
جلد تکوینِ توجہاں ہوگی جس میں اک نسل احسن التقویم
زورِ منشائے ایزدی کے طفیل ہمسرِ اہل عرش ٹھہرے گی۔
لے سکیں ٹوہ گر تو ہم اس پر اک جوالامکھی سا پھٹ پھوٹیں
(یوں "تعز من تذل" کی کاٹ کریں)
یاوہاں جائیں یا کسی جا اور — ہم پہ اخدود کی نظیر ہو کیوں؟ (ف)
ہم کہ ارواح عرش زادہ ہیں، اس جہنم کے خانہ زاد نہیں
یوں بھی تا دیر ظلمتِ اسفل ہم کو ملفوف رکھ نہیں سکتی،
کیجیے غور وفکر کی باتیں خوب پختہ صلاح کاری سے،
امن پر آشتی پہ لعنت ہو، کیوں گلو بار طوقِ طاعت ہو؟
جنگ، ہاں جنگ پر کمر بستہ،
ہاں نبرد آزمائی کھل کر ہو یا قدم پھونک کر رکھیں۔
وہ مخاطب تھا اور کرتی تھیں اس کے ایک ایک لفظ کی تائید
وہ زبانہ زبان شمشیریں جو لکھوکھا یہاں وہاں نکلیں (شعلہ)
بے دھڑک سورما میانوں سے
اور جن کی چمک سے دوزخ میں تھی چکاچوند چار سو چوچند،
مطلقاً ماورائی تاؤ میں کبریا کے خلاف بنکاریں،
یوں اشیری حریف للکاریں، ناگ جیسے غضب میں پھنکاریں،
بھینچ کر مٹھیوں میں ہتھیاریں گونجتی ڈھال پر بزن ماریں
باغیانہ وغا کا غل غوغا — قابِ قوسین پر کرے ریلا

زور طغیانِ سرکشی پر زور۔
اک پہاڑی کی کھردری چوٹی، آگ اُگلتی، دھواں نگلتی پاس،
تھی چمکدار پاپڑی چکنی صاف غماز پیٹ گھپ اس کا
خام دھاتوں کا اک دفینہ ہے، جسے گندھک نے کر دیا مائع۔
اس پہاڑی کی سمت سرعت سے اک بریگیڈ ہو گیا پرّاں،
لیس جیسے کوئی سفر مینا گینتیوں، بیلچوں، کدالوں سے
جیش شاہی کے پیش گام چلے دمدمے خندقیں بنانے کو
لکشمی رہنمائی کرتی تھی ــــ جنہیں آکاش سے ملا بن باس
لکشمی ان پیاچیوں میں سے جو فتنہ روزگار بڑھ کر تھی (بھوتنیوں)
کیوں کہ آکاش میں بھی یہ دیونی کرم اور دھیان میں تھی ناسوتی۔
کوئی روحانیت سے لہنا تھا' نہ اسے قدسیت سے دلچسپی
نہ سراجِ ربوبیت کا کشف
وہ یہ رطب اللساں کہ جنت میں تھی زر و سیم کی فراوانی،
پٹڑیاں اس جگہ مرصع تھیں، زرنگاریں تھے پائیداں پشتے،
کی پہل، اور پاکے شہ اس کی ابنِ آدم نے بطنِ گیتی کو
دور پاتال تک کنگھال دیا، اور اپنے پلید ہاتھوں سے
دھرتی ماتا کی کوکھ میں جو بھی تھے وہ دفینے تمام نوچ لئے
یہ مہادھن چھپا غنیمت تھا۔
جلد ہی لکشمی کے ماتوں نے اس پہاڑی کا پیٹ چاک کیا،
چن دیئے کھود کھود کر کانیں سونے چاندی کے قیمتی کھلیان
اس جہنم کے مال دولت کو چاہیئے کوئی جی نہ للچائے،

بیش قیمت سہی مگر یہ نحس ہو مبارک اسی کی مٹی کو۔
سخت تنبیہ بھی انہیں کیجئے عارضی شے پہ ہے، جنہیں غرہ۔
وہ جو بابل کے گیت گاتے ہیں، اور ممفس کے تاجداروں کے
شاہکاروں کو یوں سراہتے ہیں ہو خصوصاً انہیں یہ آگاہی
یادگاریں شہیر، عالی شان باہمہ پختگی وصناعی
یہ نجس بدپلید بھوت پریت دم زدن میں کھنڈر بنا ڈالیں
یہ الگ بات آپ پھر ان کے ان گنت ہاتھ سخت محنت سے
مدتوں، مدت مدید میں بھی ایسے کار عجب نہ کر پائیں
تھے زمیں دوز چند خوراہے
— جن میں سیال آگ کی لہریں سیلیئ سیل کی تماشہ گر
بدفرشتوں کا ایک جم غفیر، ماہرانہ ہنروری کے ساتھ
خوب خوراب کو بلو متھ ٹھوس بھاری فلز کو پگھلا کر
دیدہ ریزی سے بیند بیند کھرے سونے چاندی کا کف اتارتا تھا۔
اور اب تیسرے گروہ کی بات
جو کچھاروں گپھاؤں میں کر کے کھلے ڈیوٹ جھپا جھپی تعمیر
اندر اندر زمین کے نیچے حیرت آوردنی وسائل سے
اس کفِ سیم وزر کو لا لا کر بھر رہا تھا ہر اک تہی گوشہ،
مانو لبریز راگ سے باجا
جس کا ہر خانہ ایک پھونک کے ساتھ زمزمہ خیز و بانوا ہو جائے
جل پری کی طرح زمین سے اک خوبصورت مکان ابھر آیا،
جیسے تازہ گلاب سانس بھرے، نرم ٹھمری میں انترہ ابھرے،

سندر اسٹوپ یا شوالہ ہے۔

چار سو شش ستوں جداری تھے، ساخت میں جن کے پیل پایوں کی

خاص ڈورس کی پر ہنر جھب ڈھب، خوب نقش ونگار، گل کاری (یونانی ڈورس کی طرز)

طاق نقشیں، منبتی مرغول

استری پٹیاں پلینڈوں کی، کارچی کے کنگنی گگر

چھت معلی بھی تھی، مطلّی بھی

کہ نہ تہذیب کے عروجوں پر بابل وقاہرہ — عروس بلاد —

اس شکوہ و جمال کو پہنچے۔

نہ بیالوس یا سراپس کو تھے مقدر صنم کدے ایسے

ان کے لات ومنات یہ اصنام۔

اور نگ آرا فراعنہ کی بھی شان وشوکت نہ ہم چنیں امثال

مصر کی جب فزوں فراوانی چشمک انگیز اشوریہ سے تھی۔

اس طرح کے ہی عرش بوس یہ اہرام قامت وقد میں سر برآوردہ۔

پھاٹک اس کے بڑے گھمبیر سخت پتیل کے نیم باز کواڑ

دور تک جن میں آنکھ جھانک سکے اور دیکھے نظارہ حیرت ناک۔

ایک رقبہ کشادہ، ژرف، وسیع، روشیں صاف، چیکنی، ہموار

سقف محراب دار آویزاں، اثرات طلسم وافسوں سے

جگمگاتی ہوئی فتیلہ سوز مشعلیں سینکڑوں قطار قطار،

جھاڑ فانوس چومکھا قندیل رال روغن سے سب چراغ جلیں، (ایک قسم کا دیا)

یوں بکھرتا تھا نور چھن چھن کر جس طرح جوت عرش سے پھوٹے

جلد باز اژدحام وصف سرا اس عمارت کے اندر آن گھسا،

بعض تعمیر کو اٹھاتے تھے، بعض معمار کے ثنا خواں تھے

یاد ہو خوشنما ہنری مندی یہ عمارات عرش میں اکثر جھلملاتی تھی امتیازانہ

تھے فروکش وہاں عصا بردار الملائک کہ جیسے شہزادے

مسند آرا ہوں ٹھاٹ باٹ کے ساتھ،

متفرق عظیم طبقوں کی سند صاحبی عطا جن کو

قادرِ مطلق و معلم سے مرحمت طرفہ طرہ وطغری

کہنہ یونان میں نہ تھا یہ نام غیر مانوس بے پرستندہ،

ملک اٹلی میں لوگ باگ اسے ملسی بر پکارتے تھے،

اور اس کے ہبوط کا قصہ یوں مزے سے بیان کرتے تھے

"مشتری نے اسے کنگوروں سے تاؤ کھا کر ادھر میں دے مارا،

گر گیا تو گرا لگا تار اور متواتر چلا گیا گرتا

صبح سے دوپہر سکر آئی، دوپہر سے ہوا پہر پچھلا، (ٹھیٹھ۔ بھری دوپہر)

نیچے آخر وہ دھم، دھڑام گرا، ایجین کے جزیرہ لمنہ میں

عین وقت غروب یوں، جیسے کوئی ٹوٹا ہوا ستارہ تھا

وہ تو یہ واقعہ بتاتے ہیں، لیکن اس میں انہیں مغالطہ ہے،

ورنہ وہ اور ساتھ سب ساتھی، طائفہ سارا باغی وطاغی

اس سے ماقبل راندہ درگاہ ہو چکا تھا (کہ واقعہ یوں ہے)

تا بہ گردوں بنائے جو مینار، کچھ بچاؤ نہ ہو سکا ان سے

منجنیقیں، عرابے، عرادے سب دھرے کے دھرے رہے، پٹخا

سر کے بل بے دریغ جب اس کو

کہ بھرے دکھ تپاس یہ ٹولہ، مستقل اک نرک الاؤ میں

گھر گرہستی کا چاؤ پورا کرے۔
اسی دوران ایلچی پردار حکم حاکم سے مطلع ہو کر
باہمہ رعب داب، زور کے ساتھ، پیٹتے تھے ترم کے شوروں میں
لشکری لشکری ڈھنڈورا یہ:
''اہرمن زاد، ہمسر و ہمعصر، شہرہ آفاق جن کا ہے ایوان
(چنگڑوں بھنگڑوں کا اج اڈا) اسی کاشانہ ء شیاطیں میں
خاص اجلاس منعقد ہو گا'
جیش، دَل، گرد سے بلاوہ تھا جس قدر بھی وہاں تھے سر کردہ
منتخب، مرتبت منش، مندوب۔
اور چٹکی بجاتے میں دیکھو سینکڑوں ہی نہیں ہزاروں میں
آن پہنچے پکارتے لبیک، ٹھٹ کے ٹھٹ، اور اٹ گئے جھٹ پٹ
سارے حجلے' اطاق' شاہ نشیں' تہ کدے آئنہ محل ایوان
باب برساتیاں جلو خانے بے تکے جو کشادگی میں تھے
عین سلطاں کی تام جھام کے پاس، چار دیوار بند میداں میں
جنگجو سور ماجری بانکے، کیل کانٹے سے لیس، جب نجدی
شہسواروں پہ بول دیں دھاوا تو لہو میں نہائیں دست بدست
خنجروں کے قتال خونیں میں ـــــ
ان سے وہ رقبہ و حدود اربعہ چپہ چپہ پٹا کھچا کھچ یوں
سرسراتے پروں کی تندی سے بج رہی تھی زمین اور ہوا۔
مہر ہوتا ہے برج ثور میں جب، عالمِ فصلِ گل نظر پرور،
شہد کی مکھیاں وفور شباب جھنڈ سے چھید چھید چھتوں کے

مسرفانہ انڈھیل دیتی ہیں نئے پھولوں میں تازہ اوسوں پر،
یاں سے واں تک مگن مگن اڑ کر
پیال کی رس گڑھی کے آس پڑوس کی سبز ٹال کے دوارے
مومیالیپ چپ چپا بیٹھا
گھومتے پھرتے کاناباتی سے اپنے حالات کو سنواریں بھی،
ٹھوس ٹھس وہ ہجوم غیر مرئی، واں ٹھساٹھس، گھسٹر مسٹر، دھنس پھنس،
جمع اس جا پہ حسبِ اذن ہوا —
اور دیکھو جی کیا اچنبھا ہے وہ جو تھے فربہ اور قد آور،
دھرتی ماتا کے دیو ہیکل پوت جن کے جثہ کا ایک جز نکلیں،
اندر اس کال کوٹھڑی میں سب ناٹے بالشتئے جھپاک بنے
پار ہندی پہاڑ کے اوٹل جس طرح تھی اچھوت ناٹی جات
یا پرستان قاف کے بونے، جن کی بدمستیانِ نیم شبی
باؤلی کے قریب یا بن میں
عین دیکھے کہ دھیان میں دیکھے شب گرفتہ بچارا اک ہالی
جس سمے چاند ہو فسوں انگیز، (جیسے سرپنچ سارے منظر کا)،
اور دھرتی کے پاس سے اپنے پیلے رستہ پہ گھومتا جائے،
راگ سارنگ مدھ سے وہ (فتنے)
نرم مستانہ تال کا اس کے کان میں رس انڈیلتے جائیں، (یعنی ہالی کے)
اور مجہول خوف کے مارے، منہ کو آئے کلیجہ، دل ڈوبے
تھیں گرانڈیل بے بدن روحیں ٹھینگنوں کی بدل کے اب جونیں
باو یہ زاو یہ میں آوارہ ان گنت، بے شمار، لاتعداد،

دور دیوان خاص کے اندر۔
اصل حلیہ میں باہمہ ابعاد قدسیان خدائیگان نما
حسب تخمین شائد ایک ہزار چور تیرتھ کے کونوں کھدروں میں،
تھے نشستہ سنہرے گدوں پر طیف 'اصنام' راکھشس ' راون
اکثر دیبشتر نہیں بھر پور۔
آخرش سحر خاموشی بشکست، بر سر مطلب آمدند ایشاں،
سر ہم جوڑ جوڑ کر بیٹھے،
اک اہم مشورہ شروع ہوا۔

فرہنگ

اسٹائگس: یونانی دیومالا' عالم اسفل کا ایک دریا' جس پر سے چارون نامی دیوتا روحوں کو پار لگاتا ہے۔ ہندی۔ بیترنی۔
سرلا: سرلی' اونچی چیخ یہاں مراد چیخم دھاڑ
پری ٹوری: رومی لشکر کو کہتے تھے' ینی چری: ترک سلطان کے خاص سپاہی' جاں نثار
اکشوہنی: مہابھارت کی جنگی اصطلاح میں لشکر کی اکائی اس میں کئی لاکھ بلکہ کئی کروڑ سپاہی ہوتے تھے
اخدود: (قرآن میں اصحاب الاخدود) آگ کے گڑھے میں جھلتے ہوئے
(توجہ ہو کہ ساری کتاب میں بعض مقامات وشخصیات کے نام بتصرف شعری استعمال کئے گئے ہیں)۔

دفتر دوم

تلخیص

مجلس مشاورت جم گئی۔

ابلیس کی طرف سے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ آیا بازیابی فردوس کی خاطر دوسری لڑائی کا خطرہ مول لیا جائے؟

بعض تند خو جنگ جو تائید میں ہیں، بعض ایسے انتہائی اقدام کے مخالف، آخر میں اس پر اتفاق رائے ہوتا ہے کہ ایک جہان نو کی تخلیق کے متعلق جو آسمانی روایت گشت کر رہی ہے، اس کی تفصیل معلوم کی جائے اور یہ تصدیق کریں کہ جو عجیب مخلوق وہاں آباد ہے، ان سے لگا کھاتی ہے یا ہیچ ہے۔ ابلیس اس جہان نو کی بابت انہیں پہلے بتا بھی چکا تھا۔

اب یہ دگدا کہ اس ادق تحقیق کا بیڑا کون اٹھائے۔ بالآخر سرغنہ، کبیر ابلیس کی تن تنہا اس سفر پر آمادگی۔ تب تو اس کی اور ہوا بندھتی ہے، زندہ باد اور مرحبا کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ مجلس برخاست ہوئی۔ حاضرین منتشر ہو کر سیر و تفریح اور میلوں ٹھیلوں میں وقت گذارنے لگتے ہیں کہ ابلیس کی مراجعت تک اپنے اپنے ذوق کی تسکیں کے ساماں بہم پہنچائیں۔ ابلیس اپنی سنگین مہم پر روانہ ہوا۔

دوزخ کے مہیب دروازے مقفل ہیں اور ان پر خطرناک داروغہ اور دربان متعین — بصد دقت باز ہوئے اور یہ بردں آیا۔ پھر جو دیکھا تو جنت و دوزخ کے درمیان ایک بحر ناپیدا کنار حائل و حاجز ہے جسے پار کرنا جان جوکھم کا کام ہے۔ اس علاقہ کا چودھری اختلال اس کا مددگار بن کر اسے دنیائے نور کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔

سونے چاندی کی راج گدی پر—
ہرمز و ہند کے خزائن سے بیشتر آب تاب تھی جس کی
زرفشاں، زرق برق شرق جہاں
ہاتھ دھنوان سچے، بن موتی بو ہیں راجاؤں کے سروں پر سے— (مال دار)
جلوہ افروز تمکنت سے تھا— اہرمن (سرغنہ بہ اہلیت)
یاسیت سے ملی خلاف امید جب رہائی تو کیا ترنگ میں وہ
سرفرازی کے خواب لینے لگا۔
کس قدر اضطراب، دو دو ہاتھ، رائیگاں ہی سہی مگر ہو جائیں
پھر بہشت بریں کے والی سے،
خام، برخود غلط فریب زدہ یوں ہوا بے گمان حرف زناں:
"اقتدار، حکومتو او نچے آسماں کے بزرگ اوتارو!
خواہ کیسی شکستہ وخستہ، دھیرج اس بات سے برابر ہو
آس وشواس اتھا ساگر میں ڈوب سکتی نہیں امر شکتی۔
میں نہیں مانتا کہ ہے فردوس واقعی اپنے حق میں گم گشتہ،
بالیقیں بعد اس زبونی کے ہم علوئین بن کے ابھریں گے۔
یہ کمال وزوال ناٹک ہے، بلکہ سرّا ابھی ہے پس ضرّا، (دکھ کے بعد سکھ)
گر بلندی شکوہ افزا ہے تو یہ رد عمل ہے پستی کا
ہم ہیں خود اعتماد، دیگر بار شوم بختی کا حیف اندیشہ۔
متعین ہوا تھا صبح ازل ہاں بجا قائدِ ملائکہ میں، حق بحقدار کا معاملہ تھا۔
شامل امر تب مشیت تھی، اب میسر تمہاری یہ تائید۔

ہوں سزاوارِ منصبِ اعلیٰ۔
میں تدبر کا پیک شوریٰ میں، جنگ میں پیکرِ تہور میں (قاصد)
ماسوا یہ شکست عبرتناک (باہمہ ایں تلافیٔ مافات)
تختِ بے مدعی کی ضامن ہے۔
میں بزورِ حمایتِ اجماع نعرہ زن ہوں ـــ انا ولا غیری۔
بات واضح ہے، ہو اگر بالفعل جنتِ عرضہا السّمٰوٰتُ
اس حسیں ناحیہ میں اہلِ نعم چشمِ آشوب بن بھی سکتے ہیں
بہرِ اصحٰب فی عذابُ النار۔
ہمسری کا ہے کون سودائی اس سے اتم ستھان کے ناتے
جو مہادیو کے نشانے پر سینہ تانے کھڑا ہو ـــ یہ بپتا
کشٹ کتنی ہے کوئی کیا جانے۔
ہو اگر سعیٔ مہمل و مجہول، کیا محل ٹھوٹ سر پھٹول کا
ہم جہنم میں ہیں یہاں کس کو گوئے سبقت ربودنی کا فتور،
کون ایسا سفیہہ یا کودن، کون اس اوکھلی میں سر دے گا؟
کون ہو جان پر بنی جس کی ایسا مورکھ ہے، من چلے پن سے
اور جھنجھٹ کٹھن سنگھیڑ دے گا؟
صورتِ حال سازگار ہے بس ـــ متحد، منضبط، منظّم ہم
(جس کا امکاں فلک پہ تھا کم کم)
مدعیٔ ترکۂ قدیمی کے ـــ جس کے ہم وارثانِ برحق ہیں،
بازیابی کے اس جدال میں تو
کامرانی سے ہمکناری میں لازماً آج کامراں ہوں گے

کون سا بہترین حربہ ہو؟ لام یا گھات، داؤ یا دھاوا؟
کارگر گر کی بات کرنا ہے، جو پتہ کی سُجھا سکے — بولے
چپ ہوا وہ قریب حاضر تھا لب کشائی کو ہمنشیں مالوق
صولجاں دار شاہ، طیفِ ژیاں۔ (عصا)
جو فرشتے ستیز کار ہوئے سرِ گرداں، بڑا دبنگ ان میں
ترشروئی و تند خوئی پر یاس دو آتشہ ہوئی جیسے
حی و قیوم کے (بزعم خویش) وہ مساوی، نہیں تمیں اس کے
سب وجود و عدم برابر تھا
ہو تمنائے زیست اگر، ڈر ہو، ورنہ دوزخ کہاں کی، یزداں کیا
گوشمالی و سرزنش کیسی؟
تھا نڈر بے لگام بنکارا "میری مانو تو بول دو ہلہ —"
میں یہ شیخی نہیں بگھارتا ہوں ہے دغل میں گراں مرا پلہ، (مکاری)
یہ مبارک انہیں جو ہیں پرکار، لامحالہ جو سخت واقعہ ہو۔
بات سیدھی سی تا بہ کے باہم گرم کج بحثی چناں و چنیں؟
کیا لکھو کھا جوان بکتر پوش منتظر ٹکٹکی لگائے رہیں
کب اشارہ ملے کہ چڑھ دوڑیں۔
یہ بھگوڑے سورگ کے چپ چاپ توڑ کر ہاتھ پاؤں بیٹھ رہیں
شاکر اپنی فرودگہ کے عوض ایسے منحوس، پوچ، گھپ بھٹ پر
اس کی قہاریت کا بندی گھر، حکمرانی ہوئی جسے مقدور
ہم رہیں گومگو کے عالم میں۔
ما مضیٰ، چاہیے ہمیں فی الوقت 'عزم بالجزم' اک امٹ جذبہ (جو ہوا سو ہوا)

سار بوہار، ہم مسلح ہیں دوزخی لاگ آگ لاٹوں سے۔ (اسلحہ بند)
پیشقدمی ہو جارحانہ اب آسماں کے رفیع برجوں پر،
قہرماں کے خلاف ٹکرائے مہلک آلات بن کے مظلومی،
اس کی اسپات توپ کی گنجار اپنی ہڑبونگ میں نہ کان پڑے
غل وغوغائے غدرِ طاغوتی۔
خیرہ بجلی پہ کوند کر برسے تیرہ کجلائی آگ کا تاؤ
پیہم اس کے ملائکہ پہ — سعیر،
اس کی کرسی لپیٹ میں آئے اس مرکب تار کی گوگرد (گندھک)
اور اگیا بتال ایندھن کے — ہر بلا آں جناب کی ایجاد، (چھلاوہ)
اور خود کردہ را علاجے نیست
پھر یہ دھڑ کا کٹھن ہے پگڈنڈی، ڈانگ پر رینگتی گگن کی اور،
اس پہ چڑھنا کڑا ہے آڑے پنکھ،
اس سمے جب ڈٹا مچان پہ ہے وہ مہابیر، وہ مہابیری۔
وہ جنہیں یہ وچار ہے — پہ نہیں
شل بھلاوا تلاؤ سے چھک کر الکسی تلچھٹوں کے کاس ابھی،
وہ سنیں، راس چکرورن کی ہے جنم بھوم تک انوپ اڑان،
آتمائی وجود یہ منڈلی گھپ کڈھب گھائیوں میں جا اترے
اور کھڈ کھائیوں میں گڑ جائے۔
یادِ ایام — ہو ذرا احساس جب معلق تھا دشمنِ خوں خوار
ساقۂ منہزم پہ، لاف زناں،
بھداڑاتا ہوا، تعاقب میں تا بہ تحت الثریٰ — وہ پسپائی —

چور، مجبور، مضمحل مفرور، من لہو روئے، مان چکنا چور۔
سہل ہے پھر عروج — البتہ واقعہ سے ہیں دل سراسیمہ۔
آؤ شوشہ نیا کھڑا کر کے ال قوی کو چراغ پا کر دیں،
آتشِ قہر خوب بھڑکائیں، تند شعلوں میں ہم بھسم ہو جائیں،
ہے سقر ہی مقر تو فرق نہیں جس طرح قلع قمع ہو جائے۔
اس اگن بھوم میں تو جھونک دیا اور بدتر بھی ہے ٹھکانہ کیا؟
اف بہشت بریں سے حکم سفر، ٹھاہ یہ ٹھوٹھ ٹھور ٹھیا ٹھاہ (برباد)
حیف یہ قعرِ نحس پروردہ اور ہم لوگ راندۂ اندوہ،
تختۂ مشقِ بے اماں ہر دم
ہو افاقہ (شفا تو کیا ہو گی) کوئی صورت نظر نہیں آتی،
قابلِ دار، موردِ زنجیر، ہم بساط عتاب کے مہرے
یہ کٹھن وقت، یہ کڑا کوڑا، حکم یہ ہم پرائسچت کر لیں، (توبہ)
یہ ہے امرِ محال، ہم چاہیں خود مٹیں یا کوئی مٹا ڈالے۔
وسوسہ یا گماں ہے کچھ اب بھی؟
کیوں دلائیں نہ اشتعال ایسا ہمیں فی الفور وہ کرے فی النار،
خاک ہو جائے لابدی جوہر — فبہا ہے بدرجہا، کہ رہیں
حزر آفات جاوداں ہو کر،
فی الحقیقت اگر یہ قدوسی جوہر جاں فنا پذیر نہیں
تو بھی اس حالت زبوں پہ تفو، ایسی ہستی ہے نیستی گویا۔
ہر قرینے سے یہ نمایاں ہے، ہم میں بوتہ ہے عرش اعظم کو
حسب منشا کریں تہ و بالا۔

ولولہ خیز غلغلہ، ہلہ، ہلا آ کال تخت لرزا دیں،
وہ اگر دسترس سے باہر ہے، اور اغلب نہیں ظفر مندی،
نہ سہی، لیکن انتقام کی آگ (میرے احباب) کچھ تو ہو ٹھنڈی
کی زباں بند اس نے چیں بہ جبیں، تھی ملامت نگاہ میں، کیوں ہو
جذبۂ انتقام امید شکن۔
آنکھ میں تھے لڑائی کے تیور، عندیہ صاف واشگاف کہ ہوں متصادم ملائکہ باہم
دور کونے سے اب اٹھا بُلبُل ـــــ نرم خو، صاف گو، شگفتہ رو
آسماں سے ہوا نہیں ہو گا کم طرحدار وصف میں ایسا،
کرّ و فرِ سلیم کا حامی، کاروبارِ عظیم میں نامی۔
اب مگر وہ تکا کرے تھا کھڑا، ایک ہُو کا سماں، نزی چھایا۔
بلبلِ طوطیٔ شکر خا جب بات امرت چُوائے کانوں میں
صائب الرائے اہلِ بینش بھی بوکھلاہٹ سے گنگ ہو جائیں
خاص فکر رسا سے وہ محروم، تھا ہمیشہ رجوع بالمنکر، دائما منحرف عن المعروف۔
تاہم اس قول خوب کے مصداق
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا،
ہے وہ رطب اللساں سرِ مجلس بہر ترغیب نرم لہجے میں
ہمسرو، ہم نژاد ہم زادو! دشمنی میں نہیں ہوں میں ہیٹا،
میں بھی تائید تو ضرور کروں بے تکاں کشت وخوں کی ـــــ البتہ
فوراً اعلان جنگ میں مانع یہی منطق ہے قاطع برہان
فتح میں بھی شکوک فطری ہیں۔
وہ جو لاتا ہے بیچ میں تلوار بات کرتا ہے جھٹ لڑائی کی

وہ ہے اپنی شکست کی آواز،
ہے ہراس وفنا کے پاٹوں میں ریزہ ریزہ دلاوری اس کی
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے — انتقام، انتقام، خون کا خون،
کچھ تو بتلائیں کون سا بدلہ اور کیسے قصاص میں یلغار؟ گھات شب خوں کمیں پہ کیوں آخر؟
(آزمودہ را آزمودن جہل)
آسماں کے تمام برجوں پر سخت، ہتھیار بند پہرے ہیں
سوئی کا بھی گزر محال ہوا۔
جا بجا سرحدوں میں اندر تک چھاؤنی چھائی ہے عساکر کی،
نرم پرواز مخبروں کے پرے پھر رہے ہیں قراولی کرتے،
شب یلدا کی اس قلمرو میں کوئی غفلت زدہ نہیں — ورنہ
ان پہ ہم ناگہاں ٹوٹ پڑیں —
مسئلہ یہ ہے — اور یارا ہو صف بہ صف ان میں ڈال دیں رخنہ،
حملہ آور عقب سے دوزخ کی دندناتی ہوئی کمک پہنچے،
اور آکاش کی تجلی کو گھورتا کے شدید ریلوں سے ملجگا ملجگا دھواں کر دے۔
تب بھی لیکن ہے یہ قوی امکان
وہ حریف کلاں، خدائے بزرگ، لم یزل، دام قائم بالذات
وسیع کرسیہ، منیر چراغ،
قدرت کاملہ سے یہ اپنا فتنۂ سرکشی کچل ڈالے
بے کثافت کرے لطافت کو، بار دیگر بھی سرخرو نکلے
دے ہزیمت کہ آخری امید یاس کی قبر میں اتر جائے
آؤ اس فاتح ازل کو ہم اور ناراض و خشمناک کریں،

اس کی برق غضب بھسم کر دے، کھیل اپنا تمام ہو جائے۔
نیستی میں نجات مضمر ہے — دل شکن مشورہ ضرور، کہ ہے
سابقہ مرگ ناگہانی سے اور کس کو نہیں ہے جان عزیز —
غم رسیدہ، فلک زدہ، مطرود، کب رضامند ذی شعور اس پر (فرہنگ)
کہ رسا فکر کالعدم ہو جائے جو ابد کی حدوں کو چھوتا ہے،
وہ شب زشت و نادمیدہ کی گھور گھمبیر کوکھ میں کھو جائے،
بے حس و بے حیات ہو جائے — لمحہ فکریہ — سند کیا ہے
بخت ہو سازگار، کیا قہار قادرِ مطلق و مجاز نہیں؟
یہ عقیدہ بھی ایک خوش فہمی وہ علیٰ کلِ شی قدیر نہیں۔
وہ روادار ہو نہیں سکتا کہ ہمارا ہو خاتمہ بالخیر،
عقلِ کُل ہے کرے گا کاہے کو ایک دم وہ نزول الرجفہ، (زلزلہ)
کیا نہیں ذات پر اسے قدرت، یا وہ رمز آشنا نہیں اتنا
کہ عدو کی مراد بر آئے وہ اگر واقعی تلف ہو جائے؟
وہ مہادیو خوش ہو گر جگ جگ ہم جئیں اپنی کرنی بھرنی کو۔
ایسے حالات میں ذرا سوچو نیک انجام ہو تو کیوں کر ہو؟
حامیٔ خوں خرابہ کہتے ہیں
ہم پہ پھٹکار پڑ چکی، اپنے بھاگ میں تو سدا بھئے کھٹ راگ،
اپنا لہنا خراب ہے اب بھی، آگے آگے بھی شامت اعمال
جو دکھائے سو دیکھئے ناچار۔
حرج کیا پھر جہاں ہے ستیاناس واں سوا ستیاناس ہو جائے
واقعی کیا بری درگت، یوں جو ہتھیار بند بیٹھے ہیں

اب مشیر وصلاح کار ہے۔
کیا مصیبت تھی جب مچی بھگدڑ سر پہ ہم پاؤں رکھ کے بھاگ اٹھے۔
آسماں سے عقب میں برساتی آگ بجلی، کبھی کڑک کوڑے،
ہانپتے کانپتے بلکتے ہم ایسے اندھے کوئیں میں آن چھپے
عافیت خانہ بن گیا ہم کو یہی پا تامال ان قروح کے بعد (زخم)
اف خرابی وخواری وخجلت — (توبہ فاعتبروا یاولی الابصار)
پھر وہی دھونکنی کہ رکھتی ہے آتش التہاب کو سوزاں
دفعۃً گرم نفخ ہو جائے،
تاؤ اس کا بڑھا کے سات گنا اس الاؤ میں جھونک دے، ہم کو
فوق سے بے دریغ وقفہ دار دق کرے بازوئے قصاص ہمیں۔
تفتہ واحمرین دایاں ہاتھ، کھول کر سب جہنموں کے گدام،
آبشاریں انڈیل دے سیال سرخ لاوے کی چرخِ ناہنجار،
غول منڈلائیں، ہول دہلائیں، ڈائنیں یوں ڈروانی ڈس لیں
کہ ہمیں وہ تہس نہس کر دیں
ہوں جو بہر مقاتلہ تیار، ڈھنگ سوچیں مقابلہ کا مہیب
تو ہمیں آگ ریل کر پٹخے، گاڑ دے سنگلاخ ٹیلوں میں،
ہم کھلونے قضا کے ہاتھوں میں، ہم دمادم ہدف بگولوں کے۔
آتش افشاں سموس وصرصر کے بحرِ بے تہ میں پا بجولاں غرق
بے سہارا، نہ یار، نے یارا،
دکھ نراشا کے گھور کلجگ سے رستگاری نہ ہو، ہمارا وہ
سخت انجام، شاق، نافرجام۔

حرب خونیں بنابریں یکساں ہو نہاں، یا عیاں ــــ نہیں منظور
اس کی تائید میں نہیں کرتا ــــ ہے دغا بھی وغا بھی لا حاصل،
وہ نظر غیب دان کون و مکاں، وہ بصیر اس سے چالبازی کیا،
اپنی ہر سعی رائیگاں کا ہے عرش سے وہ ملاحظہ فرما،
بلکہ ہیبت کذائی سے محظوظ۔
نہیں بلونت اگر کہ بل بوتے وہ ہمارے نکال دے کس بل
تو بھی حکمت سے فتنہ و شر کا ساتھیو ــــ سدباب کر دے گا۔
کیا رہیں ہم سدالعین و رجیم، ہم سماوی الاصل شوریدہ،
مبتلائے صعوبت و نکبت بلکہ پابندِ زاری و منت؟
خوب ناخوب سے مگر ہوگا تم اگر گوشِ ہوش سے سن لو،
ہم گرفتار ہیں مشیت کے، پابہ زنجیر ہیں مقدر کے،
کب کسی کو مفر ہے شدنی سے، مرضئ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔
نازل افتاد ما یرید اللہ، جبرِ قسام سے ودیعت ہے۔
اس عذاب حریق کا یارا ہے کسے، کس میں اس قدر دم خم ــــ
الٰہی کا ازالہ کیا زیرک ہو حریفِ جری پہ یلغاری
اور قرائن کا تجزیہ نہ کرے۔
خندہ زن ہوں کہ بان برچھی کے یہ دھنی ساونت، ایک باران کے
پاؤں گھمسان رن میں گرا کھڑیں، کیسے بگٹٹ فرار کرتے ہیں
گرچہ خمیازۂ شکست عیاں ــــ در بدر، رہنِ جبر، خاک بسر
کوئی آزار، سرزنش کوئی غازئ وقت جو کرے صادر،
بس یہی عاقبت ہماری ہے۔

پائے ہمت نہ ڈگمگائے اگر، دکھ یہ برداشت ہم کڑا کر لیں

نرم ال منتقم پڑے شاید — درمیاں اک دراز فاصلہ ہے،

ہم اسے زچ اگر نہ اور کریں کر چکا جو مواخذہ ہم سے

وہ اسی حد پہ اکتفا کر لے،

بھٹیاں اگنیوں کی مدھم ہوں، وہ نہ دھونکے مزید شعلوں کو

اپنا یہ جوہرِ منزّہ بھی بد بخارات پر بکھر کر سلب

منقلب یوں کہ ہم قوام بنے اس ہمارے رباطِ سفلی کا

آتشیں موسموں میں مدغم ہم پھر رہیں شاد ماں (سمندر سے)　　(آگ کا کیڑا)

رگِ احساسِ درد شل ہو جائے،

ہیبتِ بے امان نرم پڑے، ظلمتِ بے قیاس ڈھل جائے

ماسوا — رخشِ وقت رو میں ہے، دم فردا سے لو لگائیں کیا،

سر زداب اتفاق کیا ہوگا، کون سا انقلاب آئے گا،

جو سزاوارِ انتظار بھی ہو؟

یہ شب و روز، گردش و احوال، ہیں بھلے یا بُرے غنیمت ہیں،

ورنہ اپنی یہ شامتِ اعمال لا طبیبٗ، لہا ولا راقی،　　(نہ جھاڑ پھونک)

"گر بہ مانیم زندہ بردوزیم جامہ کز فراق چاک شدہ!"

تھی یہ تقریر دل پزیر اس کی —

ہوشمندی کی اس عبارت میں صاف مفہومِ تن پسندی تھا،

الکسی شانت کا مہا بھاشن — شانتی، شانتی کہاں لیکن!

رائیگاں — ہائے وائے واویلا

وہ ہوا چپ تو لکشمی بولی: معرکہ، معرکہ، بلے معقول،

پادشاہِ ازل ہلا معزول چھن گیا جو طلب کریں ترکہ،
بسکہ ممکن معطلی اس کی ایک صورت میں ہے ـــــ اٹل تقدیر
متلون حدث سے پٹ جائے یا ہیولیٰ نزاع نمٹا دے۔
دوسرے بحث سے ہوا ثابت کہ ہے پہلا خیال محض عبث،
ایک امید احمقانہ سی۔
سرحد آسماں کے اندر تو داخلہ راندگاں کا مشکل ہے،
ہاں جلالتمآب عرش نشیں زیر کر لیجیے تو ـــــ البتہ!
ارحم الراحمین، فرض کرو، لطف فرمائے مکرمانہ ہو،
از سرِ نو، بطیبِ خاطر ہم، طوق طاعت جو در گلو کر لیں۔
جائے افسوس، ہم حضور اس کے دست بستہ، مؤدب استادہ
پھر ہوں شرعِ متین کے پابند، منعقد جشنِ عیدِ کرسی کا،
اس کی مدح و ثنا بیان کریں، گائیں حمدِ الوہیت، بالجبر،
سامنے وہ غنیمِ اکبر ہو متمکن بہ شانہ، جل
اس کی قربان گہ مشام جاں بوئے عود و گلاب و عنبر سے
خوشی بخورات، نذر گذرانیں
کیا فلک پر سدا ابھریں بیگار اور یہ وجہِ ابتہاج بھی ہو؟
سرکش اس ذات کے، اسی کے حضور سربسجدہ رہیں عقیدت سے
تا ابد ہم ـــــ بڑا اجیرن ہے
جب ہے ناممکن الحصول تو پھر کوشش رائیگاں سے فائدہ کیا؟
سعی مشکور دستیاب کرے ـــــ ہے نہایت ہی ناپسندیدہ
پرتلہ زرنگار چاؤشی، لاکھ ہو قلعۂ معلیٰ میں

خوب ہو، خیر کو اگر بالذات ہم بہ نفس نفیس ڈھونڈ سکیں،
(ہر چہ بر ماست بالیقیں از ماست)
دم سے اپنے کریں گذر اوقات اسی کنج بسیط میں آزاد
یہاں تشویشِ باز پرس نہیں۔
طوق زرین و مخملیں پاپوش قیمتی حریت سے کم تر ہیں،
حریت صبر آزما بے شک۔
دھاک بیٹھے گی خوب عظمت کی جب کریں گے کمال فن سے ہم
ہیچ اشیاء اہم، مضر نافع، خشک سرسبز، — کوئی ہو ماحول
نامیہ نحس میں حیات افزا۔
ہم بزور و جفاکشی کر دیں حیف کو کیف، درد کو آرام۔
کیا یہ سچ بات ہے ہمیں گہرے ظلمتستاں سے ہول آتا ہے؟
کیا سرِ عرش آنجناب، وہی مالک دو جہاں نہیں اکثر
خود اقامت پسند فرماتا گنجلگ، ملگجے سحابوں میں،
سطوتوں کا مظاہرہ آرا۔
آڑ بھی تہ بہ تہ سیاہی کی ہو مہیا رفیع کرسی کو؟
گھن گرج، رعد کی مہیب ندا، ڈال دیجے بہشت دوزخ میں،
وہ اندھیروں میں پھینک سکتا ہے دھاندلی سے ہمیں، تو پھر ہم بھی
روشنی پر کمند ڈالیں گے۔
بے لق و دق زمیں ہے بیگانہ فرط تابانی نہانی سے
گوہر و زر سے؟ — بس نہیں درکار کوئی ایسا ہنر نہ استعداد
ڈھونگ اعزاز کا رچانے کو — رنگ کیا کیا فلک بدلتا ہے،

عین ممکن مرورِ وقت کے ساتھ کرب جاں جزوِ ذات بن جائے،
لمس ایسا جلن میں رس بس جائے (تل ماں جیوں تیل، آگ چکمک ماں) (لوک بول ہیں)
ہو چکی اب یہ صورتِ حالات۔
امن ہی میں نجات کا چارا، ضبط ہی سے ملے تو چھٹکارا،
اس جتن سے، سلامتی کے ساتھ ہم عذابوں کو جھیل سکتے ہیں،
خوں خرابے سے دستکش ہو کر، حال و ماحول کے تعلق سے،
کلمۂ سودمند گوش گذار، پند گیرید ازیں و خواہ ملال"
ختم ہی کی تھی بات، ایواں میں ایسی سرگوشیاں بھنک اٹھیں
کھوہ شوریدا شور سے اٹ جائے، جیسے ساحل پہ گونج پھیلائے
"رات بھر قلزمِ تلاطم خیز
کوئی کشتی، جہاز یا بجرہ پاس ہی سنگلاخ کھاڑی میں
لنگر انداز اتفاق سے ہو، جب اتر جائے زورِ طغیانی
تو صدائے گلوگرفتہ میں زیر و بم ساگری کھویوں کو
لوریاں گنگنا کے تھپکا دے —— ایسے من لکشمی نے موہ لئے۔
واہ وا کے وہ ڈونگرے برسے، اس کی باتوں سے کھل گئیں باچھیں،
شانتی کی کتھا منوہر تھی،
رن سے وحشت انہیں، جہنم کے وہ سلگتے تنور میں خوش تھے۔
رعد سے رعشہ، تیغ میکائل جیسے اب تک ہو ذات میں برّاں،
چاہتے تھے اسی قلم و کوفن و حکمت سے یوں کریں تعمیر
وقت کے ساتھ ساتھ یہ ماحول رشکِ جاں روکشِ جناں بن جائے
بالذب نے یہ کیفیت بھانپی،

وہ ہی ابلیس کے علاوہ تھا خوب اونچا براجمان ان میں،
ٹھاٹھ ٹھسے سے وہ اٹھا جیسے سلطنت کا صمیم ٹھوس ستون۔
کندہ ماتھے پہ احتیاط، رفاہ
صاف منہ سے دکھائی دیتا تھا وہ بڑی آن بان کا مونس
مضمحل سا، مگر نمایاں تھا چہرے مہرے سے رعب داب وہی۔
ایستادہ بزرجمہر ایسا، اسکے مضبوط اٹلسی کاندھے
جیسے نظم ونسق کا بھاری بوجھ سب زبردست راج ورشوں کا
بے تکلف سہار سکتے تھے
بالذبب کی نگاہ سے یک دم سُن ہوئے کان رُک گئیں آنکھیں
جیسے نصف النہار، نصف اللیل ہو وزیدہ صبائے بے معلوم۔
اس طرح وہ سخن طراز ہوا:
"خسروان سریر آرائے آسماں کے اثیر او صافو!
نوچ کر پھینک دیجئے طغرے،
ماہیت قلب کی مکمل ہو، والیان سقر لقب ٹھہرے
عام جمہور کا ہے یہ میلان ہم بدستوریاں مقیم رہیں،
اس جگہ سلطنت میں تدریجا ہو تگ وتاز بس اضافے کی۔
عالم خواب میں ہیں بے چارے، تن بتقدیر، نابلد قطعاً
سجن ہے یہ جگہ جہاں ہم ہیں حاکم الحاکمیں کے منشا سے، (قید خانہ)
گو نہیں عافیت کدہ یہ بھی قاہری دستبرد سے بیروں
اس کی چشم کرم سے ہم معزول، بلکہ مقہور و مرتد و مطرود
اب اسی کی عظیم کرسی کے ہے مخالف محالفہ اپنا

ہم کہ بے انتہا ہیں دور اس سے
جمعبندِ شکنجۂ فولاد، اژدہام اسیرگاں صورت۔
از سمک تا سما مسلط ہے ذات اسی کی وہ اول و آخر
وحدہٗ لاشریک وہ سلطان آہنیں صولجان سے دائم
ہمیں زیر نگین رکھے گا۔ ہیں نمکخوار ساکنانِ عرش جیسے زریں عصا تلے محکوم۔
ہم یہاں پر فضول ہرزہ کار قضیۂ امن و جنگ لے بیٹھے۔
لام بندی کی طے شرائط کیا، ملتجی ہم نہ پیش کش اس کی،
صلح زک خوردگاں سے کیا ہوگی،
بس یہی، بدترین نگرانی، شاق درہ، عقوبت جاں سوز۔
عوضِ صلح صورتِ تاوان پیش بھی کیجئے تو کیا کیجئے،
بغض، عدوان، پرفتور اکراہ، آتش انتقام، لایعنی
سازش پے بہ پے، کہ وہ فاتح جیت کا فائدہ اٹھا نہ سکے۔
جو بھی اپنی زبون حالی ہے، ہو نہ افشا کہ اس ستمگر کو
توڑ کر بھی ستم، مزہ نہ ملے۔
زعم ہے اس مہم کا عزم کہ ہم چرخ پر بے تکان چڑھ دوڑیں،
اتنی پستی سے ان فصیلوں پر داوٗ، دھاوا، گھراوٗ — ان ہونے۔
پس کوئی قابل عمل نسخہ ہے مقام اک، نہیں ضعیف اگر
ملہمانہ حدیث دیرینہ تھی جو معروف عرش پر — یعنی
ایک مسکن ہے — اک نئی دنیا — اک نئی نسل ابن آدم کی،
جو ہماری مثال خلق ہوا،
وہ خلیفہ، وہ اشرف المخلوق — آیہ انی جاعل فی الارض۔

شان میں اس کی قسمیہ فرمان، جب سرِ عرش انکشاف ہوا
ژرف چرخ محیط کانپ اٹھا، کھلبلی مچ گئی فرشتوں میں۔
متوجہ ہوں اس کرہ کی طرف، ہم اسی ضمن میں کریں تحقیق
ہے فروکش وہاں جو ذات شریف، کیسا حلیہ ہے، کس خمیر سے ہے
کن گنوں کا ہے، کتنی بانگی ہے
اس کی، کمزوریاں ٹٹول کے ہم حیلہ ومکر سے کریں گمراہ
فسق کردار، ضَلِّ بن ضَلِّ — عرش اپنے لئے قرنطینہ، رکھتا ہے قاضی ازل تشریف
وہاں مصئون اور مستغنی — اس قلمرو کی آخری سرحد، یہ مراغم ہزار رزم میں ہوں

(مقام۔ پناہ گاہ)

ذمہ داری دفاع کی ساری اپنے سر ہے، کہ ہم ہیں یاں آباد۔
ہم جو یورش کریں تو ہاتھ آئے کوئی صورت مفیدِ مطلب بھی،
اعتشالاً — یہ کائنات تمام خاک کردیں تپ جہنم سے، یا بنے وہ کرہ ہی مقبوضہ۔
ہم وہاں سے دھکیل دیں باہر سارے کج مج حقیر باشندے،
جس طرح ہم جلاوطن نکلے، یا چلو گر نہ ہوں وہ ارض بدر،
ہم انہیں ورغلائیں، بہکائیں، ہو شیاطین کے وہ ہم کردار۔
اور پھر آفریدگارِ بزرگ، اپنی مخلوق اس آفرینش سے بدظن و بدگمان ہو جائے
وہ پشیمان، احسن التقویم شاہکاروں کو خود تلف کردے۔
کیسا بھرپور انتقام رہے، ہم دلیں مونگ اس کی چھاتی پر جو بجاتا ہے دیکھ کر بغلیں
کس مپرسی کا یہ سماں اپنا (قابلِ دید کس قدر ہوگا وہ تماشا بھی)
جب ہمارے ساتھ سر کے بل آتشِ جہنم میں
اس کے دلبند پھینکے جائیں گے،

کوستے پیٹتے وہ بیچارے ہستی بے ثبات کو، یعنی
چندروزہ بہار کو روپوش طرفۃ العین میں جو ہو جائے، (آدمی بلبلہ ہے پانی کا)
ہے یہ اک کارلائقہ کہ نہیں، لائق کاروائی منصوبہ؟
مشورہ دو، کہو، یہ کر گذریں یا اندھیرے میں بیٹھ کر ٹامک ٹوئیے مارتے رہیں بے سود،
وہ ہوائی محل خلاؤں میں، یہ خیالی پلاؤ ذہنوں میں۔
بالذب کی یہ فتنہ پردازی جس پہ زورِ بیاں تمام ہوا
ذہن ابلیس کا کرشمہ تھی، کارفرمائی فکر کی اس کے
مفسدانہ، پلید یہ حربہ کوئی تصنیف کر نہ سکتا تھا، مقتضائے طبیعتش کینہ۔
چھل سے جدِ بزرگ (آدم) کو اس کی سیدھی روش سے بھٹکایا،
نسل انساں کو شرمسار کیا، جھونک ڈالی زمیں جہنم میں،
خلط ملط اعتدال، بے ربطی، بدشعاری، خراب اعمالی
سارے کو تک وہ، آفرینندہ خوب دق، خوب خوب ہی دق ہو۔
یہ الگ بات یاں کمینگی سے واں بزرگی کو چار چاند لگیں۔
اس قدر بے نظیر منصوبہ، چمک اٹھیں تمام کی آنکھیں،
والیان و شہانِ ناشدنی بے تحاشہ وہ خرم و فرحاں
چیخ کر بول اٹھے بیک آواز — "متفق متفق" — تو یہ سن کر
بالذب ان سے پھر ہوا گویا: آفریں، فیصلہ یہ مستحسن، قیل و قالِ طویل ختم شدہ!
آید ایں کار — ندوۃ الاصنام — از شما و چنیں کنندیلاں (بہادر)
کار دشوار کب ہے، گر چاہیں گہرے پاتال سے صعود کریں
ہم ابھی سوئے مرزبومِ عتیق — ہوں مزاحم قضا و قدر اگر
سہل ہے پھر بھی، فائدہ لے کر ضوفشاں سرحدوں کی جھلمل کا کام میں لائیں عربدی آلات

متصل یورشِ مساعد سے بابِ فردوس خود پہ وا کرلیں
منطقہ باردہ میں ہوں آباد، آسماں کی لطیف تابانی
گِرد جس کے طواف کرتی ہے۔
پرتوِ خور کا ایک اشکارا گھپ گھنی تیرگی کرے کافور
طرفِ خاور سے ضو ہویدا ہو، نرم بادِ صبائے لطف چلے
جس کی مہکار نوشدارو ہو، بہرِ ناسورِ ریشِ سوزندہ
مسئلہ یہ ہے، بولئے، پہلے پئے دریافتِ جہانِ نوی
کون بلوان ہے کمر بستہ؟ کون ہے جو حریف ہوتا ہے مئے مردافگنِ زمانہ کا؟
کون آوارہ پا ہے آمادہ رہرورہ منزلِ شب ہو؟ کال پاتال اتھاہ بے ڈانڈا،
کون ابہامِ حس گرفتہ میں رستۂ بے قیاس کھوجے گا؟
گرم پرواز صورت عنقا ہو خلائے بسیط پر پہلے،
پھر سلامت زمین پر اترے —— وہ جزیرہ خجستہ و خورسند؟
کون سا شعبدہ موثر ہو، حیلہ اعراض کارگر کس طور
کیلے کینڈے کی نیروئے بازو جب فرشتے ہیں پاسباں چوکس، (طاقت)
گنجلک چوکیاں قدم بہ قدم —— احتیاط اور حزم ہے درکار۔
ہم کہ رائے دہی میں بھی یارو ہو نہ یارائے انتخاب ہمیں۔
اس چناؤ پر انحصار، مدار، اس پہ ہی آخری بھروسہ ہے، کون شایانِ اعتماد جری
قرعہ فال کس مہم جو کے نام پڑتا ہے، کس بہادر کو یہ مہم اب سپرد کی جائے،
وہ تو اعلان کر کے بیٹھ گیا،
صاف بیم و رجا کی کیفیت آشکارا تھی، دھکدھکی دل کو
کون تائیدِ امر کرتا ہے، کون دیکھو خلاف بولتا ہے،

جان لیوا تھا پُرخطر اقدام — کون بیڑہ اٹھائے گا اس کا؟
لیکن ایسا سکوت طاری تھا جیسے ہر اک کو سانپ سونگھ گیا، دھیان سب کا پڑا تھا جو کھم میں
چہرے حسرت نما بیک دیگر اڑ رہی تھیں ہوائیاں، فق رنگ
ان فلک جنگ سور ماؤں کے چیدہ و برگزیدہ ٹولے میں
نہ رضا مند ہی کوئی جیوٹ، نہ کسی کی یہ پیش کش — چل دے سفرِ جانگداز پر تنہا۔
آخرِ کار حال مست ابلیس، شرکائے نشست میں ممتاز
بوجوہِ شکوہِ جمجاہی، بجکلاہانہ طنطنے کے ساتھ
نشہ احتشام میں سرشار، ان تحیر زدوں سے یوں بولا:
اے علوئیں نژاد فرگاہاں!
یہ پس و پیش یہ سکوت گراں بے سبب بھی نہیں ہویدا ہے
(ہے عناصر میں اعتدال مگر) پُر محن بھی دراز بھی رستہ
کہ جہنم سے ماورائے خلا سوئے خلدِ بریں نکلتا ہے سخت سنگین قید خانہ ہے
یہ بھڑ کتے ہوئے محدّب ہوں ہمیں نو دائروں میں گھیرے ہیں،
بھینٹ کی طرح ہضم کرنے کو — آگ اگلتے ہوئے اٹل پھاٹک
بند کس کر ہیں اور ہے مسدود راستہ تک فرار کا ہم پر
گر بچا کر نظر — بفرضِ محال — پار ہو جائیں، ایک ژرف خلا —
شب یلدائی لابدی، تیار اپنی آؤ بھگت کو منہ پھاڑے، ہستی کالعدم کا اندیشہ
خشک بنجر خلیج میں بھر لے، یوں نگل لے، ہمیں ہڑپ کر لے؟
بچ کے نکلیں تو اور اک گیتی، منطقہ کوئی اور نامانوس،
پھر ہمارے لئے جھمیلہ ہو پائے ماندن نہ جائے رفتن کا —
جان جوکھم کی دکھ بھری دھرتی، صاف جس کا نہیں محلِ وقوع یا نکل بھاگنے سرنگ نہیں

اے مرے ہمجلیس ہم چشمو، کب مجھے تاج وتخت یہ زیبا
جو مفادِ عوام کا قضیہ کوئی درپیش ہو دقیق ادق، اور میں عذر جُو گریز کروں۔
(امتیازاتِ خسروانہ، یہ چتر، اکلیل، مروحہ، اورنگ) (مورچھل)
اختیاراتِ پادشاہانہ ارتجالاً نہیں ہوئے تفویض،
گر ہوس ہے، چلے مرا سکہ بحر و بر میں تو چاہیئے مجھ کو تخت وتختہ توام کروں تسلیم
مسندگل سہی بساطِ شہی، یہ کٹھن سیج بھی ہے کانٹوں کی آزمائش کڑی جو شان بڑی
پس معزز عظیم سردارو، (راندگاں) آسماں کے تا تارو،
"خانہ انوری"، تمھیں سونپا، دیس جانو جہاں کرو بسرام،
جس جگہ بیٹھ کر ذرا پی لی، میگسارو وہی شراب کدہ۔
سعیِ ردِّ بلا کرو کہ بنے عافیت زار یہ الم خانہ،
جوفِ دوزخ میں کچھ قرار ملے۔ اس قباحت محل کے دکھڑے کو
جھاڑ، منتر، فسوں، دوا، دارو مل سکے جس جتن سے بھی دھیرج
اس ادھک کوڑھ کا اپائے کرو۔
اس خبیر و بصیر سے ہشیار، وہ عدوئے ازل کہ گھات میں ہے،
میں دساور کو، شور دریائے بربریت کے ساحلوں سے پرے
جستجوئے نجات میں رخصت، تاکہ ہم سب سے یہ عذاب ٹلے،
اس تگاپوئے روح فرسا میں کوئی میرا نہ ہمسفر ہوگا
یہ جلالت مآب فرما کر اٹھ گیا، تھی جواب پر قدغن،
دور اندیش تھا، مبادا شہ اس کے عزمِ صمیم کی پا کر
کچھ وڈیرے ہوں معیت پر مصر، تذکرے سے جو کانپ اٹھے تھے،
لے نہ گر ساتھ اگر تو اندیشہ منکرِ اہرمن نہ ہو جائیں۔

مفت بیکار نام میں حصہ، جان جو کھم سے جو کمائے وہ،
اس کے حکمِ زبان بندی کے سامنے دم نہ مار سکتے تھے۔
دم بخود اس کے عزم پختہ پر سب لہٰذا وہ ہو چلے برخاست،
اک قیامت مگر ہوا اٹھنا، وہ کڑک جیسے زور کا کڑکا،
اس خداوندگار کی ہیبت، کون سا دل نہ دھک ادھک دھڑکا،
سب جھکے، کورنش بجالائے اور یوں ہو گئے قصیدہ خواں
جیسے مردانِ حق پرست کریں وردِ الحمد رب دو عالم
پھر یہ اعلامیہ بیا نگ دہل —— واجب الاحترام یہ ہستی
اس نے جمہور کی فلاح پہ خود زندگی داؤ پر لگا دی ہے،
لاکھ ارواح راندہ و ماندہ خوبیوں سے نہیں معرا ہیں،
بدنہاد و خراب خوانساں ناحق اپنے عمل پہ نازاں ہے،
سب دکھاوا ہے نیک چلنی کا، سب نکوئی نمود داری ہے،
مومناں شکل، کافراں کرتوت، صاف پیتل پہ جھول چاندی کا۔
مشورے عزم نحس آلودہ، ختم کر کے وہ مطمئن اٹھے، اپنے جاں باز امیر پر نازاں
قلۂ کوہ سے گھٹا گھنگور چرخِ نیلی کا ڈھانپ دے چہرہ اور بادِ شمال تھم جائے،
تاؤ میں تند چڑ چڑے عنصر برف ژالہ انڈیل دیں سارے تیرہ و تار منظرستاں پر
یا وہ ساعت کہ زر فشاں سورج آتشیں رنگ تمتماہٹ سے
شام پر واپسیں نظر ڈالیں (اور منظر ہوں دلکشا جیسے)
لہلہانا چمک میں کھیتوں کا، چہچہانا مزے میں چڑیوں کا،
چین سے ریوڑوں کا ممیانا —— کوہ و وادی میں کیا بھلی گنجار۔
ہے ملامت کی جا، بنی آدم، مبتذل اور پوچ دو شیطاں،

مخلص اک دوسرے سے ہوں اتنے، اور حیوانِ باشعور انساں دھینگا مشتی، فساد دنگے میں
رحمت حق پہ ہے مگر تکیہ، ہے کشادہ امید کا دامن،
جس خدائے بزرگ و برتر کی ذات اقدس تمام امن، سلام۔
بغض میں، دشمنی میں، جھگڑے میں ابن آدم کے روز و شب گذریں۔
قتل، خونریزیاں، دہائی ہے، جنگ ہے، لام ہے لڑائی ہے،
سارا ناٹک ہے یفسدُ وافی الارض۔
وہ گھڑی جب بہم ملے شیطان، وہ گھڑی ہے اسے خبر ہی نہیں،
اس کی بربادیوں کی سازش ہے آسمانوں میں اور زمینوں میں،
تاک میں آدمی سے بڑھ کر ہے آدمی کا زبوں خبیث عدو،
سعی پیہم میں رات دن اس کا دہر سے نام تک مٹا ڈالے
پس نشستِ سقر ہوئی برخاست،
سارے منحوس طرے باز ملک میر ترتیب وار رخصت ہیں،
درمیاں ان کے وہ گورو گھنٹال، اہرمن، ایک دشمنِ ہرمزد،
وہ جہنم کا تاجور، بوالہول، شان قدسی سے برملا اس کا فرِ کینخسر وانہ چشمک زن۔
گن اگن دیوتاؤں کا ہالہ، جن کی ڈھالیں مزین تغمہ،
تیکھے ترشول اٹھائے چار چپیرا اپنے جھرمٹ میں لے چلے اس کو
ختم جلسہ بخیر و خوبی ہے — کامیابی کے شادیانے تھے، سیر حاصل مذاکرات رہے۔
منہ کیے چار کھونٹ چار او تار پھونکتے ہیں شتاب نرسنگے
اور بھیانک دھنوں میں لفظوں سے وہ جگاتے ہیں سحر معنی کا
غلغلہ، گنبدِ جہنم میں دور تک بازگشت آتی ہے،
جھنڈ کے جھنڈ، جا بجا چنڈال وہ دھما چوکڑی مچاتے ہیں،

اس کڑاکے کا نعرۂ ہفوات وہ جواباً بلند کرتے ہیں، پھاڑ دیتے ہیں کان کے پردے
ذہن سے بوجھ اتر گیا سب کے، آس ہر چند تھی سراب آسا جی کو ڈھارس بندھا گئی کیا کیا۔
دیو عفریت جوق اندر جوق، شوق و ہیجانِ دشت پیمائی۔
تھے مڑ گشت کو کئی رستے، چل دیئے اب حواس باختہ وہ
جس طرف جس کسی کا منہ اٹھا — یا جدھر جی ہی لے چلا کمبخت —
کوئی کنجِ طمانیت جس جا کچھ پریشانیٔ خیال نہ ہو،
کوئی ایسا طرب کدہ — جب تک پیشوا ہو مراجعت فرما —
وہ کٹھن انتظار کی گھڑیاں شغل و تفریح میں گذار سکیں —
تیز دوڑوں کے تھے مقابلے کچھ، عین رمنا میں بعض کی بازی،
بعض اپنے پروں کے دم خم کو آزمانے لگے فضاؤں میں،
جیسے اولمپئی کچھ کھیل، جس طرح پیتھیا کی کرتب گاہ،
تند گھوڑوں کو دیں لگام کئی، یا بچا کر نشاں سے پہیے تیز،
صاف دس پانچ کا نکل جانا، روبرو دنگلوں میں یا ٹھٹھے،
بہر عبرت بلادِ عظمیٰ کو جیسے شوریدہ آسماں میں ہو غلغلہ جنگ کا بلند کہیں
بادلوں سے جھپٹ پڑیں فوجیں رزم آرائی کے لئے باہم۔
پہلے لیکن ہر اک ہراول جیش ان عقابی دلیر بانکوں پر
برچھیاں تان کر بڑھے یاں تک دشٹ سینائیں دوبدو گتھ جائیں۔ (دشمن)
پھر تو ہتھیار بدیا ایسی کہ یہاں سے وہاں تلک ساری وسعتِ آسماں دہک اٹھے۔
دوسرے تاؤ جھاؤ میں بھاری طائفس سے گرے اڑانے کو (ف)
یوں پرخچے چٹان ٹیلوں کے اک جوالا مکھی پھٹے جیسے۔ جھکڑوں پر ہوا سوار اڑے،
وحشیانہ وہ ہلکم اور ہلڑ جذب دوزخ نہ کر سکے جس کو۔ (شور)

(دیو مالا کا ایک منظر ہے) اقلیہ سے مظفر و منصور
ہرقلس کر کے خلعتِ مسموم زیبِ تن (یولہ کے جلاپے میں
جو دنیرہ کالو بھ منتر تھا) تھام لے لُھتم تھسلوی چیڑوں کے
جو اکھڑ کر جڑوں سے گر جائیں۔ طیش میں ہم جلیس لچس کو
(جو یہ پوشاک لے کر آیا تھا) اوتیہ کی بلند چوٹی سے قلزم ابیی میں دھم سے دے مارے
دیو مالائی یہ کتھا خونخوار خشمگیں خوفناک دیووں کی۔
دیوتا جو حلیم طبع تھے چل دیئے سوئے وادئ خاموش، دیکھیے کیا ہیں مشغلے ان کے۔
ملکوتی الاپ کی دھن میں (باربد سے) کبھی تو بربط پر
تھے رجز شوخ کارناموں کے، نوحہ شومئ زوال کبھی،
کہ نبرد ازل میں کھیت رہے۔ گیت کے بول بول میں شکوہ
کیوں قضا با مجاز نیکی کو قوت و وقت کا اسیر کرے۔
گو سرود رقیب تھا لیکن تھا سماعت نواز وہ آہنگ
—— جب امر آتمائیں گاتی ہیں پھوٹ پڑتی ہے جگ میں روپ آنند ——
مثل اعراف ہو گئی دوزخ،
منہمک سامعین کا انبوہ مستی و نغمگی میں ڈوب گیا۔
محو تقریر دلپذیر میں کچھ اک پہاڑی پہ دور بیٹھ گئے ——
—— ہے طلسمِ حواس موسیقی، ہے فصاحت غذائے روحانی ——
سخنِ دلنواز، فکرِ دقیق، جزئیات و نکات و تاویلات،
درکِ پیشین، عاقبت، تسلیم، غیب، جبر، اختیار، قدر، قضا
ال مشیت —— رموز یہ کیا ہیں —— حیف لا یشعرون یعمہون!
حسنہ، معصیہ، نہی، معروف، خیر شر، اجر نیک بد، کیا ہیں؟

ہے بشارت کیسے کیسے انذار، بے حسی اور حس کی توجیہات۔
مطمحِ زیست ہے اپیقوری، یا ہے سنیاس آشرم نِروان؟
(نظریے زینو وارسطو کے)
یہ سب— العجبُ آفتُ اللّب اور لغو طامات، بحث لاطائل: (فرہنگ)
جادوئے پُر فریب سے ہر چند مختصر ہو، وہ کر تو سکتے تھے
خفقاں کو درست، سکھ دکھ کو،
خام امید کو جلا دے کر، صبر کا جی کو حوصلہ دے کر
تہرے اسپات میں، بہت چوبند۔
اک جماعت ہوئی کمربستہ۔ غول در غول، جوق اندر جوق
اک مہم درخور جواں مرداں۔
اک بھرم بھاؤ کی بھیانک بھوم وہ کنگھالیں گے، سر چھپانے کو
شاید ان کو ٹھکانہ مل جائے۔
بہ رہی تھیں چہار جوئے جحیم، ان مضرت رسان دھاروں کے
آتشیں کنڈ میں دہانے تھے— راہ ہر رود کے کنار رواں
جن پہ وہ باد بار روانہ ہوئے۔
تھی گھنونی سٹائکس میں برپا نفرتوں کی شدید طغیانی،
روگی ایجران سے اُمڈتے تھے سائے دکھ کے سیہ سیہ گہرے۔
ماتمی کوسٹس پہ کان دھرد، سیلِ گریہ، بسورتی ندی،
شینِ آہ و بکا کے بین دواں،
تمتماتی ہوئی فلیج تھیاں، شعلہ شعلہ تھی موج موج اس کی جیسے سیال آگ کے ریلے۔
دور برزخ میں چشمۂ نسیاں، ست رو، اینچ پیچ میں نمناک،

تھی یہ تاثیر گم کرے سدھ بدھ،
ایک دو گھونٹ حافظہ کھو دے، سر بسر یادداشت بسرائے،
یادِ ماضی نہ ہوشِ ذات رہے، انبساط و الم کا درک مٹے
ہو بقولِ کسے وہ کیفیت — ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی۔
اور آگے تھا ماورالنہر منجمد بحرِ اعظمِ تاریک
ہول و وحشت کا سلسلہ دائم، مستقل گرد باد کے جھکڑ
ژالہ باری شدید، دھرتی ٹھوس، ڈھیر پر ڈھیر اَن گلے اولے
تہ بہ تہ برف کے بلند اہرام، — فاصلے سے کھنڈر کا وہ منظر
جیسے ذات العماد پارینہ — برف باری، دبیز برف برود۔
ہو بہو سر بونیس کی جیسے یا نک وسطِ کیسیس و دمیاط، (دلدل)
کتنی سینائیں جس میں ڈوب گئیں۔
سن ہواؤں میں اس قدر تھا، تن بدن میں جلن سی ہوتی تھی
بن گیا زمہریر آتش لاخ۔ (بربنائے سنگلاخ)
(مینڈیوں کی سنپولیاں گوندھے اپنے بالوں میں ڈائنیں پردار)
چنگلوں میں انہیں گھسیٹتی تھیں
سینکڑوں سنگلوں میں گھن چکر گرتے پڑتے گھسٹتے جاتے تھے
شدت انتہا کے بسمل بھی، بسمل انتہائے شدت بھی،
طاس میں اس جلن تلاؤ کے نرم ایشر حرارت اب ٹھری،
درد جاں سے کھلیں گے بیچارے،
جامد و منجمد بنا دے گی ان کو میعادِ وقت یخ بستہ،
پھر بہ سرعت یہاں سے لے جا کر جھونک دے گی اسی جہنم میں

پلِ آہنگِ خود فراموشی پار کرنے کی سعی اب سر توڑ،
کوئی امید بر نہیں آتی۔ تھی تمنائے جوئے دلآویز
کہ اس آلامِ دردِ ہستی سے جس کا اک گھونٹ بے خبر کردے۔
وائے تقدیر آ گئی آڑے، کوشش ناتمام و ناکامی۔
گورگانِ مہیب میڈوسہ گھاٹ کا ناکہ روک لیتا ہے۔
طنطلس کی طرح یہ تشنہ کام
"(پانی پانی ادھر اُدھر لیکن لب بھگونے کو ایک بوند نہیں)
جیسے پانی کی خاصیت اُڑ جائے، ذی نفس کی نہ پیاس بجھ پائے۔
اس طرح دلفگار، سرگشتہ سخت بے آسرا بھٹکتے تھے،
باختہ رنگ، لرزہ براندام، خوف سے تھیں پھٹی پھٹی آنکھیں،
سوختہ جاں، نصیبہ محزوں، چین پڑتا نہ تھا کسی کل بھی۔
دیکھتے ہی نگاہ پتھرائے وہ مقاماتِ طرفہ و بے طور،
تنگ تاریک گھاٹیاں، درے، سرد آزردگی فزا خطے،
متعدد جمے جمے میدان، متفرق جلے جلے کہسار۔
جھابریں دلدلیں کھڈیں جھیلیں بھٹ چٹانیں گھپائیں شمشانیں (فرہنگ)
موت ہستی ربائے موجودات، ہر کہ و مہ پہ موت بالادست،
کُلُّ نَفْسٍ (کہ) ذَائِقَۃُ الْمَوْت بس فنا کو دوام حاصل ہے
نسل افزود فطرتِ بے باک، کیسی کیسی عجیب خلقت پود،
بدنہاد و عجوبہ و مکروہ، دہشت انگیز، موذی و منحوس،
بدتر ان سے بھی قصہ خوانوں نے جو گھڑے ہیں فسانوی کردار،
یا جنہیں خوف نے تراشا ہے — یم، چھلپائی، بھوتنا، ہوا،

گورگاں (جو بدن کرے پتھر) (اژدرِ بحر، نوسرا) ہڈرا،　　　　(فرہنگ)
شمری (شیر سانپ بکری دھڑ) سب اساطیر الاولیں، مردود:
واں لگن سے، مگن دریں اثنا اہر من خصم آدم ویزداں
عزم کوراہوا رشوق کیے سوئے بابِ جحیم سرپٹ تھا
گرم پرواز یکہ وتنہا
اب کنارے پہ دائیں کچھ پڑتال، اوراب چھان بین بائیں کی،
ابھی اس کھڈ کی تہ میں بال کشا، بے محابا ابھی اڑان اونچی
اس مجوف خلائے بریاں میں
ہو بہو پار نیل ساگر میں، ابر کے درمیاں معلق سا
کوئی بیڑا سوادِ بنگلہ سے، معتدل النہار ساعت کی
بادِ شرطہ جسے اڑائے پھرے، یا زطرف ترینٹ وٹیڈور۔
وہ جزیرے جہاں سے بیوپاری لائیں دار واثر مسالے گرم،
تیز یہ لین دین کا چکر —— راس ہی کیا وسیع حبشہ سے
دور شب میں رواں وہ لہروں پر قطب کے آس پاس جانکلیں
پار، پرّاں بعینہٖ ابلیس ——
وہ جہنم کی سرحدیں ابھریں سقف اوجِ فلک کو مس کرتیں،
تہری پرتوں کے تین در بھاری —— تین پر تین تو سنگِ خارا کی،
تین پیتل کی، تین لوہے کی، بند نا قابلِ گذر پھاٹک۔
چار سو آگ کی نکیلی باڑ، نارسیدہ گزند تھی چپ راست
متعین بروں سرِ دہلیز ہیئت ایک ایک (صورت درباں)
ڈیل بے ڈول، جسم بے ہنگم —— خوش بدن ایک تا کمر عورت

تہ بہ تہ فلس دار دیہہ نچلا، بے تکا، کنڈلیوں کا ڈل، بھونڈا
ڈس اگلتے بجنگ کا بھے انگ (خوفناک)
بیچ دھڑ میں کرخت شور شغب دوزخی خونخوار کتوں کا،
یہی کلب السقریہ تین رخے، وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر بھونکیں (دوزخی کتے)
دے سنائی صدا نہ کان پڑی۔
ہوڈ پٹ جب غل و غرونبہ پر، یا کرے جی، تو جا گھسیں اس کے (شور)
بطن میں —— وہ پلید کتا گھر، او جھل اس اوجھ میں بھی اندر سے بھونکتے جائیں، روئیں غرائیں
بالمقابل نہ اس قدر مکروہ وہ نظارہ کہ دھڑ سے چمٹے ہوئے
(سلّہ) بحری بلا کے چھ کتے غسل کرتے ہوئے مسینہ میں
بحر، کرتا ہے جو اطالیہ کے سخت ساحل کو صقلیہ سے جدا۔
کاہنہ شب کی، زالِ کہنہ بھی نہیں اتنی ڈراؤنی بھتنی،
جب وہ چوری چھپے دبے پاؤں تیز پرواؤں پر سوار آئے
لیپلی کٹنیوں کے جھرمٹ میں ناچنے کے لئے اگر سونگھے بو کہیں خون شیر خواروں کی،
چندرما منتروں کے شبدوں سے سخت ہو کر نڈھال' گہنائے
دوسری شکل، شکل کیا کہیے،
کہ جوارح، مفاصل، اعضا میں کوئی حصہ نہیں شناخت پذیر۔
تھا ہیولیٰ کہ ٹھوس عکس کوئی، ایستادہ سیاہ رات سمان،
دس چڑیلیں بگولہ آگ اک جا، یا مجسم جحیم آتشناک، (آگ بگولہ)
یک سنانِ اجل رساں جنباں۔
شے جسے کھوپڑا کہیں، اس پر بھاری بھر کم دھرا تھا راج مکٹ۔
اہرمن جب ذرا قریب ہوا تو وہ عفریت یوں جگہ سے ہلا،

برق پا، خوفناک، ڈگ بھرتا، کہ جہنم دہل دہل اٹھی۔
تھا نہ خائف مگر نڈر ابلیس داد دیتا تھا، داد (یہ عفریت
کیا بلا ہے) نگاہ میں اس کی ماسوائے الہ و روح الہ
درخور اعتنا نہ تھی کل پوچ کائنات اور ہیچ موجودات۔
پہلے نفرت سے گھور کر دیکھا، اور پھر اہرمن ہوا گویا:
از کجائی و کیستی ملعون بے دریغانہ ایسی جرأت سے
کیوں مزاحم ہے ہیئتِ بے باک، پرے ان بابہائے دوزخ تک
کھول کر یہ محاذ بے ہودہ؟ میں بہر حال پار جاؤں گا،
عزم ہے یہ تری اجازت کی کوئی حاجت مجھے، نہ کچھ پروا۔
ہٹ پرے ابلہی سے کام نہ لے، خیر اسی میں ہے قدرِ خویش شناس،
زادگانِ جحیم بے توفیق منہ نہ اہلِ نعیم کے آئیں۔
بھوتنے نے سنا تو بھنایا، تن گیا طنطنے میں بنکارا:
"تو کروبی وہی ہے نافرمان، عرش اعظم کا اولیں مجرم نقضِ امن و یقین و تسکیں کا
واں جہاں بے خلل بلا رخنہ قبل ازاں خوشگوار تھا ماحول۔
اے اثیمِ ابی و استکبر، تو نے بے رہ کئے بہ عیاری
اک تہائی فرشتے اب جو ہیں متحارب باآں تعال اللہ۔
پس تجھے حکم، "فاخرج واہبط"، اور مطرود اور مدحورا، (دفع کیا ہوا)
تو بھی تیرے تمام پھوبھی، وہ ملاعین و عاصیانِ رجیم،
ابداً غرقِ ابتلائے الیم،
آج تجھ واصلِ جہنم کو زعم ہمدوشیٔ ملائکہ ہے۔
اس جگہ ہیکڑی، ڈھٹائی ہٹ میں جہاں کوس زن لمن ملک؟

بارِ خاطر سہی پہ ایں جانب ہیں ترے والی وولی نعمت
دفع ہو جھیل اپنی تعزیریں، جھوٹے مفرور، دم دبا کر بھاگ
یہ نہ ہو بچھوؤں کی یہ تیجی ڈھیل پن پر تجھے رسید کروں،
نوک وسوفار ضربِ کاری سے تیرے بخئے ادھیڑ کر رکھ دے
بے تکے خوف سے بندھے گھگی نت نئی پیڑ، نت نئی ٹیسیں
اولیں اتفاق نامسعود"۔

بک رہا تھا جنون میں کیا کچھ یوں اکڑ کر ڈراؤنا ہوا
پھول کر دس گنا جو کپا تھا — منہ پہ تھی اول فول، دھمکی دھونس
تن پہ ہیبت، کراہیت، وحشت۔
اس طرح پیچ وتاب میں برہم اہرمن تھا نڈر کھڑا ڈٹ کر
جیسے آتش زدہ پچھل تارا دور تک آسماں پہ ضوافگن،
جیسے قطبِ شمال کی جانب تارا منڈل افی تییں روشن،
نحس دنبالہ دار سیارہ،
جنگ وطاعون کا وبال پڑے وہ فتیلہ ز آتشِ بدفال۔
شست اک دوسرے کے سرکی لی قاتلانہ نظر سے — خونی ہاتھ
یوں لگائیں، چجا تلا داؤ، دوسرا وار ناروا جانیں
تھی غضب کی چڑھی ہوئی تیوری، دوگھٹا ٹوپ گھور دل بادل،
لیس گردوں کے توپ خانے سے ہوں بحیرہ خزر کو پر اں،
دھڑ دھڑاتے، فضا میں درانہ آمنے سامنے وہ منڈلائے
آندھیاں بھی بزن بزن، چیخیں، دندناتی تھیں، سنسناتی تھیں،
بیچ ادھر میں، قریب اکھاڑے کے،

اور دنگل کو دیو جثہ جوڑ دو بدو چین بر جبیں دھاڑے،
جوڑ تگڑا، برابر کا — تیرہ و تار ہو گئی دوزخ،
بالمقابل نہ ایسے پتے کا ہو یلولنگ پھر کبھی کوئی ابنِ مریم نہ رستخیر الا (بمعنی اتھلیٹ)
بس کہ وہ تیس مار خانی کا آج دوزخ میں تہلکہ پڑتا،
گردھری تھی وہاں جو تھتے سے، ناگنی جون راقیہ تھامے
اپنے ہاتھوں میں جانستان کلید،
ایک شورِ فلک شگاف کے ساتھ درمیاں میں نہ دھم سے آجاتی:
چیخ کر بولی — "اے پدر کیسا یہ غضب ہے کہ اپنے بیٹے پر
آپ تیغِ اجل چلاتا ہے۔ اے پسر کچھ تجھے ہوا سودا
زہر میں یہ بجھا ہوا نیزہ باپ کے سر پہ تان رکھا ہے؟
اس کی خاطر یہ سب فساد و جدال جو بصد تمکنت سرِ افلاک
اُف ہماری ہنسی اڑاتا ہے۔ حیف پابند جس طرح بالجبر
ایک حلقہ بگوش بیگاری — تف بجالائے جو وہ فرمائے
اک غضب حکم، پھر غضب جس کو وہ تفو عدل سے کرے موسوم
پھر غضب وہ غضب ہی تم دو کا کام اک دن تمام کر دے گا۔
بجواب اہرمن ہوا گویا:
"اے مخل ہے پکار اچنبھے کی، اور حیران کن ترے الفاظ،
پس مرادست ناگہاں ٹھٹکے،
قصد کیا، کارگر ہے یہ کتنا، خیر معلوم بعد میں ہوگا،
کون ذات شریف تو ہے مگر پہلے ہو کچھ حسب نسب معلوم
ایسا بے ڈھب ترا مرکب دھڑ، کچھ کھلے یہ معاملہ کیا ہے؟

ہے ملاقات آج پہلی بار تجھ سے اس وادئ طپیدہ میں،
میں ترا باپ کون سے ناتے، بھوتنا پہ پسر مرا کیسے،
یہ تری من گھڑت صلہ رحمی، شرم تجھ کو مگر نہیں آتی؟
طیف دہلیز دارِ دوزخ وہ تب جواب الجواب یوں اس کو۔
ہائے اس سادگی پہ مر جاؤں، پردہ ذہن سے بھی ہوں معدوم
طبعِ نازک پہ ناگوار بھی ہوں ــــ تھی یہی وہ کنیز دلآرام
جو بھری بزم میں فرشتوں کے سامنے آپ کی عروس بنی،
والئ عرش کے خلاف اپنی خوبصورت دل آفریں سازش
یاد کر شدت شقیقہ سے وہ یکا یک نڈھال ہو جانا،
تھی نگاہوں میں کل فضا تاریک، فرطِ دورانِ سر سے کھاتا تھا
ڈبکیاں گنجلک اندھیروں میں،
گاڑھے گاڑھے رواں رواں شعلے، دمبدم دمبدم بروں سر سے،
مغز جیسے ابل پڑا یک لخت، بائیں جانب سے کھوپڑی چٹخی،
اور میں چاندی نکل آئی، عین نک سک ترا، حسیں تجھ سی،
جیسے آکاش اپسرا کومل لیس انگ انگ بان برچھی سے۔
عرشیاں غرق ورطۂ حیرت، ہول سے دل زدہ ولغزیدہ،
معصیت معصیت، وہ چلائے، صاف اشارہ شدید خطرے کا۔
رفتہ رفتہ وہ کھل گئے مجھ سے، میں پری چہر، پیکرِ پرفن
خوش ادا، خوش جمال، خوش منظر، میں نے اہلِ جناں کو لوٹ لیا
جو گریزاں تھے سب اسیر ہوئے اور تو بھی ہلاکِ غمزہ تھا۔
صاف تیری جھلک تری چھب تھی، آئنہ تھا مرا بدن تجھ کو،

میں تری دلنواز مدخولہ، حجلۂ خلوت و بساطِ وصال،
بارآور زمیں میں ریزشِ تخم، پاؤں بھاری ہوا مرا تجھ سے۔
عرش پر جنگ کا ہوا اعلان پے بہ پے جابہ جا محاذ کھلے،
اور میداں (بداہتہً) اپنے دشمن قہرماں کے ہاتھ رہا۔
وہ زیاں، وہ ہزیمت و اتلاف خاک و خاشاک ہو گئے ہم لوگ،
وارداتِ ہبوط — سر کے بل جب ہمیں عالمِ علوئیں سے اسفل السافلیں میں دے مارا۔
ہو کے بے آبرو جو نکلا تھا، خُلد سے اژدحامِ بے پایاں
میں بھی شامل اسی میں تھی، تھامے یہ کلیدِ گراں کہ بند رکھوں
حسبِ تاکید یہ کواڑ یہ پٹ اور کس کو ہو باراں میں سے میں ہی یہ جب تلک نہ باز کروں؟
میں تھی اب اور اداس، تنہائی، رات دن آسماں تھے چکر میں
حمل برداشتہ، شکم آماس، جو بلا کوکھ میں امانت تھی، وہ مسلسل وہاں مچاتی تھی
پھول کر اب ہبڑ تبڑ کیسی — الاماں دردِ زہ کی سوزانی،
ولد المبتذل جو سامنے ہے یہ تری پشت کا زبوں تحفہ۔
اس کی زائیدگی کی اف ساعت پیٹ میں جیسے آ گیا بھونچال۔
انتڑیوں کے ادھڑ گئے بخیئے، کاٹ آری، لکد ہتھوڑے کی،
کتر میاں، کج بدن ہوا آدھا،
یہ عدوئے درون پروردہ تب کہیں بطن سے بروں نکلا،
تیز مہلک سنان لہراتا، مارنے مرنے پر کمربستہ۔
بھاگ اٹھی، چیخ زور سے ماری — ملک الموت میں یہ چلائی،
نام ہیبت فزا جسے سن کر یہ جہنم لرز لرز اٹھی،
آئی بھرائی گونج غاروں سے — ملک الموت — بازگشتِ مہیب —

ہول کے مارے اس مرول سے میں بھاگ نکلی کہ میں تو آگے تھی، (بحری بلا)

اور پیچھے یہ کام دیولگا، ایک شہوت پرست مجنونی۔

تھا سبک پا مجھے دبوچ لیا، پاپ گوتر گمن کا، میں ماں تھی (INCEST)

نہ بچی، ہاتھ پاؤں بھی مارے۔

اس فعلِ شنیع کا ثمرہ بھوتنوں کا یہ جھول یہ زمرہ

رینکتا جھینکتا بہر لحظہ مجھ پر زغہ کناں شدت سے

الخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينِ —

انت جس کا نہیں یہ بپتا ہے، اب ہے آبستنی، ابھی زچگی،

کوکھ باہر تو کوکھ بھیتر ہے پرورش گاہ ان پلیدوں کی،

پیتے ہیں، نکوستے ہیں دانت، ہے غذا ان کی تانت آنت مری،

میں انہیں لحظہ لحظہ جنتی ہوں، تازہ دم یہ مجھے بھنبھوڑتے ہیں،

وہ اذیت وہ جانکنی توبہ، وقت رکتا نہ درد تھمتا ہے،

موت آتی ہے پر نہیں آتی۔

ملک الموت چشم کا آشوب، یہ مرا ہی جنا، مرا بیری۔

اس کے دم سے سگانِ تازی کا تن میں گلہ ہے تن پہ ہلہ ہے

لقمہ بے صید یہ کرے مجھ کو میں گلے نہ گر اٹک جاؤں

(جیسے سارس کے حلق میں ہڈی)، یہ تو ہم رقصِ موت میرا ہے،

ہے مقدر ہمارا ہم مرگی — جان لینا اسے ہے جاں لیوا۔

اے پدر ہوشیار تو اس کے ہاں خدنگِ قضا سے جان بچا،

اس طرحدار زعم میں مت رہ یہ ترے صاف صیقلی ہتھیار

غیر صدمہ پذیر چلتے ہیں کہ فلک ساختہ سروہی ہیں۔ (دراصل چھل تہ۔ زرہ بکتر)

اس ستم گر کی ضربتِ کاری وہ کہ تسمہ لگا نہ رہنے دے،
ہے کسی سے اگر تو یہ شہزور ہے جہانبانِ عرش سے عاجز
چپ ہوئی وہ تو نکتہ رس خناس جھٹ خبردار ہو کے نرم پڑا
پھر جواباً ملائمت سے کہا "پیاری بیٹی ہے نورِ چشمی تو"،
وہ ہے لختِ جگر، بڑی ٹھنڈک دل میں یہ حسنِ انکشاف ترا
دی ہے آواز عہد رفتہ کو پھر گئی ہے بہشت آنکھوں میں۔
ہائے ناز و نیاز کے پیمان، وہ نشاطِ ہوس کدہ — اب تو
ہم ہیں اور یادہائے سینہ گداز،
نازل افتاد نا گہاں ہم پر وہ بعید از قیاس — تم مانو
نیتِ بد سے میں نہیں وارد، فکرِ وارستگی ہوئی مجھ کو
اس اندھیرے اداس دکھ گھر سے — صرف تم دو نہیں، نجات ملے
اس تمام آتمائی سینا کو، ہر سلحشورِ رجعت بر جا ساتھ اپنے جسے ملا بن باس۔
ان سبھی کا یہاں نمائندہ، اس کٹھن آرزو میں سرگرداں
میں اکیلا ہوں جان جوکھوں میں — راہبر ہے نہ ہمسفر کوئی —
میں اکیلا، یہ وادیٔ غربت، تھاہ — جس کی ملے نہ وہ پاتال،
یہ خلائے بسیط و بے پایاں — اور مری جستجوئے آوارہ —
خطہ خاک ہو کہیں دریافت دی گئی تھیں بشارتیں جس کی،
معرضِ ہست میں — قرائن سے — آ چکی ہے وہ کارگاہ ضرور،
اک مدور کرہ محیط و بسیط، وہیں جنت کے آس پاس کہیں۔
واں ہے آباد کار اک مخلوق، نسلِ نو بختگاں، چھچھوروں کی،
پر ہمارا خلا ہوا شاید (دیو گیرد مکانِ خالی را)

فاصلے کے لحاظ سے محفوظ۔

کیا خبر ہے مگر مکرر ہو زورزن عرشیاں کا جمِ غفیر
پنجہ افگن، فساد آمادہ — کوئی سرِ نہاں کرے افشا،
اب تہیہ ہے سعی ہو مشکور، جلد کوئی سراغ مل جائے،
ہو کر آگاہ لوٹ آؤں گا — ملک الموت و معصیت دونوں
اس جگہ تم ہنسی خوشی بسنا، مست پر اں خلا، فرو، بالا،
آنکھ او جھل پون جھکوروں میں، عیش کوش وحظ و ہوس پیا،
لوٹنا موج، ہاں مزے کرنا، کہ تصرف میں فضا ہوگی"۔
چپ ہوا، بات سے مگر اس کی ہو گیا باغ باغ دل ان کا،
ملک الموت کی مہیب ہنسی، جھلملائی کریہہ بتیسی،
گرسنہ قحط کی شکم سیری، توند پھولی، ٹپک پڑیں رالیں
اس ندیدے کی شبھ گھڑی کے لئے۔
ماں بھی پھولی نہیں سماتی تھی، یوں وہ پُر کھا سے ہمکلام ہوئی:
"اس غدیر سعیر کی چابی شاہ والا فلک کی منشا سے
حسب شایاں مرے سپرد ہوئی اور تاکید سخت مت کھولوں
قفل میں ان کڑے کواڑوں کے گر جتائے کوئی زبردستی
ملک الموت ہے لئے تیار بس بھرے بان، پیک اجل پیکان،
پیلتن بھی حریف کیا ہوگا اس جری مرد پیل افگن کا۔
لیکن اک بات، ناچئے آخر کیوں ستم گر کے ہر اشارے پر
اس ستم گر کے جو سدا ہم پر لعنتوں کا نزول کرتا ہے،
راکھشس دیس میں مجھے جس نے گھور اندھے کنوئیں میں ڈال دیا،

ایک منحوس فرض کی پابند
عرشی عرش زائیدہ ہوں میں اور واماندہ عذاب سوا،
خوف ہے، خلفشار ہے ڈر ہے،
ضیق میں جان ہائے چیر و لے، چنگا بوٹا مرا، مرے رودے،
تو مرا باپ، تو مرا پرکھا، تو نے بخشا مجھے وجود مرا،
میں ترے حکم پر کہوں لبیک، کیوں کوئی اتباعِ غیر کرے؟
تو بسائے گا جلد لے جا کر نئی بستی میں نور ونعمت کی،
جس جگہ دیوتاؤں کا بسرام، جس جگہ میری ہیکٹری ہوگی
میں ہوس خیز ہر برائی کی راج گدی پہ میں مہارانی،
میں عزیزہ و دخترک تری"
یہ کہا پھر برون پہلو سے کی وہ موذی کلید — آں مذموم
آکۂ کارِ ہر خرابی ءما۔
تب بدنبالہ بہیمانہ وہ گھسٹتی بسوئے باب چلی
سب پھسلواں جھری بھرے بستے یک بیک جانب فراز اٹھے۔
بل اسی میں تھا ورنہ جنبش بھی دے نہ سکتے تھے پہلوان قوی۔
پھیر کر پیچدار دندانے قفل زنگین کے دہانے میں
کھول ڈالے کھٹاک سے اس نے بھاری لوہے کے، ٹھوس پتھر کے
چٹخنی ہوڑ کے اگل بگلی (کنڈے)
اک گھمیری گھرارسے — گھومے سنگ اسپات کے سلگتے پٹ
سب قلابے گڑے رگڑے — گڑگڑاہٹ کی گونج سے گرجا
اری بس کا اتھاہ پیندا بھی۔

دیدۂ انتظار کی مانندیوں کھلے پٹ، درونِ پہنائی
لشکر بادرفش بال گشا، علم افراشتہ گذر جائے،
فاصلہ وار ہوں مرتب خواہ صف بہ صف اسپ، رتھ، قطار قطار
ہر کشادہ وخاستہ برپا۔
جس طرح گلخن فراخ دہن، شعلہ سرخ و دود بر آور،
دفعۂ منظرِ عجب عکاس بحر کے رازہائے خفیہ کا ——
بحر —— تیرہ، عمیق اور عتیق، خوب ذخار، بے حد و بے بُعد
جہاں ہو جائے شل زمان مکان، عرض طول ارتفاع کا احساس،
جہاں فطرت کے ابّ و امّ از خود —— قبل تکوین ولیلۃ الیلدہ۔
رکھیں برپا نزاجیت دائم۔
متواتر مصاف وہنگامہ، قتل وغارت کے درمیاں قائم۔
خشک، مرطوب، گرم سرد اربعہ پشتبانِ (عناصرِ فعال)
خبط میں فوقیت کے ہوں جن کے ریزہ ہائے جنین درآویز۔
ہر دھڑا گرد اپنے جھنڈے کے، متعدد شعوب گُرد بطون،
ہلکے ہتھیار، اسلحہ بھاری —— تیز، چکنے، نکیلے، پھرتیلے،
تند، تیار، تولتے کندے بے شمار و کثیر یہ کیسے
حارہ سائرین وبرقہ کے ریگ زاروں میں انت کے ذرات،
متخالف ہواؤں کی زد میں تودہ بر تودہ تا بسیط بساط
ایک ہو جائیں کر کے ایک ایکا
ہے خلل ''اختلال'' کا فتویٰ —— وہی سلطاں (نظام سقہ سا)
تیل جلتی پہ ڈال دے، اس کی راج نیتی کا ڈھنگ ہے ہڑبونگ۔

سر پنچ اک ''احتمال'' البتہ حکمران بے شراکتِ غیرے،
اندروں اس اجاڑ اسفل کے۔
کوکھ ہے یالحد یہ فطرت کی، تٹ نہ ساگر، پون نہ اگنی ہے،
کل علل خلط ملط آبستہ، سر شوریدہ و ستیزہ کار،
حسب فرمان واجب الاذعان، امر باللہ آفرینش گار، (جمع زعن اطاعت)
گھپ سیہ اس کے مادّے گہرے، کائناتیں مزید خلق کرے
— اندروں اس اجاڑ اسفل کے —
چوکس ایسا کھڑا تھا وہ خناس نگراں بر کنارۂ دوزخ
بیم و اندیشہ ہائے دور دراز۔
اب اسے جو عبور کرنی ہے وہ نہیں تنگنائے معمولی،
حشر انگیز غوغا آرائی، شور سے کان ہو گئے بہرے۔
(کہ و مہ کا موازنہ کیجیے) جیسے پیلونہ (جنگ کی دیوی)
ضربِ آلاتِ حربِ مہلک سے شہرِ غدّار کو کرے مسمار،
آسمانوں کا ڈھے پڑے ڈھانچہ، ہو عناصر میں انتشار افزوں،
مستقرِ ارض چھوڑ دے محور۔
بہر پرواز آخرش اس نے شہپر اب بادبان سے کھولے،
اور اڈتے دخاں کے ریلوں میں فرشِ ارضی اٹھا وہ ٹھکرا کر،
کئی فرسنگ بے حساب صعود، ابر کی صندلی بنی رہوار،
پا گستہ ہوئی مگر یہ بھی — تھا وہ اب اور وسیع الخالی۔
پنکھ بے کار پھڑ پھڑاتا ہوا، ایک دم سیدھ میں گرا، لاعلم،
دور نیچے وہ دس ہزار جریب — رہتا اس پر وہی زوال اب تک

یک بیک سوئے اتفاق سے گرآگ شور بے کا جی جلا بادل
نہ اسے اک شدید دھکے سے کالے کوسوں اچھالتا اوپر ——
جب فرو ہوگئی غضبنا کی ۔۔۔ تو وہ ریگِ رواں کی دلدل میں دھنس رہا تھا۔ یہ منطقہ جس
کو

روندتا پھاندتا پیادہ پا، یا پریدہ دبازت ادھ کچری
خشک ٹھہر اسکیں نہ تر لیکن اس پہ بھی وہ قدم زناں پیہم
بادبان آپ، آپ ہی سکّان —— پیش قدمی کیے ہی جاتا تھا۔
(شیر وشاہین تن) غریقوں جب پرِ پرواز سے بیاباں میں،
ڈاگ، بیہڑ میں یا پہاڑی پر (دزدِ یک چشم) آرماسیں کے (ف)
ہو تعاقب میں جو بہ عیاری لے اڑے تھے چھپا ہوا سونا،
رہ گئی تھی مگر دھری کی دھری سخت نگرانی ونگہبانی ——
گامزن گامزن گگن پرتھا یوں لگن میں مگن مگن خنّاس۔
چھدری، گنجان اور ناہموار پرتگہ، آبنائے، گلِ آب، (پرتگاہ۔ ڈھلوان)
آئیں گڈمڈ بلند آوازیں، مچ گئی وحشیانہ چیخ پکار،
غلغلہ گنبدِ فلک انداز، غل کہ گونجا ہو صورِ اسرافیل،
ہلہ زن کھو کھلے اندھیروں پر تھا فغان وخروش گوش خراش۔
وہ بڑھا سوئے شورِ بے ہنگام کہ ملاقی ہو بالمشافہہ اب
دیوتا، بھوت، پریت، جن جو بھی اسفل السافلین کی تہ میں
شورش وشر کنان اینڈتے ہیں۔
چاہتا تھا کرے یہ استفسار بحرِ ظلمت کی کونسی سرحد نور کے حاشیے سے ملتی ہے؟
تخت ہے اختلال کا دیکھو واں تلے گھور چھولداری کے،

(سائباں اک اتھاہ بنجر پر) ساتھ گدی پہ تن کے بیٹھی ہے
کالی پشواز زیب تن کر کے ملکۂ شب، شریکۂ شاہی،
پاس ہی وہ نرک کے دونوں دیو آرقس اور ایڈس استادہ،
پھر اساطیر الاصل ہیبتناک گورگان اور بعد ازاں ارجاف (افواہ)
اور پھر احتمال، پھر طغیان، اور پھر انتشار — ناچاقی،
تھے کشاکش میں مبتلا سارے پھر نفاق اک ہزار منہ پھاڑے::
اہرمن بے جھجک ہوا گویا:
اسفل السافلین کی روحو اور کرو بیو — نہیں جاسوس
شب یلدا و اختلال نہیں میں کسی ٹوہ میں یہاں نازل
یہ بھی نیت نہیں کروں پیدا میں پراگندگی ریاست میں،
مری آوارگی کی مجبوری، اور یہ بادیہ گھنا گھن گھور —
راہ اس کشورِ کشادہ سے سرحد نور تک گذرتی ہے —
میں جدھر عازمِ سفر تنہا، نابلد اور راہ گم کردہ
ہے تلاشِ صراطِ عرش مجھے ماورائے ثغورِ ظلماتی،
یا کہیں دوسری نواح میں ہے اسی جاگیر کا کوئی خطہ
کر لیا غصب ال لطیف نے جو — بس مری وہ ہے منزل مقصود،
واں تلک پر محن تگ و دو ہے۔
کھل گیا مدعا مسافت کا اب مری رہنمائی فرماؤ
نذر دوں گا صلہ میں خاطر خواہ — بازیاب اپنا ملک محروسہ،
اور غاصب جلاوطن ہوں گے، بول بالا قدیم ظلمت کا،
پاستاں رات کا بجے ڈنکا، آپ کے بھی جناب پو بارہ،

میرے بدلے کی آگ بھی ٹھنڈی"۔

اہرمن چپ ہوا تو یوں بولا پیر فرتوت وہ نزاجی طیف
(منہ پہ پھٹکار، نطق میں لکنت) اجنبی تجھ سے آشنا ہوں میں،
کون ہے تو، وہی جلیل القدر، زور آور فرشتہ سر خیل
جس نے شاہِ فلک سے ٹکر لی۔ حال ہی میں (پہ کھائی تھی منہ کی)۔
ٹوٹ پھوٹا اٹوٹ سناٹا، رن سے بھاگی جوان گنت سینا،
بھگدڑ ایسی مچی، وہ دھکم پیل، ہل چل اتنی لرز گیا پاتال،
ستیاناش ناش، فاش شکست، پیچ پیچیدگی میں پیچیدہ،
یوں لکھوکھا جیت جتھوں کو آسماں نے اُگل دیا در سے
کہ بھگوڑوں کو دم نہ لینے دیں۔
حدِ فاصل پہ میں مقیم یہاں کہ یہ باقی بچی کھچی جاگیر تا بہ مقدور کر سکوں محفوظ
ہے بدستور دخل اندازی، وائے اپنے یہ داخلی جھگڑے
زالِ شب کے عصا کو چاٹ گئے —— دور دوزخ، وہی ترا **محبس**،
تا بہ حد نظر بسیط بسیط آسمان و زمیں مسلط ہیں مری اقلیم پر، نئی تکوین
جسے عرشِ بریں سے کرتا ہے ملحق اک رشتہ زرنگار و طویل،
تیرے تو مان کا محلِ ہبوط، اس ڈگر پر ہے تو خرامیدہ۔
جان مت دور خود کو خطرے سے، پاس کیا، تو تو عین منہ میں ہے۔
جا رفیق الوداع تیز ترک گامزن، ہو سو ہو مرا اب حال،
پائمال، انفعال، یا انفال"
وہ رکا اہرمن نہیں ٹھہرا بھر پاسخ، اسے تسلی تھی،
ساحلِ بحرِ بے کرانہ کا کوئی امکان تو بنا آخر،

تازہ دم، مستعد، جری، کوشاں، سمت بالا بھری زقند اس نے،
ہو بہو اک منارہ آتش ناک ——جوِ گردوں کنار گرد و پیش
عربدہ آزما عناصر کی کش مکش کے شدید جھٹکے تھے۔
یافتہ راہ، راہ پوشیدہ بیش دشوار و پر خطر اس سے
(پشم زریں کی چاہ میں جاسن) آرگو میں عبور کرتا تھا
باسفورس کی جب چٹانوں کو، متصادم بہم جو وقفہ وار،
یا الی سس (جو اٹلی میں) بائیں پہلو دبائے کشتی کو
کری بڈس بھنور (کی صفہ کو تر نوالہ جہازرانوں کا
دے کر) خود صاف لے گیا کھے کر سیلِ گرداب کے شکنجے سے——
یوں بڑی دقت و مشقت سے پیش قدمی کو برقرار رکھا،
بیش تر دقت و مشقت سے——
اور کایا پلٹ ہوئی محسوس (آدمی ہو کبھی بہشت بدر)
ملک الموت و معصیت یکدم (حسب منشائے ایزدی) اس کے
نقش ہائے قدم پہ گامزناں، جادہ عرض دار و کو بیدہ
گھور پاتال، طے کناں جس پر مشتعل کھولتی ہوئی کھاڑی
پل سنبھالے کھڑی تھی چپکے سے (رمح طالوت کے مساوی) طول
لب دوزخ سے ارض فانی تک
وہ گرہ، وہ گرہ بعید ترین جس جگہ بے دھڑک خبیث ارواح
آدم بے بقا کو بہکائیں ان میں آجا کر ان میں گھل مل کر
اقعدن لہم صراطک المستقیم ——مگر وہ خوش فرجام
دام تزویر سے رہیں مامون جن کو تائیدِ آسمانی ہو

رحمۃ اللہ والملائکتہ:

جھلملاتی حسین جمیل سحر، افقِ عرش کی فصیلوں سے
ملگجی شب کے ژرف سینے میں نور افشاں اترتی جاتی ہے۔
یہاں پہلے پہل بذاتِ خود فطرت اب چھو رہی ہے قصویٰ کو، (اقصا: انتہائی دوری)
حکمِ پسپائی اختلال کو ہے اب ہر اک خارجی کمیں گہ سے،
وہ عدوئے شکستہ و پامال۔
شور غوغا کی گھن گرج مدھم، ضعف پرور عداوتی دم خم
اہرمن کے لئے گراں ——— کم کم،
نور نازک کی نرم نہروں پر وہ سبک بال و پر سے طیراں ہے،
گوشہ عافیت ہو بندر گاہ جیسے طوفاں زدہ سفینے کو،
تار تار اس کا بادباں سکّان، رسیاں چرخیاں کباڑ بنیں۔
وہ بیابانِ ہیچ ازرش میں مثل بادِ نسیم پر تولے
غائرانہ نگاہ ڈالتا ہے دور عرش العروش پر بہ فراغ۔
عرض دار و فراخ و دورہ دار، طے نہیں گول ہے کہ وہ چوکور
اس کے مینار دودھیا بلور، بام و دیوار رو کشِ صد نور،
در دریچوں منڈیر کنگروں میں ضوفشاں زندہ ارزقی یاقوت
(یہ جنم بھوم تھی کبھی اس کی)۔
ایک تار طلا سے آویزاں (جیسے شعلہ سا اک لپک جائے)
وہ معلق کرہ، کلاں جیسے کوئی تار اگر بڑا کوتاہ
بدر کے روبرو جسامت میں۔
ساعت نحس زا میں وہ ملعون کینہ ور، کنیہ توز، کینہ کوش
اس طرف برق پا روانہ ہے::

فرہنگ

مطرود: لفظی معنی جلاوطن، یہاں انتہائی مظلوم

عجب: اتراہٹ لب، دل ودماغ

جھابر: پانی بھری، پنیری لگانے کا کھیت

ہڈرا: یونانی دیومالا میں سوسر کا۔ آتشیں آنکھوں اور گرجدار آواز کا اژدھا

بہیڑ: سوکھے سے پٹا بنجر علاقہ

ڈاگ: (پشتو) میدان

دفتر سوم

تلخیص

خداوند عظیم و برتر کرسی معلی پر تشریف فرما، ابلیس کو سوئے جہانِ نو پریدہ دیکھتا ہے، تو دائیں ہاتھ پر متمکن روح اللہ (حضرت عیسیٰ) کی توجہ مبذول کرا کے آگاہ فرماتا ہے کہ وہ بنی آدم کو صراط مستقیم سے گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مگر انسان کو اپنے اعمال پر مختار اور آزاد پیدا کیا گیا ہے لہٰذا اس کی گمراہی سے عدل و منشائے ایزدی پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ انسان کو لازم ہے کہ شعور کو بروئے کار لائے اور ابلیسی تحریص و ترغیب سے بچ جائے۔ تاہم رحمتِ کبریائی بے پایاں ہے۔ پس انسان کو اس امر کا فائدہ دیا جائے گا کہ وہ بذات خود نہیں بھٹکا بلکہ ابلیس کے جھانسے میں آگیا۔ روح اللہ اس شان غفاری پہ حمد سرا ہوتے ہیں۔

فرمان خداوندی ہوتا ہے کہ رحمت بندگانِ عاصی کو اپنے دامان میں لے گی تو ضرور مگر جب انصاف کے جملہ تقاضے پورے ہو لیں۔ ربوبیت کا دعویٰ کر کے انسان کفر کا مرتکب ہوا، اس گناہِ کبیرہ کی پاداش میں اسے موت کا مزہ چکھنا ہوگا، بلکہ اس کی نسل ہی سرے سے فنا کر دی جائے گی۔ ہاں اگر کوئی ہستی کفارہ بن جائے اور بطیب دلی سزا بھگت لے تو قہر خداوندی تھم جائے گا۔ روح اللہ بطور فدیۂ انسانی اپنی ذات پیش کرتے ہیں۔ یہ قربانی بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوتی ہے۔ حلول کا عمل، ارض و سما میں امتیازی شان کے حامل ہوئے تو فرشتوں کو ارشاد کہ آپ کی مدح بیان کریں۔ ٹولیاں منقبت اور قصیدے گاتی ہیں۔

اسی دوران ابلیس برہنہ محدّب گولے کے خول پر اترتا ہے۔ گھومتا پھرتا ایک

مقام پر پہنچتا ہے۔ یہ برزخ انا ہے LIMBO OF VANITY۔ وہاں جس جس نوع کی مخلوق کا گزر ہے، ان کا احوال۔ پھر دروازہ جنت پر آتا ہے زینہ بہ زینہ۔ اس کی تصریح اور کوثر و تسنیم کا بیان۔ یہاں سے وہ کرہ شمس کا رخ کرتا ہے جہاں عوریل سے ملاقی ہوتا ہے وہ اس خطہ کا مرزبان ہے، یہ فرشتے کے حلیے میں اسے صاف چکمہ دے جاتا ہے۔ کہتا ہے کہ اسے اللہ میاں کی نئی بنائی ہوتی دنیا کے نظارے کی دھن لگی ہے۔ مرزبان بھولپن میں اسے سیدھی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ اتہ پتہ معلوم ہوا، تو ابلیس اطمینان کے ساتھ آرمینیہ میں کوہ نفت پر جا اترتا ہے۔

نور بالائے نور اللہ ہو۔۔۔
مثل نورہ کمشکواۃِ، فی ہا مصباح، فی زجاجۃ،
الزجاجۃ کانہا کوکب، درّی، یوقد۔۔۔ تجلّی ہے
کل سماوات وارض کی۔۔۔ لاریب۔۔۔

....

مرحبا اے تجلیٔ قدسی، سرمدیت کی اولیں تخلیق،
لمع ہمعصر لم یزال ہے تو۔۔۔ میں تجھے کیوں نہ باصفا لکھوں، (تجلی)
بسکہ یزدان ہے سراج منیر، نور بالذات قائم ودائم،
اور تجھ میں حلول۔۔۔ ناپیدا جوہر تابناک کے رخشاں
بے تکلف بہاؤ۔۔۔ یا تو ہے سلسبیل اثیر بے آمیخت، اثر جلوہ ہر طرف آویخت
جس کا منبع رہا ہے نادریاب۔۔۔
قبل خورشید تھا وجود ترا۔۔۔ تھا سماوات سے بھی یہ ماقبل۔
لب یزداں سے لفظ کن سن کر گھور گھرے بحور سے اٹڈے
گیتیٔ نو بہ نو، جسے ڈھانپے تو عبا سے، جو تیرے ہاتھ لگی
خالی و بے معین ابداء سے۔ (آفرینش)
تجھ تک آیا پر تو انا سے پار کر کے مہیب بیترنی، (ہندوں کا سٹائکس)
تندیاں تازماں مزاحم تھیں سونے بسرام میں پراگندہ
ظلمت نیمہ و نہایت میں، محو پرواز دھن میں دھیوت کی۔ (چھٹا سر)
مختلف عودِ ارفیئیٔ کی کھرج سے میں۔۔۔ قصیدے لکھتا تھا
شب یلدا و اختلال کے جب (ارفیس، نغمہ گر اساطیری)

آسمانی میوز کی شہ پر تار و تیرہ ترائی میں اترا،
اور پھر مائل فراز ہوا۔
تھی مہم گرچہ طرفہ و دشوار
بچ کے ہر آفت و مصیبت سے آن پہنچا تری زیارت کو،
صاف محسوس ہے مجھے تیری زندگی بخش منفرد قندیل۔
کاش آنکھوں میں تو سما سکتا، متحرک یہ رائیگاں کہ تری اک سرایت کناں کرن ملتی،
پائیں لیکن نہ نور کا تڑکا۔
ہو گئی ہے دبیز ناخنہ سے پتلیوں کی چمک دمک زائل: (موتیا کا مرض)
گہن آشوب سے لگا ان میں — (ہو گیا ہوں ضریر و نابینا) (اندھا مگر پیدائشی نہیں)
میں نہیں پھر بھی کم خرامیدہ (راقیاتِ فنوں) میوز جہاں
چشمۂ صاف، کنجِ سایہ دار، صخر مہر تاب پر مخمور (چٹان)
حدیٔ سرمدی کی لذت سے محوِ گلگشت عام رہتی ہیں۔
بالخصوص اے زیون کے ٹیلے (پاک جا ہیکلِ یہودا کی)
نیچے پھولوں بھرے ندی نالے دے کر اشنان تیرے چرنوں کو
ہیں رواں مست و زمزمہ پرداز۔
ہوں میں ہر شب ترا طواف کناں، شہرہ آفاق گو نہیں ان سا
میرے ذہن و گماں سے محو نہیں باختہ چشم ہم نصیب وہ دو
طمرس اندھا تھریس کا شاعر
اور (جس نے سب راقیات سے کی تھی نغمگی میں مسابقت کی ضد)
سمرنا کا ہومر اعمیٰ (اندھا)
ہیں پراچین دیو مالائی یاد دونوں رشی بھی وہ مجھ کو —

تھیبز کا کور چشم تھاریسہ، دیدہ رفتہ ستم زدہ فینیس ۔ فال بیں ایک غیب داں دیگر

ہے فن شاعری مرا وہی اور آمد کلام ہم آہنگ
جس طرح گائے رنگی کوئل گھپ اندھیروں کی آڑ میں چھپ کر
راگ کا مود کی سنوار سریں۔

سال بیتے رتیں پلٹتی ہیں، دن مرا لوٹ کر نہیں آتا،
نہ ہی مجھ تک سبک خرام کبھی صبح آتی ہے شام آتی ہے۔
نہ تو خوش منظرِ بہاراں ہے، نہ گلِ تر کی عید نظارہ۔
اب کہاں ہیں نظر نواز مجھے چلبلے ریوڑ، اچپلی ڈاریں،
یا خدا خال خد رخ انسانی۔

ایسا محصور کر دیا مجھ کو ابر نے مستقل اندھیرے میں،
اب کجا میں کجا وہ رنگا رنگ اہلِ دنیا کے شوخ ہنگامے۔
نسخۂ کیمیائے علم و فن ایک کاغذ مرے لئے کورا،
دلنشیں شاہکارِ فطرت کے میرے نزدیک غارت و مسمار،
فہم و دانش کا ایک دروازہ بند و مسدود ہو گیا مجھ پر۔

بہ ہُوا — پر تجلیٔ قدسی تو مرے اندروں ضیا بھر دے،
بخش دے ذہن کو درخشانی، بار آور ہو جملہ استعداد،
کر بصیرت عطا، بباطن تو روزنِ چشم وا مری کر دے۔
تیرے دم سے چھٹے کثیف سواد، فرطِ ابہام منتشر ہو جائے،
دیں بجھائی معاملات کے ہیں نظرِ بے ثبات سے اوجھل
میں جنہیں بے نقاب کر ڈالوں::

فوق سے ذاتِ باریٔ متعال، اس منزہ سپہر سے جس جا

ہے بصد تمکنت سریر آرا، ہمہ رفعت سے بھی رفیع علو،
پائیں کو اک نگاہ فرمائے تو وہ یکدم ملاحظہ کرنے
اپنے شہکاران کے شہپارے۔
عرشیانِ بہشت مثلِ نجوم گرد گنجان اژدحام کناں،
فیضیابِ تجلیات لقا، وہ نزولِ نعم ہے — کیا کہیے
متمکن یمیں بصد اعزاز روح اللہ شبیہ تابندہ عظمت و شان کبریائی کی۔
کرۂ ارض پر ہوئے پہلے رونما والدین پیشینہ،
ابّ وامِ بشر، وہی دونوں باغ شاداب میں قیام پذیر،
ثمرِ دائمی کے خوشہ چیں، عشرت و عشق میں بہم سرشار،
عشق یکتا و بے خلل عشرت — حجلۂ خلوتِ صبیحہ میں۔
واں سے پھر جائزہ مکمل وہ دوزخ و برزخِ میانہ کا،
رات بوجھل ہوا پہ بھاری ہے —
اہرمن آسماں کی کگر کے ساتھ رگیر افتاں و خیزاں،
مضطرب پا و مضمحل بازو اب جھپٹ کر تیار اترنے کو
اس جہاں کے برہنہ بیروں پر — ارض محکم دکھائی دیتی ہے
کسی آغوش وا میں بے آکاش، کون جانے پون کہ ساگر کی۔
اہرمن کا نظارہ فرمائے وہ ہمہ بیں ہیں آئنہ جس کو ماضی و حال — اور مستقبل۔
روح اللہ سے پھر ہوا ارشاد: دیکھ تو فرطِ غیض میں کیسا
وہ ہمارا عدو روانہ ہے، نہ معین حدیں مزاحم ہیں،
نہ رکاوٹ جہنمی طبقے — نہ تو پابند رکھ سکیں اس کو
آہنی استوار زنجیریں، نہ اسے وہ ڈراونا، گھمبیر

مہا پاتال روک سکتا ہے۔
سربکف انتقام آمادہ نظر آتا ہے، ہر چہ باداباد۔
یہ الگ بات اچپٹ کے یہ آفت آپ خود اس کی جان پر ٹوٹے۔
بندش قید سے رہا ہو کر وہ ہے نزدیکِ آسماں پرّاں،
ہے دواں نور کے حوالی میں ٹھیک سوئے جہانِ تازہ رس،
گھات میں — ہیں مقیم جو بندے اس جگہ، یہ انہیں خراب کرے،
زور سے، جھوٹ سے، بہانے سے، ہر برے سے براوہ ہتھکنڈا،
کہ بھلے سے بھلے بھی ہو جائیں الضالین اور مغضوبین۔
مکرآمیز ہزل و ہرزہ پراہرمن کے دھرے گا کان انسان
وہ حریصِ علیٰ وما مُنع، منحرف ''سہل امر ربی'' سے حلف، بندگی کی روگرداں،
پس گرے گا وہ قعرِ پستی میں، وہ بھی، بدکیش نسل بھی اس کی۔ یہ ہبوط اس میں دوش کس کا ہے
— کانَ الانسانَ انّ کفوراً وَ الظلومُ و جھول — یہ انساں
(اس پہ خوان کریم سے میں نے منّ وسلویٰ کی نعمتیں بھیجیں)
ہر دعا مستجاب فرمائی، ہر تمنا کو شادکام کیا۔
میں تو لاریب آفرینندہ منصف وراست باز بندے کا،
صاحب اختیار جو اتنا خواہ اپنی مدافعت کرلے خواہ اپنے مقام سے گر جائے!
قدسیانِ اثیری وارواح — فائزین اور خائبین تمام
گر ہیں ثابت قدم تو از خود ہیں،
یا فتادہ ہیں گر تو دوں ہمت خود گرے ہیں نہیں گرائے گئے۔
لاقدر — یہ بہم تو پہنچائیں صاف بے لوث بندگی کا ثبوت۔

جذبہ عشق صادق ان کا ہو، راسخ الاعتقاد ہوں یہ لوگ۔
گو بظاہر انہی سے سرزد ہیں یہ محاسن بھی خود نفاذ نہیں،
کیا انہیں اس پر آفریں کہیے، کیا اطاعت پہ ہو جیے خوشنود۔
(وہ ہے ژولیدگی) ارادہ، عقل — (عقل بھی مقدرت کے تابع ہے)
(جب فضول اور خود نما دونوں) فرطِ بے رہروی سے ناکارہ۔
اور مجہول، تھے کبھی سرگرم تو فقط ذات کی ضرورت سے،
یہ نہیں ہیں مرے رضا جویا۔
وہ کہ خِلقاً قبالۂ حق تھے، اپنے خالق سے سرگراں کیوں ہیں
اپنے ہونے پہ کیوں پشیمانی اور تقدیر سے گلہ کیسا؟
کیا قضا و قدر نے کر ڈالا مستر دقوتِ ارادی کو، حسنِ تدبیر و عقل کو ماؤف؟
کچھ سہی جبر و قدر کی تاویل "گذرِ کوئے نیکنامی" میں
لیکن آیا نہیں ہوں میں آڑے، بلکہ بالطبع وہ ہیں نافرمان۔
خبرِ غیب بالیقین مجھے، علمِ پیشیں مگر سند کب ہے،
ذالِکَ فی کِتاب مسطورہ؟
تھا بھی آگاہ گر مسبب تو میں نہیں ہوں ہبوطِ آدم کا،
آگہی کی ہے جو بھی نوعیت، یہ نوشتہ نہیں مذلت کا
شامل اس میں نہ شمہ بھر ہیجان، نہ یہ تقدیر کا تماشا ہے
نہ ہی داعی مری رضا امرِ پیش بینی ہے امرِ بے تغییر —
کرتا دھرتا وہ آپ اپنے ہیں، آپ کردار اپنے ناٹک کے —
یفکونَ الذّین، یصرفون — ہے ودیعت انہیں تمیز و شعور
وہ بقدرِ مجال ہیں مختار — لیسَ لِلانسانَ اِلّا ما سَعیٰ۔

مقدرت ہے انہیں بہ آں حالے کہ نہ ہوں آپ ہی سراسیمہ،
ورنہ قادر ہوں میں ابھی کردوں بشریت کا اقتضا مقلوب،
ازلی فیصلہ اٹل منسوخ، ایک دم فسخ وہ اہم فرمان
قدری جس کی رو سے یہ ٹھہرے
پس یہ بھرنی ہے اپنی کرنی کی، ہے خود آور جو انحطاط کہ ہے۔
غولِ اولیٰ (شطونگڑے بھتنے) آپ صیاد دام میں جیسے،
اپنی ہٹ دھرمیوں سے خوار، ذلیل، رجم ولعنت کے آپ مستوجب،
راندگانِ ازل نے انساں کو خلد میں سبز باغ دکھلا کر
اس کے منصب سے کردیا محروم (بے شک ان سے مواخذہ ہوگا)
درگذر چاہیے کہ یہ نافہم آدمی قابل معافی ہے۔
کرم وعدل کا رواں سکہ آسمان وزمین پر ہوگا،
میری عظمت کو چار چاند لگیں۔ شان دوچند کبریائی کی
المعلی وعلوی واعلیٰ، لیکن اول سے تا حد آخر
مری رحمت کے مہرِ تاباں سے اک چکاچوند کا آسماں ہوگا"
تھا وہ ارشادِ حضرتِ یزداں
ملکوتی شمیم سے افلاک روضہ ہائے اِرم مشام بنے۔
چیدہ وبرگزیدہ سب عرشی مستی نو کے جذبِ وافر سے
ہوئے بے ساختہ بڑے سرشار — روح اللہ، پرتوِ قدسی،
مظہرِ انعکاسِ لاہوتی، جلوہ آرائے ذات یزدانی،
سب صفاتِ الٰہیاتی ہیں آشکار استین بشرے سے،
لب کشا یوں ہوئے حضور اس کے: "اے الٰہ یہ وحی تمام ہوئی

وہ کریمانہ نص و آیت ہے نوع انساں پہ سرمدی احساں۔
اس کرم پر ہے ورِدِ یا سبحان کل سماوات و ارض میں جاری،
دھوم حمدوں کی، گونج بھجنوں کی، حصر کرسی کریں مناجاتی
لب پہ الحمدُ للہ ربّ العالمین الرحمٰن الرحیم۔
نسل آدم اگر تلف ہو جائے — ابن آدم یہ احسن التقویم،
یہ ترے خاص شوق کی تخلیق جو ترا آخری چہیتا ہے
اہرمن کی فریب کاری سے (صفحہ ارضیہ سے مٹ جائے)
یار ہے وہ ترے حضور سے دور، دور وہ یوں تری حضوری سے،
تو الٰہ عادل حقیقی ہے، تیرے فیصل کی شان بالقسط،
شرح خیر الامور ہے تیری — کیا عدو مدعا کو پہنچے گا
تیری منشا کو منہدم کر کے؟ کیا بنا کر ترا اکرم لاشئ
کینہ دوزی بر آئے گی اس کی؟ لوٹ جائے گا نازاں و فرحاں
وہ گراں بار عاقبت کی طرف مطمئن کیا بزعم خویش — ہوئی جذبہ انتقام کی تکمیل!
یوں جہنم میں شان سے داخل آدمی سب رکاب میں، کھو کر
اس کے حیلے سے مستقیم صراط۔
خود خداوند محو فرمائے نقشِ ہستی کو لوحِ عالم سے،
ہست ہو نیست اہرمن کے لئے۔
ہو وہ ناپید جس کی خلقیت ہے، سند تیری کبریائی کی،
کیوں بزرگی و برتری تیری معرض قیل و قال میں آئے،
بے سبب ذات پاک بے حرمت، بھد اڑے کُن فکاں کی بے توجیہہ؟
یوں جواباً سخن طراز ہوا خالقِ اکبر: اے عزیز مرے

روح تجھ میں مری نہال نہال، تو مرے دل جگر کی ٹھنڈک ہے،
تو مری درک ہے مرا کلمہ، قوتِ کارگر کا سرچشمہ!
یہ تری گفتگوئے حقانی ترجماں ہے مرے خیالوں کی — بازگشتِ مشیت ازلی
جملہ نوعِ بشر نہ بھٹکے گی، کچھ رہِ راست کے تمنائی
بے ارادہ حنیف ٹھہریں گے میرے الطاف و درگذر کے طفیل،
میرا فیضان — عام اور عیاں
مضمحل ہو گئے قویٰ ان کے خیر میں وہ بحال کر دوں گا،
مقتضی ہیں اگرچہ بے انداز آرزوہائے سفلیہ ان کی کہ وہ محروم التفات رہیں۔
استقامت عطا کروں ان کو وہ برابر کے ہاتھ دکھلائے اپنے ہٹ دھرم دشمنِ جاں کو۔
دوں یہ توفیق تجزیہ کرلیں ہستیٔ زار و بے حقیقت کا،
امر ان پر یہ منکشف ہو جائے بسکہ ان کی نجات کا رستہ،
ہے مرا راستہ فقط میرا۔
ایک طبقے پہ فضل ارزانی، وہ مرے برگزیدہ بندے ہیں
اور یہ ایزدی مشیت ہے،
دوسروں کو پیام حق پہنچے — (بر رسولاں بلاغ باید و بس)
انہیں تنبیہ ہو معاصی پر — در رحمت مرا کشودر ہے۔
ہو بہ اندازۂ شعور و تمیز ان کے باطل حواس کی تطہیر،
کچھ شقی دل گداز ہو جائیں، متقی کچھ نفس پراگندہ،
کریں طوقِ عبودیت میرا زیبِ گردن نیازمندی سے،
میری شانِ کریم کے شایان — انفعال و ریاضت و طاعت،
عملِ نیک، نیتِ صادق — میں سمیع و بصیر ہوں لاریب،

نہ بہ حرفِ عطا گراں گوشی، نہ بہ صرفِ نظر حقیقتِ حال۔
ایک ثالث ضمیر البتہ متعین بھی ان کے اندر ہے
کان آواز پر دھریں اس کی، رہنمونی انہیں مہیا ہو——
رہنمونیٔ نورِ رخشندہ، ضو پسِ ضوضیا پراشیدہ،
انتہا تک نگاہ پیوستہ کہ وہ منزل کو بے تکاں جا لیں۔
کیوں مگر درخورِ نوازش ہوں، کیوں انہیں مہلتِ دراز ملے
حکم پر ناک بھوں چڑھائیں جو، اور پہلو تہی کریں مجھ سے؟
قلب پر مہر آنکھ پر پردہ (خَتم اللّٰہ علیٰ قلوبِھم علیٰ ابصارِ ھم غِشاوۃٌ)
جو شقی ہیں سو وہ شقی تر ہوں، جو ہیں ائمی فزادُہم مَرضا،
ڈگمگائیں، وہ ٹھوکریں کھائیں، گہری کھائی میں منہ کے بل گر جائیں،
وہ سزاوارِ لطف و فضل نہیں —— آدمی ہے بڑا ہی نافرمان،
وہ ستم کیش صاف منکر ہے آسمانوں کی بادشاہت کا
حلفِ بندگی سے روگرداں۔
ایسا خود بین شرک آلودہ، مدعی ربوبیت، خاسر،
وہ دغاباز اور باغی ہے، اس خطا کا نہیں ہے کفارہ،
اس کی قسمت پہ مہر ثبت ہوئی۔
(بس قلم رکھ دیئے گئے لکھ کر، روشنائی تمام سوکھ گئی)۔
آدم و ذرّیات —— فیصلہ ہے بے اماں موت کا مزہ چکھیں،
یا وہ تلخابۂ اجل پی لے، یا شکستہ ہو عدل کا میزان۔
ابن آدم کا ہے کوئی ہمدرد، وہ بہی خواہ صاحبِ توفیق،
بخوشی جو عوض کرے بھگتان؟

ہو مکافات کا عمل پورا، القصاص انّ النفس بالنفسِ،
القضا، موت موت کے بدلے!
اے ساوی رجالِ غیب کہو، ہے کوئی روح صاحبِ ایثار،
ہے کروبیٔ جاں سپار کوئی، کہ بنے وہ تلافیٔ مافات ابنِ آدم کے جرمِ سنگیں کا!
دادگر کوئی جس کے صدقے ہو کسی بیدادگر کی جاں بخشی،
ہے سرِعرش کیا کسی دل میں جذبۂ رافت بے بہا ایسا؟
تھا یہ کتنا عجیب استفہام—
رہ گئی آسمان کی منڈلی گنگ جیسے زباں نہ ہو منہ میں،
لگ گئی چپ— سکوت یا سکتہ۔
آدمی کے لئے نہیں اٹھا کوئی ہاتف شفیع یا حامی،
کوئی ایثار کیش جرأت مند لے پرائی بلا جو سر اپنے،
سہے پاداش یا بھرے تاوان۔
نوعِ انسان بے شفاعت پر لگتا فتویٰ بڑی خرابی کا
خشن قسام کی عدالت سے، (غصہ ور)
ہوتا مآلِ حال وہ فی النار، یا فنا اس کی عاقبت ہوتی،
سر اٹھا کر مراقبہ سے اگر پھر نہ تجدید گفتگو کرتے
روح اللہ، عشقِ قدسی کا جن کی ذاتِ کرام معمورہ—
اے الٰہ تیرا اذن عام ہوا آدمی پر ترا کرم ہوگا،
رحم، مالانہایۂ رحمت
رحمت حق بہا نمی جوید، رحمت حق بہانہ می جوید۔
کیوں وسیلہ بہم نہیں ہوگا، آخر کار ایلچی پر دار،

برق رفتار، رحمت حق ہی تیری مخلوق کی طرف، بے حد، بے دریغ اور بے طلب لائے،
پیشتر زاں دعا بہ لب آئے، درِ رحمت کھلا، مبارکباد۔
یہ بشارت اسے نہیں لیکن جو ہوا غرق بحرِ عصیاں میں،
کچھ ٹھکانہ ملا نہ ٹھور جسے۔
کب یہ مہلت کرے وہ کفارہ یا سزاوار نذر گذرائے
جان دادہ وزیر بار —— کوئی حامی و ناصر و شفیع نہیں۔
دیکھ مجھ کو قبول فرما لے، عوض آدمی ہوں میں حاضر،
پیش ہے جاں بجائے جاں —— تسلیم، مجھ پہ نارِ غضب فرو کر لے۔
ابن آدم کا ہم کفو بن کر بخوشی الوداع میں کہہ دوں
دل کدے کو ترے، کروں رخصت وہ الوہی تجلی و اقبال
جو مجھے تیرے بعد زیبا ہے۔
جان قرباں کروں گا میں طوعاً جو ہے گمراہ اس بشر کے لئے
اے بسا درد کاں ترا دارو است!
مجھ پہ بے شک اجل کرے خالی ترکشِ تیر ہائے سم آلود
مجھے اس کی دبیز تاریکی کر سکے گی نہ مستقل معدوم
آپ تو نے کیا امر مجھ کو، فیض سے تیرے لایموت ہوں میں۔
موت چندے جو پائے گی غلبہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہوگا۔
ہوں جو زائل فنا پذیر اجزا، یہ تو ہے فرض سے سبکدوشی،
کب گوارا تجھے رہوں اس کا گورِ ویراں میں صیدِ بیچارہ،
کب یہ برداشت یوں خرابی میں مری بے داغ جاں اسیر رہے
زیر میں فتحمند کو کر کے سرخرو کامران اٹھوں گا،

کر کری ہوگی اس کی سب شیخی۔
وار اجل کا اجل پہ وہ کاری، چت گرے گی دھڑام ناہنجار
ڈنگ موذی بنے گا ناکارہ — فاتحانہ کھلی فضاؤں میں
لے کے نکلوں گا بتلاؤں کو، طوق دوزخ کے در گلو ہیہات،
اور دوزخ بڑی جحیم، حریق — میں کروں گا یہ آشکار آخر
ہے عبث شورہ پشتیٔ ظلمات آئے گا خوش طلوع نظارہ۔
تو انہیں آسماں سے جھانکے گا اور بے اختیار ہنس دے گا
فیضِ تائید ایزدی سے میں خاک کر دوں گا لشکر طاغوت،
اجل نابکار سے نمٹوں، گاڑ دوں اک گڑھے میں لوتھ اس کی۔
پھر ہمارا نجات یاب انبوہ داخل جنت عدن ہو جائے۔
مدتوں کے غیاب کے مابعد لوٹ آئے حضور میں تیرے،
لقاالله کی سعادت ہو، وجہ الله کی زیارت ہو، (چہرہ)
اے الہ تیرے رخ اقدس پہ کوئی پرچھائیں غیض کی نہ رہے،
بلکہ آئے سلامتی کا پیام، سب پہ تیری تحیۃ اور سلام۔
کچھ جواز غضب نہ وجہ عتاب،
سب تری بارگاہ میں حاضر شادمانی کے مستحق ہو جائیں"
بات حضرت کی یاں تمام ہوئی،
لیکن ان کی فروتنی گویا متکلم سکوت میں بھی رہی
جذبۂ عشق بے تغیر سے مردمِ بے ثبات تھے سرشار،
کس طرح مخلصانہ طاعت تھی، کس قدر والہانہ قربانی،
کیا رضائے الہ کے پابند — سب فلک مرحبا سے گونج اٹھا،

تھا اچنبھا معاملہ کیا ہے، تان ٹوٹے گی اب کہاں اس کی۔
کہ ہوا بارگاہ ایزدے جلد ہی یہ جواب میں ارشاد
بہرِ مقہورِ نوعِ انسانی تو نے کونین میں اماں ڈھونڈی،
تو بدیہی طمانیت میری۔
ہے بخوبی تجھے خبر مجھ کو صنعت اپنی ہر ایک ہے محبوب،
ابن آدم بھی کم عزیز نہیں، آفرینش میں گو سہی حادث۔
فی امان اللہ دستِ راست، جدا دل سے تجھ کو کیا بشر کے لئے،
المِ تلخیٔ فراق سہی — کہ وہ گمراہ نسل بچ جائے،
اے نجاح ونجات کے ضامن۔
بس تری طبع خاص میں ان کی طبع کا امتزاج ممکن ہے،
ارض پر مردمان خاکی میں آدمی گوشت پوست کا ہو، جا،
ہے معین وہ ساعت مسعود (امر مرہون وقت ہوتے ہیں)
جب کنواری کے بطن سے ہوگا معجز آثار مظہری مولود،
گلِ رعنائے گلشن آدم،
ایک ہی شاخ کا سہی لیکن تو گلِ سر سبد بہ رعنائی۔
جس طرح پھر ہر اک بشر کے لئے موت کا ایک دن معین ہے،
تو بھی زہرابِ مرگ چکھے گا — مرگ میراث ابن آدم ہے۔
فیض سے تیرے بخششیں ہونگی،
پائیں گے بے شمار اہلِ جہاں دستگاری تری شفاعت سے،
سہوِ آدم کا شاخسانہ ہے، وہ گنہگار نسلِ انسانی مکرمت سے تری بَری ہوگی۔
سب نکوکار بدخصال انہیں اک نئی زندگی عطا ہوگی

ذات سے تیری ہو کے وابستہ۔
شرط انصاف ہے کہ انساں کی کوئی انساں صفائی پیش کرے۔
ابتدأ محاسبہ باید، پھر اسے موت آئے معمولاً
کلِّ مَن فَانَ مَات ثمّ بعث —— دے وہ جان عزیز فدیہ میں،
پھر بہنگام رستخیز ونشور، جی اٹھیں بھائی بند ساتھ اس کے،
بغض سفلی پہ غالب آجائے صادقانہ محبتِ علوی،
موت کرکے قبول، پیش کرے بخوشی بیش قدر نذرانہ،
بغض سفلی جنہیں کرے تاراج، نزع میں مخلصی کا وہ ضامن
پھر نہیں خاص ڈر نہیں پروا گر بدستور ہو بھی وہ درپے،
ہوں وہ تائب تو فضل فرماؤں
حقِ فطرت سے بھی زیادہ ہے حسنِ سیرت میں تو برآوردہ،
تو موقر ترین صالح ہے، تو معزز تریں مشرف سے،
عشق تیری عظیم ہستی میں دبدبہ سے وفور میں وافر،
پھر تری یہ فروتنی تجھ کو بشریت کے ساتھ کردے گی
سربلند اس رفیع کرسی تک،
متمکن وہاں مرے اوتار تو جہانوں کا حکمراں ہوگا
ترے تابع خدائی اور بندے اے جگر بند آدم ویزداں کدخدای جہاں مطاع مسیح
اختیاراتِ کل ودیعت ہیں، پادشاہت تری دوام رہے۔
ترے اوصاف کے کھلیں غنچے، اور ماحول این وآں مہکے،
کردیئے میں نے والیٔ والا تیرے زیرِ نگیں تمام سریر،
کشور وملک وسلطنت سارے،

باادب کورنش بجالائیں ساکنانِ زمین وعرش حضور،
اور تحت الثریٰ کے دوزخ میں جو رہائش پذیر ہیں — وہ بھی،
تو معلّیٰ مقام سے جس دم جلوہ آرائے آسماں ہوگا۔
در جلو اک ہجومِ مشتاقاں،
ہاتف غیب تیرے ایما پر یہ منادی ببانگِ صور کرے
الیٰ یومَ الجزا و یومُ الدّین،
یک بیک ہر جہت سے سب زندہ، یک بیک ہر زماں کے سب مردہ
جی اٹھیں، سوئے عاقبت لپکیں،
وہ کڑاکے کا ہو کڑاکڑ کا، ابدی گہری نیند اچٹ جائے،
صف بہ صف جمع اسقف و مطراں،
اور میزان عدل قائم ہو — شر پسندانِ خاکی و نوری
جو بھی مستوجب مواخذہ ہوں وہ پہنچ جائیں کیفر کردار،
یا کراب اجمعین اٹ جائے، یہ جہنم سدا کو پٹ جائے۔
اسی دوران جل بجھے دنیا، اور بھوبل سے لیں جنم اس کی نیا آکاش اور نئی دھرتی —
ویلٌ — یوم تبدل الارضِ غیرِ الارضِ وَالسمٰوات —
سب نکوکارواں فروکش ہوں
رات گذرے دکھوں کی طولانی، دن سنہرا طلوع ہو جائے
بول بالا ہو اب گنوں سے پھل، پریم، سچائی اور دھیرج کا۔
یہ عصائے شہی پرے رکھ دے، اب عصائے شہی ہے بے مصرف
اب سراسر ہے عالم حق اک، اک سماں لاالٰہ اِلّا اللہ۔
تم تمام اے مقربانِ جلیل آج اس کے حضور جھک جاؤ

جاں کی بازی لگائی ہے اس نے، بہرِ اتمام اسے سلام کرو،
سرِ تسلیم خم بہ روح اللہ،
جیسے حاضر مری جناب میں ہو اس طرح اس کا احترام کرو
لبِ گفتارِ قادرِ مطلق بند جونہی ہوئے، تو جمِ غفیر—
اتنی تعداد جو ہو لاتعداد— تھا فرشتوں کا نعرہ زن ایسا
ہوا گردون گنبدِ گلبانگ—
لحنِ شیریں، نوا سروشانہ، گونج اظہارِ شادمانی کی۔
جشن بہجت کا عرش معمورہ۔
تیز احسنت کی صداؤں سے تھے مضافاتِ جاوداں معمور۔
پیش ہر دو سریر تعظیماً جھک کر آداب وہ بجالائے،
مخلصانہ نیازمندی سے اپنے دیہیم خاک پر رکھے وہ مرصع، طلائی دیسم کے۔ (تاج)
گلِ دیسم سدابہار، مدام شجرِ زندگی کے تھانولے میں سرِ فردوس لہلاتا تھا۔
پھر بہ پاداشِ لغزشِ آدم اڑ گیا سوئے عالم بالا،
وہ نموگاہ اولیں اس کی، وہ جہاں اب بھی پھلتا پھولتا ہے،
شیتل امرت ندی میں جھولتا ہے،
درمیانِ فلک جہاں کا مل مہربانی کی سلسبیل رواں
کہربائی بسنتی دھاروں سے منہ بہشتی گلوں کے دھوتی ہے،
آشنائے خزاں نہیں یہ پھول، چن کر ان کو پروئیں کرنوں میں
زلفِ تاباں کے واسطے حوریں
گاہ لڑیاں، پراندیاں، موباف، گاہ گجرے گتھے گوندھیں۔
اور لہرائیں بے حجابانہ۔

آسمانی حسیں گلابوں سے جگمگائی ہوئی روش گلگوں،
متبسم بسانِ قلزمِ یشپ،
ناز سے سر پہ خوبصورت تاج، ساز اداؤں سے ہاتھ میں زریں،
مستقل رس پہ تال میل کیے ـــــ
بربطیں پہلوؤں میں نورفشاں ترکشوں کی مثال آویزاں ـــــ
دلربائی سے وہ مدھر مکھ بند سنگ میٹھے بھجن الاپ کریں،
مستی و وجد و کیف طاری ہو
مدغمِ رنگ آہنگ اب آواز کوئی ایسی نہیں کہ باقی ہو،
اس قدر عرش میں ہے دم سازی
سب اک آواز حمد خواں پہلے قادرِ مطلق اے الٰہ ترے،
لم یزل، بادشاہِ بے ہمتا، العلیٰ العظیم وال قیوم،
لا یحیطون ہستی لا بد، غیر محسوس نور کا مبدا ـــــ مالکِ کلِّ شئے، بلا شرکت
رونق افروز مسند سرمد، بہ شکوہے کہ دسترس سے بروں۔
رونمائی کا جب ارادہ ہو، انتہائے فروغ سے معمور
تیرے دامان آشکارا ہوں سائبانِ سحاب سے چھن کر ـــــ
جو ہے چوگرد ہالہ دار حجاب مثل دیوار بارگاہِ منیر ـــــ
گرچہ فرطِ ضیا سے تیرہ ہے آسماں سے نگاہ خیرہ ہے
وہ چکا چوند ہے کہ چندھیائے ہے بجوہر جو خلق نورانی،
الملائک پھٹک سکیں نہ قریب
بلکہ دونوں پروں کی جھلملیاں ڈال کر موند لیں نگاہوں کو۔
نظرانداز کر کے موجودات، یہ ثنا خوان ہیں ترے اول

روح اللہ، شبیہ ربانی، بے کدر تیرے باصفا رخ پر ہیں الوہی تجلیات عیاں
پر کسے ہے مجالِ نظارہ، ذات پر ثبت پاک چمکارا
روح میں ہے نفوذ کثرت سے وہ مقدس روانِ رخشندہ،
آفریدہ نواحِ شخصیت، سقف عرش العروش و ما فیہا
قوتیں تیرے واسطے تسخیر
دم قدم سے ترے ہی پابستہ متمنیٔ اقتدار و ہوس۔
تو نے اس دن نہیں کیا صرفہ آزمائی بلائے رعدِ الہ
رتھ کے روکے نہ جب اگن پہیے، لرزا چرخ مشید الارکان، (مضبوط ستونوں کا)
منتشر جنگجو شیاطیں پر بے محابا چڑھائی اور دوش۔
جب تعاقب سے فتحیاب آیا، تیرے جملہ قوی حلیفوں نے
نعرہ ہائے فلک شگاف بلند تری توصیف میں کیے پیہم۔
تو ہے شہزوریٔ الہ کا امین۔
سر میں سودائے انتقام شدید اس کے اعدائے پُرفتن کے لئے،
چشم پوشی کر ابن آدم سے — کینۂ غیر کا یہ مارا ہے
اے مجسم کریمی و اکرام، اس سے سنگین باز پرس نہیں
بلکہ ہو التفات فرمائی — روح اللہ، عزیز الکلو تے،
یہ ہے منشائے ایزدی آدم موردِ باز پرس سخت نہ ہو،
وہ ہے خلقاً ضعیف بے چارہ، در گذر در گذر کریمانہ!
رام کرنا ہے قہر ال قہار روکنا ہے کشاکشِ باہم رحم و انصاف میں جو پیدا ہو۔
صاف صاف اس طرح — ہویدا ہے جو ترے پر جلال چہرے سے۔
اس سعادت سے بے نیاز نہ کہ ترے بعد وہ یگانہ ہے،

سر ہتھیلی پہ رکھ کے لے آیا،
کسی عنوان ہو یہ جاں دادہ آدمی کی خطا کا کفارہ
اے عدیم النظیر جذبِ شہود، اے محبت جہاں ہے تو موجود
ملکوتی و قدسیاتی ہے!
آفریں، آفریں، روح اللہ —— ناجیٔ نسلِ آدم وحوا۔
نہ کرے گا مرا سرود کبھی تیری مدحت سرائی سے پرہیز،
اب مری مثنوی سدا تیرے نامِ نامی کے ذکر سے لبریز،
اور حینِ حیات آیندہ ذکرِ حمد الہ سے ربط آمیز
انجمستاں سے ماورا سرخوش تھے وہ مشغول حمد خوانی میں،
یوں گذرتی تھیں چین کی گھڑیاں عرش پر پاک خو فرشتوں کی۔
عین تب مستدیر دنیا کا غیر شفاف استوار کُرہ
—— اولیں جوف سے جدا جس کے سفلیہ نور پاش سیارات
فتنۂ اختلال سے مامون، شبِ یلدا کی گھات سے بیرون ——
اہرمن کی فرودگاہ بنا
کالے کوسوں جو تھا بظاہر دور وہ کُرہ اب دکھائی دیتا تھا
بیکراں بر اعظمِ تاریک، چینِ شب سے اجاڑ، گھپ، بنجر،
بے ستارہ و فاش، پے در پے خوفناک اختلال کے منہ زور
وہ تھپیڑے کہ جی دہل جائے۔
چرخِ نیلوفری ستم راں ہے، زیرِ دیوارِ عرش، اوٹ میں دور
نظر افروز تھا گھنا سایہ ——
رخِ بادِ نسیم، سوز دمیں حسبِ معمول تُند طوفاں کی۔

بے دھڑک اس جگہ نڈر رختاس صاف میدان میں روانہ تھا—
جیسے پروردۂ امس کرگس— (کوئی برفونیٔ ہمالہ سے سلسلہ منجمد شمالی تک)
چوٹیاں برف پوش جس کی ہیں سدِ راہِ تتار دشت نورد—
اک تہی صید گاہ سے نکلے بوٹیاں زہر مار کرنے کو
نرم لیلوں کی تازہ برّوں کی گھاس سے پُر گھنی تلہٹیوں میں—
ریوڑوں کی ہری چراگاہیں—
(برکوچک کے دو بڑے دریاؤں) گنگ و جہلم کا رخ کرے لیکن
غیر ہموار اڑان میں یک لخت
ہانپ کر راہ میں فرود اترے سنکیانہ کے ریگ زاروں میں،
جہاں صرصر سے بادباں والی بہلیاں بانس بید کی چینی
ہلکی پھلکی، اڑائے پھرتے ہیں۔
بس اسی طور بحر خشکی پر آندھیوں کے جھکور جھکڑ میں
ہوس صید میں بلند و پست پھر رہا تھا کھدیڑ تا ختّاس
اب جریدہ— وہاں فقط وہ تھا، کہ ابھی دورِ نیستی کا تھا
تھی نہ موجود اور مخلوقات کوئی بھی جاندار یا مردہ
بعدہٗ، مثل ابخراتِ اثیر پھر اسی سر زمین سے پرّ اں
جوق در جوق آئیں گی اس سمت، ہیچ بنیاد عارضی اشیا
اور ہو گا گناہ ٹھسے سے حاوی کاروبارِ انسانی
لیس بالشئے فریق اک ان میں، ایک طبقے کو خام حرص و آز
ہمچنیں نیچ، ہیچ پوچ— پہ سوچ مال اقبال نامِ نامی کی
آرزو جاہِ جاودانی کی، خوبصورت حیاتِ ثانی کی۔

پائے لیکن وہ اجر جیتے جی —— رنج دہ وہم ولغو جوش کا پھل ——
ہو تمنا جنہیں ستائش کی ٹھیک ان کو ملے صلہ —— یعنی
ٹھوٹھ، اپنے کیے ہوئے اعمال
دست قدرت کے سب نمونہ جات مہمل و ناتمام، ادھ کچرے،
راچھش ان گھڑ، کریہہ ملغوبے ہو کے تحلیل بھوم دھرتی میں
اس طرف کو فضول لپکیں گے یاں تلک بس دیہانت ہو جائے (مرجائیں)
خواب دیکھا کریں پڑوس میں یہ خوش نما چاند پر نہ اتریں گے،
کہ سکونت پذیر تو ہوں گے چاند نگری کے سیم زاروں میں
حضرت ادریس وحضرتِ الیاس، جو اٹھائے گئے نبی زندہ ——
ثقلان ایسے بین بین بھی جو نیم خاکی ہیں نیم نوری ہیں (جن آدمی)
شاد آباد چاند پر ہوں گے۔
دیگر اس سمت لائے جائیں گے دوغلی نسل بیٹیاں بیٹے، (گوت کنیاؤں دیوتاؤں کی)
عہدِ پیشین کے بزرگ تمام، دیو پیکر گرامی و نامی،
کارناموں پہ بے تکا غرہ، ایسے مہمل، قبولِ عام رہا حاصل اس وقت تک کہ جیتے تھے۔
آئے باوقر قریہ مثعر بابلِ سال گشت کے بانی ——
حسب مقدور ساز و ساماں ہے، جس کے ویراں کھنڈر پہ گاہ بگاہ
فاخرانہ، جدید طرزوں کے نئے بابل کئی بنائے گئے۔
پھر یکے بعد دیگرے پہنچے۔ ایمپی ڈوکلز دیوتا خود زعم
کہ جوالا مکھی میں اٹینا کے بے دھڑک کود کر خراب ہوا۔
''فائدہ'' خواں کلمبر وتس بھی، نظری جنت فلاطوں کی
ہوس خوش میں ڈوب کر جس نے ایک ساگر میں خودکشی کر لی۔

سلسلہ وار مدتوں وارد — ادھ بنے بال، گاؤدی گھامڑ،
پادری، راہب، اسقف وشماس، دلق خاکستری سفید سیاہ،
(کارمٹ، ڈومنک، فرانسسکی) منزل افتادتیم ٹام کے ساتھ۔
گول گوتہ کے گرد گرداں ہیں قافلے بدعقیدہ زائروں کے
مدفن اس کا سراغ کرتے ہیں جو بہشت بریں میں زندہ ہے
لوگ یہ مبتلائے خوش فہمی کہ انہیں ہے بشارتِ فردوس،
زیب تن وقتِ مرگ کرتے ہیں کچھ تو ڈومنکی خرقۂ خاشاک
(جیسے انسان دوست انجیلو پولزی آنو — شاعر اٹلی)
کچھ فرانسسکی روپ دھارتے ہیں (جیسے گیڈو ڈمانٹی فلٹرو)
رہگذر پر ہیں سبع سیارے، پھر ثوابت ہیں، پھر بلوریں سپہر
جو ترازو ہے اہتزاز کے ساتھ (اہتزازِ مسیرِ شمس کہ ہے
باعث اعتدالِ لیل و نہار حکمائے قدیم کے نزدیک)۔
پھر دہم چرخ پروروداں کا — وہ نخستیں محرکِ ابداع،
(دور سب آسماں باقی ہیں اس کی گردش کے ہم قدم ہو کر)
کنجیاں لے کے منتظر پطرس بابِ جنت کی چور کھڑکی پر،
آسمانِ بلند کے نیچے ڈالتے ہیں کمند پا اوپر
ہوسِ اوج انہیں مگر دیکھو گرہ باد میں جداگانہ
تند باد مخالف ان سب کو جا پہنچتی ہے دور ہر تٹ سے،
اینڈے بینڈے ہزار ہا فرسنگ — ایک حیران کن تماشا ہے۔
کلہ و جُبہ، خلعت و دستار اڑتے پھرتے ہیں دھجیاں ہو کر،
ٹھوکروں میں تمام جامہ زیب،

ہر تبرک و مغفرت نامہ، سندِ عفو و محضرِ پاپا، شُقّہ، خلد و دانہ، تسبیح
ہے کھلونا ہوا کے ہاتھوں میں؟
ان سے اٹکھیلیاں کرے پہلے، پھر جہاں کے عقب میں جا پھینکے —
وہ کشادہ و بے کراں اعراف حمقا کی جسے کہیں جنت۔
وقت اس کھیل میں ہے کچھ باقی — ہو کا عالم ہے، یہ مقام ابھی
آمد و رفت سے نہیں پامال — کوئی آدم یہاں نہ آدم زاد
تیرہ و تار یہ تمام کُرہ خوب خنّاس دیکھتا گذرا،
دیر تک ناحیہ میں سرگرداں۔
آخر اس کے قدم تھکے ماندہ موڑتی ہے کمال سرعت سے خاوری نور کی کرن اس رخ،
نظر آتی ہے منزلوں بالا، دور عالی شکوہ اک تعمیر،
آسماں بوس سقف و بام تلک وہ مثبّت، مرصّع و منقوش،
سامنے جس کے ایک دم پھیکا زر و الماس کا جڑاؤ کام
در و روکارِ کوشکِ کے پَر۔
خوش نما، آبدار، تابندہ ایسی بھرمار تھی نگینوں کی
جگمگاتا تھا صدر دروازہ — وہ عدیم النظیر، موئے قلم
عکس اس کے نہ مثل اتار سکے تا زمانہ وجودِ ارضی پر
نردباں ہو بہو — نبی یعقوب جن پہ کرتے رہے تھے نظارہ
عرشیوں کا دمِ ہبوط و صعود — پرے برّاق نگہداروں کے۔
وقتِ ہجرت سوئے دیارِ لوز پدن آرم ز جانب ایسو۔
وہ کھلے آسمان کے نیچے رات بھر خواب دیکھتے رہنا
ہو کے بیدار پھر پکار اٹھنا یہ ہے عرش بریں کا دروازہ،

پھر مجاز آ کہیں جسے زینہ کب ہمہ وقت جا بجا موجود،
تھا بہ افلاک یوں صعود اس کا اس جگہ او جھل اس جگہ اوٹل
نیچے سیال یشب وابرق کا یم زشندہ موجزن تا دور
جو پدھارے بدیر دھرتی سے وہ سوار آئے ایسے بجروں پر
جو فرشتے پروں سے کھیتے تھے۔
بعض پانی کے راستہ وارد، بعض پرواز جھیل پر کرکے،
مست رتھ پر براجماں جیسے لے کے سرپٹ اڑے اگن گھوڑے۔
سیڑھیاں پھینک دی گئیں نیچے، سہل چڑھ آئے باندھ کر ہمت
اور، اخناس تلملائے کھڑا کہ اسے یوں نکال پھینکا ہے
مہا آنند ورش سے جیسے بال مکھن سے، دودھ سے مکھی۔
تحت رہ سوئے ارض کھلتی ہے سامنے عین فوقِ تخت ارم،
مرصد اس سے فراخ، جو مابعد سرِ کوہِ زیون سے ہو کر (چوڑی سڑک)
ارض موعود میں گزرتی ہے۔ (وہ کشادہ صراط پاکیزہ خاص یزدان کی پسندیدہ)
حسبِ ارشادِ عالیٔ ایزدا کثر و بیشتر طواف کناں
جہاں کرتے ویان زیارت کو اہلِ اقبال و یمن جرگوں کی۔
تھی جو اقلیم آنکھ کا تارا
پانیئس سے (وہ منبعِ اردن) تا بیرُ السباء (مغرب میں (کنواں)
سرحدِ ارضِ مقدسہ کی جہاں قلزم و مصر سے ہے پیوستہ،
اس قدر رہ وہ کھلا ہوا موکھا
جہاں ساحل پہ موج کٹ جائے، تام ظلمت کی صف لپٹ جائے۔
اہرمن اس جگہ سے چلتا ہے، پہلی سیڑھی پہ پاؤں دھرتا ہے،

درِ جنت کی سمت بڑھتا ہے، زینۂ زر قدم پہ چڑھتا ہے،
دفعتہً اس کی چشم حیرت پر منظرِ دہر ایسے کھلتا ہے۔
یک بیک جس طرح کوئی مخبر
گھپ گھنیرے اجاڑ رستوں پر، جان جوکھم میں رات بھر چل کر
صبح دم آخرش کھڑا پائے خود کو چھجے پر اک پہاڑی کے،
ہو نہ اس کو گمان تک لیکن آنکھ میں واں چڑھان سے جھلکے
اک بدیشی تعلقہ، بھرپور عمدہ و خوشگوار امکاں سے،
بھوم پہلے پہل نظر آئے، راجدھانی ہو یا کوئی جس کے
جھلملاتے ہوئے نگر مرغول، جگمگاتے ہوئے کلس — جن پر
چڑھتا سورج بکھیر کر کرنیں آب سونے کی پھیر دیتا ہو۔
منظر ایسا کہ دم بخود کر دے۔
خلد کا سیر بیں فرشتہ کب لائے کوئی بہار خاطر میں،
تھا مگر اس جہاں پہ وہ جوبن رشک آئے نہ بن پڑے اس کو
چار سو جائزہ لیا اس نے، سہل تھا یہ کہ ایستادہ تھا،
رات کے مستزاد سایوں کے گھیر منڈپ سے وہ کہیں اونچا۔
شرق میزان کے دقیقہ سے نجمِ پشمیں (حمل) کی نکڑ تک
او قیانوسیہ بحور سے دور، اندرومادتار امنڈل ہے۔
جس جگہ سب عیاں نظر آیا قطب تا قطب اب اسے عرضاً۔
جھٹ وہ دنیا کے پہلے خطے پر بے تکاں، بے درنگ بجلی سا
ٹوٹ پڑتا ہے بھر کے فراٹا۔
نرملی دودھیا ہواؤں میں تیز کرتا ہوا سفر آڑا،

ان گنت تارا جھرمٹوں میں سے ــــ

دور تارا سے جو دمکتے تھے پاس دنیائیں اور ہی نکلیں،

جابجا جھنڈ جھنڈ میوہ زار ــــ عہد ہائے عتیق کے معروف

باغ جیسے طلائی سیبوں کے (راکھیاں جن کی ہسپری بہنیں)۔

کھیت زرخیز، وادیاں گل ریز، کنج گنجان سہ گنا شاداب،

ہاں یہاں کے فروکشوں کو نہیں احتیاجِ سوال ہوتی ہے۔

ماسوا، اس کی چشمِ حیراں کو موہ لیتا ہے زرفشاں سورج

آسماں رنگ جگمگاہٹ سے۔

شانت آکاش میں سے بال گشا اب اسی سمت رو بہ منزل ہے،

(یہ تعین محال اگرچہ تھا یہ سفر ہے فرو دیا بالا

تھا وہ مرکز گریز، مرکز جو یا بہ طول السّماء اندازہ)

اِس کرے کو الگ تھلگ یکسر، عام گنجان تارا منڈل سے۔

باہمہ بُعدِ چشمِ پُر تمکیں اپنی رفعت سے نیّرِ اعظم بے تحاشا فروغ بخشتا ہے۔

رقصِ اجرام میں اضافہ ہے

جس کے تخمینے کیا درست مگر عددِ روز و ماہ و سال کے ہیں

اس چراغ نظر فروز کے گرد گردشیں تیز و مختلف ان کی،

مثلِ آہن ربا چمک اس کی ہر کسی کے لئے سبیلِ خرام۔

کس قدر معتدل حرارت سے سینکتا ہے وہ کائنات تمام۔

اس طرح انگ انگ میں کرلے گرم مُبہم ملائمت سے نفوذ

کہ رچے خوب الوپ گن گہرا،

طرفہ قائم ہے مستقر اس کا ــــ تاباں و تابناک و تابندہ:

اس جگہ پر اترتا ہے خناس، خطۂ بے مثال، مثل اس کا
نہ کیا ہو مشاہدہ شاید اہلِ ہیئت (گلیلیو) نے ہنوز
صیقلی دوربین نلکی سے قرصِ خورشیدِ نور آگیں میں۔
واں کی تابانیوں کا وہ نقشہ کھینچ سکتا نہیں تھا لفظوں میں،
ویسے پتھر نہ دھات دھرتی میں انہیں تشبیہ جن سے دے سکتا۔
جوڑ یکسر جدا جدا، لیکن عکس ضوریز کی سرایت سے
ایسے مقرون تھے کہ آتش میں آہن اخگر بساں دہکتا ہو۔
دھات اگر مانئے یہ جز و کل نصف سونا تھے نصف چاندی تھے،
کہیئے پتھر تو شب چراغ تمام، ورنہ پکھراج لعل، لہسنیا
جیسے چار آئینہ میں ہاروں کے اِن ثنا عشر کے لئے ہوں گے،
یا کوئی اور قیمتی جوہر جو برونِ خیال ہو نایاب، وہی پتھر خواص کا حامل
حکما کھوج میں رہے جس کی مدتوں ہی فضول سرگرداں——
(سنگ پارس کی) بے نتیجہ کھوج۔
تھی مہارت وہ کارگرفن سے ماریں کشتہ نچنت پارے کا۔
پیرِ فرتوت۔ بحرِ بے زنجیر کہے لبیک بانگ پر ان کی،
سوانگ جو دھارتا ہے رنگ برنگ،
یہ قرِ نبیق میں کشید کے بعد اصل اس کی نتھار دیتے ہیں۔
کچھ اچنبھا نہیں وہاں سوتے نرمل امرت کے پھوٹ بہہ نکلیں
کھیتی کھیتی میں نگری نگری میں۔
ندیوں میں پگھل پگھل سونا یوں رواں ہو کہ اوک میں بھر لیں،
اور ہم سے بعید تر سورج کیمیاداں، مہوسِ مشاق (کیمیاگر)

اک موثر مساس سے، جس میں کیفیاتِ زمین آمیزہ،
متشکل کرے اندھیرے میں ایسی اشیائے بے بہا، جن کا
رنگ نیرنگ خاصیت خاصہ۔
مادّہ اب نیا نظر بھر کر دیکھا ابلیس نے مگر اس کی
آنکھ جھپکی ذرا، نہ چندھیائی
آنکھ منظر نمائے بے پایاں، کوئی پائے نظر میں خار نہیں۔
چھپ گئی چھاؤں، دھوپ چڑھ آئی، وہ سماں تھا بھری دوپہروں میں
عین نصف النہار پر سورج جب خط استوا پہ پڑتا ہے۔
تھیں عموداً بعینہٖ کرنیں، پرفشاں، مستقیم سمت الرّاس۔
پڑ نہ سکتی تھی ارد گرد ذرا ٹھوس ٹھیگر دھڑوں کی پرچھائیں،
جو شفاف تھی کہاں ایسی،
بصری تھی کرن کرن تا دور، ہو گئی چیز چیز آئینہ۔
دائرے میں نظر کے عکس نما اک فرشتہ اسے ہوا محسوس،
وہ علومرتبہ جسے دیکھا دھوپ میں پاک بازیچے نے
خوبصورت شعاعوں کا سر پر اک سنہرا مکٹ دھرا تھا گول،
شانہ پر برآمدہ پہ عجب گیسوئے تابدار کا عالم،
نور ہی نور موج زن جیسے۔
ایسا معلوم ہو رہا تھا اسے ذمہ داری اہم ہوئی تفویض یا وہ غلطان تھا تردد میں
وہ اسے دیکھ کر نہال ہوا، یہ بندھی شر شرار کی ڈھارس (بدروح)
تھکی بھٹکی ہوئی اڑانوں میں مل گیا کوئی ڈالنے والا راہ فردوس پر اسے سیدھا۔
ابن آدم کا مستقر فردوس، منزل اس کے سفر کی، اور آغاز

دکھ بھرے جگ میں اپنی بپتا کا۔
تاہم اب کینچلی اتارے گا، روپ کوئی بھرے گا موزونی،
ورنہ امکان تھا مبہم اس کی دیر و دشوار سے مکلّف ہو۔
کی سحروش حسیں کر دبی سی اس نے کایا کلپ، انوپ انوپ
کہ نہ ہو عہد عنفوان اس کا — چہرۂ صاف پر نمایاں تھی
ملکوتی شباب کی رونق — بانکپن عضو عضو سے ظاہر
وہ نمود و نمائے رعنائی، روپ بہروپ کامیاب اترے۔
تاجکِ زرنگار سر پر تھا، بال بکھرے ہوئے تھے شانوں پر
کاکلیں کھیلتی تھیں گالوں سے پنکھ (جیسے دھنک ہو) رنگا رنگ
اور چھڑ کا ہوا برادہ بور روئیں روئیں پہ کندنی، اجلا،
ٹھیک ملبوس کی تراش خراش۔ چست ایسی کہ برق پائی میں
مطلقاً بھی نہ ہو خلل انداز۔
وہ کمر بند میں کمر بستہ، ہاتھ میں ایک نقرئی سوٹی، کہ نہ ڈھلوان پر قدم رپٹے۔
پاس آیا مگر نہ بے کھٹکے — وہ جو پہنچا، فرشتۂ نوری
جھٹ خبردار ہو کے مڑتا ہے۔
چہرۂ ضوفشاں یہ کس کا تھا، کون تھا سامنے، لیا پہچان۔
وہ رئیس الملائکہ عوریئل، یکے از ہفت عرشیانِ جلیل،
دست بستہ حضورِ یزداں جو باادب باملاحظہ حاضر
ہیں سدا کرسیٔ رفیع کے پاس — ذاتِ یزداں کے دیدۂ بینا،
آشکارا ہے مہ سے تا ماہی، از سماوات تا سمک، ان پر،
ایلچی جو پیام لے جائیں بحر و بر خشک و تر پہ ہاتھوں ہاتھ۔

اہر من نے پسِ علیک سلیک بات عوریئل سے یہ اب چھیڑی:
سات نور آفریں فرشتوں میں، ہیں حضورِ الہ جو استادہ
سامنے کرسی معلیٰ کے تیرا اولیٰ مقام ہے عوریئل،
تو نقیبِ مشیتِ برحق، پیکِ عرشِ رفیع، موجودات تری جانب ہے سب ہمہ تن گوش۔
حسبِ منشائے ایزدی تجھ کو ہے مقدر شرف کہ در آئے
اور یزداں کی چشم وا بن کر عالمِ نو کی سیر فرمائے۔
ایک نا قابل بیاں خواہش لے کر آئی کشاں کشاں مجھ کو
کہ تماشائے کائنات کروں۔
خود کو میں واقفِ معمائے کارگاہِ عجائبات کروں۔
ہے تجسس کہ خوش نصیبی سے ابن آدم کا ہو مجھے دیدار،
جس سے یزداں کو شادمانی ہے، جس پہ ہر لطف و مہربانی ہے۔
باعثِ آفرینش و ایجاد ہے، جو قدرت کے کارخانے کا۔
دور کرّوبیاں کے حلقہ سے آن نکلا ہوں میں اکیلا ہی
اے کروبیٔ تابناک، بھلا یہ تو معلوم ہو مجھے آخر
وہ چمکدار ان کروں میں کہاں مسکن اپنا بنا کے رہتا ہے؟
جا گزیں گر نہیں ہوا اب تک وہ چمکدار ان کُروں میں کہیں
پھر ارادہ کدھر کا رکھتا ہے؟
کچھ کھلے حال، میں اسے ڈھونڈوں، جی میں کیا کیا ہے وہ اگر مل جائے
اوٹ سے دیکھیے نظر بھر کر، مرحبا بالمشافہ جا کہیے۔
ذات باری نے ابن آدم پر رحمتوں کا نزول فرمایا،
مرحمت کر دیئے اسے کونین،

آفرینندۂ زمان و مکاں ہے سزاوارِ مدحت و تمجید
بے شک اس نے بجا دھکیل دیئے سرکش اعدا عمیق دوزخ میں،
اور نقصان کی تلافی میں فرخ انسان کر دیا تخلیق،
جو اطاعت گذار بندہ ہے۔
عالم الغیب ہے، حکیم ہے وہ، اپنی حکمت میں کیا عظیم ہے وہ"
اس قدر کہہ کے ہو گیا خاموش وہ دغاباز الوپ بہروپی
یہ نہیں آدمی کے بس کا روگ، نہ ہی توفیق یہ فرشتوں کی
جو ریا کی نشاں دہی کرتے، عام ہے گو، عیاں نہیں یہ عیب،
بھانپ سکتا ہے بس اسے یزداں۔
وہ بھی از روئے حکم بے مانع جو زمیں آسماں پہ چلتا ہے،
گرچہ اکثر خرد بھی ہے بیدار،
بدگمانی ضرور سوتی ہے اس کی چوکھٹ پہ تان کر لمبی
اور خود فرضِ منصبی اپنا سونپ سادہ دلی کو دیتی ہے۔
جب بظاہر نہ شر نظر آئے سوئے ظن طبعِ نیک کیوں کرتی،
تھی کچھ ایسی ہی کیفیت عوریئل بھولپن سے فریب میں آیا،
گو اتالیقِ شمسِ رخشاں تھا، اور سب قدسیانِ عرشی میں
دیدہ ور کوئی تھا نہ اس ایسا۔
اس نے مکروہ مکر خو ٹھگ کو صاف گوئی سے یوں جواب دیا:
قدسی خوبرو تری خواہش کہ تو قدرت کے کارخانے کو
دیکھ کر اس عظیم صانع کی خوب حمد و ثنا بیاں کرے،
کوئی ایسی زیادتی بھی نہیں،

بلکہ یہ امر تو ہے مستحسن جس قدر ہو زیادتی اس میں

جستجو یہ بڑی مبارک ہے جو تجھے کھینچ لائی ہے تنہا،

قصرِ فردوس سے بچشم خود ان مناظر کا ہو تماشہ بیں

شاد جن کی کہانیاں سن کر جو فروکش ہیں عرش پر حضرات

کے شنیدہ بود کہ چوں دیدہ۔ صنعتِ کردگار کیا کہنا

حیرت انگیز واقعی ایسی دیکھیے تو نہال ہو جائیں۔

یہ نمونے ہیں شان کے شایان خوشنما، دل پذیر سب ایسے

دل میں بے اختیار رکھ لیجے۔

ان گنت ارب کھرب وہ اتنے کہ احاطہ نہ کر سکے ادراک

نہ ہی حکمت کو ہوشماران کالاکھ وہ اپنے آپ میں نزانت (بہت زیادہ)

گرچہ یہ سب اسی کی ہیں ایجاد کنہ ہے کن فکان کی علت۔

یاد ہے کن فکان کا اعجاز بے ہیولی یہ مادّہ جس وقت ——

اینٹ گارا جہاں کے ڈھانچے کا —— ٹھوس صلصال کا بنا تودہ۔

جب سنی ابتری نے وہ آواز آیا قابو میں تند ہنگامہ،

ہوئی محدود ایارتا بے ڈول، (جو پارنہ ہو)

بار دیگر جو حکم فرمایا تیرگی چھٹ گئی دھواں ہو کر،

دھند سے روشنی چمک اٹھی، اور گڑبڑ سے قاعدہ پیدا۔

یہ عناصر کڈھب ہوا مٹی آگ پانی بڑی ہی پھرتی سے

اپنے اپنے دوار کو لپکے،

عنصر خامسہ اثیر، لیے اڑ گیا عرش جانب افراز،

حر کی ہیکلیں تھیں نوع بہ نوع، جو مدّ ور گھمیریاں کھا کر

بن گئیں بھانت بھانت کے تارے جو تجھے بھی دکھائی دیتے ہیں۔
محوِ گردش سب اپنے محور پر طے محل، طے شدہ مداران کے،
دیگر اجرام رقص سے چادر تان دیتے ہیں کائنات کے گرد۔
جھانک کر دیکھ وہ کرہ نیچے، اس جہت کو ہے کس طرح جگ مگ
پرتوِ نوریاں سے پڑتا ہے۔
وہی خطہ، وہی جگہ ہے زمیں، آدمی کا وہیں ٹھکانہ ہے۔
روشنی اصل میں ہے دن واں کا، جبکہ برعکس رات کی زد میں کرہ نصف گھور رہتا ہے۔
ایسے عالم میں گاہ البتہ پاس سے چاند کی کمک پہنچے۔
(چاند وہ دیکھ دور اس جانب اخترِ خوشنما کو کہتے ہیں)
گردشیں چاند کی یہ ماہانہ اب ہوئیں ختم، اب شروع ہوئیں درمیاں آسمان کے پیہم۔
روشنی مستعار وہ یاں سے لے کے چہرے میں آب بھرتا ہے،
(پورنماشی، ہلال، اماوس کے) تین جلیوں میں اور بکھیرتا ہے
کہ زمیں نور میں نہاتی ہے۔
اپنی اقلیم زرد میں ایسے روک لیتا ہے رات کی یورش۔
دیکھ اشارہ مرا، وہاں بالکل وہ ہے فردوس، مسکنِ آدم۔
ہے وہیں ان دراز سایوں میں اس کا خلوت گزین کاشانہ۔
وہ ترا راستہ ہے لگ اس پر اور میں اپنی راہ لیتا ہوں"۔
یہ کہا اور چل دیا عوریئل۔
اہرمن نے بھی جھک کے تعظیماً لی اجازت کہ عرش پر آداب
ہیں یہ اعلیٰ ملائکہ کے لئے۔
وہاں حفظِ مراتب و درجات خاص ملحوظ رکھی جاتی ہے۔

رخ کیا سوئے ارضِ دوں اس نے دورۂ آفتاب کے نیچے،
دل میں امید کے دیئے روشن، مست صہبائے کامگاری سے،
تیز سیدھی اڑان سے گذراں، چکروں سے ہوائی عالم کے
دم نہ لینے کو وہ رکا دم بھر،
آن اترا بلند چوٹی پر کوہ نفت کی — (آرمینیا میں)

دفتر چہارم

تلخیص

ابلیس جوارِ عدن میں ہے، اس پر شکوک واوہام ریلہ کرتے ہیں — عجیب جذبات اور احساسات — خوف، حسد، نومیدی، لیکن انجام کار وہ بدی پر کمربستہ عازم فردوس ہوتا ہے۔ فردوس کا بیرونی منظر اور محل وقوع — سرحدات پھلانگ ابلیس ماہی خور کے روپ میں شجر حیات پر جا بیٹھتا ہے کہ بلندی سے گردوپیش کا جائزہ لے۔ فردوس کا بیان—

ابلیس آدم وحوا کو ڈھونڈھ نکالتا ہے۔ ان کے سڈول پیکر اور شادماں ماحول کو دیکھ کر جل بھن جاتا ہے۔ تباہی کا تہیہ پختہ ہوتا ہے۔ ان کی بات چیت پر کان لگاتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان پر شجر العلم کا پھل حرام ہے، چکھ لیں تو موت ان کا مآل بنتی ہے۔ یہ منصوبہ بناتا ہے کہ کسی طور انہیں اسی ثمر چشی کی ترغیب دے۔ بہر حال سر دست وہ آدم وحوا کو اپنے حال پر چھوڑ کر اور سن گن لینے کی نیت سے آگے بڑھتا ہے۔

ادھر عوزئیل کرن پر سوار، رضوان فردوس جبرئیل کو آگاہ کرتا ہے کہ ایک پلید پریت پاتال سے بھاگ کر دوپہر کے وقت اس کے علاقے سے گذرا ہے جس نے فرشتہ کا روپ دھار رکھا ہے۔ رخ اس کا فردوس کی طرف تھا، ایک پہاڑی پر اترا تھا جہاں اس کی بیہودہ حرکات نے اسکا پول کھول دیا تھا۔

جبرئیل صبح سے پہلے اس کو ڈھونڈھ نکالنے کا عزم کرتے ہیں۔ رات پڑ چکی ہے۔ آدم وحوا ہنستے بولتے گھر کو روانہ ہیں، ان کی رہائش گاہ کی تفصیل۔ اور عبادت گذاری کا منظر۔ جبرئیل شب کے محافظ دستوں کو چار طرف دوڑاتے ہیں۔ دو فرشتے

آدم وحوا کے کاشانے کی نگرانی پر مامور ہوتے ہیں۔ مبادا وہ پلید انہیں سوتے میں گزند پہنچائے۔ کیا دیکھتے ہیں ابلیس خواب میں حوا کو پریشان کر رہا ہے اور عین ان کے کان سے لگا بیٹھا ہے۔ فوراً دبوچ لیتے ہیں کشاں کشاں اسے جبریل کے حضور لاتے ہیں۔ وہ باز پرس کرتے ہیں تو یہ اکڑ کر جواب دیتا ہے اور مرنے مارنے پر اتر آتا ہے۔ یہاں اشارہ غیب سے خونی بحران ٹل جاتا ہے اور ابلیس وہاں سے دم دبا کر بھاگ لیتا ہے۔

او ندائے مہیب تنبیہی، عرش سے آئی جو علی الاعلان
عالمِ کشف میں (یوحنا کو دور پیموس کے جزیرے میں)
دوسری زک اٹھا کے جب اژدر آگ پھنکارتا، غصیل ہوا
پھر نمودار، آدمی کے خلاف، سر میں سودائے انتقام لئے۔
(وائے اے ساکنانِ خطۂ خاک)۔
اپنے جدّ ینِ اصل کو بروقت مطلع کر دیا تھا — آئے گا
پھر عدو، مارِ آستیں، ان کا، ہو گیا تھا بچاؤ گو اک بار،
بچ گئے تھے وہ خوش نصیب اس کے مہلک وجاں ستان پھندے سے۔
تاؤ بھٹی میں اہرمن ہو کر لال پیلا زمین پر نازل — چوں بلائے کز آسمان رسید۔
ابن آدم کے حق میں تحریصی اور بہتاں طراز، بھاگا تھا
دم دبا کر، بجانب دوزخ، منہ کی پہلے پہل جو کھائی تھی،
مدعی اب کہ اس ہزیمت کی سب تلافی یہ بالضرور کرے
یہ بھلامانس آدمی — بودا۔
گامزن تھا مگر نہ آسودہ، لاکھ جیوٹ بھی، اور دوری نے
بے دھڑک بھی بنا دیا، تاہم تھا مباہات کا ہرن نشہ
ہوسِ جاں گسل میں دیوانہ، ہے جنم سے جو اضطرابانہ
سینہ ملتہب میں جوشیدہ۔
توپ طاغی دغے کہیں جیسے پراچٹ کر وہیں پھٹے گولہ،
ہول وشک سے کذھب خیالوں میں بوالعجب انتشار ایسا تھا۔
تھی جہنم درون ذات سعیر، تھا جہنم بجان ودل بے پیر،
دو قدم بھی تو جا نہ سکتا تھا وہ جہنم کے جوف سے اڑ کر،

ترکِ ماحول حل نہیں، ہوتا بسکہ ہے ذات سے فرار محال۔
غرفۂ یاس تو مقفل تھی، دستک اس پر ضمیر دیتا ہے،
تلخ یادیں بحال ہوتی ہیں ــــ آہ کیا آن بان تھی اس کی،
یک بیک ہو گیا یہ کیا، اس پر وسوسہ یہ کہ اور کیا ہوگا،
گر ہے بدتر عمل، جزا بدتر!
ہوسِ خوش نظارگی میں گاہ فکرِ باغِ عدن میں آوارہ،
وائے ویران چشم بے جلوہ!
گاہ سوئے فلک نظر پراں قرصِ خورشید کی تماشہ بیں،
جو بصد آب تاب حجلہ نشیں برجِ نصف النہار میں فی الوقت۔
یونہی گردان اور سرگرداں، دل گرفتہ وہ یوں ہوا گویا:
''اے کہ تو صد شکوہ و شان کے ساتھ اپنی اقلیمِ بے شریک سے ہے
گیتیٔ نو پہ دیوتا کی طرح، تاج بر سر، فرود چشم نما،
دیکھتے ہی جسے ستارے سب ننھے مکھڑوں پہ ڈال لیں گھونگھٹ،
تجھ سے روئے سخن ہے گو میرا، تلخ اسلوبِ گفتگو ہوگا
نام آیا زبان پر خورشید آج تیرا تو واشگاف کہوں
بارِ خاطر تری شعاعیں ہیں ــــ کہ مرے حافظہ میں ان سے ہے
صاف اجاگر ہبوط کا منظر ــــ ہائے وہ عالمِ عروج مرا
اوج وہ ہیچ روبرو جس کے آشیانہ بلند یہ تیرا ــــ کبرِ بے جا کے شوخ زائیدہ!
وائے منحوس امنگ کی ترغیب آسماں کے عظیم والی سے
دوبدو پنجہ آزمائی کی ــــ کوئی پوچھے کہ مدعا کیا تھا؟
اپنے ہی آفریدگار کے ساتھ یہ رویہ تھا ناروا، بے شک

کہ اسی کی عطائے وافر سے شرفِ امتیاز مجھ کو تھا،
منصب اعلیٰ و مرتبت والا، آنکھ کوئی اٹھا نہ سکتا تھا
یہ صلہ تھا نیاز مندی کا — طاعت و عبدیت تو آساں ہے،
کبریا کی ستائشیں گاؤ — کرمِ بے حساب کے بدلے
شکر اس ذات کا بجالاؤ، صرف اس کے حضور جھک جاؤ،
بندہ پرور کی بندگی واجب۔
خسروانہ وہاں تلطف تھا، میرا ردِ عمل تھا خصمانہ،
خون میں گھل گیا سمِ طغیاں، وہ ضلال البعید وَاستکبر۔
انحراف وفا کی خو کیسی، صاف سودا مجھے ہوا لاحق
اس عظیم و رفیع ہستی سے سبقت لیجئے بعنوانے
طرفۃ العین میں پرے پھینکوں اس کے فیضان کا جو اُبو جھل،
ہو کر آزادِ عروہ وثقیٰ — بے حد احسان مندیاں بے باق۔
گرچہ اس کا ادھار ہے دلچسپ، جوں کا توں ہے ادا ہزار کرو۔
میں بھلکڑ مجھے نہ دھیان آیا، ذات اس کی غنی و مستغنی،
نہ یہ پلے پڑا، دلِ ممنون دادنی بھی مگر نہیں مدیون۔ (مقروض)
فیض جاری، ادائیگی جاری، قرض بھی ہے حساب صاف بھی ہے
زیر باری کا پھر محل کیا ہے؟
(اوہ) یوم ازل مجھے کرتی گر مقدر وہ مقتدر تقدیر
ثانوی حیثیت ملائک میں کس قدر قلب مطمئن ہوتا،
بے تحاشا امید کیوں بنتی تازیانہ سمندِ شوق پہ یوں۔
واقعہ کچھ نہ کچھ مگر ہوتا —

ہوسِ جاہ میں کوئی شہزورِ علم سرکشی اٹھالیتا۔
میں کم اوقات و مصلحت بیں تب ہمنوائے شریر ہو جاتا،
گو وہاں دوسرے متین بزرگ کبھی ہوتے نہ شاملِ تحریک،
قعرِ پستی ہے محترزہ تو، کارِ ذلت سے معتذر، ڈٹتے
بے محابا مقابلِ فتنہ، باطناً بھی، بداہۃً بھی خوب،
کاش یارا مجھے بھی یہ ہوتا،
کوئی ثابت قدم، نہ بے قابو لغزشِ پا کا مرتکب یوں ہو،
اب کسے موردِ خطا کہیئے؟
عرش پر لطفِ بے درنگ روا ایک سب سے سلوک رکھتا ہے
مجھ سے لیکن یہ دور، میرے لئے مہر یا قہر اب برابر ہے۔
جان کے واسطے سدا کا روگ، عشق و وارفتگی خرابی ہے۔
پڑے (ابلیس) تجھ پہ ہی پھٹکار،
کہ خلافِ رضائے یزدانی جب ترا ہی جنون کھل کھیلا،
ہے اگر اب تو ٹھیک پچھتاوا — (قتل کے بعد ہے پشیمانی)
میں فلاکت زدہ کدھر بھاگوں، اس ہلاکت سے اب بچوں کیسے،
کس طرح پر لگا کر اڑ جاؤں؟
ہر طرف سامنے جہنم ہے، آپ بالذات بھی جہنم میں،
ہے نگلنے کو کھائی منہ کھولے گہرے پاتال سے کہیں گہری،
دہشت انگیز ہولناک ایسی کہ جہنم بھی روبرو اس کے
عین جنت دکھائی دیتی ہے!
ہوا اب انجام کار مہر نما، ہو گیا بند کیا درِ توبہ،

درگذر کی کوئی سبیل نہیں کیا صراط متابعت کے سوا؟
بس یہ لفظ متابعت اس سے سخت نفرت مجھے، یہ مانع ہے
سخت مانع کہ میں پلٹ جاؤں۔
اور پھر اس پہ مستزاد مجھے آرہا ہے خیال سبکی کا
ان زبوں مرتبہ فرشتوں کے سامنے اس قدر پڑوں ہیٹا،
وہ جنہیں سبز باغ دکھلا کر مسلکِ بندگی سے بچلا کر
لاف افگن، زمین و گردوں کے میں قلابے سدا ملاتا تھا ——
کہ ہے کس بَل خدائے قادر کو دم زدن میں پچھاڑ کر رکھ دوں،
من کہ ہستم نہیں انہیں معلوم یہ انا دل پسند ہے مجھ کو
لن ترانی عبث سہی میری۔
اندر اندر گھناؤنا گھن ہے بے طرح جو گھلائے جاتا ہے،
جب حواری ہیں جاں سپار مرے، تختِ دوزخ پہ جلوہ فرما ہوں
گرز و اکلیل سے ہوں سرافراز، کس لئے پھر یہ روسیاہی ہے،
کیا قیامت ہے میں دھڑام ایسے سر کے بل گر گیا ہوں پستی میں
کیوں بدستور گر رہا ہوں یوں؟
شومئی بخت میں نمایاں ہوں، ہے یہ آنند بھی لگن کا نیگ!
میں جو بالفعل توبہ کار بنوں، عرقِ انفعال میں ڈوبوں،
باریاؤں گا بزم ساقی میں، کیا عطا بادۂ کرم ہوگی؟
زود تر فکر کو بلندی پر مرحمت ہے بلند پروازی،
جو تفنن سے منتیں مانیں، گو بظاہر نیاز مندانہ،
آج ان کا بھرم نہ کھل جائے۔

عہد و پیمان جو کیے دکھ میں سکھ انہیں یاد کیوں کرے وہ تو
بحرِ ہیجاں کے تھے خزف ریزے۔
گھاؤ نفرت کے لگ چکے گہرے باہم اب کیا مصالحت ہوگی۔
جب یہ الجھن ہیں، جو فضیتا ہو، اور افتاد بدترین سہی،
میری بیزار اب خریدتی ہے ایسے دونے عذاب کے بھاؤ مختصر اور پر خطر مہلت۔
سب عیاں ہے مرے محاسب پر
محترز وہ اسی قدر بہ عطا' معترض جس قدر ہوں میں کہ گدا
بن کے مانگوں امان کا صدقہ۔
خاک میں مل چکے ہیں سب ارمان' ہم اچھوت اور جلاوطن بیتے،
آفریداب عوض ہوئی اپنے نوعِ آدم، قرارِ جان اس کی،
چشم ودل کے لئے سرور نیا، یہ جہاں بھی اسی کی خاطر ہے
اس لئے الوداع اے امید، ساتھ امید کے وداع ہراس
الوداع اے خجالتِ نازیب خواہشِ کارِ خیر رخصت ہو،
اے بدی ساز گار ہو مجھ کو، کارنامہ نہیں یہ کم تیرا
والئی عرش کی بٹی جاگیر، آ گئی کچھ مرے تصرف میں،
شاید اب نصف سے زیادہ ہی میرے زیرِ نگین آ جائے۔
ابن آدم پہ، تازہ عالم پر، دیر لگتی نہیں، ابھی یہ ایک
نکتہ باریک فاش ہوتا ہے"
تھیں یہ واہی تباہیاں اس کی
فرطِ ہیجان سے پڑا تھا ماندرنگِ رخ تین مرتبہ —— ماندہ،
طیش ونومیدی وحسد سے ہوئی صورتِ مستعار بے رونق،

چشمِ بینا بغور اگر دیکھے ڈھول کا پول صاف کھل جائے۔

آسمانی طبائع ہموارہ مکرِ مکروہ سے معرا ہیں۔

جعل ایجاد نے ہر اونکل پر اوپری شانتی کا خول مڑھا (ٹھیٹھ بے کلی)

کس بلا کی دسیسہ کاری تھی،

بانیٔ مسلکِ دغابازی، سنت بہروپ راکھشس دھارے،

دشمنی پر ادھار کھائے ہوئے، حلفِ سخت انتقام اٹھائے ہوئے۔

فن میں کایا کلپ کے گھاگ نہ تھا، ایک غچا تو دے گیا، لیکن

ہو کے عوریل اب ذرا محتاط راہوارِ نظر کو ڈالے تھا

پیچھے سرپٹ جدھر وہ جولاں تھا۔

آخرش کر لیا اسے دریافت دور اشوری پہاڑ (نفت) پر۔

اس کی ہیئت کذائیاں ہیہات۔

کب فرشتہ خجستہ فال کوئی اس نمونے کا آشکارا ہے،

چہرے مہرے پہ بدحواسی تھی، ہر اشارے کنائے میں وحشت

اور اپنے تئیں یک و تنہا، ہر نظر سے بچا ہوا اوجھل،

منزلیں مارتا ہوا دھن میں وہ ریاضِ عدن میں آدھمکا۔

حصرِ فردوس اراضیٔ اخضر جس طرح چارسوئے دہ تودہ

سبز کھیتوں کی مخملیں قوسیں، اک بیابان کے کڑاڑے پر،

جس کے جھبرے اغل بغل خودرو جھاڑ جھنکاڑ، ٹھنٹھ جھورا جھنڈ (ف)

خوب گنجان، نارسا، پیچ میل۔

دور بالا بلند سایہ دیودار و صنوبر و شمشاد،

سروِ خصی تخیل روئیدہ قدرتی دشت و در کا پرتو زار

حسنِ ترتیب گوں، فراز فراز، صف بہ صف اور سایہ بر سایہ۔
پرتکلف نظر نواز سماں سارے جنگل میں جیسے منگل ہو۔
باوا آدم، ہمارے ابِّ عمیم، لائیں سارے بروئے کار ذرائع،
ببرِ جاگیر تا کہ سبز فصیل، از قریں تا کراں فراخ کریں۔
دائرہ دائرہ قطار قطار پیڑ اونچے منوہر انت پھل،
زربکف، پھول پھل وہ الغاروں شوخ مینائی، ہفت رنگ حسیں
بعد باران رحمت اتنی کب وہ جھلک ہے سہاؤنی دھانی
سانجھ بدلی میں جو ابھرتی ہے یلی یلی دھنک میں پڑتی ہے۔
کتنا دلکش وہ منظرستاں تھا۔

آمد آمد ہے، اب لطیف ہوا آرہی ہے لطیف تر ہو کر،
لطف و راحت بہار آلودہ جاگزینِ دل و نظر ہوں گے۔
زنگِ افسردگی نہیں زنہار، یاس کی اک رمق ہی ہے، گرہے،
بادِ آہستہ رو معطر پنکھ جھل کے دیسی مہک اڑاتی ہے،
کر کے سرگوشیاں بتاتی ہے
وہ مفرح غنیمتیں اپنی کس جگہ سے چرا کے لائی ہے۔
ہو بہو یہ وہی تماشا ہے—— راسِ امید سے پرے بجرے
جب موزنبیق سے گزرتے ہیں اتری پوربی پون لے کر
السبائی بخور کی لپٹیں عربی ارض میں یمن کے خاص
ساحلِ صد مسالہ آگیں سے، دور ساگر پر آنکلتی ہے،
مطمئن، شادکام، سست خرام، جرمِ تاخیر بے مضائقہ ہے۔
بھینی بھینی مشامِ جاں بوباس مست و مخمور کرتی جاتی ہے،

ہولے ہولے رواں کئی فرسنگ بحرِ پیرانہ سال خنداں ہے۔
نکہت ورائحہ سے عطر فشاں کی جو خناس کی پذیرائی
وہ گزندی ہوا بڑا مسرور — آسموڈوئی سے بھی افزونی،
وہ نجس روح جو اتاری تھی جلی مچھلی کی دھونیاں دے کر
ابن توبت کی زوج سے جس پر وہ بجان وجگر فریفتہ تھا۔
(یہ رفاعل کا ٹھیٹھ ٹونا تھا)۔
جذبۂ انتقام کی خاطر پا بہ زنجیر کر دیا محبوس
دور زندانِ مصر میں جس کو، میڈیا کی ثغور سے باہر
اہرمن اور وہ سرابالا
ٹھاڑا وگھٹ چڑھان پر گپ چپ ہانپتا کانپتا روانہ ہے
راہ ملتی نہیں رواں آگے، گنجلک پیچ بہ پیچ الجھیڑے
باڑ جیسے اٹوٹ کھنگر کی، گلجھڑ، جھاڑ، جھاؤ، جھانگی کی،
گھور، گتھواں، گھنی گھئی گنجان — تھی کٹھن ایک ایک پگڈنڈی،
آدمی جانور کوئی ذی روح اس طرف سے گذر نہ سکتے تھے۔
پار پورب کو دوسری جانب ایک رخنہ ضرور تھا — لیکن
وہ مہا چور واں سے جا گھستا اس کا اتنا ہیا و ہی نہ کھلا،
ہاں لگا کر کمال نخوت سے ایک ہلکی چھلانگ کود گیا
کوہساری جدارِ حاجز کو اور اس سمت ڈٹ گیا اندر —
ٹوہ میں گرگِ گرسنہ جیسے کسی تازہ کمین گاہ کی ہو،
تاک میں کس مقام پر محفوظ، کون سے جال دار باڑے میں
بالدی ریوڑوں کو سانجھ سے ہانک دیتا ہے — پھر آ سانی (چرواہا)

وہ احاطہ میں جا دھمکتا ہے، بھوک سے تنگ الانگ کر جنگلہ۔
یا کوئی چور اس تہیہ سے ہاتھ اک مالدار شہری کے اندوختہ پہ صاف کرے
گو حویلی کے سارے پٹ پھاٹک خوب سختی سے بند ہوں مضبوط۔
سب اریب آنگلیں لگائی ہوئیں، بلیاں کنڈیاں چڑھائی ہوئیں،
سیندھ ہلے کا ہو نہ اندیشہ — پھر بھی چڑھ آئے وہ دریچے سے
یا منڈیروں منڈیر آن گھسے —
اولیں سارقِ کبیر ایسے گھس گیا سلطنت میں یزداں کی۔
اس روایت سے راہ یاب ہوئے پھر کلیسا میں بدقماش اجیر۔
شجر الخلد پر لگائی جست، بیچ اونچا براجمان ہوا روپ بہروپ بھر حواصل کا (ف)
نہ مکرر ملا پہ نوشابہ زیست کی لذت حقیقی کا،
تھا یہ خلجان اہلِ ہستی کو ہمکنارِ اجل کرے اب وہ،
کچھ نہ اس کے خیال میں آئی سدرۂ زیست بخش کی تاثیر،
حدِ امکان کا تردد یہ گر سلیقہ سے کام میں لائیں
ابدیت کے تھے خواص اس میں — بسکہ سب نابلد ہیں، ہیچ مدان
وحدہٗ لاشریک اللہ کی کل صفت ذات ہے علیم خبیر
کوئی موزوں پرکھ نہیں سکتا خیر در پیش کی افادیت،
بدنہادی سے بہترین اشیاء مصرف بدتریں میں آتی ہیں،
کس وناءت سے برتی جاتی ہیں
پائیں اس نے نگاہ دوڑائی، دیدنی تھی شدید حیرانی،
ہو گلہ مندِ تنگ دامانی، تھی وہ فطرت کی نعمت ارزانی،
حسن افزوں، طلب فراوانی، خوش وخرم شعور انسانی،

خوبصورت زمین کا عرشہ عرش کا فرش بن گیا جیسے
خود بنفس نفیس یزداں نے مثل فردوس میمنت آثار
سیر حاصل چمن لگایا تھا ــــ عین شرق عدن میں حراں سے
بے بدل خسروی مناروں تک، یادگارِ ملوکِ یونانی
در عروس البلادِ سیلوقہ (شہ سلوکس کا پر تکلف شہر)
تائی لیسر تلک ــــ مقیم جہاں عہدِ پیشین میں تھے عدنانی،
رشک مینو سواد خطے میں جب ہوا من یشائے ربانی
اک خیابان لہلہا اٹھا، خوش نظارہ، نشاط سامانی ــــ
خاک زرخیز، نخل گوناگوں،
بے تکلف نہال ہوتی تھی ذائقہ شامہ، باصرہ ہر حس کی۔
شجر الخلد تازہ وپُر بار درمیاں میں بڑا نمایاں تھا
سبز سونے کے اس پر امرت پھل۔
شجر العلم ساتھ ایستادہ ہستی ونیستی ثمر آور۔
کیا غضب ہو جو شر سے آگاہی خیر کی معرفت گراں نکلے۔
مستقل طاس پر جنوبی رخ تھا اباسین درمیان عدن موج در موج خوش خرام رواں۔ (ف)
تھی گذرگاہ، جا بجا جیسے کوئی کاریز جس کے دورویہ جھاڑیوں سے اٹے اٹے ٹیلے۔
فن قدرت کا شاہکار کہیں، کوہِ شاداب، باغ راغ آسا،
متلاطم بہاؤ سے اوپر۔
اب مسامی زمین میں کر کے وہ فرو تشنگی وریدوں کی
مثلِ تسنیم سینچتا جائے، چشمہ چشمہ، ندی ندی بٹ کر، ہر تلہٹی، ڈھلان، پھلواری،
پھر پرا کوہ سے اتر آئیں وہ کف دست صاف میداں میں، (ف)

سیلِ زیریں میں جا گریں مل کر جو نمودار یک بیک ہو جائے
واں اندھیری ڈگر کو طے کر کے۔
چار دریاؤں میں بٹے، جن کے اپنے بھی پاٹ چوڑے چوڑے ہوں۔
سو بسو وہ کئی دوابوں میں مملکت بھے، گھومے،
عام معروف تذکرہ جن کا گر کریں زیبِ داستاں ہوگا۔
ہاں مگر اس قدر ضرور کہے ہے اگر قادر الکلام کوئی ——
نیل نیلم نژاد ہے کیسے تازگی بخش موجزن جھرنے
دردِ شرق ورنگِ زریں پر، رم کناں، پیچ پیچ، آوارہ،
زیرِ صد سایہ ہائے آویزاں، جامِ آب حیات دیتے ہیں۔
سبزہ و نخل، سب سر را ہے۔ درخورِ خلد گل ثمر غنچے
نوش کرتے ہیں یہ مئے اکسیر، خوشگوار آب لطف کی تاثیر،
عام معجز اثر کہاں پانی خاص سیراب کیاریاں تھالے گرچہ فن پیشہ باغبان کرے۔
یہ ہے قدرت کا وہ عطیہ خاص جو بہ افراط باندھ کرتا تھا
کوہ و دشت و دمن میں جاری ہے۔
مہر گرمی جسے دکھاتا ہے، صبحدم وہ بسیط مزرع بھی
مسکنِ برگ پوش بھی جس کو دوپہر میں شدید کھڑ سا کی چھتر گھنگور چھاؤں کجلائے،
آبیاری سے مشترک۔ شاداب (غالباً سرگزشتِ دجلہ ہے)
طرب انگیز خوش مقام ہے یہ، خوبصورت مضاف دیہاتی،
متنوع، نفیس نظارے، کنج زاروں میں بے نظیر اشجار،
گوندلاسہ کے سوندھے سوندھے نیر، اوس جل کی سمان ٹپکائیں۔
پھر معلق دگر درختوں پر جھجھماتے ہوئے طراوت ناک،

متواضع برائے کام ودہن —— سیب زریں کے ہمسری قصے
جی کو لگتے ہیں گرانہیں چکھیں، ذائقہ وہ لذیذ وشیریں ہے۔
دوب تختے ہرے بھرے اندر، سبز ہموار مرتفع میدان،
نرم ہریالیاں چریں ریوڑ، مستزاد اور بھی مخمل منظر
ایک پر نخل ٹیکری، ٹیلہ، ایک شاداب وادیٔ گل پوش
یاں نمائش حسیں ذخیرے کی، پھول واں رنگ رنگ کے زینت
اور کانٹا نہیں گلاب میں ہے۔
ایک جانب خنک خنک گوشہ ملگجے کھوہ کھائیاں، جن پر
گدرّ انگور قرمزی بیندھے تاکِ دوشالہ دار —— بافراط، بیل جس دم سہج سہج رینگے۔
سرسراتے ہوئے ندی نالے گھاٹیوں میں ڈھلان سے اتریں،
جھیل بن جائیں پھیل کر جل تھل،
دھارے آئینہ بلوری میں منہ دکھائیں کھڑے کنارے کو،
جس پہ مہندی کے نرم پتوں نے ٹانک دی ہو کلابتوں دلکش۔
یہ جگہ ندیوں کا سنگھم ہے۔
زمزمہ سنج ہمصفیر طیور، بادِ فصل نشاط نرم خرام
سانس میں کنج دشت کی مہکار، زخمہ زن برگہائے لرزاں پر
ہے خداوند عالم فطرت، یانؔ، آفاق گیر قصیدہ (دیوتا)
آٹھویں سُر پہ سازِ وقت کے ساتھ۔
جرسِ غنچہ کی صدا آئے قافلہ نو بہار کا ٹھہرے۔
نہ حسیں مرغزارِ اینا قہ (صقلیہ میں) پری سراپنی ہے جہاں محوِ شغلِ گل چینی،
وہ کلی نرم لاجونتی کی (جو دسیریز کے پیار بگیا کی)

دیو یمراج لے اڑا جس کو (گل بکاؤلی کو جیسے تاج ملوک)
ڈس، پلوطان راون بدروح،
سیریز افسوس ماممتاماری کھوج میں چھانتی پھری سنسار
گھور گھٹنا ابھا گنی بھوگے۔
نہ سرور آفرین پر بارہ (شام میں) بر کنار اور نطیز (ف)
ڈافنی (اس مرول ساگر کا) نہ ہی قسطالیہ کا عینِ عیاں۔
مبتلائے کشاکش مہمل سب ریاضِ عدن کے روکش ہوں۔
نہ ہی (طونس میں) سیلِ طرطوں سے نائصہ کا گھرا ہوا ٹاپو،
جہاں پیرانہ سال چام (کہ حام) صائیینی حدیث کا عموں
ہوا روپوش املطیہ کے ساتھ،
اور باخوس، نورِ عین اس کا، اک جواں لا ابالی ورعنا،
ریحہ، سوتیلی ماں کے پاس سے یوں، جس نے اغوا کیا کہ منہ اس کا
دیکھتی رہ گئی تھی بے چاری۔
نہ جبل عامرہ، جبل جس پر حبشہ کے ملوکِ عالی نے صدیوں تک کڑی نظر رکھی
(اس جبل عامرہ پہ قائم تھا نسل شاہی کا تربیت خانہ۔)
یہ کہاوت کہو کہ، ہست ہمیں ہست فردوس گر بہ روئے زمین،
بر سرِ نیل زیر ایتھوپی
جگمگاتی ہوئی محیط چٹان، ہو نہ اک دن میں بہر وہ قلۂ کوہ
تھی بڑے فاصلے پہ، دور دراز، دلکشا گلبنِ اشوری سے
وہ حدیقہ مماثلِ فردوس۔
اور خناس نے نظر بھر کر نا خوشی سے نظارہ یہ دیکھا——

سرخوشی عام تھی یہاں کتنی، جملہ مخلوق کس قدر بشاش،
اجنبی بادی النظر میں —— عجیب:
دو تھے وہ، چھب نفیس پڑتی تھی،
وضع عالی، بلند تھی قامت، راست یزداں بساں —— الف ننگے
طنطنہ میں وہ جامہ زیبائی آبرومندیٔ طبیعی سے۔
تھے الگ سب میں سربرآوردہ، باعثِ فخر، قابلِ تکریم۔
روشن و پاکباز آنکھیں تھیں عکس پرواز اپنے خالق کی،
راستی و طہارت و دانش، سخت صبر آزما و بے آمیز
سندِ کل مجازِ انساں کی۔
تھے وہ دو، بیش و کم بحیثیت، بلحاظِ قبیلِ صنف جدا،
وہ مِثلِ پیکر شجاعت تھا اور یہ لعبتِ بہار اندام،
بہرِ یزداں تھے وہ فقط، یہ تھیں بہرِ یزداں پہ ذات میں ان کی۔
تھا بھرم بھاؤ کا وجیہہ انگلیٹ، تھی علو ہمتی میں خود رائی، (بدن کی کاٹھی)
موئے خوشخط ورائے پیشانی، مانگ کی سر میں مستقیم لکیر،
تھا قفا پر فراخ شانوں تک کالا پٹھوں کا مستدیر پرا
شانِ مردانگی کا آئنہ دار۔
جب حسینہ نے ناز سے جھٹکا بے سنوارے سنہری زلفوں کو،
ٹھیک نازک کمر تلک آئیں جیسے باریک ریشمی پشواز،
گھنگھریالی لٹیں نپٹ چنچل لہلہائیں سمیٹ لیں جیسے
نرم جفتے ہری امربیلیں۔ اور بیگانگی، گریز نہ رم —— (انگور پوش)
یہ سراپا سپردگی ہی سہی، چاہئیے احتیاطِ حسنِ طلب

یہ تکلف حوا لگی لیکن بہ تصرف حصولِ سعی مَرام،
وصل آمادگی حجابانہ، شرمگیں ناز — پیش دستی میں
متامل بصد سلیقہ ہے، شوقِ تمکین آزما کہیے!
ستر میں تھے نہ عضو پر اسرار، بے حجابی شمارِ عیب نہ تھی،
دست قدرت کے وہ نمونے خاص باعثِ عار ابھی نہیں ٹھہرے،
اب تو بے حرمتی ہے حرمت کی۔
دیکھ تو اے گناہ پرورده کردیا کونسی نمائش میں نوعِ انساں کو مبتلا تو نے؟
نیکیوں کا یہ کاروبارِ ریا،
ابن آدم کی زندگی سے جدا خوش نصیبی کی زندگی کردی۔
ہائے وہ سادگی وعفت اصل!
تھے خراماں برہنہ تن، ان کو تھا نہ احساسِ چشمِ نامحرم،
ہوں ملائک کہ حضرتِ یزداں،
جانتے تھے شعائرِ فطرت قابل اعتراض امر نہیں۔
چشم بددور کب بہم ہوگا پھر طرحدار و خوبرو جوڑا گرم آغوش میں محبت کی!
یہ تو آدم ہیں مردِ لاثانی جملہ ابنائے دہر میں تا حشر،
اور وہ کل بناتِ عالم کی خوبصورت تریں پری — حوا
سبزۂ تر پہ محوِ سرگوشی نرم چھتنار کے تلے رہرو چشمہ دلکشا کے پاس رکے۔
باغبانی کے شغل میں پر لطف کی بقدرِ ضرورت اب محنت،
تا خنک بادِ خوش خرام چلے۔
کی مزے سے بڑے مزے سے فرو تازگی بخش تشنگی اپنی،
بھوک خوانِ کرم کی شکر گذار، منّ و سلویٰ، فواکہاتِ لذیذ،

چاشنی گیر ٹہنیوں نے رکھے ماحضر میں رسیلے شفتالو۔
شانت پہلو کے بل وہ نیم دراز
گل ولالہ کی جامدانی کے گدگدے مخملیں گریوے پر، (ف)
نوش جاں سوندھے گودے کا قلیہ
تلخیٔ تشنگی مفرح تھی چھلکے چھلکے کی رس تلّی سے

نہ سخنہائے رازدارانہ، مسکراہٹ نہ دلربانہ، نہ ادائے جمالِ نورستہ،
فرط ہیجاں، نہ پریم کے مارے دولہا دولہن کا والہانہ پن،
دن مرادوں کے شب امنگوں کی، مہر، ایجاب، بیاہ کا بندھن
یہ تکلف نہ تھے انہیں درکار،
کہ ابھی تو سماج بننا تھا، کہ ابھی تک تو صرف وہ دو تھے۔
دابتہ الارض اردگردان کے شغل وتفریح میں کلیل کریں،
بن میں صحرا میں دشت میں بھٹ میں گوشت خورے شکار باز وحوش،
پاشناؤں پہ شیر بازی گر ایک پنجہ میں تھام شیر بچہ
پیار سے دے رہا تھا ہلکورے۔
سب — سیہ گوش، ریچھ، چیتے، باگھ تھے مضافات میں زقند کناں،
مشغلہ مند گج تفنن سے بل لچکدار سونڈ میں ڈالے، (ہاتھی)
کائیاں سانپ پاس پیچیدہ دُمِ موباف مثلِ دنبالہ
یوں کرے گانٹھ گانٹھ گرڈی اس جیسے پکی گرہ لگاتا ہو۔
قاتلِ جاں فریب کاری کا بے محابا بہم ثبوت کرے۔
گھاس چر کر بہیمۃ الانعام لگ گئے چین سے جگالی میں۔ (چرندے)
سورج اب ڈھل رہا ہے جلدی ہی یہ بہ معمول ڈوب جائے گا

بحر آراستہ جزیروں میں۔
آسماں کے بلند پلڑے میں ٹمٹمائیں گے ان گنت دیپک،
شام کے پاسباں، حسیں تارے۔
اہرمن کا تو اب یہ عالم تھا، دیکھے ٹک ٹک مگر نہ دم مارے
لگ گیا تھا زبان کو تانکا۔
جب مگر اپنے آپ میں آیا تو یہ کہنے لگا وہ بھرا کر:
''اے جہنم یہ کیا تماشا ہے بہرِ چشمِ ملولِ نم آلود،
یہ ہمارے نعیم خانہ میں ہے شرف یاب کون سی مخلوق،
برتر و ساختِ دگر بوتہ؟
غالباً خاک زاد و خاک نہاد، خلق مِن سلالۃ مّن طین!
کب فرشتہ نژاد ہے لیکن آسمانی منوریں قدسی خود سے جانیں اسے نہ کم اوقات
ہے مرا رخشِ فکر اب رو میں متجسس یہ اصل آدم کا۔
دست قدرت نے شکل میں اس کی بھر دیا ہے وہ سحر رعنائی
ہے یہ امکاں عجب ہستی کی ملکوتی شباہتِ تاباں
باعث گرمئ خیال بنے۔
کاش جانے یہ چاندی جوڑی گردشِ وقت ان کے در پے ہے!
اے بھلے مانسو اچانک یہ گذراں ساعتِ سکوں تم کو
نذرِ فرطِ ملال کر دے گی، جیسے اب فرطِ شادمانی ہے۔
یہ مسرت بجا، مسرت کی جانشیں ہے مضرتِ جاں کاہ جو مسلسل محیطِ دل ہو گی۔
گرچہ عالی جناب ہے آماج، غیر محفوظ ہے کہ گردوں بھی
سدِّ رہ بن سکا نہ دشمن کا یاں جو ڈرانہ آج در آیا۔

"عمداً کچھ" مجھے عناد نہیں، میں تو غمخوارگی کا قائل ہوں،
یہ تمہاری مہیب تنہائی، کوئی میرا بھی ہم جلیس نہیں،
آؤ ہم عہدِ ایتلاف کریں، آؤ، ہو ہمدمی کا سمجھوتہ،
ہوں بہم دوست —— دست دوستانہ، غمگسار و انیس ہم باہم
آؤ ہوں ایک جان دو قالب۔
گھر مرا، وہ مرا غریب کدہ اس بہشت بریں کے مثل نہیں،
ساکناں جہان کے قابل، وہ تمہیں کیا پسند آئے گا،
ساختہ پر تمہارے خالق کا جیسا کیسا بھی ہے قبول کرو،
جو مجھے مرحمت ہوا صاحب بے تکلف وہ پیشِ خدمت ہے۔
آؤ دونوں کہ گرم جوشی سے خیر مقدم کے واسطے دوزخ وا کرے گی فراخ دروازے،
واں ملیں گے بہ اشتیاق کئے الملا فرشِ رہ دل و دیدہ،
بلحاظِ دگر سہی مذموم ہے جہنم بسیط گنجائش
اے کثیر العیال انسانو!
یہ قلیل اور مختصر رقبہ جائے تنگ است و مردماں بسیار۔
یہ کرم بھی انہی جناب کا ہے
کہ صف آرا کیا خلاف مجھے کچھ مرا واسطہ نہیں جن سے،
ہوں تو اس کا گزند یا بندہ اور تم سے مواخذہ طلبید،
پاک معصومیت تمہاری تو یہ سزاوارِ دلگدازی ہے
اب جو طرزِ عمل بھی ہے میرا۔
تاہم از روئے کلّیہ مجھ کو یہ وقار آشنائی خود بینی
بہ تقاضائے انتقامِ شدید کہ جہانِ جدید ہو تسخیر،

دمبدم کر رہے ہیں برانگیخت کہ میں تکمیلِ کارِ شر کر دوں،
خواہ میں اس رکیک حرکت سے ہوں لعینِ رہینِ نفریں بھی۔"
بک رہا تھا جنون میں خناس،
اس ستمگر کا — التزام کے ساتھ — اعتذار آج ہر خبیثانہ
کاروائی کا پردہ پوش بنا۔
وہ تناور درخت پر اپنی انتہائی بلند اٹاری سے
اب فرود آیا — چارپایوں کے چار سو تھے کھلنڈرے گلّے۔
کی یکے بعد دیگرے پُر کار قلبِ ماہیت اس طرح اس نے
کہ وہ مطلب بر آریاں کر لے۔
پُر فن و ناشناخت حلیے میں آ نا کانی سے پائے کچھ سُن گُن،
ان بچاروں کی، دانت تھے جن پر
کام میں جب لگے ہوں بے پروا، یا کسی بات چیت میں بے دھیان۔
آتشیںِ چشم وہ ابھی ان کا شیر کے روپ میں طواف کرے،
یا ابھی ایک تیندوا، تاڑے کومل آہو بچے اچانک دو
بن کنارے مگن کلیلوں میں،
تاک میں تیر سا بڑھے اکڑوں جو کمیں گاہ سے دبے پاؤں
کہ گڑ و کر وہ ایک اک پنجہ یوں دبوچے، نہ بچ سکیں دونوں —
رجل اولیٰ جنابِ آدم کی بات حوا نسائے اولیٰ سے
لب کشادہ بہ لہجۂ شیریں یہ بہ تمکینِ دل سراپا گوش —
میری محبوب، انیسۂ یکتا، انبساط و سرور کی محرم،
جزو لاینفک اے عزیز تریں!

ربّک ذوالجلال والاکرام، سب مناجات اسی کی ہے، جس نے
آفرینش ہماری فرمائی اور حسبِ طلب ہمارے لئے
کائنات استوار کی بھرپور۔
جس کا فرمان ذالک نَجزِی مَن شکر، ذات پاک ہے لاریب
خیرِ لامنتہا، مجسم خیر، صاحبِ جود، مہرباں کُلّی شانِ لاانتہائے خیرلہٗ،
خاک تھے ہم شرف عطا کر کے ساکنانِ بہشت فرمایا،
کب سزاوارِ لطف تھے اتنے؟
کیا بساط اس کریم مغنی کی ہم کماحقہ، کریں توصیف؟
داورولاتکلف نفساً طالبِ یک عبودیت ہم سے،
سہل ہے پس کسل نہیں درکار، کچھ نہیں ہے جوازِ سرتابی۔
یہ شجر ہائے بارور بسیار بے تکلف ثمر چشاں ہم ہوں،
شجر العلم کا نہ پھل چکھیں،
شجر الخلد کے قریب ہے، جو اے مری جان نخلِ ممنوعہ،
حکمِ ''لاتقربا'' مقدم ہے، فتکونا من الظالمین!
موت کی اصلیت سہی کچھ بھی، زندگی کی مگر یہ ہمسایہ فی الحقیقت ڈراونی شے ہے۔
صاف صاف اس پر مطلع پاداش خوفناک اس عدولِ امر کی ہے،
اس ثمر نوشِ ناشکیبا کے حق میں یزداں کا فیصلہ ہے --- موت
منطقی اک دلیلِ عبدیت،
تزک و پادشائی کے طغرے ورنہ کیا مرحمت نہیں ہم کو
وہ تلطف کہ برتری بخشی بحروبرّ وفضا کی لااحصا جملہ مخلوق پر ہمیں اس نے۔
کیوں لہٰذا اگراں سبک بندش، کس لئے ہو کبیدگی رنجش

متنوع نعم سوا حاصل، راحتیں بے شمار، بے تخمین،
چند در چند اور گوں در گوں جن پہ ہم کو ہے دسترس کامل،
عقل بھی دنگ کیا پسند کرے کہ ہر اک چیز انتخاب ملی۔
ہے یہ زیبا ستائشیں اس کی عاجزانہ سدا بیان کریں،
شکرِ فضل و عطا بجا لائیں—
شوق سے کام پر کمر بستہ—کانٹ چھانٹ ان نہال پودوں کی
دیکھ بھال ان جمیل پھولوں کی—خوش دلانہ یہ فرض نمٹائیں
گر یہ ٹنٹا کٹھن بھی ہو پیاری تیری صحبت میں خوشگوار لگے"۔
ہوئیں حوا سخن سرا بجواب:
"اے کہ میرے وسیلۂ خلقت، تری مرہون ہے مری ہستی،
یہ وجود اس وجود کا مضغہ،
میرے سرتاج تیری ذات سے ہے اس مرے تن کے انگ انگ میں رنگ۔
برمحل برملا تر اارشاد سب صفتِ سب ثنا اسے زیبا
فرض ہم پر ہوں روز سجدہ ریز،
میں تو ہوں رہینِ امتنان سوا کہ مرے روز و شب ہیں دلآویز۔
ایک سنگیں ممانعت کیا ہے،
تیرے پہلو میں ہم جلیس مری زیست آرام سے گذرتی ہے،
اپنی قسمت پہ ناز کر تو بھی مجھ سی ہمسر تجھے میسر ہے۔
آج بھی آنکھ میں فروزاں ہے وہ سہانی سحر کہ پہلی بار
ہوئی بیدار نیند کی ماتی، تر و تازہ گلوں کی مسند پر
سایہ گاہِ سکون افزا میں، دم بخود میں یہ دیس کونسا ہے

اور میں کس نگر کی باشی ہوں؟
کون ہوں میں کہاں سے آئی ہوں، طے سفر کس طرح ہوا واں تک؟
پاس اک آبجو روانی سے زمزمہ سنج تھی، مقطرِ آب
دہنِ غار سے بروں آکر منتشر تھا رقیق میداں میں،
سست رو اس طرح کہ ساکت ہو،
اسے کسفاً من السّما کہیے — عرشِ بلور کا حسیں لکّہ!
کبک رفتار میں خرامیدہ اس طرف، ذہن خام، پُر ابہام، رک گئی بر کنارِ رکنا باد،
اخضری ساحلِ کشادہ سے چادرِ آب میں ذرا جھانکی
صاف، چکنی، نظیف، چمکیلی جھیل تھی یا بساطِ مینائی،
نظر آیا عجیب نظارہ روبروِ سطحِ آئینہ رو پر،
اک حسینہ کمر میں خم ڈالے لنگراں تھی ادائے ناز کے ساتھ،
ہٹ گئی میں جھجک کے جب پیچھے، جھینپ کر اوٹ میں ہوئی وہ بھی،
اک تماشائے دلفریب رہا
متبسم جو میں قدم رنجہ، تھی پدیدار وہ بھی خندیدہ،
مدھ بھری آنکھ شوق زا میری، چشمِ مست آفرینِ ذوق اس کی،
تھی یہ جلوہ نمائی کیفیت وہ عجب مختصر یہی کہیے
بے خودی پر نہ میر کی جاؤ تم نے دیکھا ہے اور عالم میں —
یک بیک اک ندا نے چونکایا:
اے پری وش یہ منظرِ رنگیں، دیدہ آراستہ، بہار افشاں
پر توِ حسنِ ذات ہے تیرا، پیکرِ رنگِ پیکِ ہستی یہ عکس منت کشِ حقیقت ہے،
تیرے دم سے طلوع یہ تصویر ورنہ معدوم مثلِ نقش بر آب۔

آ چلیں ایک منظرستاں میں
جس جگہ یہ طلسم خال وخد ہو نہ تیری شبیہہ کا مرہون،
جس کا ممنون ہو گداز آغوش وہ حرارت فزا بدن محسوس
نازک اندام کا ترے مبدا — باہم اس سے معاملہ گویا
او ہمہ تو شدہ، شدی تو او — لطف بالائے لطف بے شرکت،
وہ کہ محظوظِ وصل اسے کر کے تو جنم دے گی اپنی نک سک پر
اتنے آدم نژاد — نام ترا مادر نسل انس ہو مشہور"۔
تھا کہاں وہ پکارنے والا، کون تھا، کچھ پتہ نہ چلتا تھا،
کوئی چارہ نہ تھا، کہا لبیک اور پیچھے میں اس ندا کے چلی۔
سامنے تب گھنے چنار تلے ایک گھبرو دراز قد دیکھا،
چھب نہ گرچہ وہ جل پری کی سی، وہ کشش تھی نہ حسن زیبائی
وہ لطافت، ملائمت نہ گداز،
میں پلٹ کر چلی کہ تو بولا لوٹ آ اے بہارِ جاں، حوا
اے مری دلنواز محبوبہ کیوں رمیدہ ہے صورت آہو
چاہئے مجھ سے کیوں گریز، کہ تو آفریدہ میرے ہی دھڑ سے ہے
پیدا میرے تنِ مرئی سے تو گوشت ہے، خوں ہے استخواں میری
کہ بپاسِ وجود، جانِ من، چیر کر دل کو، خاص پسلی سے پیش مثبت حیات کی تجھ کو،
کہ مرا پہلوئے تہی پُر ہو، آئے جی کو قرار آئندہ۔
اے مری روح کے حسیں پر تو ہوں بصد جاں فریفتہ تجھ پر،
چشمِ من روشن و دلِ من شاد، آ مری زندگی کے آنگن میں
نصف بہتر مسلّمہ میری"۔

"یہ محبت بھری کتھا کہنا، ہاتھ میں ہاتھ تھامنا میرا،
لاج آئی نہ کسمسائی میں بلکہ چپکے سے ہار مان گئی،
ہائے اس کیفیت کا اندازہ!
خوبصورت نسائیت سے کہیں شان مردانگی زیادہ ہے،
ہے فضیلت لطافتِ زن پر مرد کی دانش و وجاہت کو
واقعی حسن واقعی یہ ہے:"
یہ وہ امِ عموم فرما کر، بے نیازِ ملامت آنکھوں میں
وصل کا اشتیاق شائستہ، جدِ اولیٰ کی سمت وا آغوش
عالم خود سپردگی میں جھکی — اے خوشا زندگی کی گود بھری۔
متلاطم، گداز نیم افشا سینہ سینے کے ساتھ پیوستہ،
(رائیگاں) سعی ستر پوشی میں عنبرین گیسوئے پریشاں کا جھلملاتا ہوا رواں سونا۔
خوشہ چینِ جمالِ نورستہ، ہر رضا جوئی کنایہ پر
مسکرایا وفورِ شوق سے یوں
ابرِ نیساں گل چکالہ میں جو پیٹر جوں جوان جونو پر —
پیار سے ثبت کر دیئے اپنے لب عروسی لبوں پہ — یہ پہلا
بوسہ — معصوم اور پاکیزہ
اہرمن، کشتۂ حسد، بریاں شعلۂ دشمنی میں، دور کھڑا
تند، دزدیدہ، اتہام آمیز ترچھی نظروں سے دیکھے جاتا تھا،
بک رہا تھا، بہک رہا تھا یوں —
کیسا مکروہ ہے یہ نظارہ — بس کہ آشوب چشم کا باعث
خلد آغوش پُر شباب میں ہیں جنتِ خوش مقام میں دونوں،

مست ہم بستی وہم خوابی مابہ الابتہاج عیش کناں۔
میں براگندۂ جہنم ہوں — یہ کھنڈریاں لگاؤلاگ کہاں، قحطِ شادی وشادمانی ہے۔
تابہ ایں حال، تشنۂ تکمیل اک تمنائے وحشیانہ ہے
دیگر آزارِ جاں کے منجملہ،
سوز بے تابیِ طلب بن کر سخت سوہانِ زندگانی ہے۔
پر میں حرزِ فروگذاشت نہیں، لی ہیں کنسوئیاں جو کچھ میں نے
صورت اک فائدے کی پیدا ہے۔
ایک رازِ نہاں تو فاش ہوا وہ نہیں حاویٔ حوالی ہیں،
شجر العلم سے ہلاکت کی کوئی تدبیر بن بھی سکتی ہے،
جس ثمر دار ہوش پرور کا ذائقہ تک حرام ہے ان پر۔
علم ممنوع، بے تکی بندش، بدگمانی کی انتہا، حد ہے
رشک مولا کو اور بندے سے، یہ مبادا ہو عارفِ اسرار،
آگہی معصیت جواز بنی، موت اس کردنی کا خمیازہ،
کنہ ہستی ہو جہل میں ملفوف، کیا یہی نفسِ مطمئنہ ہے؟
بہر طاعت یہ شرطِ کلّی ہو!
ہے تماشہ نظر فریب تمام، قصرِ کسریٰ فقط خرابہ ہے،
بسکہ تعمیر ہی میں مضمر ہے ایک صورت یہاں خرابی کی۔
میں چتر بانک یہ چتر کردوں
ذوقِ ہل من مزید علماً سے ذہنِ انساں کو مرتعش کردوں
ایڑ دوں اشہبِ تجسس کو۔
منکرِ امر ہو کے نص اس کی متقاضی ہے وہ حقیر رہے،

اے مقیمانِ عالمِ بالا خوب معلوم شد سخن فہمی
علمِ دانش فزا سے یہ خدشہ!
بہرہ یاب آدمی کہیں ہمسر اہلِ افلاک کا نہ ہو جائے
قدسیان و خدا کا ہم پایہ۔
خیر معراج کی توقع میں یہ چشیدہ ثمر فنا ہو جائیں،
احتمالِ مآلِ دیگر چیست؟
چاہیے گھوم پھر کے میں پہلے باغِ جنت کی چھان بین کروں،
ٹوہ، پڑتال کونوں کھدروں کی، شاید اک اتفاق سرزد ہو
کوئی قدسی ملے سراہے محو گلگشت برلبِ تسنیم
یا گھنے سائے میں بہ قیلولہ — اخذ ہوں کچھ مفید معلومات
ساقی ورند یہ عروسانہ بادۂ وصل نوشِ جاں چندے
جب تلک میں نہ آؤں، مہلت ہے۔
ثابت آخر یہ کلیّہ ہوگا، لطف کوتاہ، رنج طولانی۔"
بات کہہ اہرمن رعونت سے حیلۂ حزم و احتیاط کے ساتھ
اب قدم پھونک کر دھرتا، چال چیتے کی فاخرانہ چلا۔
بن میں، بنجر میں، تل تلہیٹی میں گشتِ بے سلسلہ شروع ہوئی۔
دور اس وقت نزدِ طول بلد فلک و بحر و ربعِ مسکوں کے نقطۂ اتصال کے نیچے
مہر، وقت غروب، تدریجاً ڈھل گیا، ٹھیک کینڈے سے
سانجھ کرنیں بکھیر کر ہموار سورگ کے پوربی کواڑ کے ساتھ۔
سیل کھڑبی کی اک چٹان وہاں تابہ دامانِ ابر تودہ وار
کوسہا کوس سے نمایاں تھی۔ تھی رسائی کو ایک پگڈنڈی

تنگ بل دار، ورنہ زینہ سی اوج پر سنگ بر سر از یری (ڈھلوان)
یوں معلق تھی، راہ پیمود نتھی زمیں سے وہاں تلک دشوار
سنگلاخی عماد کے مابین آمدِ شب کے منتظر جبرئیل
پاسباں، عرشیوں کے سر سالار،
منہمک آس پاس تھے غلمان رستمیں لعب میں نہتے ہاتھ،
تھے قریں بے شمار آویزاں آسماں کے سلاح خانہ میں
تیغ، ناچخ، کمان، خُود، سپر۔ (نیزہ)
سرپٹ اسوار موجِ شمسی پر لپکا عوریئل اس طرف جیسے
ایک ثاقب شہاب اجڑی ہوئی رات کی مانگ نور سے بھر دے۔
یا فضا سوز آتشیں ابخر کہ ہویدا جہاز راں پہ ہو
دیکھ کر جو بغور قطب نما فوراً آگاہ ہو کہ طوفاں خیز
تند جھکڑ کدھر سے آئیں گے:
جلد گھبر کے یوں کلام کیا — تو ہے جبرئیل صاحبِ مقدور
سنتری، گارڈ، پہرہ، چوکیدار ہے حفاظت کا بندوبست کڑا،
پاس پھٹکے نہ ہو سکے داخل کوئی بدروح خرمستاں میں۔
آج لیکن سِکر دوپہرے کو اک کرّوبی محال میں میرے
آن وارد ہوا، بڑا شوقین صنعتِ کردگار کی بابت تا کرے اور کسب معلومات
متجسس تھا مستزاد ملے کوئی اس کو نشان آدم کا —
فن یزدان کا وہ نقش تمام،
سب کنگھالی ہے رہگذر میں نے برق پا وہ جہاں روانہ تھا
تاک رکھی طریقِ طیراں کی۔

غالباً اس کا مہبط مقصود ہے شمالِ عدن میں اک ٹیلہ۔
صاف غماز بے تکی کرتوت ملکوتی تھی اور نہ لاہوتی
اس کے مصنوع چہرے سے ظاہر اک پراگندہ شور سفلہ پن
متعاقب نظر کو جل دے کر وہ کہیں اوٹ میں ہوا اوجھل
کھا گئی ہے زمیں اسے شاید، آسماں ہی نگل گیا ورنہ۔
دھیان آتا ہے وہ یکے از آں اژدحامِ جلاوطن ہوگا،
کوئی تحت الثریٰ کا زندانی، کوئی گستاخ ادھر نکل آیا،
ہے جہاں بھی وہ اب حسِ محتاط لامحالہ اسے تلاش کرے۔''
یوں جواباً اسے یلِ پردار!
''چشم بینا ضرور اے عوریئل مہر کے حلقۂ منور میں
دائماً تو جہاں فروکش ہے تا اُفق صاف دیکھ سکتی ہے۔
بابِ فردوس کے دروں لیکن متعین ہیں دیدباں چوکس
یاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔
ہاں یہاں قدسیانِ محرم کی آمدورفت پر نہیں قدغن،
گو مری یادداشت میں اب تک کوئی مخلوق بعدِ نصف نہار
اس طرف آتی ہے نہ گذری ہے، لیکن امکاں ہے کوئی روح پلید
سوانگ بھر کر کسی فرشتے کا، فاسد افکار کی ہوا باندھے،
بالارادہ حدودِ ارضی تک ہوئی ہو مرتکب تجاوز کی،
یوں، کہ مشکل تجھے شناخت رہی۔
مادّہ ہو لطیف تو کیسے بندش اس پر کثیف اثرانداز؟
جمع خاطر رہے کہ یہ راہیں — یہ خیابان و شارع پہنا۔

اندران کے محیط میں کوئی ہو کسی بھیس میں کہیں روپوش،
تو ہے ہلکان کھوج میں جس کی،
سات پردوں سے کل سویرے تک دیکھنا میں نکال لاؤں گا"۔
ایسی پختہ یقیں دہانی پر
منصب اپنا سنبھالنے واپس مطمئن عوریئل لوٹ گیا،
تیز گام اس شعارِ نوریں پر لے چلی نوکِ مرتفع جس کی
ڈھال پر سے اسے نشیب — تا بخورشید، جو غروب ہوا،
پار نزدِ جزائرِ عزرس (اوقیانوس کے سمندر میں)
(یا تو سورج) وہ قرص اولیٰ تر فرطِ رفتارِ بے حساب کے ساتھ
دن دہاڑے ادھر ڈھلک آئی، یا بگردش یہ خاکداں تیرہ
(نسبتاً جو رواں ہے آہستہ) مختصر سے مدار پر چل کر
سمت مشرق ہوا بہ اندازے،
چھوڑ کر مستقر پہ صف بستہ قرمزی و طلائی دل بادل
عکس انداز غربِ اقصا میں، اس کی مسند کے پاس حاضر باش۔
(بطلموس و کوپرنیکس کے اصول، جرم گرداں ہے آفتاب کہ ارض)
شام گم سم ہے، ہر کہ و مہ کو دور نزدیک اور فرو بالا
سانولے سانولے سے آنچل میں دھیرے دھیرے شفق چھپاتی ہے۔
چھا رہا ہے بجنت سناٹا، جانور سب چرند اور پرند ستانے
چل پڑے — ہیں گیاہ زاروں یا آشیانوں کی سمت ستانے،
سب، مگر عندلیب شب بیدار عاشقانہ ہے زمزمہ پرداز،
خامشی خوش ہے، آسماں روشن نورِ یاقوت ہائے ازرق سے۔

اژدحامِ نجوم کا سر خیل، کوکبِ شام، شہسوار اسپرس
خیرہ کن، تابدار، رخشندہ، پڑ چلا ماند — چڑھ گیا جس وقت
ہلکی ہلکی گھٹا میں آن سے چاند
اور چندن انوپ رانی نے ڈال چاندی کی چاندنی اجلی
ناتگے انمول روپ سے پھیلی گھور پرچھائیوں کو ڈھانپ لیا۔
آدم اب ہمکلام حوا سے:
"اے مری خوبرو شریکِ حیات! آئی شب، ساعتِ فراغ ہوئی،
دست کش کاروبار سے دنیا خلوتِ پرسکون میں سمٹی،
استراحت پر طبع مائل ہے — نیند بھی بندگی ہے آسوئیں!
متواتر جنابِ یزداں سے مثلِ لیل و نہار مختص ہیں
بہرِ مخلوق کام یا آرام۔
کیا سبکدست اور خواب چکاں وقتِ موزوں پہ نیند کی شبنم
موندتی ہے ہماری پلکوں کو۔
اور مخلوق تو مگر دن بھر ہے تو بے مدعا ہے سرگرداں
کچھ اسے حاجتِ قرار نہیں — آدمی کے لئے مقدر ہے
کاوشِ کار — ہے برائے بدن اک مشقت برائے ذہن دگر۔
مزد و محبت ضمانتِ عظمت۔
سرِ تسلیم خم بلا حجت پیشِ قسام ہے یہ بے چارہ،
ذی کسائی ہیں غیر ذوی العقول، ان سے یزداں کی باز پرس نہیں
اولیں آمدِ شعاع کے ساتھ
سحرِ نودمیدہ کھینچے گی شرق میں کل لکیر روپہلی

لاجرم آیۃ النہار یہی —— مبصرۃ لتبتغوا فضلاً
تازہ دم ذوق شوق سے سرِ شام ہم اٹھیں گے سنوارنے کے لئے
وہ پرے کنجہائے گل انبار، اور گلیاریاں زمرد زار،
دوپہر میں جہاں رہے تفریح،
ٹہنیوں کی بڑھوتری بے ڈھنگ کھاد کی جز رسی پہ چشمک زن،
بیش بالیدگی ہے بے ہنگم، ہم سے ممکن کہاں تراش خراش،
رطل در رطل ہے تراوشِ صمغ، ہے شگوفوں کی ریزشِ خروار، (گوند)
ہیں مددگار بیشتر درکار، ہاں کئی کارکن مہیا ہوں
تب کہیں صاف ہو اٹا رستہ، تب کہیں لطف دے چہل قدمی۔
اب دگر ادعائے فطرت ہے، اذن شب مل گیا چلو لیٹیں"۔
بکمالِ التزام صد عشوہ شوخ حوا بگفتہ دُر سُفتہ:
"اے مجازی بدن طراز ندہ، میرے تحویلدار حاضر ہوں
بہرِ تعمیل خواہشِ خوش کن، بسر و چشم ہے یہ قال اللہ،
تو مرادین و دینِ تو یزداں۔
ہو نہ حرصِ اضافۂ ادراک یہ ہے درکِ سعید زن کے لئے،
بس یہی وصف زیور اس کا ہے۔
پیار کی تجھ سے رس بھری بتیاں، جائیں سپنوں میں بیت یہ رتیاں،
پری وقت تیز اڑان کرے، کسے فرصت مگر کہ دھیان کرے،
موسموں کی اس آمد و شد میں اک مزہ، اک سرور، اک لذت۔
شکر افزا دمِ سحرگاہی، حسن انگیز دن کی انگڑائی،
پو پھٹے طائروں کی چہکاریں —— سورج آنکھوں میں نور بھرتا ہے،

شرق سے جب نئی نویلی کرن اس پیا دیس میں بکھرتی ہے،
کیا سہانا سماں امڈتا ہے۔
بوٹی بوٹی پہ، بوٹے بوٹے پر، کونپلوں پر، پھلوں پہ — پھولوں پر
اوس موتی سے ٹانک دیتی ہے۔
ہلکی ہلکی پھُہار میں زرخیز نرم مٹی کی سوندھی سوندھی باس،
بس رہی ہے مہک سی سانسوں میں۔
معتدل، مطمئن، مسرت مند آمدِ شام، پھر شبِ خاموش۔
رین سکھیوں کے سنگ آئی ہے شبھ شگن، پنچھیوں کی ڈار مگن
چاند روپا کا تھال اور رگگن، ہیرے موتی کا اک جڑاؤ لگن
خوب تاروں بھرا کھلا آنگن۔
لیکن اے ماخذِ سکونِ حیات، صبحِ تازہ نفس تجلی زا،
یہ سحر خیز اور سحر طراز جوقِ مرغانِ خوشنوا ہم وقت
دیدنی روئے ارض خوش منظر جب ہو قندیلِ آفتاب طلوع،
ثمرہ و سبزہ و گیاہ و گل، رقصِ لولوئے شبنمیں ان پر،
بوئے ابرِ بہار پروردہ، شامِ گلگلوں، شبِ سیہ کاکل،
بلبلِ خوش صفیر و سنجیدہ، دوشِ ماہ و تابشِ انجم
دلکش و دلکشا سہی بے شک، تو نہ ہو تو کسی میں لطف نہیں،
بارِ خاطر نہ ہو گر استفسار — کیوں یہ ہنگام شب یہ ہنگامہ،
یہ تماشائے قدرتِ تامہ،
اہتمامِ وفورِ تابانی، یہ بکثرت چراغ سامانی،
سب تکلف ہے کس نظر کے لئے

نیند نے جب تمام آنکھوں کے نرم و نازک کواڑ بھیڑ دیئے؟‘‘
ہوئیں شیریں مقال حوایوں گوش بر تابِ جدِ امجد، تو
بجواب آپ نے یہ فرمایا:
’’گرچہ بنت البشر ہو تم حوا، ہو مجسم کمالِ یزدانی۔
جلوہ پرداز، شب چراغ اجرام، سرِ گردوں مدار پر گرداں،
ارضِ کروی کے گرد فردا تک سفر ان کو تمام کرنا ہے——
ملک تا ملک، خطہ در خطہ، بہرِ آسائشِ ملل کہ ہنوز
باغِ ہستی میں نا دمیدہ ہیں، نور کا اہتمام کرنا ہے۔
ہے یہی حکمت طلوع و غروب کہ مبادا اقراولی کر کے
ظلمتِ بیکراں جہانِ محیط بطریقِ عتیق ہو جائے،
سرِ فطرت کو، بلکہ ہر شے کی زندگی کا چراغ گل کر دے،
ہمہ گر جو مدام رکھتی ہیں یہ نحیف اگنیاں فروزندہ
جملہ اجرام کو ہمہ تاثیر مہر آگیں تپش سے سینکتی ہیں۔
برخہ برخہ تپاں تپاں اکثر، کو کبانہ خواص کے ضم سے،
یہ ہے نشو و نما کا سرِ نہاں۔
کلّھا ممّا تنبت الارض، آرزومند نامیہ خود ہے
کہ توانا شعاعِ شمسی سے ہو میسر تمام کو اتمام۔
بطنِ شب میں کرے یہ رخشندہ چشمِ نظارہ بین سے محروم
رائیگاں بھی نہیں ہیں نور فگن۔
بسکہ اک شاہدِ عدم موجود نقصِ مشہود کا ثبوت نہیں،
آخر اس باب میں گماں کیوں ہو حسنِ منت کشِ مشاہدہ ہے۔

چرخِ اہلِ شہود کا محتاج یا طلبگار حمدِ یزداں ہے۔
ارض پر گرم سیر غیر مرئی ان گنت سرمدی خلائق ہیں
— ہم ہیں بیدار جبکہ خوابیدہ — متواتر — شبانہ روز بہ دل
فنِ قدرت کے ہیں ستائش گر، جس طرح وہ نظارہ کرتے ہیں۔
تھاہ سے گونجتی پہاڑی کی، اوٹ پیچھے سے جھنڈ جھاڑی کی،
خودکلامی وہمکلامانہ، گفتگوئے لطیف نغمانہ،
اک مناجات صدق مندانہ ہاں سماعت نواز ہوتی ہے
گوشداراں وانجمن سایاں، گوشہ گیران ودشت پیمایاں
ان کا مضراب ضربِ قدسی سے ہم طرب زمزمہ بپا کر کے
ساعت شب کو بانٹ دیتا ہے۔
زمزمہ خیز سازِ ہم آہنگ، جو ہمارے حسیں خیالوں کا
ہم پروبال وہمسفر ہو کر آسمانوں کی سمت اڑتا ہے
سوئے کاشانہ سعادت گنج،
دست دردست، خرم وخوشنود تھے سخن راں، بہم خرامیدہ
انتخاب حسین حسن مآب، خاص آباد سازِ کبریٰ کا،
بہر انسان وضع فرمائے فرحت آگیں سہولتوں کے لئے جب مواہب نفیس وبوقلموں۔ (تحفے)
گنجلک سائبان کی چھت پر، چھاؤں کی تار پود میں پیوست
برگہائے حناوزنبق گل سرو وشمشاد قد شجر چوں کے برگہائے معطر وسالم،
سوبسو شوکتہ ببول آسا، مہکی مہکی گھنی گھنی شاخیں باڑسی بام بام گسترده۔
کس قدر پھول پھول تھا سندر، روپ دنتی کلی کلی کیسی
واہ وا سوسن کثیر اللون (آسماں فام وازرق وآزاد)

نسترن، یاسمین، گُل، لالہ خوب جوبن پہ درمیاں ممتاز،
کارچوبی کا خوشنما منظر۔
گُل بنفشہ و سنبل و کیسر زعفران ارغوان نیلی گون،
زیرِ پا فرشِ پُر تکلف پر بیش قیمت مرصع آرائش،
تاک پر عقدِ کہکشاں جھلمل، خاک پر جیسے خردۂ مینا،
کیا مجال آسکے دروں حیواں —— کرم، حشرہ، درِند یا طائر،
دبدبہ آدمی کا ایسا تھا۔
مستقر برگ پوش و پُر سایہ —— متبرک یہ عافیت خانہ
حیلہ و جعل برطرف ورنہ پان و سلنوس کو میسر کب
آئی ہوگی یہ استراحت گاہ (یہ خداوندِ دشت و راعی وہ)
نہ ہی آسیب ساں یہاں بسرام کر سکے دیو فونسِ بزپا
یا پریٔ بحیرہ و ینبوع۔
کنجِ بر تنگ میں عروسانہ، سیج آراستہ حجابانہ
کر رہی ہے بیاہتا حوا، پھول، گجرے، مہک بھری خس سے،
رت سہانی سہاگ رینا ہے، منڈل آکاش شبھ منڈھا گائے۔
کامنی —— کام دیو کا ہے کو —— پیارے سولہ سنگار میں عریاں
(درو پدی کے سمان) لایا تھا یوں حرم میں ہمارے قبلہ کے۔
اس پنڈورا سے وہ ادھک کومل،
دیوتاؤں نے بھینٹ کیں جس کو انت کی بھانت بھانت سوغاتیں۔
ہر مس ابتر بجوگ دگدا میں جس الفتا کو لے کے آیا تھا۔ (چھنال)
جافثِ دیوزاد کے بیٹے گیدی مور کھا پی تھیمس کے لئے

(پترآکاش بھوم کا جافث اور ہرمس زیوس کا بیٹا)
وائے صندوقچہ کا وا ہونا، مبتلائے فتن ہوئی دنیا۔
بسملِ ناوکِ نگاہ بشر عشوہ و ناز کا اسیر ہوا!
بھوت ہرمس کے سر چڑھا کہ یہی منتقم، خون خوار حرافہ
مشتری کے کنشت میں کردے وزدِ نارِ قدیم کوفی النار
خانہ باغِ نفیس کے باہر اخترِ امار کے عقید تمند،
پھر کھلے آسماں تلے بہ خضوعِ پیشِ یزداں سجود اور رکوع،
خالقِ عرش و فرش و خلد و خلا۔
وہ کُرہ چاند کا چمکتا ہوا، قطب تاروں بھرا دمکتا ہوا،
ٹکٹکی باندھ کر نظر ماری، حمدِ باری بہ لب ہوئی جاری
قادر و آفریدگارِ عظیم!
آفرینش تری شبِ رعنا، روزِ روشن تری عنایت سے،
دن گذارا معین و مامور بہ خلوص معاونت باہم،
بس بہ پایاں رسید کارِ مغاں، کامیابی ہوئی محبت سے،
یہ محبت ترے ہدایا میں اے کریم ایک ہدیۂ عظمیٰ،
زائد از احتیاج ہے بسیار یہ بہاریں مقامِ عشرت مند،
روضۂ ماءِ نہرِ پاسلسال۔ (صاف شفاف لہریں مارتی ندی)
یہ فراوانیٔ کرم اکرام خوشہ چینوں کی خواست گار بھی ہے۔
رطل ہائے شرابِ ناخوردہ ورنہ بے کار در رگِ تاک است۔
مژدۂ خوش رسید، پشت بہ پشت بہ طفیلِ تناسلِ وافر
تنگ پڑ جائے گی بساطِ زمیں۔

بخشش بے حساب کے مولیٰ ہم حدیثانِ شکر خواں اب ہیں،
نسل در نسل ہم زباں ہوگی، در ہمہ کیفیت وہ ہوں بیدار
یاتری بارگاہِ عالی سے آرزودارِ خوابِ نوشینہ۔ (ف)
نعمت اب جس کے ملتجی ہم ہیں"
یک زباں یہ دعا بہ طیب دلی، بر طرف سب رسوم بے مصرف،
صدق پرور یہ بندگی سادہ کہ ہے یزداں کو احسن المرغوب۔
ہاتھ میں ہاتھ پیار سے تھامے حجلہ خاص میں ہوئے داخل۔
ہے جواب جامہ پوشئ دق دار، بے نیازانہ راست افگندہ،
انگرکھا، پیرہن، شلوکا سب ——
شاد پہلو سپردہ پہلو مسندِ نرم پر دراز ہوئے۔
تھا بعید از قیاس آدم کا اس رفیقہ کے پیکرِ خوش سے
باہمہ قرب دستکش ہونا —— محرمانہ و دلنوازانہ
زوجیت کے شعائرِ تن سے تھا نہ کچھ اجتناب حوا کو۔
جو کیا ہے مباح یزداں نے یہ عبوست زدہ ریازادے
پاکی و عصمت و جواز اس کا معرضِ قیل و قال میں لائیں
مضحکہ خیز ردو کد واللہ
مستحب بہر ہر کس و ناکس اور معدود چند پر واجب۔
خالقِ آفریدگار، کریم، مصر افزائش و تعدد پر
ضبطِ تولید کا ہے جو داعی بالیقیں نسل کش ہمارا ہے،
سخت بدخواہ آدم و یزداں۔
مرحبا حُب عقد پرودہ، چیستانی شریعتِ فطری،

مصدرِ راست نسلِ انسانی۔
تیرے جملہ حقوق ہیں محفوظ ورنہ فردوس میں تمام اشیاء مشترک ملکیت میں داخل ہیں۔
تو عناں گیرِ نفسِ امارہ نسل انساں سے منتقل تو نے
کی بہائم کے مست غولوں میں فاسقانہ ہوائے نفسانی۔
بلحاظ اصابتِ رائے تیرے دم سے قرابتیں پیدا،
باوفا عزیز و پاکیزہ بے غرض شفقتیں نمو پرور
اولیں بار باپ بیٹے اور بھائی کے پرخلوص رشتوں میں۔
یہ قلم ہو نہ روسیاہ مرا معصیت بدنما تجھے لکھوں۔
اس مقدس مقاربت کو میں کیوں سقیمانہ بے محل کہہ دوں؟
خانگی سکھ کا جاوداں چشمہ، غیر آلودہ و مصفّٰی طاس،
قاضیٔ لم یزل کے فتویٰ سے
یہ شراب طہور تا بہ ابد شیخ و درویش پر حلال ہوئی۔
عشق کا دیوتا — کیوپڈ — جب تیر زرین زہ پہ رکھتا ہے
شمعِ جاوید شعلہ زن کر کے ارغواں پنکھ پھڑپھڑاتا ہے۔
بولتا ہے اسی کا یاں طوطی،
جشن مستی و سرخوشی برپا مستقل بے مثال ہوتا ہے۔
کیف انگیز اس قدر کب ہے غیر مانوس بے طرب بے مہر
بیسواؤں کا مول تول ٹھٹھول، حظ نوازی سو مخفی ہنگامی،
(الزنا یخرج البنا کہیئے)۔
بسکہ یوں انبساط خیز نہیں سرِ دربار آشنایانہ رنگ رلیاں، نہ لاابالی رہس،
نہ ہوسناک رقص نیم شبی، ناچ لے کر بغل میں یا مخلوط،

نہ کسی کنچنی کے گت توڑے، نہ کدارا، بگلیسری، ہنڈول،
نہ سرودِ شبینۂ پُرسوز برلبِ عاشقِ فراق زدہ،
بہرِ معشوقِ خود پسند — مگر نذرِ بے اعتنائی ہو جائے
عندلیبوں کی مست لوری سے دونوں آسودگان، ہم آغوش
خوابِ شیریں سے ہمکنار ہوئے۔ سقفِ اعضائے بے لباس پہ تھی
برگ گل پاش — تازہ پھولوں کے صبح پیوند پھر لگائے گی
شاخ کے زخم زخم پر ہر جا۔
اے نصیبے کے خسرو شیریں نیند جادو ہے رقیۃ النائم (سونے والے کی ساحرہ)
خوش نصیبوں کے آستانے کی شادمانی کنیزِ ادنیٰ ہے۔
سعیِ تسکینِ محض ترک کرو — اور جانو کہ اور مت جانو:
رات اٹھائے کثیف مخروطہ گنبدِ تحتِ ماہتابی میں
سفرِ جاں کاہ طے کر کے نیمۂ راہ تک نکل آئی۔
(زیرِ مہرِ کلاں بہ ہیئتِ عکس، کُرۂ ارض خور دسمت الرّاس)
مسکنِ عاج سے بروں نکلی صفِ کرّ و بیان احیاناً
چلتہ بر سینہ تیغ در پہلو پہرہ پر اس طرح جیرہ کوئی (گروہ)
چست سرہنگ جنگجوؤں کا۔
حکم جبرئیل نے دیا اپنے مستعد نائب الامور کو تب:
عزیل جاؤ نصف نفری کو متعین کرو جنوب کے ساتھ
اس طرف سے کڑی نگاہ رکھے۔ پھیل جائے شمال میں دیگر
صورتِ نیم دائرہ تا غرب، یوں کہ گھیرا مکمل اک دم ہو،
مثلِ شعلہ وہ شق ہوئے فوراً نیمہ نیمہ یمیں یسار رواں،

ڈھال کے ہاتھ، ہاتھ نیزے کے۔
دو قوی و سبک فرشتوں کو عزیل نے الگ طلب کر کے
اس فریضہ پہ یوں کیا مامور ــــ دطغین و عشریل ہوا ہو جاؤ
خوب اس باغ کی تلاشی لو، کونے کھدرے کھدیڑ کر رکھ دو۔
دیکھنا بالضرور وہ موقع ہیں رہائش پذیر وہ ہر دو
خوب دیدہ و نیک فرد جہاں ــــ ہر بلا سے بزعمِ خود محفوظ۔
ساعتِ نیرِ زوال پذیر کوئی مخبر شتاب پہنچا ہے،
پرچہ جس نے عجب لگایا ہے، تھا نہ اصلاً گمان بھی جس کا
جامغول اک تہِ جہنم سے توڑ کر آتشِ سلاسل کو (بہت بڑا غنڈا)
اس علاقہ میں آ ہوا روپوش، شر پہ کین پہ کمر بستہ،
وہ جہاں ہو اسے پکڑ لاؤ، طوق و زنجیر میں جکڑ لاؤ،
یہ کہا اور آپ کوچ کیا ــــ تھیں عقب میں وہ مستنیر صفیں
چاند کے حسن کو جو شرمائیں۔
ٹوہ میں نابکار کی سرپٹ چل پڑے ٹھیک یہ بھی منڈپ کو۔
کھوج مل ہی گیا کہ بیٹھا تھا آلتی پالتی وہیں مارے
ایک مکروہ غوک سا دیکھو کان کی کو کرو میں حوا کی۔
کوتک اس کے وہی خبیثانہ، شبد اشلوک پھونک چھو منتر
کہ دل و ذہن آئیں مٹھی میں، بسہولت جہاں تراش سکے
وہ دبا دب سراب خواب آسیب، واہمے، شعبدے، چھلاوے، چھل ــــ
تندیٔ کینہ شدتِ ہیجان ہو نمو یاب خونِ صالح سے
جیسے شفاف روئے دریا پر نرم پرواز بھاپ خیزندہ۔

تا کہ احوال سے کم از کم کچھ اور بھی کیفیت نمائی ہو—
مثلاً — فکرِ مختل اور ملول، بے حقیقت توقعاتِ فضول،
بے نتیجہ عزائمِ مجہول — خواہشاتِ کثیر و بوقلموں
یہ خیالی پلاؤ کا دھندا، یہ تماشا ہوائی قلعوں کا،
نخوت انگیز، تمکنت پرداز—
عالمِ انہماک میں اس کو غیر محسوس انی سے نیزے کی
عزرئیل نے دیا ٹھوکا اک!
چین آشفتۂ سماوی کا کون باطل حریف ہوتا ہے،
ہوں مبارز اگر کوئی ہم اصل دوبدو ہو مقابلہ خونیں—
چشمِ جویا پہ فاش یوں ہو کر بھونچکا وہ اچھل پڑا جیسے
اک شرارہ بھڑک اٹھے یکدم خشک بارود کے ذخیرے میں،
وافر اک میگزین آتش گیر
بہرِ جنگِ عظیم پھیلی ہوں جس کے بارے میں عام افواہیں—
کالا چکٹا وہ روگلا ذرہ ایک رنجک سے جھٹ بنے لو کا،
بھک سے اڑ جائے یوں دھماکہ خیز کہ فضا شعلہ زار ہو جائے—
فرطِ ہیبت گذائی میں خناس چونک کر اس طرح بھڑک اٹھا—
وہ فرشتے جمال وش دونوں رہ گئے دھک سے ناگہاں پاکر
روبرو اس مہیب راون کو—
جھٹ سنبھل کر مگر بڑھے آگے اور للکار کر کہا بے خوف:
"از شیاطیں تمرّدی فی النار، تو وہی ہے جہنمی بغلول،
کون ہے، نام کیا ہے، راہِ فرار بند محبس سے مل گئی کیسے،

اور بگلا بھگت کلپ کایا، سوئے ہیں جو نچنت کیوں ان کے
تو سرہانے براجمان ہوا، ازلی، اے عدوئے بداندیش؟"
طنزیہ اہرمن نے تب ان کی سمت روئے سخن کیا: "اخاہ
بن رہے ہو نیازمند سے یا واقعی بے کفو ہوائے یارو،
ہو تمہیں یاد یا نہ اب ہو یاد، تھے بہم آشنا کبھی ہم تم،
تم مقرب نہ تھے مگر ایسے، متمکن بلند میں واں تھا
بالِ عنقا بھی جل گیا ہوتا،
تم بچارے حقیر، ہیچمدار، تم وہاں باریاب کیا ہوتے؟
مجھ سے نا واقفی ثبوت مگر ہے تمہاری ہی حیثیت مہمل
کیا بھلا اہلِ آگہی کو یوں سخنِ لغو زیب دیتا ہے؟
بے سروپا فضول استفہام، جہل کیا صاف گاؤدی پن ہے۔"
تب جواب الجواب طعنہ زن ظیفن اس طرح ہمکلام ہوا:
"عرش پر تو کبھی رہا ہو گا راست کردار، عکسِ راست خدیو،
تو کہاں اب وہ بزمِ سعد کہاں،
سلب ہے جوہرِ خجستہ فال، وہ طلسمِ جمال ٹوٹ گیا۔
یوں نہ بن اپنے منہ میاں مٹھو — ریخت آں بادہ، آں قدح بشکست
درِ میخانہ تجھ پہ بند ہوا — تو ہے اب اور حسرت دیروز۔
ذات تیری ترے گناہ کا خول، تیرا اڈہ فقط وہ سوء الدّار۔
خیر زحمت ذری تجھے ہوگی، پیش ہو روبرو ذرا چل کر،
جس مدار المہام کے حاجب ہم بہ تعمیلِ حکم حاضر ہیں۔
چل وہی ہے یہاں کا دیدہ بان

کہ نہ داخل ہو کوئی نانجاران کے حق میں جو ہو گزندرساں۔"
یوں کروبی ہوا سخن پیرا، تھا قیامت جمالِ نورستہ،
لب رنگیں سے سرزنش سنگیں،
کاٹ لہجے میں اک بلا کی تھی، تنک انداز قاتلانہ تھا۔
نجل ابلیس پر ہوا القا دبدبہ یہ وقار نیکی کا،
تک رہا تھا کھڑا ہوا مبہوت راستبازی کا چاند سا مکھڑا۔
کی فرومائیگی پر ایک نظر جھانک کر آپ جب گریباں میں
ہو گیا شورہ پشت کا دل خون اور سینے پہ سانپ لوٹ گیا۔
آب و تابِ گذشتہ یاد آئی —— وہ بہارِ پریدہ رنگ افسوس!
بل بے کس بل مگر نہ بل آیا اک ذرا سا جبینِ ہمت پر
دانت اپنے نکوس غرایا:
بات پہنچی ہے سر بھڑانے تک ہاتھ دو دو گورو سے ہو جائیں
کہ مہا پاپ ہے مہا اتم —— ہو ستمگر سے فیصلہ دوٹوک،
نامہ بر کی نہ ماریئے گردن۔
جیت جاؤں لگے پر سرخاب، ہار ہو گر تو ہارنے والا
لنکلے زیرو لنکلے بالا، کیا غمِ دزد کیا غمِ کالا ——
زہر خند اب یہ منچلا ظیفن:
"خوف سے جو تری بندھی گھگی، ہم چلو امتحان سے چھوٹے
طشت از بام ورنہ ہو جاتا کہ دغا باز کا کوئی مخلص
غرق کرتا ہے کس طرح بیڑا، کس طرح جھوٹ کی کلائی کو
اینٹھ کر پیچ مروڑ دیتا ہے، نیک، بدزور توڑ دیتا ہے۔

راستی موجبِ رضائے خداست کس ندیدم کہ گم شد از رہِ راست۔"
اب سنی ان سُنی کیے خناس چپ رہا، جھاؤ میں جز بز،
توسنِ بالجام پر منہ زور، تمکنت سے قدم زناں لیتا
کچکچی آہنی دہانے پر
ہاتھا پائی دکھائی دی بے سود اور راہ فرار سب مسدود،
رعب سے اختلاج قلب ہوا، اور تو خاص تھی نہ حیرانی،
رفتہ رفتہ پہنچ گئے وہ لوگ مغربی گوٹھ میں، جہاں ان کی
ہوئی مٹھ بھیڑ پہرہ داروں سے تھے جو مصروف گشتِ قوس بہ قوس
جھٹ انہیں وہ حصار میں لے کر مستعد اور گوش بر آواز،
حکم دیگر کے منتظر ٹھہرے۔
بانگ جبریل اولیں صف سے ——— اے رفیقو سڑک سے پھرتیلی
کان پڑتی ہے پیڑ چال، شتاب ہو روانہ کوئی ادھر جیسے،
لو جھلک آشکار ہوتی ہے ظیفن وعزیل کی اوٹے سے
تیسرا بھی ہے ہم رکاب ان کے
طنطنہ چال ڈھال سے ڈھلکے، طمطراق میں گو ہونق پن،
طرز تیور طریق طور روش کہ جہنم کا سربراہ لگے۔
کہہ رہے ہے چڑھی ہوئی تیوڑی کہ بجز زور آزمائی وہ
دفع ہوگا نہ یاں سے ——— ڈٹ جاؤ، ڈھیٹ کا ڈھب مزاحمانہ ہے۔
بات منہ ہی میں تھی کہ آپہنچے، مجملاً کہہ سنائی کُل روداد ———
کون مفرور لائے تھے پابست، ہاتھ آیا کہاں وہ مستغرق،
سوانگ کیا اور نشست وشست تھی کیا۔ تب مخاطب ڈپٹ کے یوں جبرئیل:

اہرمن یہ ڈھٹائی لعنت ہے، بے جھجک یہ مداخلت بے جا،
اس علاقہ میں جو ہے ممنوعہ، اور امرِ مفوضہ میں مخل
اہلِ قل کے جنہیں نہیں برداشت کوئی حرکت خلاف ورزانہ۔
جو سراسر ترا وطیرہ ہے۔
صاحب حق و اختیار کریں باز پرس دخل در معقول،
کیوں فتور ان متین بندوں کی نیند میں تو کرے خراب یہاں
جو فروکش بہ اذنِ یزداں ہیں۔'' اہرمن اس کو چین بر ابرو:
''یار جبرئیل تو سرِ افلاک ہوشمندی میں خاص تھا ممتاز،
خود سری کور تجھ سے دبتی تھی ـــــ بے تکی آج ہانکتا کیا ہے
خیر ہے کچھ خلل ہوا تجھ کو، یا ترا پول کھل گیا آخر؟
کوئی منطق مری مہم میں نہیں ـــــ دوزخ آتشیں ہے بئس مہاد،
وہ جو تکلیف سے مکلف ہو، روگ جس کے لئے بجوگ نہ ہو
ایسے مثویٰ میں وہ قیام کرے۔
خوبیٔ بخت سے ملے موقع جس کسی واژگوں مقدر کو،
کیوں نہ وہ سب محاصرے توڑے اور چل دے جدھر کو منہ اٹھے؟
سر پہ تیرے گر آسماں ٹوٹے، کوئی ایسی ہی ناگہانی آئے
تو فقرو اسی طرح ہوگا سینگ تیرے جدھر سمائیں گے،
ایک مبہم امید کے ناتے کہ افاقہ عذاب میں ہو جائے،
کوفت سے مخلصی کی صورت ہو ـــــ یہی درویش کا تصرف ہے ـــــ
طلبِ خیر میں ہوں آوارہ، میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
خطا اینجا سخن شناس نہ گوشہ عافیت کے دلدادہ،

تو کہ مانوسِ بزِ کامل ہے، تجربہ ہی نہیں تجھے شر کا
ہے طلبگارِ مردِ یہ بیشہ، بر مخنث سلاحِ جنگ چہ سود؟
ترا شغلِ قدیم اللہ ہو، تجھے تابِ مقاومت کیا ہو،
میں کھٹکتا ہوں خار سا جس کو، خوش ہے کر کے جو نفی السیعر ہمیں،
ضد اسے ہے اگر رہیں غلطاں ظلمتِ جاوداں میں ہم — اس کو
مری جانب سے کہہ کرے مرصوص اور ابواب کو جہنم کے
یہ تری پوچھ گچھ کے بارے میں، ماجرا اور جو بیان ہوا
وہ بجا ہے، جہاں بتایا ہے، میں بلاشک اسی نواح میں تھا
کیوں مگر یہ مراد لو اس سے میرے مدِ نظر تشدد تھا،
یا بہ دل میں شرارت آمادہ — تھی یہ ملا حیاں غرض اس کی۔
اب نبرد ملک بڑھا آگے،
تھا اسے کسرِ شان یہ ہر گاہ، پر یہ خندیدہ پُر شکر پاسخ:
"کیا زیاں کارِ عرش ہے افوہ
کہ دیا ہاتھ سے وہ افلاطوں کا ملا جو عیارِ دانش تھا۔
اہر من کا ہبوط، ثابت ہے، اک حماقت کا شاخسانہ تھا،
بجن سے یہ فرار دزدیدہ، فتنہ سامان یک نہ شد، دو شد،
مبتلا حیص بیص میں اب تو بے خرد یا خرد منش سمجھے،
نرغہ انداز محتسب تجھ سے جو جوازِ عدول پرساں ہیں
یہ ڈھٹائی ہے یا نڈر پن جو تجاوز بلا اجازت ہے
تو مقررشدہ حوالی میں؟
ترے نزدیک عین دانائی عالمِ درد سے گریزیدن،

ڈھیٹ ڈیوٹ یہ ابھی قائم تا بحدّے عذاب نازل ہو
جب عقوبت میں بیش سات گنا، پا گریزی کا تلخ خمیازہ۔
ہو تری عقل پر خدا کی مار، شیخ چلی دھکیل دیں تجھ کو
آتشیں گرز پھر جہنم میں تب یہ منطق پڑے ترے پلے۔
خواہ ایذا ہو جان گیر، نہیں وہ مساوی بہ خشمِ برانگیخت
تو اکیلا ہے، یہ بتا آخر تیرے ہمراہ توڑ کر دوزخ
کیوں نہیں سب کے سب نکل بھاگے؟
رستگاری کے وہ نہ تھے خواہاں، کیا اذیت خفیف ہے ان کی،
یا ہیں کمزور بس ترے اعصاب،
خطرستان سے فراری میں سورما تیرا پہلا نمبر ہے،
چھوڑ آیا جنہیں دغا دے کر ان سے مذکور یہ اگر آتا،
تب زروئے دلیل تو ملعون
یوں نہ پھرتا خراب و سرگشتہ کسمپرسی میں اب تنِ تنہا۔"
ناک بھوں تب چڑھا کے وہ خناس یوں بصوتِ کرخت بنکارا:
"یہ نہیں اے اہانتی عرشی مجھ میں ناقص ہے جوہرِ برداشت
سخت جانی سے ہے مجھے اغماض،
دشمنِ صعب اڑا تھا — ہے آگاہ — سر میداں تہور انہ کون
جب ہو البلہ زن ستیز ندہ شہ یہ رعدِ سریع بال کی تو؟
رمح کے سخت وار میں مدغم تند بوچھاڑ تھی دھماکوں کی
تھا نہیں تو کسی سے ترسیدہ۔
خوب معلوم ہے مرا دم خم، پھر بھی منہ میں جو اول فول آیا

بے محابا اگل دیا تو نے، وہی نا آزمودہ کاریٔ قبل،
(یارِ من) کیفیت یہ فطری ہے، داؤ کیوں کھیلنے لگا اس پر
جس کٹھن رہگذر کے خطروں سے تو کما حقہ، نہیں مانوس۔
اس لئے میں جریدہ وارد ہوں غیر آباد اسفلستاں میں،
کسی عنوان تو ملے بارے کچھ سراغِ جہانِ نو، جس کا
گنگ شہرہ نہیں جہنم تک — کوئی محفوظ البلاد ملاذ۔ (پناہ گاہ)
یا تو آشفتہ حال یہ معشر میں کروں گا زمین میں آباد (ٹولہ)
یا ہمارا وطن خلا ہوگا۔
اس تسلط کی جدوجہد میں خواہ آئے نوبت بھی خوں خرابے کی
متجلی سپاہ سے تیری عرش پر جو ہے محوِ سہل اشغال۔
ھُو کی گردان، ذکرِ یا سبحان، وردِ وصفِ جلالتِ کرسی،
پاسدارِ مراتبِ دوری، درحضور تملّق و طاعت
جنگ کا کیا محاورہ اس کو؟"
یوں بعجلت جری فرشتے نے سخنِ تلخ کا جواب دیا
گفتن وراست، ہیچ ناگفتن، اسے یک بام و دو ہوا کہیے،
ایک بھرّا تو — گانٹھ کا پورا پاؤں ٹیتی جگہ پہ کیوں رکھے
اس لئے دکھ نگر سے بھاگ لیا، پھر اسی سانس میں یہ دعویٰ بھی
مخبری کا دماغ تجھ کو ہے، جستجوئے جہانِ نو در پیش،
صاف کھاتا ہے یہ بیاں چغلی،
سربراہِ بزرگ تو کیا تو کوئی کذّاب و مفتری ہوگا۔
اہرمن سوچ تیرے نام کے ساتھ اور یہ مخلصی کا دُم چھلہ

صاف مخمل میں ٹاٹ کا پیوند—
نام، او کس قدر پلید ہوئی پاک نامِ وفا کی مٹی بھی،
دے گا جامِ مئے وفا کس کو، رندِ طغیان و ہاؤ ہو شیوہ،
خوب ساقی ہے خوب بادہ کش، جیسی پر جا ہے ویسا راجا ہے۔
دیکھ کر ظرف اے قدح خوار و بادہ دیتے ہیں— خیر سے تیرا
تھا یہی ربط ضبط کا عالم، یہ ہی فرماں پذیریٔ حربی۔
پھر تعلق نمک حلالی کا منقطع موتمن سے کر لینا
کبریائی مسلمہ جس کی۔
کائیاں، تو منافقانہ آج حریت کا ہے پھر علم بردار،
یاد کر کوئی اور چرب زبان، کاسہ لیسی و چاپلوسی میں
تجھ سے بڑھ کر نہ تھا سوا، کل تک
جبہ فرسا و منقبت خواں تھا تو شہ ارض و آسماں کے حضور۔
اے ریاکار خالی از علت تھا نہ شاید ڈھکوسلہ تیرا،
تھی یہ سازش اسے کرے معزول اور ٹھسے سے پھر پڑھے خطبہ
نام کا چار دانگ میں اپنا
لے لنگر آج ہوش کے ناخن، سن مری بات کان کھول کے سن،
دفع، چاؤش یاں سے منہ کالا، یہ اٹھائے جدھر سے آیا ہے،
یاد رکھ اس گھڑی کے بعد اگر تو ٹکا ان حدودِ قدسی میں
تجھے اخدود میں زبردستی پابہ زنجیر ٹھونس آؤں گا،
اور یوں سر بہ مہر کر دوں گا دیو بوتل میں بند جیسے ہو۔
بھول جائے گا پھر یہ اضحوکہ، کہ جہنم کے باب و در بودے

گر مقفل بھی ہوں، نہیں مضبوط — بلکہ ھل من محیص چیخے گا"۔ (جائے پناہ فرار)

بد کہا بلکہ بدمعاش کہا اہرمن ٹس سے مس نہیں لیکن،

کف بلب غیض میں وہ غرایا، تند لہجہ، زبان زہریلی

"میں کہ ہوں دسترس میں اب تیری تو سلاسل کا رعب جھاڑتا ہے،

اے ثغوری کرو بُی خود بیں، ہاں ذرا ہوشیار، لے بھرپور

مرا سنگین وار پڑتا ہے۔ ہاتھ کی ایک ضربتِ کاری،

کہ نہ کھائے گا تو کھڑا پھٹکا۔

یہ ترے شہپرِ قوی بالفعل شہ فلک کا اڑن کھٹولا ہیں،

ہے گرانبار جوغ گردن پر، تو بھی مجبور، یہ جواری بھی

کامراں بادشاہ کی بہلی اس سڑک پر دھکیلتے جاؤ

جس پہ تاروں کی فرش بندی ہے۔"

ہرزہ گوئی پہ تابناک قشون بے تحاشا چراغ پا ہو کر،

تو کہائے ہلال کے اندر یوں مڑا جس طرح دمِ شمشیر،

تنگ نرغہ میں لے لیا اس کو تان کر بس بجھے گھنے برچھے۔

فصل پک جائے اور اَن دیوی دے بہ اندازِ مرغِ بادنما

رخ پہ ہلکی ہوا کے ہلکورے بونٹ ڈنٹھل کو جو کہ بوجھل ہوں

ریشئے دانہ دار ٹسوں سے۔

فاذرہٗ فَستوٰیٰ علیٰ سُوقِ، فَصل، طَلعٌ نضید وحب حصید،

جی ہی جی میں ہے فکرمند کسان، حبِ ذوالعصف کی اسے تشویش،

یہ نہ ہوگا ہنے کی پٹی پر پولیاں آس پاس سے بھرپور

جب سنوارے تو بھس بھری نکلیں۔

اہرمن چوکسی سے کرتا تھا مجتمع استطاعتِ زائل،
یوں — اٹالاٹل کہ اٹلس ہو — گل محمد بسان کرداری، گرچہ جُنبد زمیں نہ اُو جُنبد،
تنتنائی تنی رفی چوٹی جس طرح کا نری جزائر میں
عوج وجالوت اوج وقامت میں،
آسماں بوس ٹانٹ پر اس کی دیدنی ہول کی اکڑفوں تھی۔
وہ جنہیں نیزہ وسپر کہیے تھی نہ کمزور ہی گرفت ان پر۔
رونما واقعات وہ ہوتے لرزہ انگیز تہلکہ ایسا،
باغ فردوس کیا یہ ممکن ہے آسمانی منڈیر تک، عنصر
جنگ میں منتشر، خراب، تباہ۔ بلکہ یکسر تمام ہو جاتے
ہیبت افزا فسادرد کرنے
عرش سے لم یزل نہ لہراتا گر بہ تعجیل کندنی قسطاس۔
ساتواں برج آج تک دیکھو
جلوہ افگن ہے صورتِ میزان عقرب وسنبلہ کے راسوں میں
(اسطری — استری نیائے کی بن کے کنیا گگن میں جب پہنچی دیکھ کر آدمی کو فتنہ گر)
یہ ترازو وہی ہے، جواب تک
ہے معلق بساطِ ارض کے گرد۔
اور بااحتیاط وزن ہوئیں جس میں تخلیق کردہ کل اشیاء
متوازن فضا میں اک پاسنگ آنکتا جانچتا ہو احتاط
معرکے، حادثات، اقلیمیں، دونوں جانب دھر ارکھا اس نے،
دشکش ہو تو کیا نتیجہ ہے، سر پھٹول کا ماحصل کیا ہے؟
دوسرا پلڑا اُٹھ گیا اوپر، ایک دم بن گئی الف ڈنڈی۔

بھانپ کر یہ تماشا اب جبرئیل یوں سخن سنج: "ہے لعین ابلیس
خوب تجھ پر عیاں مری قوت، زور مجھ سے نہیں ترا مخفی،
ہیں تہمتن کہ رستم و بہمن، جو بھی ہم ہیں، کسی کا صدقہ ہے،
کوئی جوہر سہی پہ وہبی ہے کس لئے پھر بگھاریئے شیخی،
اے مشیخت مآب بازو ہیں سو ودیعت، مجال سو — دادہ،
بیشتر کسب کا کسے یارا، میں بھی مجبور تو بھی بیچارہ
تجھ سے دو چند ہے مری طاقت، ثانیہ بھر میں تو ہو ملیامیٹ
گرچہ شاطر بود خروس بہ جنگ چہ زند پیشِ بازِ روئیں چنگ۔
بڑ نہیں ہانکتا، نمایاں ہے پڑھ سماوی نوشتۂ الواح،
دیکھ اعمال کا ذرا پلڑا، کتنا ہلکا ہے کس قدر بودا،
آ جو پِتّہ ہے میں کروں پانی"۔
اہرمن نے ادھر ادھر دیکھا، پلہ اپنا سبک نظر آیا،
جھولتا ڈولتا ہوا اوپر —
بھاگ نکلا وہاں سے وہ بگٹٹ، بڑبڑاتا، بسورتا، بکتا —
ساتھ ہی رات کے گھنے سائے چھٹ گئے
اور نور پھیل گیا:

فرہنگ

جھبرے — جانوروں کے بال اٹے کان' یہاں مراد اُلجھے ہوئے گھنے

جھورا — مڑا تڑا' گھانس پھونس

حواصل — جیسے' ایک ماہی خور جانور

اباسین — پشتو باپ + دریا' بڑا دریا' دریائے سندھ کو کہتے ہیں

پراکوہ — پہاڑ کی ڈھلوانی طرف' جس سے پانی تیزی کے ساتھ بہہ نکلے

پرہ بار — ہوادار ٹھکانہ' سمر ہاؤس

گریوہ — دریا کے کنارے پر اُبھرا ہوا قطعہ اراضی

نوشینہ — عمدہ شراب' ایک نغمہ کا نام بھی ہے یہاں مراد سرمستی

یہ مصرعے تجرد یعنی رہبانیت کی مذمت میں ہیں — آگے کا سارا بیان مناکحت کی موافقت اور ضرورت میں ہے — دیکھیں ملٹن' "منصوبہ بندی" یعنی بندش تولید کا قائل نہیں!

دفتر پنجم

تلخیص

سپیدیٔ صبح نمودار ہوئی۔ حوا نے اپنا پریشاں خواب آدم کو سنایا۔ وہ کبیدہ خاطر ہو گئے تاہم حوا کی ڈھارس بندھائی، پھر دونوں معمول کے کام دھندے پر نکل کھڑے ہوئے لیکن پہلے آستاں پر مناجاتِ سحر گاہی۔

بطور اتمامِ حجت خداوند تعالیٰ کروبی رفاعل کو جانبِ آدم ارسال فرماتا ہے، کہ عبودیت کی تلقین کرے، بتائے کہ انسان بکارِ خویش مختار ہے، جانی دشمن کی نشان دہی بھی کر دے جو ہمہ وقت اس کی تاک میں ہے۔ وہ کون ہے، وجہ مخاصمت اس کی کیا ہے، یہ کھول کر بیان کرے۔ مزید دیگر چند پند سود مند دے۔

رفاعل ریاض فردوس میں فرود وارد، اس کا سراپا — آدم دہلیز سے اسے آتا دیکھ کر خیر مقدم کو بڑھے اور گھر لے آئے۔ حوا نے مزے مزے کے مختلف میوے اور مشروب تواضع کو آگے چن دیے۔ دستر خوان پر ادھر ادھر کی باتیں، پھر آمد بر سر مطلب —

کروبی نے آدم کو حقیقت حال سے آگاہ کیا، عدوئے نابکار کا کچھ چٹھا کھول کر بتایا، کون ہے کیوں معتوب و مردود ہوا، کیوں کر برافروختگی کے عالم میں اس نے خلاف عرش بغاوت پر کمر باندھی، حواریوں کو شورش پر اکسایا اور پھر اس لاؤ لشکر سمیت شمال میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔

دوسرے تو اس کی باتوں میں آئے لیکن ایک سراف عبدیل اس کے جھانسے میں نہیں آیا بلکہ اس نے گمراہوں اور سرکشوں کو ناپاک عزائم سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن کسی کے کان پر جوں نہ رینگی اور وہ ڈھٹائی پر ڈٹے رہے۔

بددل ہو کر عالم بیزاری میں عبدیل ان کا ساتھ چھوڑ کر وہاں سے رخصت ہو گیا:

اب گجردم، سحر حنا بستہ پاؤں اقلیم شرق پر دھرتی
ہے خراماں، زمین میں بوتی پوربی آن بان کے موتی۔
حسب معمول جاگ اٹھے آدم،
چین کی نیند آئی تھی جیسے نرم پروا کا جاں فزا جھونکا،
فیض ہضمِ درست کا، فیضان ان مفرح سبک بھپاروں کا
دیوی اوشا کی پنکھیا نے واں نرم پتوں، تتھڑی سوتوں سے (مجاز اًنیم گرم)
جو بکھیرے تھے مالکونس سمان
پنچھی کیرتن، بھجن گنجار پنچھیوں کا ہر ایک ٹہنی پر۔
یہ سہانا سماں، اچنبھا ہے، بے سدھ اب تک درازیوں حوا
بال بکھرے ہیں، تمتمائے گال، رات کانٹوں کی سیج پر کاٹی۔
آدم اٹھے ذرا بدل کروٹ — چاہت آنکھوں میں والہانہ تھی۔
چاؤ سے جھک کے راحت جاں پر اس جمالِ تمام کو دیکھا
کہ ہو بیدار یا وہ خوابیدہ، کافرانہ ادائیں برسائے۔
پھول بوٹوں پہ جس طرح پچھوا دھیرے دھیرے کہج سبھاؤ چلے
ریشمیں ہاتھ کو ذرا چھو کر دھیمے لہجے میں کی یہ سرگوشی
دلہن اے پاک روپ ونتی جاگ — ہے میری یافت نہایت تو
دائماً لطف نو بہ نو مجھ کو، جاگ بھی، صبح مسکراتی ہے
کشتِ تازہ ہمیں بلاتی ہے، مفت کیسی بہار جاتی ہے
دیکھ جوبن کھلا ہے پودوں پر — بوئے، سینچے، لگائے جو ہم نے،
کنج میں کیا مہک ترنج کی ہے،
کیا چکیدہ ہیں روغنی نرسل، خیزراں بھی چکاں چکاں کیسی

کس مہارت سے رنگ بھرتی ہے اپنے قرب وجوار میں فطرت
کس قدر نحل منہمک مصروف چوس لے تازگی کی رس دھارا
(اٹھ مری جاں! ثبوت حق کے لئے اہلِ بینش کو صبح کافی ہے)
اس بھنک سے وہ جاگ اٹھیں، ڈالی حیرتی سی نگاہ آدم پر
اور ان سے چمٹ کر یوں بولیں — اے میسر ہے دولتِ تسکیں
صرف تجھ سے مرے خیالوں کو، تو مری شان، تو مری تکمیل
تری صورت مجھے دکھائی ہے، شکر ہے صبح لوٹ آئی ہے۔
نوج یہ رات، گھور رات ایسی مجھ پہ بھاری کبھی نہیں گزری،
خواب تھا واقعی اگر — لیکن وہ نہیں جس کی میں رہی خوگر
گاہ تو، گاہ کارِ دیروزہ، گاہ تدبیر کوئی فردا کی —
اوئی اللہ جو رات کو دیکھا لغزش واضطراب کا عالم،
یہ گماں تک نہ مرے ذہن کو تھا، ایسی جانکاہ رات سے پہلے۔
دھیان گذرا مجھے کہ چپکے سے کوئی کہتا ہے، کر چہل قدمی۔
نرم آواز ہو بہو تیری، میں نے جانا کہ تو بلاتا ہے۔
اس سہانے سمے، کہا اس نے، خواب خرگوش میں ہے دھت حوا،
خوب خنکی ہے، خامشی خاصی — خامشی جو مغنیٔ شب کی
تان سے گاہ جھنجھناتی ہے،
مدھ بھرا گیت برہ کی ماری جب کوئی عندلیب گاتی ہے،
پورنماشی ہے، چاندر جواڑہ، چاندنی دودھ میں نہاتی ہے
چھانٹتی ہے دھند لکے، چیزوں کے صاف چہرے نکھار جاتی ہے،
گر نہ ہو آنکھ ہی تماشائی، رائیگاں ہے بہارِ رعنائی:

آسماں جاگ اٹھا کئے اس نے روشن اب آنکھ آنکھ کے دیپک،
پر تکلف یہ اہتمام ہے کیوں؟
ہے تمنائے حسنِ فطرت کون؟ مطمحِ چشم کیا کسے دیکھیں
تیرے وارفتۂ جمال یہاں آئے سارے کشاں کشاں — لیکن
کس کی نظارگی کے دلدادہ؟
تجھ سی آواز تھی، کہی لبیک، تو وہاں تھا مگر کہاں موجود!
میں تلاشِ حبیب میں چل دی، اور چلتی رہی — یہ دھیان آیا
رہگذر طے کیے تنِ تنہا شجر العلم تک رواں جو تھے،
پھر اچانک قریب جا نکلی جس پہ ''لاتقربا''، کی قدغن تھی۔
تروتازہ درخت جوبن پر کھب گیا جی میں روز سے بڑھ کر
دیکھتی رہ گئی، وہ حیرانی۔
پاس ہی ایک ہستیِ پردار بے تکلف وہاں پہ استادہ
عرش پر وضع قطع کے جیسے ہم سے دوچار عام ہوتے ہیں
جعدِ مشکینِ شبنمیں واللہ، بے تکلف کشیدۂ نکتار، (امرت)
وہ ندیدہ مگر سخن پیرا — باردار گراں نفیس درخت
تو سبکبار ہو نوازش کر کہ میں شیریں چشاں بنوں تیرا،
ہے فرشتہ کہ آدمی کوئی، تو کسی کی بھی دسترس میں نہیں
علم پر بغض و بخل سے قدغن، یہ حرام احتیاط کے باعث
اس سے پرہیز لازمی ٹھہرے، اس سے ہو چاشنی چشی ممنوع
بندشِ بخشش لذیز مگر میرے اوپر محال ہے تادیر تو ہے روئیدہ کس لئے آخر؟
اس قدر کہہ کے، بے دریغ اس نے توڑ کر بازوئے دلیر کے ساتھ

ثمر صاف رکھ لیا منہ میں، میں تو دہشت سے سن ہوئی — توبہ
منچلی بات، منچلی کرتوت
وہ ہوا باغ باغ پھر بولا: ثمرِ سرمدی ہے تو شیریں، نوش جاں کیجئے تو شیریں تر،
نعمت اس نوع کی مباح نہ ہو دیوتاؤں کا منفرد کھاجا
اپنی خاصیتِ طبیعی سے یہ خود انساں کو دیوتا کردے،
کیوں نہ انسان دیوتا بن جائے؟
ہو بکثرت جو خیر کا چرچا وہ بکثرت ضرور پھیلے گی،
عاملِ خیر را خسارہ نیست،
وہ تو ہوتا ہے سربلند مزید، حاجتِ ہیچ استخارہ نیست —
لے کروبی صفت حسیں حوا، شاد جی بندیٔ خدا کر لے
شادماں، بلکہ شادماں تر ہو تو بجا، پر نہ مقتدر ہوگی،
ہاں یہ کر نوش جاں کہ ہو جائے دیوتاؤں کے دیس کی دیوی،
نہ مقید بہ حولِ ارض رہے۔
گاہ ارفع خلاؤں میں جھولے محوِ پرواز جس طرح ہم ہیں
گاہ بوتہ یہ عرش خود چھولے، آپ کرلے ملاحظہ کہ وہاں
دیوتا شادکام رہتے ہیں، رہ اسی طمطراق سے تو بھی
پاس کو لا کے ہونٹ پر دھر دی قاش اس پھل کی جو اتارا تھا،
بو مزید اراشتہا انگیز۔
دھیان آتا ہے کچھ تواضع کی آپ کام و دہن کی میں نے بھی
پھر تو یک لخت ہمرکاب اس کے میں پریدہ ہوئی سحابوں میں
نظر آئی زمین گسترده — دور نیچے کشادہ، ژرف، وسیع

منظر بے کنار بوقلموں — میرا عالم کہ ششدر و حیراں
ایسی اونچی اڑان پر میں تو یہ فرازی یہ اوج — اوہ یہ میں
یک بیک راہبر ہوا روپوش۔
دھیان پڑتا ہے جھٹ فرود آئی، لیٹ کر پھر میں سوگئی بے سدھ
اے اٹھی ہوں تو یہ تسلی ہے، جو بھی دیکھا وہ خواب تھا خالی —
رات کی سرگزشت حوا سے یہ سُنی تو ہوئی پریشانی
اور آدم نے یوں جواب دیا
"اے مری ذات کی مکمل عکس نصف بہتر پہ بہترین عزیز
ہوں مشوش تری طرح میں بھی نیند میں ابتری خیالوں کی
تیرے رویائے بدنمائے شب، بس کہ ہے ناگوار میرے لیے
ہے مجھے وسوسہ کہ یہ شر کے بطن کا کوئی خرجیون ہے (بھیانک خواب)
شر مگر یہ کہاں سے آیا ہے؟ تو تو معصوم آفریدہ ہے
ترے اندر پنپ نہیں سکتا۔
ذات میں آدمی کے ہیں موجود متعدد محرکاتِ ادنیٰ
عقل سردار، یہ غلام اس کے، ایک شکتی انہی میں ظن بھی ہے،
عقل کے بعد منصب اس کا ہے
خارجی یہ مظاہرات تمام کہ رہینِ حواس خمسہ ہیں
بے سروپا یہ روپ انہیں دے کر یا قیاسات کی مثال ان کو
پیش کرتی ہے — عقل پھر ان کے حصے بخروں کو جوڑ توڑ کے ساتھ
شکل دیتی ہے وہ روا مانے، یا اسے کوئی ناروا جانے،
ہم اسے درک یا خیال کہیں

ہو طبیعت میں جب سکوں، چل دے حجرۂ خلوتی کو یہ چل دے
اکثر اس وقت سوئے ظن، نقال رونما ہو کہ جس کی کرتوتیں
واہمے، خلط ملط بے ہنگم، وہ نمونے عجیب و بے ترتیب
منعکس بالخصوص خوابوں میں، مغلق الفاظ، گفتگو بے ربط،
واقعے مدتوں کے رفت گذشت!

یاد کر اس ترے قرنجک میں چند باتیں مشابہہ اس سے ہیں (ف)
تھا جو موضوع گفتگو کل شام، ساتھ گو بوالعجب اضافے کے۔
ہو نہ دلگیر جان من — تاہم ذہن ہو دیوتا کہ انساں کا
کیفیت شر کی آنی جانی ہے، یہ کہ ہے سخت ناپسندیدہ
کوئی اس کا نشاں نہیں رہتا — داغ، دھبہ، نہ تہمت والزام۔
پس یہ امید استوار ہوئی، نیند میں، خواب تک میں تو بیزار
جس عمل سے ہوئی بھلا بیدار کیوں گوارا لگی اسے کرتے۔
اضطراب و فسردگی کیسی، کیوں نگاہوں میں گھور پر چھائیں،
یہ نگاہیں تری کہ افزوں تر خوگرِ یمن و شادمانی ہیں
اس حسیں صبح سے جو تازہ دم ہو جہاں پر طلوع خندیدہ۔
اٹھ نئے مشغلوں کی سمت چلیں، کنج زاروں میں، جوئباروں کو
ان گلوں کے قریب جو شب بھر جمع کرتے رہے ہیں خوشبوئیں
خاص تیرے لئے ذخیروں میں — وہ شگفتہ معطریں سینے:"
اپنی زہرہ جبین زوجہ کی یوں جو دلجوئی کی تو وہ ہنس دی،
اس کی ہر آنکھ سے مگر ٹپکا ایک خاموش شرمگیں آنسو
جو حسینہ نے لٹ سے پونچھ دیئے۔

بوندیں انمول اور دو اُمڈیں ایک اک روزن بلوری سے،
پر ڈھلکنے نہ پائیں تھیں کہ انہیں آدم مضطرب نے چوم لیا۔
عمدہ خجلت، عفیف تمکیں کی، تھیں وہ عالی علامتیں گویا،
سر گرانی کا جو سبب بنتیں۔
مسئلہ طے ہوا یہ مستحسن، جانبِ کشت اب وہ تیز ترک،
پیش ازاں وہ گھنیرے منڈپ کی چھت تلے سے مگر بروں نکلے
سورج ایسا ابھی طلوع نہ تھا، دن نکھر کر ابھی نہ کوندا تھا،
گھومتے تھے انوپ ساگر کی دیکھ پتلی یہ چندنی پہیے،
متوازی زمین کے وہ تھا شبنم آگیں شعاع افشانداں۔
منکشف تھی فراخ منظر گاہ شرقِ فردوس و مرغزارِ عدن،
بندگی کو جھکے پرستندہ، لب سے تسبیح، قلب سے تہلیل،
اس طرح منقبت میں —— بسم اللہ
مبدع الخیر تیری قدرت کا کارخانہ بڑا ہے —— ایاک
نعبدُ (بندگانہ) ایاک نستعین الرحیم الرحمٰن
یہ تری کائنات کا نقشہ حیرت انگیز و خوش نما اتنا
کس قدر بے مثیل تو ہوگا —— نطق ہے گنگ، ماورا تو ہے
متمکن ان آسمانوں سے پردۂ غیب میں نہاں ہم سے،
تو نمایاں ہے سرسری ان میں ہیں جو صناعیاں حقیر تری
لیکن اپنی زبان حال سے یہ قدرتِ قدس کی ثنا گر ہیں
یوں ترے فن کی داد دیتی ہیں، حیطہ فکر میں نہ جو آئے
کیفیت تم صحیح بتلاؤ، الملائک بتاؤ گے تم ہی

تم تو ابنائے نور ہو، اس کی ذات اقدس کے برملا شاہد،
روزِ بے شب میں تم طواف کناں کرسی حق کے چار سو خوش خوش
سیدھ تالوں میں گت بجاتے ہو، سادہ مکھڑوں کے گیت گاتے ہو
تم سماوات وارض پر دائم ہو بہ ہم پیشگیِ کُل مخلوق
حمد خواں، منقبت سرا اس کے اول و آخر اوسط وابداً ——
اخترِ تابناک (اے زہرہ) تری مسند ہے شب کا دنبالہ،
تو رفیقِ سحر نہیں، تسلیم، ہاں سفیرِ فلق تو ہے لاریب
شوخ نور آفرین ہالے سے تاج آرائے صبح خنداں ہے،
پو پھٹے اس مدار میں اس کا نجمِ ثاقب قصیدہ گو ہو جا!
چشمِ بینائے کائناتِ کبیر، مہر تاباں دمِ رواں تو ہے،
راہ پیمائے جاوداں، آہنگ یہ ترا کبریا کی ہو تمجید
خواہ افراختہ بہ سمت الراس، خواہ تیرا زوال کا ہنگام۔
ماہتاب آفتاب مشرق سے تو ملاتی ہے، اور معیت میں
ان ثوابت کے رم کناں بھی ہے، کرۂ پیوستہ، جو رمیدہ ہے
دیگر آوارہ اگنیو پانچوں (مشتری، زہرہ وزحل، مریخ
اور عطارد) کہ تم بھی گرداں ہو رقصِ مرموز میں نہ بے نغمہ
بازگشتِ ثنا بنو اس کی جس نے ظلمت سے ضو ہویدا کی
تم بروں عنصرو پلوٹھی کے رحمِ فطرت کی، اربعانہ یوں
جاوداں دائرے میں جولاں ہو کہ کثیر الصور تمام اشیا
تم سے آمیختہ و پروردہ، متواتر تغیرات اپنے
اس نہج پر کرو کہ ہو تازہ اک مناجاتِ کردگارِ عظیم۔

بھاپلی جھیل یا پہاڑی سے کہر، تبخیر ہو جو خیز ندہ
سرمئی یا بھبھوت تا حالاں گرم سورج تمہارے اون ایسے
ان ملائم سفید لہنگوں پر گہرا سونے کا پھیر دے پانی،
اس جہاں کے بزرگ بانی کے اب تم اعزاز میں قیام کرو،
یا سجاؤ گھٹاؤں سے مل کر بے چھب آکاش یا کرو سیراب
پیاسی دھرتی برس کے بوچھاریں، خواہ خیزاں ہو، خواہ افتاں ہو
تم ستائش گرِ مزید بنو۔
تم کہ چاروں جہت سے چلتی ہو، اس کی مدحت میں اے ہواؤ بھرو ہلکے ہو نکے ترنت طرارئے
پودے پودے کے ساتھ لہراؤ، اس طرح ٹہنیوں پُھننگوں کو
جیسے اس کی کرو پرستاری —— زمزمہ سنج ہو رواں جھرنو
سرسراہٹ کے ہوں سریلے سرِ مترنم نشیدِ یا سبحان۔
جاندارو کہو بیک آواز —— اس کی آواز پر کہو لبیک
طائرو تم رسا صفیر زناں آسماں کے بلند پھاٹک تک
گنگناؤ اسی کے گن، گونجے پر پرواز میں اُسی کا الاپ۔
تم کہ بہتے ہو جل میں چپکے سے، یا بروئے زمیں خرامیدہ
تن کے چلنا کہ رینگنا جھک کر، شام ہو، یا پگاہ، مہر بلب
میں جو ہو جاؤں، تو گواہ رہو —— کوہ و دریا و وادی و بیشہ،
میں نے اک حق طراز نغمے سے ان کے منہ میں زبان رکھ دی ہے۔
منقبت کی یہ ان کے ذہن نشین —— مالکِ کائنات اللہ ہُو
لطفہ زاد، مستقل ہم پر خیر و برکت نزول فرمائے۔
راتِ اندوختہ کرے شر کا، یا اسے بطن میں رکھے مکتوم

(شرِ غاسقٍ اذا وقب، اَعوذ) ذات پاک اس کو منتشر کر دے
جس طرح کر رہی یاں زائل اب اندھیرے کو روشنی — آمین"۔
صدق مندانہ یوں دعا مانگی،
عود کر آئی تب خیالوں میں ان کے یکدم طمانیت محکم،
داخل خو بحال یکسوئی۔
دلکش اوسوں، حسیں پھولوں میں چل دیئے کام کاج نمٹانے
صبح کی وہ گری گھنی گنجان صفِ اشجار میوہ آور ہیں (دیہاتی)
لاڈلی ٹہنیاں تھی پھیلائے منع ہاتھوں سے کیجئے جن کو نہ بغلگیر ہوں بلا مطلب،
وہ کہ جو تاکِ رز کو پہنچائیں بیاہ دردار سے رچانے کو (ف)
پھیرے دولہا کے آپ لے دولہن اور اس کے گلے میں سکھ مالا
بن کے لپٹیں سوئمبری باہیں، ساتھ لائے جہیز میں خوشے
اس کے لے پالک، ایک دھج نکلے جن سے اوسرے کے خشک پتوں کی۔ (بنجر)
آسماں کے عظیم والی نے دردمندی کے ساتھ دونوں کو
کام میں دھت جتے ہوئے دیکھا۔
دوستدارِ متیں رفاعل کو فوراً اپنے حضور یاد کیا—
یہ کروبی خوشی سے توبث کا ہمعناں تھا کہ عقد میں اس کے
ست نکاحی وہ مغویہ آئے (جو رہی اسموڈوئی کی لونڈی)—
پھر یہ ارشاد: "اے رفاعل تو سن رہا ہے شدید ہنگامہ
اہرمن نے کیا ہے، جو برپا—
گھور کھاڑی کی راہ دوزخ سے وہ ہٹیلا ہٹی فرار ہوا
اس نے فردوس میں مچایا غدر، اور کیسا کیا ہے بے آرام

رات اس مردوزن کے جوڑے کو — کس طرح بدنیت کی ہے تدبیر
ان کے ناتے وہ ایک دم ساری نسلِ انساں کو پائمال کرے
جا کہ ہے نصف دن ابھی باقی، ہم سخن — دوست دوست سے جیسے
تو بھی آدم سے ہو — جہاں مل جائے — دھوپ سے دوپہر کی وہ بچ کر
دن کی محنت کے بعد ستاتا، کنج یا چھاؤں میں کہیں، آرام یا بچارہ طعام میں مشغول
گفتگو اس نہج پہ کر، اپنی پرسکوں کیفیت سے ہو واقف،
ہے اسے جس سکون پر قدرت،
منحصر جو ارادے پر اس کے، جو ہے مبنی اسی کی منشا پر۔
دخل ارادے میں اختیار کا ہے، پر ہے بایں ہمہ تلون کیش۔
متزلزل نہ ہو یہ کر تنبیہ، خود کو مامون بھی نہ گردانے،
کر خبردار نیز خطرے سے، کون بدخواہ ہے عدو اس کا،
حال ہی میں وہ عرش کا راندہ، محوِ سازش ہے دوسرے بھی ہوں
راندہ اس عالم خجستہ سے —
بہ تشدد یہ کاروائی کب کہ موثر مزاحمت ہوگی،
بلکہ مکر و دروغ بافی سے کام وہ دشمنِ ازل لے گا۔
خوب آگاہ کر، مبادا ہو متجاوز وہ حد سے دانستہ،
بیچ میں عذرِ لنگ لے آئے، لامحالہ یہ ارتکاب ہوا
کہ اسے حفظ ماتقدم میں ہوئی تھی ہی نہیں نبا موصول (خبر، اطلاع)
مبدعِ لم یزل کا یہ فرمان،
حق تو ہے حق ادا ہو حق کا، تام اتمام حجتِ انصاف،
فرض تفویض سو ولی بردار بہر تعمیل جھٹ ہوا رخصت،

بلکہ مینو منش، ہزار انوار، ایستادہ تھا درمیاں جن کے وہ مرصع پروں کی اوٹ کیے
ان سے فوق اک زقند نور بھری، اور وہ عرش میں ہوا طیراں۔
ملکوتی پرے چھٹے ہر ہا تھ۔
زیر رفتار بچھ گئی ہموار سب سماوی سڑک جہاں تک تھی
اور یہ بابِ فلک پہ جا پہنچا۔
درِ خود کار کھل گیا چوپٹ گھوم کر جھٹ طلائی قبضوں پر
جو ہنر مندئ الوہی سے میرِ معمارِ کُل نے ڈھالا تھا۔
ماورا کوئی ابر پارہ تک پھر مزاحم نظر نہیں آیا۔
حائل انجم، ہزار خورد سہی، صاف روشن دکھائی دیتے تھے
نا موافق نہیں تھے جو دیگر کرہ ہائے ضیا منور تھے۔
عرضۂ ارض و روضۂ رضواں
کہ مزین جہاں پہ تھے کہسار سب کلاہوں سے دیوداروں کے۔
کم یقینی سے چاند پر جب تھی خوردبینِ گلیلیو شب میں
محوِ ارصاد بر بنائے قیاس منطقوں اور ریگ زاروں کی۔
یا نکل کر جہاز راں کوئی سکلاڈز مجمع الجزائر سے——
ہو وہ ڈیلوز کارواں ٹاپو (تھا جنم بھوم جو اپالو کا)
کہ ہو سیموف کا جزیرہ (جو فیثا غورث کی جائے پیدائش)
جھٹ مقام انعمام کو بھانپے۔
اس طرح وہ خلائے زیریں میں، تیز رفتار مائلِ پرواز،
بیچ میں سے فراخ اثیر اثر آسماں کے ہے، بین طیرانی
ان جہانوں سے اُن جہانوں تک، بل پر اپنے پرِ توانا کے،

اب وہ قطبی ہواؤں سے بالا،
اور پھر تیلے پنکھ سے پیہم گدگدی باؤ کو پچھوڑتا ہے،
رفعتوں میں پر آوری ایسی کہ عقابوں کو در کمند کرے،
نزدِ مرغاں مثیل ققنس، سب نگراں طائرِ خصوصی کے
تھسیزِ مصروی کو جو پڑا ان کہ ضیادار دیرِ شمس میں جا، ہاڈر کھے تبرکاً محفوظ۔
ایک دم شرق میں پرندک پر باغِ فردوس میں فرود آیا۔ (ف)
جُون اپنائی اصل، روپ وہی صاحبِ بال و پر فرشتے کا —
پنکھ چھ جن سے دیومالائی چھب خدوخال کی نکلتی تھی۔
ایک جوڑا عبائے ہر شانہ تا بہ سینہ بہ شانِ شاہانہ،
درمیاں پر مگر میاں بستہ جیسے تارا جڑا او پر تالہ
بلکہ وہ پیرہن سا پیرامون لے کے پٹھوں سے اس کی رانوں تک
حل شدہ آسمان کے الوان اور برادہ نمط طلا جن پر
تیسرا پایہ پاشنا تک تھا، ایک چلتہ کہ پُر نگارشتہ
بند کی بند کی یہ چھاپ آکاش،
(دیوتاؤں کے ایلچی ہرمس) پسرِ موی کی طرح چو بند
طرۂ او نسیم بکشاید،
کر دیا نکہتِ ارم نے سب وسعتِ مستدیر کو گل بیز۔
کل نواطیرِ آسمانی نے بے تکلف اسے شناخت کیا، (محافظ)
مقتدر منصب و پیام اس کا، سب کھڑے ہو گئے وہ تعظیماً،
تھا بخوبی ہر اک کو اندازہ وہ اہم فرض پر روانہ ہے۔
پاس سے ان جھمکتے خیموں کے وادیِ سعد میں ہوا داخل۔

راہ میں خیزران زار کئی، نگہتیں صد دمِ شگفتنِ گل،
بال چھڑ، تیج پات اور بلسان، رس مٹھاسوں کا اک خیاباں تھا
راس لیلا رچائی فطرت نے ——
گدرا جوبن، کنوارپن کچا، نار چنچل تھی، خوب کھل کھیلی
ریت رت سے پتر یہ بے پروا، سو رسیلے گلال اچھال دیئے
انت کی شانتی مہا آنند۔
اپنے سرد و برودہ مسکن کے آستاں پر نشستہ آدم کی نظر اس پر پڑی بہ حیرانی
کنج گاہِ مسالہ زار سے جب وہ فرشتہ بروں ہوا یک لخت ——
اور کرنیں تپاں تپاں اپنی خوب سورج نے ارتفاع سے بھی
تیز پھینکی عموداً اب نیچے تا کہ دھرتی کی کھوکھ گرمائیں،
تپش آدم کی احتیاج سے بیش ——
اور حوا درون خانہ ہیں، وقتِ خوردن ہے، ما حضر تیار
ذائقہ دار، خوش مزہ میوے،
دہن و کام کو بھی مرغوب، بھوک بھی دیکھ کر چمک اٹھے۔
ہو نہ بے لطف پیاس کی لذت، عسل آگیں مقطر آب چشاں،
دودھ ہے جوئے شیر کا شیریں، عرق انگور اور گوندی کا"۔
فوراً آدم نے دی انہیں آواز —— تو لپک کر یہاں تو آ، حوا
ان درختوں میں سوئے مشرق دیکھ منظر اپنی نگاہ کے شایاں،
متحرک، خراماں اس جانب صورتِ دلپذیر ہے کیسی،
سحر زرنگار اک مانو دوپہر پر نئی طلوع ہوئی۔
شاید آتا ہے عرش سے لے کر وہ ہمارے لئے اہم فرمان

اور بخشے گایاں شرف ہم کو میز بانی کا آج — جلدی کر
گھر میں اشیائے اکل وشرب ہیں جو وافرانہ وہ خوان پر چن دے،
عرش کے اجنبی کی خاطر خواہ عزت افزائی و پزیرائی،
ہے یہ توفیق تو کریں ہم پیش اپنے اہلِ دہش کی خدمت میں
بخششوں سے انہی کی نذرانہ — بہ فراغ آمد وعطا بہ فراغ۔
فطرت ایسی سدا ہے بار آور جیسے بھاگوں بھری کی گود ہری
پھل جو اترے پھلے یہ سرسائی۔
درس آموز ہے فراوانی کیوں ہو کل کے لئے پریشانی:
بایں الفاظ تب انہیں حوا:
"خاک کی پاک مورتی آدم جس میں پھونکی ہے روح یزداں نے
بس ہے اندوختہ قلیل ہمیں (حرصِ بے جا ذخیرہ اندوزی)
دیکھ یہ سارے موسموں میں ہے گذراوقات کے لئے افراط
پختہ، ڈنٹھل کے ساتھ آویزاں۔
پس کفایت سے کیجئے پس انداز پخت و پز سے یہ جب مقوی ہو
فالتو نذر ہے پھپھوندی کی۔
خیر پھر بھی شتاب اتاروں گی میں ہر اک ڈال اور جھاڑی سے،
پودے پودے سے، بلکہ پیٹھے کی رس بھری بیل سے بھی وہ چیدہ،
کہ تناول کرے تو وہ قدسی اپنا مہمان انگلیاں چاٹے۔
اور تواضع کے بعد کہہ اٹھے
مسرفانہ نعم کی برکت سے خوب یزداں نے نوازا ہے
مثلِ خلدِ بریں زمین کو بھی۔

یہ کہا پھر جھپاک سے پلیٹیں وہ نظر ڈال کر چھلتی سی غرق مہماں نواز سوچوں میں
کیا چناؤ چنے وہ من بھاتا اور سگھڑ پنے سے برتائے،
ٹک نہ پھوہڑ کہ ہوں مزے گڈمڈ، بے سواد اور ذائقہ بدلے، (ذرا بھی)
بلکہ کھانوں کا اک سلیقہ سے ہو یکے بعد دیگرے وہ دور،
چاشنی پر ہو چاشنی، بڑھ جائے ایک سے دوسرے کا چٹخارہ۔
کا جو بھو جو وہ جمع کرتی ہیں نرم و نازک ہر ایک ڈنٹھل سے،
ارض زائندۂ ہمہ انواع جو بھی کرتی ہے جا بہ جا پیدا —
ہند کے پورب اور پچھم میں، یا کنارے پہ وسط اسود کے،
اور قرطاجنہ کے ساحل پر (پونٹس یا پیونک) اور جہاں
آلسی نس کی حکمرانی تھی — نو بہ نو، نوع نوع کے میوے
کھردری جلد، یا ملائم پوست، سخت خول اور پھونس چھلکے کے
یوں سمیٹے کہ باج ہو بھاری —
بے تکلف یہ پُر تکلف سب مائدے پر چنے قرینے سے،
اور نوشیدنی کیے حاضر تازہ انگور کا فشردہ زلال،
بے نشہ مے، نبیذ، مشروبات انت کی بھانت بھانت پھلیوں کے۔
کوفتہ پختہ وہ گریوں کی خستہ رس دار ربڑیاں شیریں۔
نہ ظروفِ نفیس تھے کمیاب کہ طریقے سے بیتتے جن میں
اور برتائے سلیقے سے۔
فرش پر پنکھڑیوں کا چھڑکاؤ، کیوڑے اور گلاب کے چھینٹے،
ایسے بوٹے سے وہ اتارے ہوئے لی گئی تھیں نہ دھونیاں جس کی۔
اسی اثنا میں اب بڑھا اپنا وہ پراچین یگ مہا پُرکھا

بے حوالی موالی اس مہماں دیوتا روپ کے سواگت کو،
صرف طرّہ صفات حسنی کا، آپ فی نفسہٖ تمام تزک ـــ وہ خرافات مفتخر مفقود
خفقاں خیز طمطراقانہ خسرواں کے جلوسِ شاہی کا،
بے ٹھکانہ خدم حشم، چاؤش ٹھٹ کے ٹھٹ، ٹھاٹ باٹ گھوڑوں پر
بے کرانہ روانہ میر آخور، یار بیگی ـــ چمک دمک سج دھج،
روپا کندن کی لیپا پوتی وہ۔
چکا چوند اژدحام کی آنکھیں ہکا بکا، وہ منہ کھلے کے کھلے! ـــ
پہنچے آدم قریب تر اس کے، گو نہ مرعوب تھے، مگر ملحوظ
حفظ و قدرِ مراتب ـــ اور انہیں انکساری میں کوئی عار نہ تھی
کہ اصول نجیب الاصل ہے یہ ـــ جھک کے تسلیم کی، خطاب یہ پھر
"دیکھ سائے میں ہے غریب کدہ، چل کے آرام کر وہاں چندے،
بیٹھ اور نوش جاں وہ بر چیدہ جس کو گلشن کا انتخاب کہیں
کر توقف کہ ہو ذرا مدھم یہ تمازت کڑی دوپہرے کی،
دھوپ ٹھنڈی پڑے، ڈھلے سورج۔"
نرم لہجے میں تب وہ قدس مآب طبقہ ہفتم اس طرح گویا:
"وارد آدم اسی لئے میں ہوں،
آنچناں تو ہی آفریدہ ہے، نہ یہ دنیا ہی ایں چنیں جس میں
تو فروکش کہ نامناسب ہو اس حوالی میں مدعو کرنا
پاک ارواحِ عرش کو گا ہے کہ ملاقات وہ کریں تجھ سے ـــ
چل چلیں تو دکھا مجھے رستہ ہے مظلہ وہ برگ پوش کدھر!
ساعت نیمروز بجتی ہے، سہ پہر تک ذرا فراغت ہے۔"

پس وہ دیہی مکان کو آئے، چھائی تھی وہ بہار، مُسکائے
جیسے پھل کی شگفتہ رو دیوی پومنہ کا ہرا ابھرا منڈوا۔
خوب آراستہ شگوفوں سے، خوب ہی نکہتوں سے عنبر بیز،
سرمہ، مسی، حنا، نہ ہارسنگار، روپ حوا کا پربھو کا تھا،
دیومالائی بن پری سے ادھک، انت سندر وہ (افرادائت سے)
موہنی الپسرا تل ایدا پر جو برہنہ مظاہرہ کر کے
اتھن وہیر اسی روپ ونیتوں سے (حسیناؤں)
(جانچ پارس نے کی تو) جیتی تھی حسن و انداز کے مقابلے میں
تھیں بپاسِ مسافرِ عرشی اب یہ مہماں نواز چشم براہ۔
سپرِ پاکدامنی ان کو تھی نہ درکار، بے نیازِ نقاب،
لحظہ بھر کو نہ کوئی فحش خیال، رنگ آیا گیا نہ گالوں پر،
نیک خاتون کو کروبی نے دیکھتے ہی کہا ــــ "سلام علیک"
وہ مقدس تحیہ و تسلیم، مدتوں بعد جس سعادت سے
صنفِ نازک کی دوسری حوا مریم پاک سرفراز ہوئیں۔
"السلام ام نسلِ انسانی ــــ بچہ دانی کثیر افزونی
فرطِ اولاد سے کرے گی یوں سب یہ معمورہ جہاں معمور
جیسے اشجار ایزدی کے یہ نوع در نوع ان گنت اثمار،
دوب کا ہی کی میز اونچی سی، چوکیاں کائی دار چو طرفہ
مائدہ پر خریف کامل سے
ہاتھ میں ہاتھ تھام کر رقصاں یاں بہار و خزاں بساط پہ تھیں۔
پہلے کچھ دیر بات چیت رہی، ہو نہ جیسے کسی کو اندیشہ

سرد ہو گا پڑا پڑا کھانا۔ پھر ہمارا نژاد گر بولا
"عرش کے اجنبی کرم فرما، لقمے ان نعمتوں سے لے اک دو
مہا اپکار اپنا پالن ہار،
با فراغت اترتا ہے ہم پر رب پروردگار سے عمدہ
من و سلویٰ مثال خوانِ کرم،
ارض کرتا ہے بارورده یوں کہ مہیا ہے اکل و شرب تمام۔
طبع قدسی کو نا موافق ہو پھیکا سیٹھا یہ ما حضر شاید
میرا ایماں مگر یہ دین اس کی:"
وہ کروبی جواب میں "جو بھی آدمی کو عطا کرے رازق
(آدمی بے شک ایک جز روحی)
کامل ارواح کو نہیں جائز، ایسی نعمت کا وہ کریں کفران۔
صاف گو جوہرِ شعوری ہے، چاہئے قوتِ لا یموت ہمیں
جس طرح یہ تمہیں مگر درکار، فطرتاً گرچہ تم ہو معقولی،
مشترک ایک سی ہے دونوں میں حس کی ادنیٰ صلاحیت، جس سے
دیکھنا، سننا، سونگھنا، چھونا اور چکھنا، قوامنا چکھ کر
ہضم کرنا، پچانا، کر دینا قالب اجزا کی کیفیت مقلوب۔
پسِ کیلوس خون رس کیموس (ف)
پس ہو معلوم جو ہوا تخلیق ہے کفاف و غذا کا حاجتمند۔ (ف)
یہ عناصر — کثیف تر عنصر ناشتہ ہے لطیف تر کے لئے
(ان کی نشو و نما کا ضامن ہے)
خاک سے دھوپ، دھوپ سے پانی اور پانی سے ہے پونَ پروان،

بخشتی ہے ہوا تو انائی ان اثیری وقود کو، جن میں (ایندھن)
اولیس چاند ہے، قریب تریں، جس میں چہرے کے گول دھبے داغ
منتشر ابخراتِ بے تنقیح، جزو جوہر نہیں بنے اسکے۔
نہ ہی اوپر گروں کے واسطے چاند قریۂ نم زدہ سے قوت بر آر۔ (ف)
شمس جو سب کو روشنی بخشے، تقویت کے معاوضہ میں ہے
یافت کل اس کی ہے ابخرے مرطوب ـــ بحر کا جرعہ نوشِ ہم کاسہ
گو سرِ عرش نخلہائے حیات میوہ بردارِ قدسیت اعراض،
آبِ کوثر چکان تاک بھی ہے،
اور شاخوں سے او نجتے بھی ہیں ہم شکر ریز شبنمیں ہر صبح،
فرش کو ڈھانپ جاتی ہے کثرتِ دانہ ہائے دُردانہ،
پھر بھی یزداں نے فیض یاں اپنا نو بہ نو لطف ہائے ارزاں سے یوں کیا عام، ارم کو رشک
آئے۔
پس سمجھتا ہوں پان پھل سے میں شوق کر کے نہ بدمزہ ہوں گا
چین سے نوش و خور شروع ہوا،
نہ دکھاوا نہ دھند کے اوٹل (عام ملائیت کی تاویلیں)
گرسنہ سا مگر فرشتہ تو یوں نوالے اتارتا جائے
کہ لگی پیٹ کی بجھاتا ہو ـــ استحالہ بہ احتراق قوام، (تبدیلی)
فالتو مثلِ ابخرہ خارج بہ سہولت ز پیکرِ ارواح۔
ہو نہ اس کیفیت پر استعجاب،
کالکی کوئلوں کی آگ سے بھی کیمیا گر اتائی کرتا ہے،
یا اسے زعم ہو ذہب میں وہ منتقل بے خلیش کر لے گا (ف)

خام دھاتوں کو اس نمط گویا ہو برامد وہ خاص معدن سے،
(کیمیا از قلیمیا یعنی)
نیک حوا الباس فطرت میں خوردنی نُقل پیش کرتی ہیں،
ہر مفرح عرق سے یہ ساقی ان کے فنجان بھی کرے لبریز،
اور یہ معصومیت ارم پرور
گر کبھی تو فقط تبھی معصوم جانتے خود کو با خدا دلبند
اس نظارے پہ شیفتہ ہو کر۔
بے شک ان کے دلوں پہ حاوی تھا عشق کا پاک بے ہوس جذبہ
کہ بنی تھی نہ بدظنی ناسور عاشقِ نامراد کے دل کی۔
تھے فراواں کباب، پھل، مشروب
خوب کھا پی کے ہو لئے جب سیر، پر نہ یوں ہو گرانیٔ معدہ
سوجھی آدم کو اتفاق انہیں یہ غنیمت میسر آیا ہے،
کیوں نہ کچھ کیفیت کریں معلوم
کیا ہے بالائے عالمِ بالا ساکنانِ فلک کا حال احوال،
کہ فضیلت میں تا ہنوز انہیں جو لگے اپنی ذات سے مافوق،
سرمدی نور ہیئتیں رخشاں،
اور پھر ان کی نیروئے علوی اب تلک آدمی سے مفرط بھی۔
آسمانی سفیرِ قدسی سے بہ تامل یہ گفتگو محتاط:
"مجھ پہ باشی جو اریزداں کے آشکارا ہے لطف ارزانی،
یہ مرا جھونپڑا غریبانہ، کر کے تو نے یہاں قدم رنجہ
کی ہے بندے کی عزت افزائی —— اور یہ دال ساگ چکھا ہے

یہ ہماری زمیں کی پیداوار، جو کہاں اہلِ عرش کو مرغوب،
یوں بہ خندہ روئی نیاز قبول، بندہ پرور نہ ایسی رغبت سے دعوتیں عرش پر اڑائی ہوں"

درجواب ان کو اسقفِ پردار:
"ایک ہی کردگار سے آدم اجمعین والیہ یرجعون،
خیر سے ہوں اگر نہ بیگانہ کامل واکمل آفریدہ ہیں۔
ازلی ایک مادّہ کلی، زندگی کا مکلّفِ صد شکل،
مختلف درجہ ہائے جوہر کا اندروں حاملانِ زیست کے ہے،
شستہ شائستہ شاندار، پہ محواس کی قربت میں، سعیٔ قربت میں
ایک، اک اپنے مختلف سرگرم دائروں میں کہ ہیں انہیں تفویض،
جسم حتیٰ کہ روح بن جائے ان حدودِ معینہ میں جو بہرِ ہر صنف ہیں جداگانہ۔
(بس یہی ہے طریقتِ فطرت بہ جمائی ونامی وحیواں کلیّہ ارتقائے ہستی کا)
جڑ سے پھوٹے سبک ہری کونپل، نرم پتے ہوائی پھر اس سے
اور مکمل حسین پھول آخر، دمِ عنبر فشاں، شگوفے، پھل،
آدمی کے لئے حیاتینی ہے بتدریج حیثیت افضل
(بے ہیولی بنی نہیں صورت)
کون ہے جو نہیں تمنائی رہروِ راہِ ارتقا ہو کر
زندگی مند روح بن جائے، غیر اہلِ عقول واہلِ عقول
جاں بھی، ادراک وفہم بھی، دونوں حسن تخئیل بھی، شعور بھی ہو،
روح کو جن سے دستیاب خرد ہے خرد ہی وجود بھی جس کا،
مبرہن، یا رہینِ وجداں کی۔
قیل وقال اکثر آپ لوگوں کی، ثانی الذکر بیشتر اپنا،

گر تفاوت بھی ہو تو در جاتی، ورنہ اصلاً نہیں ہے فرق اصلا۔
کیوں ہو سر گشتہ جو مرے حق میں طے کیا ہے مفید یزداں نے،
ہو نہ اس سے مجھے مگر پرہیز
میں تمہاری طرح (غذا) کر دوں منقلب جوہرِ حقیقی میں،
عین ممکن ہے ایک وقت آئے
کہ بنی آدم و ملائکہ سب ہم نوالہ وہ ہم پیالہ ہوں
کہ نہ خوراک ہی مضر ٹھہرے اور نہ ہلکی غذا کبھی ناقص،
عنصری یہ مقویات آخر جسم کو صاف روح میں ڈھالیں،
ارتقا سے بہ عرصۂ دوراں اس طرح کر کے بال و پر پیدا
سرفرازِ اثیر ہو جائیں، جس طرح ہم ہیں اور اما بعد
حسب دلخواہ یاں قیام کرو یا بہشت آشیان ہو جاؤ
اس کے طاعت گذار گر ہو گے،
صادق القول بھی محبت میں، جس کی اولادِ معنوی تم ہو
خیر موجیں اڑاؤ جی بھر کے، یاں میسر وہ شادمانی ہے
شادماں زار میں، مزید نہیں جس پہ گنجائشِ اضافہ اور،
زر بہ سنگ سیاہ کاشیدن۔

رومی

از جمادی مُردم و نامی شدم	وز نما مردم بحیواں سر زدم
مُردم از حیوانے و آدم شدم	پس نہ ترسم کے زمُردن کم شدم
جملۂ دیگر بمیرم از بسر	تا بر آرم از ملائک بال و پر
از ملک ہم بایدم جستن زجو	کلّ شئ ہالکٌ الّا وجہہٗ

بارِ دیگر از ملک قرباں شوم
آنچہ اندر فہم ناید آں شوم

''نوعِ انساں کا ابِ کبیر بزرگ:
تو نے اے نیک فال نو وارِدِ روح غمخوار وہ سمجھایا ہے
اب ہمیں راست مستقیم صراط علم کو جس پہ گامزن کیجئے
زینہ فطرت کا تا محیط ز وسط، جس کے اوپر قدم قدم چڑھ کر
آفریدہ جہاں پر غور کناں ہوں گے ہم سرفراز یزداں تک۔
ہے چگونہ مگر یہ فہمائش۔ اس کے طاعت گزار گر ہو گے''
کیوں گماں ہے کہ منکرِ طاعت یوں ہم اس کردگار کے ہوں گے،
عشق ہو جائے گا فرو اس کا،
خاک سے ڈھال کہ ہمیں جس نے بے بدل رنگ روپ بخشا ہے،
یاں سعادت کدہ میں ٹھہرایا، سر بسر برکتوں سے مملو بھی،
ہو طلبگارِ آرزو جتنی —— وہ کہ بندہ قیاس کر نہ سکے؟
اب فرشتہ انہیں: توجہ سے ابنِ ارض و سما ذرا سننا
ہاتھ یزداں کا ہے تو خوش ہے، تو سدا خوش رہے یہ ہاتھ ترے،
تیری طاعت پہ منحصر، محکم قائم اس پر، یہ پند ہے تجھ کو
متغیر نہیں کہ یزداں نے آفرینش تری مکمل کی اور احسن تجھے بنایا ہے۔
یہ دیا اختیار بھی از خود سعی پیہم سے استوار رہے،
حسبِ فرماں ہے قدرتاً آزاد جبر و اکراہ سے رضا تیری،
کاسہ لیسِ قضائے مبرم یہ، نہ لزومِ شدید کی پابست،
بے غرض بندگی کا وہ طالب کہ حضوری نہ ہو بہ مجبوری،

کہ وہ سرکار میں قبول نہیں، اور منطق بھی کیا کہ ہو مقبول۔
حق تو یہ ہے کہ جو نہیں مختار ان دلوں سے مواخذہ کیسا
خواہ خدمت گذار دانستہ، خواہ برعکس کردنی ان کی
لامحالہ ہے کردۂ تقدیر، اور یارا نہیں نہیں کچھ بھی
جلوہ افروزِ تختِ یزداں ہے،
میں بھی، جند الملائکہ بھی دگر دست بستہ حضور حاضر ہیں
ہم کہ یہ خوش مقام رکھتے ہیں، عین جس کے مثیل تم اپنا،
یہ میسر ہے جب تلک ہم لوگ اس کی طاعت سے کام رکھتے ہیں
دیگر اس کی ضمانت اور نہیں
ہم بہ طیب دلی بہ خدمت پیش، ہم بہ طیب دلی عقیدت کیش
یہ رضا کی صوابدید پہ ہے، ہم محبت اگر کریں نہ کریں
لڑکھڑائیں کہ پا ثبات رہیں، سارا دار و مدار اس پر ہے
گر گئے چند سرکشی کر کے،
گر گئے عرش سے جہنم کے انتہائی عمیق غاروں میں
بامِ اقبال سے ہبوطِ زبوں"۔
یوں اسے جدِ امجد اب اپنے: "بات تری بگوشِ ہوش سنی،
اِن ہوائی دھنوں سے شیریں تر میرے کانوں میں شہد گھول گئی
رات جو اے معلمِ قدسی ملکوتی غنائیہ اکثر
پاس ٹیلوں سے نشر کرتی ہے
تھی نہ یہ آگہی ارادہ و فعل دونوں آزاد آفرید ہوئے۔
عشقِ خلاق کو بنائیں گے طاقِ نسیاں کا ہم نہ گلدستہ

ہم کریں گے متابعت، اس کا واحد الامر ہی سہی لیکن
جو بہر طور منصفانہ ہے
مسلسل نداخیالوں کی، مستقل یہ یقین دہانی بھی ——
عرش کا ماجرا اگر تو نے جو کیا ہے بیان، اس سے تو
وسوسہ ذہن میں ہے برانگیخت، خواہش افزوں تر، جو تو مانے
تو یہ ساری کتھا سنا مجھ کو جو یقیناً عجیب تر ہو گی۔
ملتجی ہوں، مودبانہ میں سادھ کر چپ سنوں گا یہ قصہ،
پھر ابھی تو پڑا ہے دن خاصا، طے بمشکل کیا ہے نصف سفر،
نصف باقی پر اب مسا سورج طبقۂ چرخ میں روانہ ہے"
کی جو آدم نے اب یہ فرمائش، کچھ تذبذب ہوا رفاعل کو
پھر رضامند ہو کے یوں آغاز: "اے جمیع البشر میں سر جملہ!
ہے یہ سنگیں مطالبہ تیرا، امر تکلیف وہ بھی، مشکل بھی،
میں وہ ہنگامہ ہائے غیب کروں قدسیانِ ستیز پیا کے
علم انساں پہ کس طرح القا؟ بے تردد عیاں زوال احوال
ان ہزاروں کا، استقامت میں تھے جو بسیار کامل و میمون؟
کیسے آخر جہانِ دیگر کے رمزِ سربستہ منکشف کر دوں،
ناروا ہے جنہیں، کروں افشا؟
تیرے حسنِ مآل کی خاطر خیر اب ترکِ احتیاط سہی،
ذہن انساں رسا نہیں جن تک سہل میں آشکار کرتا ہوں،
صاف پیرایہ یوں کہ روحانی ہو مثیلِ شبیہ جسمانی۔
کیا خبر ہو جو عکسِ عرش زمیں،

ایک مثلِ دگرامور یہاں ہوں زمیں پر قیاس سے افزوں۔
وہ زمانہ تھا جب ابھی دنیا معرضِ ہست میں نہ آئی تھی،
بے مہار اختلال قابض تھا منتشر آسماں جہاں تک تھے،
یا جہاں پر زمین قائم ہے اس توازن کے ساتھ محور پر
جب کہ اک روز—— (ہے زماں ہر چند ابدی بے نہایت و آغاز
حرکت کے سبب یہ پیمانہ جملہ اشیائے پائیدار کو ہے شکلِ ماضی و حال و مستقبل)
ہاں تو ایسے ہی ایک روز کہ تھا غرۂ سالِ اکبرِ عرشی
(وہ اہم نقطۂ زماں، یعنی پورے چھتیس ہزار سال کے بعد
ابتدائے محلِ گردش پر لوٹتے ہیں سفر سے جب اجرام)
خسروی اطلاع ناموں سے طلبی کی گئی فرشتوں کی،
کل اثیری سپاہ لا احصاء
یک بیک سو بسوئے گردوں سے کرسیِ کردگار کے آگے اپنے اپنے کمان دار کے ساتھ
حاضر آئے عظیم اعلیٰ گرد دستہ در دستہ دس ہزار ہزار، (لشکر)
علم افراشتہ مرتب جیش قلب ساقہ مقدمہ صف صف
ندیوں سے بڑھے ہواؤں میں،
امتیازات درجہ درجہ تھے، آشکار الواء و بیرق سے
یکصدی و ہزاری واحدی
ان کی نور آفریں نسیجوں میں تھے مقدس وقائع شعلہ دار،
ثبت پیرایۂ بدیہی میں جوش جذبہ کے کارنامے تھے۔
گنگ جب واں پہ حلقہ در حلقہ ایستادہ تھے مستدیرانہ
دیکھ کر ان کو لم یزل رب نے——

جس کے نزدیک ہی سکوں بکنار، درمیاں تھے نشستہ روح الہ
جیسے آتش فروغ اپانہ پر، خیرگی سے نہ جو بجھائی دے (اٹاری۔کرسی)
یوں خطاب بلیغ فرمایا: "سب سنو قدسیانِ نورنژاد
ذوالارائک ملوک، اولوللقوۃ، احسن اصحاب، ذی حشم ارباب (تخت والے)
میرا فرماں بگوشِ ہوش سنو، کہ ابد تک نہ فسخ یہ ہوگا،
آج کے دن ظہور مجھ سے ہے قرۃ العین، جو مسلم ہے،
اس مقدس جبل پہ میں اس کو دے رہا ہوں یہ اصطباغ ــــ یمین
تم اسے اب مشاہدہ کرلو ــــ یہ تمہارا ہے پیشوا امور،
لو یہ سوگند سب حضور مرے کہ سر عرش سامنے اس کے
سر تسلیم خم کروگے تم، اس خداور پہ لاؤ گے ایمان،
یہ معظم نیابتِ شاہی، اس کے ماتحت متحد یک جان
تہ کرو زانوئے ادب بے شک تم رہوگے سدا خوش و خرم
منحرف اس کا منحرف میرا،
رخنہ انداز راندۂ درگاہ، دور یزداں سے ــــ دور تر، محروم
جلوۂ یمنِ روئے یزداں سے۔
گھور اندھیروں میں سربسر غرقاب، ظلمتیں لاتخفف عنہم،
الذین شقو فبشرھم بعذاب الیم فی ہا مادامت السموات والارض ــــ
(وہ شقی مور دِعذاب الیم یہ سماوات وارض جب تک ہوں)":
تھا یہ ارشاد قادرِ مطلق
سب نظر آئے باغ باغ مگر، سب نظر آئے، پر نہیں سب تھے۔
دوسرے مطمئن دنوں کی طرح

اس مقدس جبل کے پاس یہ دن حال، قال اور دھمال میں گذرا۔
رقص مرموز ہے قریب ترین اسکے پہیوں میں سب نظیر نما،
وہ جو تاروں بھرا گرہ ہے دور، دورِ سیار اور ثوابت کا۔
گنجلک چیستان، پیچیدہ، مختلف مرکز و بہم گرداں
خوب باقاعدہ مگر از حد جب یہ بے قاعدہ دکھائی دیں،
ملکوتی نشید اپنے سُر ان کی گردش میں یوں سنوارتا ہے
یہ مدھرتا طرب کا نغمہ ہو گوشِ یزدان کی سماعت پر۔
شام ہونے لگی (ہمارے بھی صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
لاکھ حاجت ہمیں نہیں لیکن، ہے بڑی دلکشی تغیر میں
سو بصد اہتمام ہوتی ہے)
تھی طلب، رقص سے رکے، یکدم کی توجہ لذیذ دعوت پر
سب پرے باندھ باندھ استادہ
لگ رہے تھے فراخ دسترخوان جن پہ کرّوبیان کے کھانے
بے تکلف چنے گئے ڈھیروں — جامِ لعلین زلال اکسیری
فضہ یخ بستہ، منجمد موتی، گوہر الماس زر بردہ خواص
ذائقہ دار تاک کا میوہ — صرف جو عرش پر مہیا ہوں
مسندِ گل پر استراحت سے، تاج سر پر دھرے شگوفوں کے وہ خور و نوش میں ہوئے مشغول۔
لطف انگیز ہم جلیسی میں یوں تھے ساغر کشِ بقائے سرور
جس میں اندیشہ خمار نہیں — حدر طل گراں ہے یاں بیشی،
وہ سخی، وہ کریم، وہ داتا، دستِ فیاض سے لٹاتا ہے

شادماں، شادمانیاں، شاداں
سحر آگین ابر پوش امڈی شب بلند الجبل سے یزداں کے
جس جگہ سے نمود پاتے ہیں سایہ و روشنی —— یہ دونوں ہی،
آسماں کا منوریں چہرہ، ہو کے تبدیل تھا شفیق شفق
(شب مقنّع وہاں نہیں آتی،)
نیند آنکھوں کو شبنمیں گل رنگ جادوئے پرسکوں سے موند گئی،
صرف بے خواب دیدۂ یزداں (نیند گھیرے جسے نہ اونگھ آئے)
سو بسو عرصۂ بسیط بساط۔
ارض کروی سے تھا طویل و عریض جس کا پھیلاؤ دلکشا ہموار
ہوا کرہ وہیاں کا جمِ غفیر، جوق در جوق، صف بہ صف رخصت
اپنے اپنے پڑاؤ کی جانب،
بر سر رودہائے تازہ آب، درمیانِ ہجومِ نخلِ حیات
طرفۃ العین میں تھے استادہ خوبصورت خیام لاتعداد،
آسمانی مظلّہ جات —— جہاں سو گئے اب وہ تان کر لمبی
ہولے ہولے صبائیں جھلتی تھیں ہلکے ہلکے خنک پنکھے،
چند بیداران میں البتہ، باری باری حضورِ کرسی شاہ
صد مناجات صدق شب ساری رات حسن ترتیل سے سناتے رہے
اہرمن تھا نہ اس طرح بیدار —— یونہی اب کیجئے اسے موسوم
کہ سرِ عرش جو بھی تھا اس کا نام پہلا کسی کو یاد نہیں
وہ رئیس الملائکہ سابق تھا نہ گر، سابقین میں اس کا
بلحاظِ تقرب و طاقت امتیازی شمار ہوتا تھا

روح اللہ سے اسے لیکن سخت پر خاش کا فتور ہوا،
جن کو اس دن جلیل مبدع نے سرفراز و بلند فرما کر
حسبِ فرماں مسیح ٹھہرایا، حکم فرمائے مسیح فرمودہ،
تاب نظارہ کبر کو نہ رہی، ذات کو جیسے لگ گیا بٹہ
نفرت و کینہ و عناد بڑھا
جونہی پس لے کے نیم شب تیرہ ساعتِ خواب و خامشی آئی
بہرِ یارانِ صدق پروردہ،
یہ تہیہ کناں کرے اب معزول لشکر آرائی سے مسیحا کو
کرسئ با چشم کورہ جائے حسرتِ طاعتِ قدمبوسی۔
پس جگاہ کر کمال نخوت سے متصدئ خاص کو اپنے
بات سرگوشیوں میں یوں چھیڑی:
خوابِ خرگوش میں عزیز رفیق، کون سی نیند موند سکتی ہے
تیری پلکیں، تجھے ہے یاد بھلا کل ہی نافذ ہوا ہے کیا فرمان
قادرِ آسماں کے ہونٹوں سے؟
تھا وطیرہ سدا مجھے تو نے اور میں نے تجھے رکھا آگاہ
جو بھی اپنے خیال باہم تھے۔
ہم کہ بیدار ایک تھے ہر دو نیند کیوں اختلاف ڈال گئی؟
یہ نفاذِ اوامرِ نو دیکھ، اسکی جانب سے یہ اوامرِ نو
ہے جو فرمانروا کریں برپا ہم اطاعت گذار لوگوں میں
نئی آرا، جدید میلانات،
بحث جن پر چلے تو پیدا ہو صورت حال بے یقینی کی۔

بسکہ منہ اور کھولنا اس جا دوست خالی نہیں ہے خطرے سے،
کرا کٹھے وہ بے شمار انبوہ، ہم مقدم ہیں پیشرو جن کے
اور حکماً انہیں ہدایت کر کہ ازاں پیشتر شب بے نور
گھور بادل کرے وداع اپنے، کوچ مجھ کو شتاب کرنا ہے
ساتھ ہمراہ سب لئے بیرق، جو ہمارے جلو میں رہتے ہیں
منزلیں مارتے چلیں گھر کو دور برّ الشمال میں —— جس جا
سب طرابیل اپنے ہیں محفوظ (برج منارے)
پھر ہو شایانِ شان تیاری اپنے سلطاں کے خیر مقدم کی،
وہ مسیحائے مقتدر جو شتاب ساتھ اپنے اوامرِ نو کے
فاتحانہ، بہ عزم گذرے گا جملہ طبقاتِ الملائک سے
کہ شریعت کو مستند کرے۔"
یوں رئیس الملائکہ دجال اور ہمدم کا بے گماں سینہ اثرِ بد سے شور بور ہوا۔
وہ بلا بھیجتا ہے سب یک جا، یا یکے بعد دیگرے چند ایک
نائب السلطنت فرشتوں کو، نائب السلطنت کہ اس کے تھے،
کہہ سناتا ہے جو ہدایت تھی۔
اس سے پہلے کہ رات، اب پہلے اس سے بے نور رات ڈھل جائے،
عرش کے سر کا بوجھ ٹل جائے،
پیشوائی درفشِ اکبر کو کوچ کرنا ہے —— علتِ غائی
یوں بیاں کی کہ لفظ میں تھی حسنِ تعلیل وصنعتِ ایہام۔
حرف آئے، نہ ذم ہو نیت نیک،
حسبِ منشا اشارہ سب پا کر، سب نے آواز پر کہی لبیک

بے تامل جلیل خسروی۔
نام بے شک بزرگ اسکا تھا، حیثیت بھی عظیم گردوں میں،
اس کے بشرے کے دام میں آئے۔
جس طرح گلۂ کواکب کی رہبری نجمِ صبح کرتا ہے،
جندِ عرشی کا اک تہائی ساتھ کرلیا چھل فریب سے اس نے
اور چشم ازل نے اس دوران
جس کی نظروں میں تین آئینہ، ساری غامض خیالیاں — مگھم (گول مول)
جھٹ مقدس پہاڑ کے اوٹل، ان قنادیلِ زرفشاں میں صاف
جو شبانہ ہیں سامنے ضوتاب، بے اجالا وہاں بغاوت کو
سرکشیدہ نظارہ فرمایا۔
تھا کسے یہ جنون بھانپ لیا، کیوں سحرزادگان میں پھیلی
اور جمِ غفیر کن کا تھا یوں جو شیرازہ بندیاں کر کے
ڈٹ گئے تھے خلاف ورزی پر حکمِ جید کی نامرادانہ۔
متبسم پھر اپنے اکلوتے روح اللہ سے کیا ارشاد
''نور چشمی، چمک دمک بھرپور مجھ پر اپنے جمالِ قدسی کی
آشکارا ہے تیری ہستی سے — میرے جاہ وجلال کے وارث!
آپڑی ہے کہ ہم کریں جیسے اب یہ باور کہ فی الحقیقت ہم
قدرتِ کاملہ کے حامل ہیں — ہو کسی اسلحہ سے کچھ تدبیر
کہ بدستور ہم رہیں قابض اس شہنشاہی وخدائی پر
مدعی ہم ازل سے ہیں جس کے
وہ حریف اب مقابل اپنے ہے، خبطِ بے ضبط ہوگیا جس کو

کہ سنگھاسن جمائے ہم ایسا کلِ شمالِ بسیط کے اندر
اکتفا یہ نہیں، وہ آمادہ رن میں ہے پنجہ آزمائی پر
کہ ہمارا جوازِ حق کیا ہے اور شکتی ہے کس قدر ہم میں؟
صورتِ حال ہے بڑی سنگین، آؤ باہم صلاح کارانہ
ہم بہ تعجیل مجتمع کر کے جس قدر رہے بچی کھچی قوت
جھونک دیں کل دفاع میں اپنی کہ مبادا یہ منصب العالیٰ
الحرم اور الجبل اپنے ناگہاں ہاتھ سے نکل جائیں"۔
روح اللہ کی حضورِ الٰہ عرض شائستگی سے وہ انداز
بکمال اس میں فکر کا پرتو، صاف، واضح، متین، قدوسی:
کیا بجا مضحکہ ہے اعدا کا — ذوالجلال ان کے لغو منصوبوں
اور بلووں کی — جن سے ہم مامون — ٹھیک ہی تو ہنسی اڑاتا ہے،
باعثِ افتخار یہ مجھ کو، جو بھی اس کد سے آشکارا ہے۔
نہیں برداشت کیوں مجھے تفویضِ اختیارِ شہی بہ فرمانے
یا تو سرکوبیِ غرور کروں میں اسی کارزارِ خونیں میں
تیز مشاق ہاتھ دکھلا کر سرکشوں کو ترے مطیع کروں
یا بنوں عرش میں فرمادیہ۔"
روح اللہ کا یہ سخن لیکن اہرمن قدسیان کے ہمراہ
بڑھ رہا تھا ہوا کے گھوڑوں پر، فتنۂ بے حد و عدد، کہیے (جماعت)
شب میں جمِ غفیرِ انجم کا بھور کے تارے، وہ اوس کی بوندیں
مہر جن موتیوں کو ٹانکتا ہے پتے پتے پہ، غنچے غنچے پر،
پار کر کے وہ منطقے گذرے، مقتدر وہ ولائتیں، جن پر

متعین ثلاثہ حیثیت سب سلاطیں، سرر، سرافیں تھے،
منطقی وہ کہ سامنے ان کے تیرا مقبوضہ تمام آدم
کچھ زیادہ نہیں کہو اک باغ سامنے کل زمین و بحر کے ہو،
جو کہ اک گروی تمامی سے متوازی سپاٹ پھیلے ہیں،
وہ یہ کرتے ہوئے عبور آخر سرحداتِ شمال میں آئے۔
اہرمن سامراج گدی پر، تھا وہ بالا سرِ سرا بالا
خوب افروختہ تو اجلتا جیسے جلتے توے پہ رکھا ہو۔
کان الماس و معدن زر سے تھے تراشیدہ کل بروج اہرام قصرِ طاغوت قیصرانہ کے،
(ابن آدم کی بولی ٹھولی میں کوشک اس کا ہوا یونہی معروف)
اور اس نے جسے بلا تاخیر ریس میں الجبل کے، پیشِ عرش
نامزد جس جگہ مسیح ہوئے، جبل الجمع سے کیا موسوم،
کہ لگایا تھا چال سے جملہ احشام کا وہاں مجمع
وہ بہانہ طراز تھا جیسے حکم اس کو ہے مشورہ کرلے
کیسے سلطاں کا خیر مقدم ہو واں جو تشریف لانے والا ہے
یوں بھرے مفسدانہ فن کے ساتھ ملتبس راستی سے کان ان کے:
ذوالارائک ملوک، اولوالقوۃ، احسن اصحاب، ذی حشم ارباب
گر نہیں ہیں رفیع یہ القاب، محض باقی برائے نام تو ہیں
اب ز روئے مشیت اور کوئی کر چکا اقتدار یہ مخصوص
کاملاً اپنی ذات کی خاطر،
اور گہنا چکی ہے ہم سب کو کیتِ شاہِ اصطباغ شدہ۔
بس اسی واسطے شتابی سے تیز رفتار کوچ نیم شبی،

منعقد یہ نشست بھی فی الفور، صرف اس واسطے کہ ہو یہ غور

نو بہ نو کون سے لوازم سے ایسے حضرت کا خیر مقدم ہو،

کہ ورود اس کا ہونے والا ہے تا وصولے وہ غیر ادا کردہ

ہے جو زانو زدہ خراج ہنوز۔

باعث عاجبہ سائی ہے ایک کے آستان پر — دو بھر

کس طرح کیجئے بھلا برداشت ذات یا حاملِ شبیہ کوئی

جو مقرر رہوا ابھی سلطان؟ سایہ اش را نمی تواند دید!

لیکن اب بھی سلیم عقل اگر اپنے ذہنوں کو استقامت دے،

اور اس امر کا شعور ملے یہ دلدّرا تار دیں سر سے۔

گردنیں خم کرو گے تم اپنی، کیا گوارا کرو گے تم دب کر

تہ کرو زانوئے ادب آداب؟

نہ کرو گے، اگر بخوبی میں جانتا ہوں وثوق سے تم کو،

تم حقیقت شناس ہو خود بھی،

آسماں کے سپوت باشندے تم کسی کے نہیں رہے مملوک

باہم اک سے اگر نہیں ممتاز، تاہم آزاد اک سے ہیں آزاد،

طبقات و مراتب آخر کب حریّت سے تضاد رکھتے ہیں

عین یہ تو بہم موافق ہیں

کون ازراہِ منطق و حق پھر حکمرانی کا مدعی ان پر

ہیں برابر بن ابہ حق جو لوگ،

قوت و دبدبہ میں کم تر بھی حریّت میں مگر مساوی ہیں۔

ہم پہ قانون بستگی کیسی کہ نہ بے ضابطہ بھی لغزش ہو،

وہ لہٰذا بروئے ایں حجت کیوں ہمارا بنے ولی نعمت
اور ہم سے عقیدتیں مانگے۔
کیوں اُڑے، بھد شہی خطابوں کی، ہے تقاضا مسلّمہ جن کا
کہ حکومت ہمیں ودیعت ہو، نہ کہ حیثیت رعیت ہو:
سب نے منہ پھٹ کا یہ بیاں بے باک یاں تلک تو بڑا خموش سنا
پھر سرافین سے اٹھا عبدیل کہ نہ شب زندہ دار عابد تھا
کوئی ایزد کا اس طرح بہ خشوع نہ مطیعِ امور ربانی،
شعلۂ جوش تند سے اس نے یوں کیا ختم دودِ غیض اس کا:
"اف دلیلِ نفاق پرور ہے یہ ائی لکفر و کبر و مکر تری
عرش پر گوشِ حق نیوش کو یہ کلمات، ان کی تھی نہیں امید
تجھ سے تو ناسپاس بالکل بھی،
کہ رؤسائے ہم زمانہ میں صاحبِ عزّ واحتشام ہے تو۔
زیب دیتا نہیں کرے تردید بک کے تو سبّ وشتم کفرانہ
اس بجا انفصالِ یزداں کی، (فیصلہ)
جو سرِ عام ہو چکا صادر حلفیہ کر چکے جسے تسلیم۔
روح اللہ کو مرحمت برحق ہو چکا صولجانِ شاہانہ،
واجب آتا ہے عرش پر ہر جی ہو کے اس کے حضور دوزانو
بیعتِ شاہ حق جواز کرے، کہ حقیقی شرف ہے وہ حقا!
غیر معقول، کیا کہا تو نے، غیر معقول محض یہ بندش اہلِ آزادگاں پر آئینی،
فائز ہمسراں ہو اک ہمسر،
اک مسلط تمام پر ایسے، مستقل، جانشیں نہ ہو مابعد،

تو ہے یزداں کو ضابطہ آموز، حریت کے نکات پر (بل بے)
تیری کٹ حجتی حضور اس کے جو تری حیثیت کا بخشندہ۔
طبقاتِ سماویہ جملہ متشکل بمن یشاو یراد
مع (جواز) حدودِ ماہیہ؟
بر بنا تجربہ ہمیں معلوم کس قدر پاسدارِ اعلیٰ ہے
وہ ہماری فلاح و عظمت کا،
کس قدر بے نیازِ اندیشہ کہ وہ کم حیثیت کرے ہم کو،
بلکہ مائل بہ عالمِ دلشاد اور افزوں کرے کہ ہم ہو جائیں
تحتِ یک صدر متحد بہتر — ہو عطایہ مجھے — غلط بخشی،
بر سرِ ہمسراں فقط زیبا شاہ ہمسر کو حکمرانی ہے۔
تو ہے اپنے یتیمیں جلیل و کبیر،
مجتمع تیری ذات یکتا میں بلکہ جملہ طبیعت قدسی،
مدعیٔ برابری لیکن تو ہے اس نورِ عین کا جس سے —
کلمہ کے طفیل ہیں ہم ہست۔
اس زبردست مبدعِ کل کا کاف والنون سے یہ کافولام
(کُن فکان لکلِ موجودات)
ہے اسی کا کرشمۂ تخلیق ذات تیری، سب عرشیاں عرشی،
طبقاتِ جمیل ہے جن کا طرۂ عظمت افتخارِ جبیں
جو ملقب بنا بریں عظمت
ذوالارائک، ملوک اولوا القوۃ، احسن اصحاب، ذی حشم ارباب،
بادشاہت سے لابدی طبقات تم نہ اس کی فروشدۂ ہو گے

بلکہ افزون تر فروزندہ۔
صدرِ کم شان تو وہی ہو گا شاملِ صف ہمارے ساتھ آ کر،
ضابطے اس کے ضابطے اپنے۔
عزت اس کی کریں گے ہم جتنی وہ صلے میں ہمیں کو لوٹے گی۔
روک اپنی زبانِ زہر چکاں، اس نجس جھانجھ کو دبا، مت دے
دیکھ ترغیبِ ناروا ان کو
جا شتابی انہیں منا جا کر، مبدع و نورِ عین برہم ہیں،
صدق دل سے جو وقت پر کر لو تو بہ کاری قبول ہوتی ہے"۔
یوں فرشتہ سخن طراز رہا، گرمجوشانہ ولولہ کی مگر کوئی تائید کو نہیں اٹھا۔
بازگشت سرودرفتہ تھی یا بصحرا صدائے سودائی (زرے از دستِ رفتہ کے مصداق)۔
خوب بغلیں بجائیں مرتد نے اور نخوت رہین یوں بولا:
"پیکر اپنے کئے گئے تیار، تو یہ قائل ہے، پھر یہ فن سارا
مظہرِ دستکاریٔ ادنیٰ اور مبدع سے نورِ عین کو ہم
منتقل امتثالِ امر سے ہیں؟
واہ کیا نکتہ آفرینی ہے، کیا بدیع و جدید یہ منطق
کچھ تو معلوم ہو ہمیں آخر — کون آموزگار تیرا ہے؟
کون شاہد ہے، کب ہوئی تخلیق،
یاد ہے کیا تجھے جنم اپنا، روپ خالق نے کب دیا تجھ کو؟
ہم نہیں اس زمان سے آگاہ کہ نہ تھے جس طرح ہیں اب موجود،
سب نمود و نمو ہوئی بالذّات، جو ہے فی نفسہٖ ہوا پیدا
خود بہ فیضِ دمِ سریعانہ —

جب طریق المقدراۃ اپنے دائرے پر تمام گھوم گیا،
تب بنا زادبوم عرش اپنا، ہم کہ فرزندگاں اثیری ہیں،
جو ہمارا ہے زورِ ذاتی ہے، ہے ہمیں دستِ راست خود استاد۔
آزمائیں گے ہم ثبوت کے ساتھ کون اپنا حریف ہوتا ہے،
دیکھیو تو کہ خاکسارانہ ہم کریں گے خطاب اسے، یا پھر
حلقہ دارانِ کرسی قادر ہو گئے ہم تو کیا سماں ہوگا،
ہم حضور اسکے یا وہی محصور؟
دے خبر، جا یہ کہہ سنا روداد شاہِ مصبوغ کو من وعن تو،
دوڑ لے، یہ نہ ہو کوئی آفت تیری راہِ فرار بند کرے۔"
بک چکا وہ تو ڈونگرے برسے واہ وا کے بیان پر اس کے،
گونج تھی یا عمیق ورطہ میں سرسراہٹ کا شور بے ہنگم
لشکرِ بے شمار میں پیدا۔
نہ ہی اس ضمن میں مگر ہیٹا تھا نڈر وہ سرافِ آتش ناک،
لاکھ تنہا تھا، نرغۂ اعدا چار سو، پر کہا یہ درّانہ:
تو کہ یزداں سے ہے برگشتہ، او کروبیِ لعین ہے تجھ سے
دستبردار امرِ بالمعروف، قضی الامر ہے، ہبوط ترا
اور اس شوم بخت ٹولے کا — انِ زُلتُم — یہ مجرمانہ دغا،
دونوں تیرے عقوبت وعصیاں متعدی مرض سا پھیل گئے
ہو چکی بس تمام اب حُجت،
بس تجھے ہو نہ اب پریشانی کس جتن سے اتار کر پھینکے
جوغ تو اب مسیح یزداں کا۔
برسبیلِ کرم تھا سب اطلاق، ضابطے قاعدے شفیقانہ

حق میں ہیں تیرے یک قلم منسوخ۔
دیگر احکام اب ہوئے صادر کہ نہ مرفوع وہ کبھی ہوں گے،
روطلائی عصا کیا تو نے چاہیئے اب سلاخ آہن کی،
(بگڑے تگڑے کا پیر ہے ڈنڈا) کہ تری سرکشی کچل ڈالے
اب رہی پندِ سودمند تری کجبیومت گھمنڈ، دھمکی سے
یا تری دھونس سے ہوں میں چمپت
فتنہ آشوب بد عمل عتوئی، کوچ کرتا ہوں میں کہ بے تمیز
بغتتہً آپڑے جوالا سانہ قریب الوقوع قہر اس پر۔
منتظر رہ، سروں پہ جلد اس کا بے اماں رعدِ سخت کڑکے گا
نار ذات وقود، پھر آگاہ تو یہ ہوگا، فغاں بلب، دل خوں
جس کا تو آفریدہ ہے وہ ہی جب عدم آفرید کردے گا
خوب چل جائے گا پتہ تجھ کو"۔
یوں سخن سنج الملک عبدیل مومن اک بتین اس جگہ موجود،
وہ ہی بین، ہجوم بے ایمان، ملحدان کثیر میں بے لابھ، بے دھڑک، بے نیاز، بے پروا
ذوق وشوق ووفا میں محکم تھا،
کہ اسے کچھ نظیر یا تکثیر متزلزل نہ کر سکی تبدیل، راسخ الذہن کو وہ شمہ بھر۔
گو اکیلا تھا، چل پڑا ان کے درمیان سے بلا جھجک پٹھا،
رہ کڑی تھا ٹھٹھول بیری کا، اس کے ماتھے پہ بل نہیں آیا۔
آن کے ساتھ تو تکار ہی۔
ڈال کر اک نظر غلط انداز بجواب ان پہ نفرت آلودہ
ایک دم پشت موڑلی اس نے، متکبر کلس مناروں سے
کہ نزولِ بلائے بے درماں جن کا مقسوم جلد ہونا تھا۔

فرہنگ

قرنجک ــــ بہت بھیانک خواب۔(Nightmare)

دردار ــــ ناغ کا درخت(Elm)

پرندک ــــ پڑاو/ میدانی ٹیلہ

کیلوس کیموس ــــ طب یونانی 'غذائے ہضم' اور خون کی پیدا کردہ حرکت در جگر و معدہ یکے بعد دیگرے

کفاف ــــ جس پر گزر اوقات ہوتی ہے

قریہ ــــ جمع اس کی قریات آتی ہے' بمعنی موضع' یہاں علاقہ سے مراد ہے

بے خلیش ــــ کیچڑی جو سخت چپک کر رہ جائے 'خلیش کہلاتی ہے۔ بے خلیش' خالص بنا کر'

قلیمیا۔ دھاتوں کا کچرا یا کیٹ

حاشیہ ــــ یہ ارتقا کی وہی بات ہے جو ڈاروِن نے ۱۹ ویں صدی میں عام کی تو یورپ اسے لے اڑا۔ یونان میں چمپانزی کو انسانی کا ہیولیٰ مانتے تھے' بیدل نے بھی بعد ازاں کہا ــــ

ع آدمی ہم پیش ازاں آدم بوذ بوزینہ بود

مولانا روم مرحلہ وار زندگی کے ارتقاء کو ان اشعار میں بیان فرماتے ہیں ــــ جمادی (بے جان پتھر' روڑے' جمادات) سے نباتات (پھول پتے) قوت نامیہ (نامی)' ــــ پھر نبات سے حیوان اور بعد کو آدم ــــ مرحلہ وار یہ ارتقائی پیش رفت آخر فرشتہ بنا دے گی ــــ یا اس سے بھی کوئی ارفع ہیئت بن جائے گی!

دفتر ششم

تلخیص

رفاعل کا سلسلہ بیان جاری ہے۔

اس نے بتایا کہ میکائل و جبرئیل کو اہرمن اور اس کے حواری فرشتوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔

پہلا خونیں معرکہ — اہرمن اور اس کے طبقات کی ہزیمت اور پسپائی، مجلس مشاورت کا انعقاد، طاغوتی جنگی کلیں اور ڈھینگے تیار کئے گئے۔

دوسرا معرکہ — میکائیل کی صفوں میں انتشار، لیکن اس کے سپاہیوں کا پہاڑ اکھیڑ اکھیڑ کر اہرمنی کلوں پر دے مارنا، اور دشمن کے دباؤ میں کمی ہونا — مگر شورش اور ہنگامہ یکسر فرو نہیں ہوا۔

تیسرا معرکہ — روح اللہ مسیح نے کمان سنبھالی، کہ نصرت و عظمت انہیں مقدر تھی۔

قوتِ ایزدی سے لیس وہ جنگاہ میں پہنچے۔ میکائیل و جبرئیل کے دستوں کو نقل و حرکت سے روک دیا۔ آپ رعد کو ساتھ لئے، رتھ بڑھا کر دشمن پر پل پڑے اور اس کا تیا پانچہ کر دیا۔ سارے طاغوتی لشکر کو دھکیلتے ہوئے کنار عرش تک لے گئے، جہاں سرحد کی دیوار شق ہو گئی اور وہ سب کے سب ہول کے مارے، افراتفری کے عالم میں اس رخنہ سے نیچے عقوبت خانہ میں جا پڑے، دور اتھاہ پاتال میں۔

مظفر و منصور مسیح یزداں کے حضور لوٹ گئے۔

رات بھر الملک دبنگ، بسیط عرش کی عرضہ گاہ کے اندر (یعنی عبدیل)

بے تعاقب رہین راہ رہا۔ کہ سحر نے، جسے کیا بیدار
گردرت دیویوں نے منڈلا کر (حوریاں، دخترانِ طمس وزیوس)
دستِ گل احمریں سے دروازے روشنی کے تمام کھول دیئے
غار ہے نزدِ کرسیٔ یزداں الجلیل پر، جہاں ہیں گشت کناں
باری باری سے نور و تاریکی — متواتر مقیم اور رحیل،
بر سرِ عرش کیا بپا ان سے ابلقی روز و شب کی نیرنگی
روشنی جب وداع ہوتی ہے، تو اندھیر لگا ہوا پیچھے
اندر آتا ہے دوسرے در سے کہ رکھے ساعت معین تک
چہرہ عرش پر نقاب اپنا،
یہ الگ بات ہے کہ تاریکی یاں سہانی شفق کا روپ لگے۔
اور طلعت نما سحر پھر ہو، مانو چندن سنگھار آکاشی
نورِ تنویر کے پرے باندھے
وار سے خاوری شعاعوں کے رات کی کالکی الوپ ہوئی۔
یک بیک تب پتا ہوا جنگاہ چشمِ عبدیل پر جھلکتا ہے—
اوپچی، جنگجو گتھے تومان چاق چوبند، چمقتی ہتھیار،
برق وش، رخش، رتھ، عجب منظر، شعلہ آئینہ دارِ شعلہ تھا،
لام تیار، لام کے تیور۔
عام اس بات کا وہاں چرچا، جو لگانے چلا تھا یہ پرچہ،
پس وہ طبقاتِ دوستانہ میں خوش بخوش خلط ملط خوب ہوا۔
دوستوں نے بھی کی پذیرائی، شادی و مرحبا کے نعروں سے
کہ وہی ایک تھا فقط، اربوں مرتدوں سے وہ ایک ہی نکلا

ایں چناں اونہ گم شد از رہ راست۔
شورِ تحسین میں لے چلے اس کو جبلِ قدس پر کریں حاضر
روبرو کرسیٔ معلیٰ کے،
زرنگاریں سحاب میں سے واں نرم آواز یوں سنائی دی
تجھ پہ صد آفرین عبداللہ، خوب دادِ بہادری دی ہے،
سرکش انبوہِ بے تحاشا میں تو نے غزواۃ حسنہ میں تنہا
داعیہ حق کا برقرار رکھا — ان کی تلوار پر زباں بھاری
بول بالا ہو سچ کا، اس کارن تو نے جگ بھر کی تو تکار سہی،
گو کڑی سے کڑا ہے کڑوا بول
تھی یہی دھن تجھے کہ یزداں کی آنکھ کا تو بنا رہے تارا،
لاکھ ہٹ دھرم آ نکلتے سنسار۔
سہل اب مرحلہ ظفر کا ہے — تو حلیفوں کی لے کمک ہمراہ
اور دشمن پہ بول دے ہلہ، یوں کہیں سرخرو پلٹ افزوں
اس برے وقت کے مقابلے میں، جب وفورِ نفور میں نکلا۔
زورِ بازو سے کر انہیں قائل جو خرد کو نہ ضابطہ مانیں،
خردِ حق نما نہیں جن کا ضابطہ شہ مسیح کے منکر
وہ کہ واضح جواز ہے جس کی حکمرانی جہان بانی کا۔
آسمانی قشون کے سالار میکائیل اے تہمتنِ پامرد
متبارزِ پسِ جری جبرئیل،
جاؤ لے جاؤ ان جیالوں کو، رن میں سارے منی اجیت سپوت
کیل کانٹے سے لیس، انہیں لے جاؤ

یہ ہزاروں نہیں لکھو کھا ہیں، صف بہ صف جنگ پر کمر بستہ
اور تعداد یہ قلیل نہیں متمرد پلید ٹولے سے،
لاگ کھٹ راگ، آگ سے ان پر ٹوٹ کر پل پڑو دلیرانہ
حدِ افلاک تک تعاقب ہو دفع کردو، دھکیل دو ان کو
دور نظارگئ یزداں سے — اس عقوبت ستان میں پھینکو
وہی طرطوس کی خلیج سقر، آتشیں اختلال کا جبڑا
بھاڑ سا جس نے پھاڑ رکھا ہے کہ گریں تو دبوچ لے ان کو
خسروانہ یہ وحی میں فرمان،
تیرگی لپیٹتے ہیں دل بادل الجبل پر، لپیٹ دیتا ہے
دود یکسر سیاہ مرغولے گردبے داد مند شعلوں کے
قہر کے رونما ہوئے آثار
تروعۂ غریو غول بھی کم انترہ وہ سمائی قرنا کا (ف)
حکم پاتے ہی عسکری طبقے — جو طرفدار عرشِ اعظم تھے
اک عظیم القدر مربع میں صد ضیا تاب مجتمع باہم
دستہ بردستہ خیل اندر خیل کوچ کرتے ہیں سر فروشانہ
دیوتا روپ قائدوں کے ساتھ
دوڑتی تھی تہوارانہ روح کارناموں میں جان بازوں کے،
دیوتا روپ قائدوں کے ساتھ
دوڑتی تھی تہورانہ روح کارناموں میں جان بازوں کے
راست راہِ مسیح ویزداں پر پیش قدمی میں راسخِ بے فصل
سازِ آہنگِ سرمدانہ پر

ڈال سکتے نہ تھے ذرا رخنہ ان مرتب صفوں میں بن دریا
فوق ہی فوق وہ روانہ تھے — ترم چاپ اب ہواؤں کے اوپر
جیسے آئے تھے صف بہ صف پرّاں تجھ سے اپنی شناختیں لینے
یاں عدن میں صفیر زن — طائر
عرصہ بر عرصہ عرش سے گذرے، ملک در ملک، صوبہ در صوبہ
دس گنا خاکدان سے جن کا طول میں عرض میں تھا پھیلاؤ۔
آشکارا شمال میں آخر دور افق پار آتشیں خطہ
از کراں تا کراں محیط تمام، در قرینہ محاربت آرا،
نزد نزد انت انت سوفاریں، دور تا دور اپی اپی انیاں
وہ غضب چار آئینہ مغفر وہ عجب نیمچہ حسام سپر
سب پہ نقشین ادعائے گزاف۔
غول شیرازہ بندِ ابلیسی در جنونِ مصاف شوریدہ،
یوں دو دیدہ کہ بس اسی دن وہ حرب یا ضرب ناگہانی سے
کرے یزداں کا الجبل تسخیر،
متمکن کرے سر کرسی رشک دار شکوہ کو اس کے
متفخر، ہوس گزید — مگر عین منجدھار میں وہ حشر ہوا،
کہیے فاعتبر وا اولوالابصار،
گو یہ پہلے پہل لگا ہم کو سخت حیران کن ستیزہ کار الملائک سے الملائک ہوں،
تند مٹھ بھیڑ میں حریفانہ یوں ہم آویز ہوں، کہ ہم آمیز
متفقہ سدا جو باہم تھے طرب و دوستی کے جشنوں میں،
مثل فرزندگانِ اب کبیر مدح گویانِ مبدعِ ابدی

جنگ کا غلغلہ بلند ہوا،
یورشِ شورِ رستخیز نے جھٹ ہر خیالِ لطیف گھونٹ دیا۔
درمیاں وہ براجمان اپنے آفتاب التباس ارابہ پر (رتھ)
مرتد، اک دیوتا سمان افراز، آسمانی شکوہ کا پیکر،
دائرے میں طلائی ڈھالوں اور شعلہ تن عرشیوں کے حلقے میں
فروافر سے پھر فرو اترا پر تکلف سریرے سے اپنے،
تنگ بر، تنگ تر تھی گنجائش اب قشون قشون کے مابین،
مختصر فاصلہ پر اندیشہ،
آمنے سامنے ڈٹے تھے وہ، بہ قرینِ مہیب صف بستہ،
سلسلہ ایک ہولناک دراز
قبل اس سے چپاولی تیکھی باڑھ پر جھانور اہراول ہو، (سیاہ)
اہرمن چوڑے چوڑے ڈگ بھرتا تمکنت سے، بڑھا، قوی ہیکل
کنچن اسپاتی جھلم سے لیس
منظر آشوبِ چشم تھا اس کو، ایستادہ جہاں پہ تھا عبدیل
درمیاں غازیانِ صف در کے، کارِ ترکانہ پر کمر بستہ
یوں ٹٹولا دلِ دلیر اس نے — آزما زور بھی توکل پر،
اس کی نکلی ہے عقلِ بد بودی، یہ بعید از قیاس امر نہیں
جو برومند بحثِ حق میں ہو، فتحمندِ سلاح بھی نکلے،
غالب اک سا نزاع ہر دو میں
چپقلش گو ہے یہ بہیمانہ اور بے ہودہ، وائے خواہ مخواہ
بھڑنا پڑ جائے عقل کو بَل سے (قوت)

ہے قرینہ یہی قرینِ قیاس بول بالا ہو عقل کا آخر،
پیکرِ عزم یوں مقابلے کو اوچھی ہمسروں سے جب آگے
بڑھ گیا، نصف راہ میں روکا اس دلاور حریف نے آ گا،
اب تو یہ اور بھی بھڑک اٹھا، اور یوں بے دریغ للکارا۔
سامنا ہو گیا نہ اے خود بین، تھا تجھے یہ خیالِ خام، رسا
مطمحِ اوجِ آرزو پر تو بس رسا، بے مزاحمت ہو گا،
بے نگہداشت کرسی یزداں چھوڑ کر سب گریز پا — یعنی
اس کے جنبہ سے دست کش ہوں گے
اے بکی تیرے ہول کے مارے یا کٹیلی زبان کے ڈر سے؟
گاوَدی اس قدر نہ دھیان آیا، رایگاں محض ہے مسلح غدر
ذاتِ قادر کے برخلاف کے وہ ننھی منی حقیر چیزوں سے
انت سیناؤں کو جنم دے کر گاوَدی پن کو میٹ سکتا ہے،
یا بیک ضربِ دستِ یکتائی، کُل شکستہ گستہ کر ڈالے
بے کمک ہی ترا تیا پانچہ — تیرگی میں تلف یہ لشکر ہو۔
تجھ پہ بارے عیاں ہوا سارے تیرے وابستۂ جلوس نہیں،
وہ بھی ہیں یاں جنہیں عزیز ایمان اور تقویٰ بہ اذن یزداں ہے
گو نہ تجھ کو خبر ہوئی میں نے تیری دنیا میں برملا واحد،
ظاہر اور مغالطہ، سب سے جب بصد شدت اختلاف کیا
دیکھ عالم مری جماعت کا کہ ہو معلوم — بعدِ وقت سہی
کیسے واقف قلیل ہوتے ہیں
غلطی پر ہزار ہا جس وقت حضراتِ جلیل ہوتے ہیں"۔

اس حریف کبیر نے دیکھا گوشہ چشم سے بہ استہزا

اور پھر اس طرح جواب دیا

"نحس تیرے لئے، مگر میرے انتقامِ شدید کی موزوں،

شبھ گھڑی میں کروبی غدار تو ہی سب سے تھا اولیں مطلوب

خوب ہے، جو فرار سے پلٹا

کہ جس انعام کے ہے تو لائق، ٹھیک کرنی کا پھل ملے ویسا

اس لئے یہ زباں زہر چکاں اک تہائی ملائکہ کے خلاف

جوشِ تردید میں چلی پہلے، جمع ندوہ میں جب ہوئے تھے وہ بول بالا خداؤں کا کرنے،

جب انہیں سرمدی مجال بھی تھی ذات میں درجۂ اتم موجود،

تھے نہ اس امر کے مجاز کوئی قدرتِ کاملہ کو تھیا لے۔

اے ہوسناک خوب آپہنچا تو مقدم یہاں رفیقوں سے

مجھ سے حاصل کرے پرِ سُرخاب،

کہ ترے حشر سے بقیہ کو اپنے انجام کا پتہ چل جائے

اس توقف میں (تو مبادا یہ ڈینگ مارے نہ بن پڑا مجھ سے

کچھ جواب) اس قدر یہ بات مری ہے سخن گسترانہ — گر سمجھے،

اپنی دانست میں نخستیں میں جانتا تھا کہ عرش و آزادی

اک ہیں ارواحِ سرمدی کے قریں،

اب کھلا بیشتر تو ہیں ان میں مارے آلکس کے بندۂ درگاہ

(بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا) ہیں یہ ارواحِ کارپرداز اں تربیت یابِ حمد و نذرانہ،

ان پہ تو نے سجائے ہیں ہتھیار آسماں کے مغنی و شاعر

کہ یہ محکومیت کے رسیا اب حریت سے نبرد پیا ہوں

بات ہو جائے طے، موازنہ ہو کارناموں کا جانبین کے آج"

بجواب اختصار سے عبدیل تب بطرزِ درشت یوں بولا:

"مرتد اب تک اسی طرح گمراہ، انتہا پر ہے گمرہی تیری

اے رہِ حق سے دور افتادہ

بندگی اس کی چاکری سے یوں ناروا کر رہا ہے تو تعبیر

نامزد جو کیا ہے یزداں نے اور فطرت نے ——— فطرت و یزداں

یک زباں فیصلے میں ہوتے ہیں

ہے سزاوار انتہائی وہ، اور افضل تمام سے، جن پر

دادِ فرمانروائی دیتا ہے۔

بسکہ بندہ گرفتگی تو ہے بندگی کیجئے گر ابلہ کی،

یا پھر اس کی زعیم سے اپنے جو ہو سرتاب، جس طرح سارے

تیرے حلقہ بگوش یہ چیلے

تو نہیں ہے بذاتِ خود آزاد، بلکہ اپنا غلام بدتر ہے،

ہدفِ طعن تو بناتا ہے پھر ہماری یہ کارپردازی۔

راج گدی سنبھال دوزخ میں وہ قلمرو تجھے مبارک ہو،

اور رہنے دے شادکام مدام عرش پر مجھ کو بندۂ یزداں

کہ بجالاؤں سرمدی احکام ——— احسن (احکام) واجب التعمیل

ہیں سلاسل نصیب دوزخ میں، واں اقالیم کی امید نہ رکھ،

اسی دوران میں جو لوٹ آیا تو نے جیسے کہا فرار سے میں،

دیکھ کرتا ہوں نذر تسلیمات لے سنبھال اب یہ برجِس قلیاق (ف)

کہہ کر اتنا رسید کی اس نے ضرب کاری، اٹھا کے ڈیڑھ ہتھی (تلوار)

بے دھڑک جو گری بلا بن کر اہرمن کے زعیم طرے پر۔
روک سکتی نہ تھی نظر اس کی، نہ ہی برقِ خیال کی جنبش
رہ میں غارتگری مگر ایسی، ڈھال کی تو بساط ہی کیا تھی۔
دس وہ گھمبیر ڈگ ہٹا پیچھے، بل پہ گھٹنے کے ٹک گیا دسواں
جسم وررمح نے سنبھال لیا،
نیچے دھرتی پہ بحر و خشکی میں آندھیاں جیسے رہ بنانے کو
نیو سے پربت اس طرح پٹخیں کہ وہ اونچے صنوبروں کے ساتھ نصف اندر کی سمت دھنس جائے
متحیر ملائکِ سرتاب دیکھ کر اور تاؤ میں بپھرے
یوں زبوں ہو مہابلی ان کا۔
شور اپنی صفوں میں نعروں کا، اک مسرت کی لہر دوڑ گئی
کامرانی کی نیک فال ملی، اور وحشی جنونِ جنگ ہوا۔
سر کروبی کو میکائیل نے تب جھٹ ترم پھونکنے کا حکم دیا،
گونج پہنائے عرش میں پھیلی
عسکرانِ رفیق احسنت متعالی کے زمزمہ خواں تھے
کب کھڑا گھورتا غنیم رہا، متصادم ہوا وہ تندی سے
غضب و غیض، ہول وہلہ میں وہ خروش و شغب وغا کا تھا۔
ایسا طغیانِ غرغر و غوغا کہ فلک پر ہوا نہ تھا پہلے۔
اسلحہ کی خراش خفتاں پر جنگ بنکارتی تھی ہیبتناک، (زرہ)
اور برنجی رتھوں کے پہیے بھی تاؤ چکر میں جھنجھناتے تھے
الاماں گھن گرج لڑائی کی،

اخگری، اخگری خدنگوں کی موسلا دھار سر پہ سنکاریں
تانتی ہر سپاہ کے اوپر لال لال آتشین محرابیں
دونوں یوں شعلہ ناک چھچوں میں دونوں تندی سے معرکہ آرا
خشم ناقابلِ فروان کا، رن میں کشتوں کے لگ گئے پشتے،
ہل گیا عرش شورِ وحشت سے،
اور دھرتی یہ تب اگر ہوتی ٹھیک پاتال تک لرز جاتی
کیوں اچنبھا کہ الملائک تھے لاکھ پر لاکھ صف در و جرار
دونوں جانب مبارزت انگیز۔
وہ ہوئے پر بھی جو قلیل تریں ان عناصر کو سرنگوں کرلیں
اور ایسے میں سارے خطوں سے کل مسلح کمک بہم کردیں
زور زائد فزوں فزوں تر تھا فوج پر فوج تھی مگر درکار
خون آشام رن کی بھٹی میں بیش از بیش جھونکنے کے لیے
تا کہ اپنی وہ زاد بوم سعید اپنے تہ و بالا کریں، اگر اس کو وہ نہ — بالکل تہس نہس کردیں
ازلی شاہ قادرِ مطلق وذِ عرشِ بریں سے یہ امکاں —
آپ چھوڑی ہوئی طنابوں کو کھینچ کر مسترد نہ فرماتا۔
گرچہ اس کسرِ کمیّت پر بھی جیسے حصہ رسد میں جند ہر اک
ملخ و مور اور ریگ رواں،
جس کا ہر بازوئے مسلح تھا آپ جرات میں صد قشون مثیل
نقل و حرکت میں جنگ کے ہنگام آپ سیناپتی ہر اک ساونت
رزم پیشہ و آزمودہ کار، کر و فر کے طریق میں ماہر،
کب ڈٹے، ہٹ کے پیش قدمی کب، کب بدل دے لڑائی کا پانسہ،

گھات اور داؤ پیچ میں کیسے پینتروں سے کشادوبست کرے
تھا خیالِ فرار و پسپائی، نہ کوئی خوف بدنما، جس سے
مستند کیفیت ہراس کی ہو
ذات پر اعتماد ہر اک کو صرف جیسے اسی کے بازو میں خیمہ زن ساعتِ مظفر ہے
کارنامے دوام شہرت کے، تیغ دودم اسی کی لکھے گی۔
حرب و حربہ کا دور دور تلک — اس طرح دائرہ وسیع ہوا۔
دوبدو اب زمیں پہ دست بدست، روبرو زن بزن خلا میں اب
سب ہوا درد سے کراہ اٹھی، آگ کا ہر طرف بپا دنگل
دیر تک تو لڑائی کا پلہ اک برابر رہا — کہ اس دن تو
اہرمن نے مظاہرہ اپنی قوتِ بے پناہ کا، وہ کیا
نہ کوئی بیر سورما پاسنگ حلۂ بے دریغ میں نکلا ان سرافینِ عربدہ جو کا
دور تا ڑا جہاں پہ خوں آشام خنجرِ میکائیل بُراں تھا۔
کھیت اک بارگی تھے وہاں بے انت، ضربِ دودست کر رہا تھا رسید
اس طرح تند تیز سو مقتل باڑھ تیکھی بکھیر دیتی تھی
ایسی غارتگری کو ٹھہرانے پیٹھ اپنی وہ ٹھونک کر لپکا
دس گنا قوسِ صخری اس نے سخت گھمبیر ڈھال پر روکی
وہ رئیس الملائکہ اپنے جنگ بازانہ صعب میں ٹھٹکا
اور چندے وہ خوش امید ہوا
خانہ جنگی سرِ فلک آخر ختم اب بدقوار کردے گا۔
پا بجولاں کشاں کشاں وہ اسیر، وہ عدوئے خبیث اب تسخیر
نفرت آگیں تمکن بہ پیشانی، رخ برافروختہ غضب برہم،

ہمکلام اس طرح ہوا اول: موجد شر، کہ تھا یہ نا معلوم۔
اس بغاوت سے قبل تو شر کے نام تک سے نہ عرش واقف تھا
اب ہے گھمبیر دیکھ تو کیسی قابل نفرت ابتلاؤں کی (خون آلودہ) کاروائی تمام
سب کے نزدیک قابل نفرت۔
گو یہ تجھ پر، ترے حواریوں پر ہے، بجا طور سے شدید گراں
کس طرح کی الٹ پلٹ تو نے خوشگوار آشتی سماواتی،
کیسی آفت مچائی فطرت میں
کہ ترے جرمِ سرکشی سے قبل جو نہیں معرض وقوع میں تھی
ان ہزاروں میں بھر دیا تو نے زہر اپنے عناد کا کیسا
جو کبھی راستباز و مخلص تھے ــــ کیا دغا باز پرفتن نکلے۔
کر نہ لیکن گمان کر دے گا یہ مقدس سکون تو ابتر،
عرش اپنی حدود سے تجھ کو دور دھتکارتا ہے دور پرے،
عرش یہ کارگاہ امن واماں،
خون ریزی ستیزہ کاری کی حرکتیں کب یہاں گوارہ ہیں
دفع ہو جا یہاں سے، دور دفان، ساتھ یہ تخم خانۂ شر بھی،
جاؤ جا کر مچاؤ تم گڈمڈ اب دھما چوکڑی جہنم میں
تو، یہ چنڈال چوکڑی تیری،
قبل اس سے بنے ترا مقسوم مری تمقام تیز خون آشام
یا شدید انتقام یزداں کا ناگہانی جھپٹ کے طیرانی
جھونک ڈالے پلک جھپکتے میں اور مفرط عذاب کے اندر ــــ"
یوں ملائک ملک سخن گفتہ، تو وہ شیطاں جواب میں اس کو:

''اس ہوا میں نہ رہیو تو مرعوب یوں کرے گا ہوائی بھڑ دوں سے
بال بیکا نہ کر سکا جس کا سخت خونین کارروائی سے
تیری نفرت سے کچھ نفر پسپا یا کوئی کھیت بھی رہے رن میں
پھر پلٹ کر کریں گے وہلہ پھر اٹھیں گے وہ تان کر سینہ
ہم کہ ہیں غیر قابلِ تسخیر تو غلط زعم سے مقابل ہے
کہ بھگا دے گا دھونس دھمکی سے
غلط اندیش یوں نہیں ہو گا ختم خونیں تنازعہ باہم
شر کہا ہے جسے ـــــ مگر اس کو ہم نزاعِ وقار کہتے ہیں ـــــ
تخت یا تختہ، فتحیاب ہوئے، یا جہنم کریں گے عرش یہی
تو فسانہ طراز جس کا ہے۔
ہم بہر حال یاں رہیں آزاد، نہ سہی گر نہیں عملداری۔
اب رہے قاہرہ قشون ترے
(اور کر شاملِ کمک بے شک وہ مسمی خدائے باقدرت)
میں نہ ہر گز گریز پا ہوں گا۔
بلکہ تیری تلاش میں، میں نے دور و نزدیک چھان مارے تھے''
ہوئی تکرار بند پھر دونوں مستعد پنجہ آزمائی پر
بسکہ ناگفتنی ـــــ بھلا کس کو ـــــ گو فرشتوں سا خوش بیان سہی ـــــ
مقدرت اس قدر بیان کرے، دے تو دے کن بدیہہ اشیاء سے
ارض پر وہ مشابہت، آساں ہم قدم ہو تصور انسانی ـــــ
اوج پر دیوتائی قوت کے
خواہ ساکت تھے، خواہ جنبانی وہ خداوند عین لگے تھے

اسلحہ داؤ پیچ، قد قامت تھے وہ موزوں چکائیں برجستہ
ملکِ عرشِ عظیم کا قضیہ —
وہ حواری تھے یا موالی اب ان حوالی میں طیشنا کانہ
اپنی آتش فشان تیغوں سے گھیرے گھمبیر گھیر کر ڈالیں۔
آمنے سامنے دہک اٹھیں دو فراخ آفتاب سی ڈھالیں
ڈونڈھتی تھی امید ہولد لی دل جلے عالمِ تذبذب میں۔
رن پڑا تھا جہاں ابھی گھمسان
ملکوتی جیوش تیز ہٹے چھوڑ کر بیچ میں کھلا میدان
تا کہ محفوظ ہوں وہ بلوے کہ اس قدر زوردار جھگڑ میں۔
جس طرح (ہو بزرگ اشیا کا خورد پر کچھ قیاس) اگر آہنگ
سازِ فطرت کا ہو شکست صدا، تار امنڈلوں میں غدر مچ جائے۔
اثرِ بد کے تحت تندی سے دو جھپٹ کر قران سیارے
متصادم ہوں وسطِ گردوں میں، گڈمڈ آپس میں ہوں کر خت کرے
قدرتِ کل پہ حاویانہ ساتھ اب جو بازو یہ دونوں لہرائیں
تو سکت سے لگے کہ فیصلہ ہی ایک دم اس طریق سے کر دیں
دوسرے وار کی نہ احتیاج رہے۔
ہاتھ پھرتی سے دینے روکنے میں اک ذرا بھی تو اختلال نہ ہو
کی گئی تھی گھڑنت کی صمصام وہ عطا مسلحہ سے یزداں کے
حضرت میکائیل کو، جس کی باڑھ کی تاب لا نہ سکتا تھا
ٹھوس ہتھیار دھار دار کوئی۔
یہ گری اہرمن کے کھانڈے پر اس قدر زور شور سے، بھرپور

کاٹ ادھوری تھی محض، پر نیچے نہ رکی، تیز گھوم کر آڑی
دور اندر تلک گھسی، اس کے دائیں پہلو کو صاف اڑاتی ہوئی
درد کی کیفیت ہوئی معلوم اہرمن کو تب اولاً ــــ دوہرا
وہ پس و پیش اینٹھ کر بیٹھا۔
تن شکن ماتخور زخم لگا وہ چکا چک چکا خراشیدہ
تیغ گذری ــــ مگر اثیراتی جوہر اب مندمل ہوا ــــ تا دیر
گھاؤ اس کا ہرا نہیں رہتا،
لاکھ موکھے سے اک تلی سی سوم رس کی لہوندی نکلی ــــ
دیوتا انگ خوں فشاں جیسے ــــ
اور بر گستواں تمام اس کا جگمگاہٹ گنوا کے لت پت تھا
آئے آڑے تب ان گنت بلوان دیوتا گرد ڈال کر گھیرا
بن گئے آڑ بیچ میں اڑ کر،
جبکہ ڈھالوں پہ ڈال جھٹ اس کو رتھ میں واپس لپک لئے دیگر۔
تلملاتا ہوا وہ بتیسی کرب، خفت، عناد کے مارے،
کہ یگانہ نہ رزم میں نکلا،
خاک میں مل گیا غرور اس کا، پول بوتے کا کھل گیا چوپٹ،
خوب مٹی ہوئی پلید بھدبھدی۔
وہ چلا تھا گھمنڈ میں بدمست زورِ یزداں سے ہمسری کرنے
جلد ہی تاہم اندمال ہوا کہ وہ کرّوبیاں حیا تیغی،
ہمہ تن عضو عضو ہیں ذی روح ــــ
نہ کہ جیسے نزار انساں دل جگر گردہ مغز احشا میں

بے بسی سے بس اختلال پذیر موت کے گھاٹ اترتے جاتے ہیں ـــــ
مائعاتی تسبیح قدسی میں نرم سیال باد کی مانند
نہیں امکانِ زخمِ مہلک ہے،
دل ہمہ پا ئیدا روہ تو ہیں حس ہمہ، سر ہمہ، ہمہ دیدہ
ہم ہمہ گوش ودماغ ـــــ حسبِ مراد آپ ہوں بند بند در پیوند
رنگ روپ اور ڈیل ڈول کریں بہتریں جو پسندِ خاطر ہو،
وہ لطیف وکثیف نرم و درشت
کارنامے دگر بہ ہر اطراف یادگاران کی لائقِ تعمیر
رزم انگیز جس محاذ پہ تھی تند تر شاہ زوریٔ جبرئیل
جو اڑاتے ہوئے پھریروں کو بے تحاشہ صفیں الٹتی تھی۔
بڑھ کے مالوق شاہ وحشی پر جو مقابل ہوا تھا ٹھونک کے خم،
بہ ایں تہدید رتھ کے پہیوں سے باندھ اسے وہ کشاں کشاں لے جائے،
شان یکتائے پاک عرشی میں جو کہ ہذیانِ کفر بکتا تھا۔
لیکن اک دم وہ تا کمر دولخت، اسلحہ پاش، دردنا ہنجار
بھاگ نکلا وہاں سے ڈکراتا۔
اور اس لاف زن حریف کے تھے بازوؤں پر رفاعل وعرئیل
یہ گراں ڈیل، پاکھر الماسی، بے محابا مگر ہوا مغلوب
اور اس کے مہیب ساتھی بھی ـــــ وہ زبردست پیلتن عفریت
اور امیلیخ وآسماڈوئی ـــــ
کہ گوارا نہ تھا جنہیں ہونا دیوتاؤں سے کم مراتب میں،
بھاگے بگٹٹ کہ گم ہوئی سٹی، بھول بیٹھے وہ دون کی لینا

یوں چہار آئینہ و چلتہ میں گھور گھاؤ سے بھر گیا بھرکس۔
اور تھا مستعد ادھر عبدیل غول ملحد کو ضیق و خوار کرے۔
دو گنے تیز تیز دھارے سے ارخ واریل نے، کی دوشِ دگنی
رامیل نے اکیلے بھون دیا، اور پرزے اڑا کے —— وہ مارا!
وہ ہزاروں تھے گر بیان کروں،
نام تاباں دوام ثبت ان کا ہو سماوات کے جریدے پر
جو بھی شہرہ ہے عرش پر اس سے چیدہ قدسی فرشتے قانع ہیں۔
آدمی سے نہیں ستائش کے۔
نوعِ دیگر —— بزعم خود جو ہیں زور گُن میں عجوبۂ نادر
اور جو رن میں کارناموں پر نام و شہرت کے کم نہیں بھوکے
ان کی یادِ شریف پر لیکن کارپرداز ازل نے برسرِ عرش
خط تنسیخ صاف کھینچ دیا ——
ہو گیا ایک تیرہ و گمنام کنج نسیاں ٹھکانہ ٹھور ان کا۔
بسکہ طاقت کو عدل سے، حق سے فصل کرنا ہے غیر مستحسن،
لائق ذلت و مذمت ہے۔
گو بڑائی کے ہیں تمنائی، پر یہ برخود غلط کماتے ہیں
نام بدنامیوں کے ناتے سے
عاقبت کار ہے نصیب ان کا مستقل لازوال سناٹا
سامنے تھے مہابلی بلونت
کئی پانسے لڑائی نے پلٹے، کئی خونیں چپاولیں، جھڑپیں
اب اندھا دھند دھڑ بھڑی، بھگدڑ، وہ خرابی وہ ابتری، گڈمڈ

ریزہ ریزہ سلاح واعضا سے چپہ چپہ نبرد زار اٹا

ڈھیر رتھ بان اور رتھ بھر بھنڈ پشتہ آتش لعاب خنگ انگ انگ (پورا اجاڑ)

جو بہ جا تھے نڈھال ہٹ آئے اہرمن کے شکستہ لشکر میں

سلب تابِ مقاومت تھی یا ناگہاں زرد خوف کے مارے۔

ناگہاں آلیا تھا پہلی بار خوف نے اور درد کی حس نے،

دم دبا کر فرار ذلت ناک۔

سرکشی کے گناہ نے ان کو حالِ ناگفتہ بہ پہ پہنچایا،

وہ کہ اس وقت تک رہے مامون خوف یا درد یا فراری سے۔

منضبط، غیر منہزم لیکن سرِ میدان اولیا قدسی

تھے موثق مکعب گردوں میں ـــــ ناگزند، آمن، اسلحہ بر جان،

اپنے اعدا پہ بے پناہ انہیں دی تھی معصومیت نے فوقیت،

روکش بندگی نہ عصیاں کوش۔

جنگ میں مستعد بہ پامردی، بے کسل، بے ضرر پذیر، ان کو

سوزش زخم سے نہ ہو تکلیف،

تھے تشدد کے سدِ باب کو وہ گر تھے اپنی جگہ سے جنبیدہ ـــــ

عرش پر تیرگی کو دی ترغیب اور شب نے سفر شروع کیا،

صلحِ مشکورِ عارضی عائد

جنگ کے بد تمیز ہلڑ پر پسِ سکرات اب سکوت ہوا۔

بادلے کے لحاف میں اس کے چپ چاپ اب دبکتے ہیں غالب و مغلوب،

میکائیل و مظفری قدسی ہو کر آوردگہ میں خیمہ زن

متعین طلایہ گرد کریں ـــــ نار جنباں ملائکہ تمثال

دوسری سمت اہرمن باغی لاؤلشکر سمیت الوپ ہوا۔
دور اندھیرے میں جاپڑاؤ کیا
اپنے بیگانہ قرار حلیف شاہ سلطان مشورے کے لیے
شب ظلمات میں اکٹھے کیے پھر خطاب ہراِس نامانوس:
''اے دلارے دلیر دلدارو، جان جوکھوں میں ڈال کر نکلے،
طے ہے یہ امر بالیقین اگر ہیں مسلح نہ زیر ہم ہوں گے
اہلِ ثابت نہ حریت کے فقط —— وہ تو محض ادعائے ادنیٰ ہے
یاں ٹھہرتی ہے کب نظر، ہم کو خوب تر کی ہے جستجو —— یعنی
ملک وعز ووقار ونا موری۔
غیر واضح محاربہ میں جو ایک دن کامیابِ ہمت ہے،
(گر ہے یومانہ کیوں مدام ایام؟)
ہم پہ ارسالِ گردِ کرسی سے والیِ عرش نے کیا، جو کچھ
انتہائی قوی تھا پاس اس کے، اور دانست میں بہت کافی
منِ یشا کا ہمیں مطیع کرے، لیکن ایسا نہیں وقوع ہوا۔
جانیں کوتاہ بہرِ مستقبل پیش بینی میں، آج تک جس کو ہم ہمہ بین مانتے آئے،
یہ بجا، باعث زیاں چندے اور نشتر فگار درد ہمیں
ساز وسامانِ کم عیار رہا۔
تھا نہیں خاص تجربہ اس کا، تجربہ اب تو دفعۃً کافور۔
ہم نے اپنی شبیہہ لاہوتی ایمنِ زخم کارگر پائی،
غیر فانی، کہ زخم برمائے، آئے، فوراً کھرنڈ، ہو جائے
مندمل قوتِ غریزی سے۔

پھر تو افتاد، ہیچ گردانو سہل ایسے اگر مداوا ہو—
اسلحہ بیش کارگر شاید، کوئی ہتھیار بیش خون آشام،
آمنا سامنا ہوا آئندہ تو ہمیں سرفراز کر ڈالے
اور دشمن کو سرنگوں کردے۔
یا برابر کرے تفاوت جو ظاہری طور ہے، بہم مابین
بہ لحاظ طبیعت و خاصہ اصلاً اس کا کوئی وجود نہیں
وہ کسی اور امر مخفی کی کارفرمائی سے ہیں بالادست،
استطاعت ہمیں ہے جب محفوظ رکھ سکیں ذہنِ بے گزند رسید
اور معقول قوت ادراک،
آشکارا کرے گی برجستہ چھان بین اور بات چیت مزید''
وہ تھمارا جیہ سبھا میں اٹھا نیسر کھ، دیوتاؤں کا مکھیا،
وہ کہ بچ کر کٹھور دنگل سے بھاگ نکلا تھا، پر تھکا ہارا
ٹوٹے پھوٹے کٹے پھٹے ہتھیار، یوں گھٹا گوت نے دیا بھاشن:
''ان نئے چکرورتیوں سے ہمیں تیرے کارن ملے گا چھٹکارا،
ہے ادھیکار کھائیں پھل بنیتا ہم یہ دیوا سمان جی بھر کے
پرکٹھن دیوتاؤں کو دگدا۔
بے تکی بات ہے بھڑانا سر جب کھڑکتے ہوں بے تکے کھانڈے
اور اس پیڑتا میں چور، ان سے جو ہیں ان تھک، جنہیں نہ ہو پیڑا،
ستیاناس، انت اس رن کا۔
ویرتا اور بل پھل کا ہے، لاکھ انمول، جب پچھومر ہو
پیڑتا دے نکال، کھیت رہیں، یا کرے یوں نڈھال، پڑتے ہوں

سورماؤں کے ہاتھ بھی اوچھے

ہم بھلے سے تجیں یہ بھوس بلاس، جی کڑھائیں نہ چین سے بیٹھیں (ف)

مانو بے انت شانت جیون ہے، پیڑ تا تو نری لکھیر بھے،

نردئی، ساری ڈائنوں سے ادھک۔

اور پھر اس کی بھاونا ایسی شانتی سب اتھل پتھل کردے۔

پس اگر کوئی گھڑ سکے ڈھینگا جس سے بلوان بن کے چڑھ دوڑیں

دشٹ بیری پہ جونہیں گھائل،

ایسے ہتھیار سے کریں یا لیس آپ رکھشا جتن کو ہم اپنی۔

کم یہ کرپا نہیں تری اس سے تو دلائے ہمیں اگر سوراج

اہرمن تب جمیع خاطر سے یوں بپاسخ سخن طراز اس نے:

"غیر ایجادہ کردہ پیش کروں

جو بجا طور پر ترے نزدیک کامرانی کی اک ضمانت ہے

ہے جو اس قالبِ اثیری کی سطحِ شفاف کا تماشائی،

ہم یہاں جس پہ ہیں قیام پزیر —— ہاں یہ عرشِ عظیم کا قبہ ——

جو مزین ہے نخل سے، پھل سے، پھول سے، دیو بھوج امرت سے

زر جواہر سے، لال ہیروں سے،

آنکھ جس کی تمام یہ چیزیں سرسری جائزے میں لاتی ہے،

دھیان آتا نہیں نموان کی دور اندرز میں میں کس سے ہے

گھور کھنگر مواد، آتشناک پھین، دو آتشہ، گداختہ جو

مس ہو عرشی شعاع تو پکیں، دلفریبی کے ساتھ یوں پھوٹیں

وہ ضیائے محیط میں کھل کے؟

یہ مہیا کرے گی گہرائی حاملہ تیرہ ماہیہ جس کی کوکھ میں نارِ حامیہ ہوگی۔
جب اسے کوٹ کوٹ کر بھر دیں
منجنیقوں کی کھوکھلی، لمبی، گول نالوں میں، دوسری جانب
آگ رنجک میں دیں تو اڑ جائے بھک سے یہ پھیل کر مہیانہ۔
جو غن فتنہ خیز تندی سے وہ کڑک دار گھن گرج پھینکے (پتھر دور مار۔ گوپھن)
دور سے دشمنوں میں، ٹکرا کر، جو مزاحم بھی راہ میں آئے
ریزہ ریزہ و پاش پاش کرے اور جھٹ پٹ اسے کچل ڈالے،
ہم نے یہ وسوسہ کیا پیدا
کر دیا ہے نہتا اِندر کو چھین کر اس کی سب کڑک بجلی
اب یہ کاوش نہ طول کھینچے گی خواہش اپنی بر آئے گی جلدی
دیکھ لینا طلوعِ فجر سے قبل
پس طبیعت کو اب کرو چونچال، خوف کیا چیز ہے، پرے جھٹکو۔
ہو جو باہم صلاح و قوت میں کوئی مشکل نہیں کہ آساں ہو،
کوئی پھر کس لئے ہراساں ہو؟
ختم کی بات، منہ جو لٹکے تھے، لفظ اس کے سنے تو کھِل اٹھے،
سوکھے دھانوں میں پڑ گیا پانی، جان مردہ امید میں آئی،
وہ جو لایا تھا دور کی کوڑی، واہ واہ اس اپج پہ کی سب نے۔
حافظہ سے اتر گیا تھا کیا موجد اس نکتہ سنج کا ہونا۔
دستیابی پہ سہل لگتا ہے، گر نہ ہو دستیاب تو بے شک جانئے نادر الزماں اس کو۔
یہ بھی ممکن ہے اتفاق (آدم) خبثِ باطن کی ہو اگر افراط
کوئی ایامِ عہدِ فردا میں، تیری اولاد سے شر آمادہ

یا برانگیختہ خبیثانہ، فتنہ جویانہ، ہمچیں آلات
ضیق ابنائے مرد ماں کے لئے از برائے خطا بہم کرلے،
باہمی کشت وخون کے درپے، جدل وجنگ پر کمر بستہ۔
جھٹ سبھا سے وہ کام پر لپکے، کوئی لایانہ بیچ میں حجت
ان گنت ہاتھ مستعد مصروف۔
دور دور آسمان کی مٹی لحظہ بھر میں اتھل پتھل کردی۔
پائے فطرت کے اصلئے اپنی حالتِ حملِ خام میں، شورہ،
کفِ کبریت ان کے ہاتھ لگا،
باہم آمیختہ وضم کردہ، بیختہ سوختہ مہارت سے
دانہ کالا بھجنگ ست کر کے کوٹھی کٹھلوں میں جا بھرا ڈھیروں۔
نیم مخفی شگاف برکندہ (ہیں اسی طور ارض میں احشاء)
معدن وسنگ دار تا ڈھالیں
توپ، ڈھینگے تفنگ، گل، جنتر — دور مار اور تباہ کن ہتھیار،
کی فراہم وہ کلکِ آتش زن جو سریع السعیر چھو جائے
گر ذرا بھی تو جھٹ بھڑک اٹھے۔
یوں سپیدئ صبح سے پہلے چوری چوری تمام کام کیا — شب اگرچہ تماشا بین رہی۔
ٹھیک ٹھاک اوٹل احتیاط سے خوب سب خموشی کے ساتھ نمٹایا۔
خوش نما صبحِ خاور اب پھوٹی برسرِ عرش، کامراں قدسی
اٹھ گئے اسلحہ سنبھال اپنا کہ بگل نے رجز بجا ڈالا۔
ہوئی شیرازہ بند سرعت سے اسلحہ پوش نور پاش، تمام
فوج زرّیں زرہ میں سر تا پا۔

گرد و پیش اب نگاہ دوڑائی سحر آرا پہاڑیوں پر سے،
ہلکے پھلکے، سجائے تیر کمان،
ہر کنارہ طلایہ داروں نے چھان مارا اکنگھالا ہر کونا،
دور دشمن کا کوئی کھوج لگے، خیمہ زن ہے کہاں، کدھر مفرور،
گر نبرد آزمائی کی دھن ہے، کوچ میں یا پڑے جمائے ہوئے۔
تیرتا سا سبک تریں طیراں طوفل آیا پلٹ کے، طوفاں سا
سب سرافین میں سوا طرار، وہ پکارا فضا میں چیخ کے یوں:
اُٹھل اُٹھل فتا، فتا، — غزدہ
وہ عدو سر پر آن پہنچا ہے تھا ہمیں وہم جو فرار ہو،
آج کے دن ہمیں تعاقب میں دور تک کوفت سے نجات ملی،
دغدغہ کم گریز پائی کا —
مثلِ ابرِ دبیز آتا ہے، اس کے بشرے سے آشکارا ہے ایک عزمِ صمیم شورہ پشت
ہر کوئی اب کمر کسے مضبوط، زیب تن آہنی قبا کر لے
خود اپنا دھرے جما کر سخت، بھینچ کر تھام لے سپر کروی،
زرہ بکتر لگائے — اندازہ ہو رہا ہے مجھے کہ یہ امروز
نہ ترشح کرے گا نیسانی ہوگی بوچھاڑ دھڑ دھڑاتی ہوئی
آگ کے نیش دار تیروں کی"۔
یوں خبردار انہیں کیا گو خود علم ان کو بھی کم نہیں ہوگا،
ہر طرح لیس ہو کے پل بھر میں، وہ صف آرا ہوئے سریعانہ
بارسے ہر طرح کے، پل بھر میں، بے تردد، کمال چوکنا
جب کہ دیکھو نہ خاص دوری پر بڑھ رہا تھا گراں قدم ہر دم

وہ زبردست و پُر ہجوم غنیم — اک مجوف مکعب کی صورت
کھینچتا توپ خانہ ابلیسی — چال بازی کی پردہ داری کو
برکشیدہ ہر ایک بازو پر دستہ ہائے کثیر سایہ پوش
آمنے سامنے ڈٹے چندے، دفعتہً اہرمن بڑھا آگے
اور بہ بانگ دہل یہ احکامات نشر کرتا سنائی دیتا ہے
راست و چپ مقدمۃ الجیش، صف اول کو آشکار کرے
کہ وہ سارے ملاحظہ کرلیں جو ہمیں ناپسند کرتے ہیں
کس طرح امن و آشتی خواہاں — پاسدارانِ وعدہ و پیماں
خیر مقدم کے واسطے ہم لوگ اس کشادہ دلی سے ہیں تیار۔
پیش کش گر قبولِ خاطر ہو، پشت دکھلا نہ جائیں نخوت کیش،
گرچہ اس باب میں مجھے شک ہے۔
عرش تاہم گواہ تو رہیو، عرش فی الوقت ہے گواہ، کہ ہم
کر رہے ہیں ادا بہ طیبِ دل اپنا کردار التزام کے ساتھ
تم جو مامور ایستادہ ہو فرض اپنا مفوضہ کرنا،
مختصر وہ معاملہ چھیڑو ہے جو مد نظر، بلند آواز اس قدر ہو سبھوں کے گوش گذار"
یوں کہے تھے ٹھٹھول ٹھٹھے کے بس مساگول مول بول اس نے
جب چپ و راست قلب سے بٹ کر میمنہ میسرہ کی سمت ہٹے،
جھلملائی ہماری آنکھوں پر تب پگوڈا سمان لاٹوں کی
اک نرالی نئی پرت تہری، بار ارابہ پہ ایک دبابہ
(مثل لاٹوں ہی کے دکھائی دیئے یا پہاڑی بنوں سے کاٹے ہوئے
کھوکھلے سرو اور بلوط کے پیڑ، ٹہنیوں سے تہی تنے ٹنڈ منڈ

قابلِ سنگ و آہن ورویہ،　　　(پیتل)

اس طرح واشگاف تھے ہم پر دہنوں کے ڈراؤنے موکھے
کہ شگونِ خراب سے سارا عارضی صلح کا بھرم کھل جائے۔
پسِ ہر یک نشستہ ایک سراف
ہاتھ میں ایک کلک جمیدہ نوک جس کی شدید آتشناک۔
ہم تذبذب میں جملہ استادہ، گم خیالوں میں ششدر و حیراں۔
دیر گذری نہ تھی کہ سب کلکیں، دفعۃً آمدہ بروں یکبار
درزِ باریک کے درون لگیں ایک نازک قرینۂ مس سے
ایک شعلہ بھڑک اٹھا یک لخت دود میں جو سیاہ پوش ہوا۔
آسماں بھر ّ ے زخرے والی ان کلوں سے دہل دہل اٹھا،
شورِ وحشی سے دھاڑ کے آنتیں منہ کو آئیں خلائی وحولی
بلکہ اس نے ادھیڑ کر رکھ دیں — اور سارا خبیث ملغوبہ
باہر ان سے نکل پڑا — کڑکا برق کا، جھنجھناتی زنجیریں
اور اسپات کے گرے اولے، اس غضبناک قہر سے پھٹ کر،
فوجِ فاتح کے سر پہ ٹوٹ پڑے
کہ جنہیں بھی لگے نہ پھر اپنے پاؤں پر رہ سکے کھڑے جم کر،
لاکھ جم کر چٹان کی مانند گر کھڑے بھی تھے، گر گئے دھم سے
اور تعداد میں ہزاروں کی — ہر ملک بر ملک لڑھکتا ہے،
اسلحہ کی بدولت اور بھی تیز، کہ نہ ہتھیار بند اگر ہوتے،
طیف تمثال ترت پھرت وہیں سہل کتنی کتر گئے ہوتے
آن میں پینترا بدل لیتے، یا بچا کر نظر نکل جاتے۔

ابتلا ابتری جواب پھیلی بس کہ ہونا پڑا انہیں پسپا،
بے مرتب ہوئیں صفیں ساری کوئی صورت نہ بہتری کی رہی
پس چہ باید کنند؟ پھر حلہ کیجئے بھی اگر، ہزیمت ہو
تو یہ دونی شکست نازیبا بھد اڑے گی سوا، غنیم ان کا
کیسی ٹھٹھولیاں اڑائے گا۔
باندھ کر شست ٹھیک، دیگر بار تھی سرافین میں مراتب دار
ایک صف اور روبرو تیار داغ دے رعد توپ خانے کی،
منہ کی پھر کھا کے لوٹنا پیچھے، واقعہ شرمناک انہیں ہوگا۔
ان کا یہ حال زار جب دیکھا، ساتھیوں کو پکار کر بولا
اہرمن اس طرح تمسخر سے:
"اے رفیقو یہ فاتحین ان سے سربلند آپ اب ہوئے کہ نہیں؟
چڑھ جو دوڑے تھے تندخویانہ، ان بزرگوں کے خیر مقدم کو
وا کیے ہم نے سینہ وآغوش (کیا بھلا اور ماسوا کرتے؟)
پیش کیں تصفیہ کی جب شرطیں، رائے اپنی بدل کے وہ یکدم
بھاگ نکلے عجب ترنگوں میں رقص پر جس طرح کمربستہ،
رقص آمادہ، اضطراب میں وہ کس قدر باؤلے نظر آئے،
امن کی پیش کش پہ خوش شاید۔
میری دانست میں جو دوبارہ یہ تجاویز ہوں انہیں در گوش
قائل اب کے ضرور کرلیں گے ہم کسی فیصلے پہ جلد انہیں،
یوں کیا پھر خطاب بلیل نے، شوخی طبع کا وہی انداز:
"قائدار سال جو شرائط کیں وہ شرائط بڑی گراں ہوں گی،

تھیں شقیں شاق، جبر کی مظہر، سوجھتے ہی بنی مگر گھر کی،
نوعیت واقعی یہی ہوگی، متحیر ہیں جو تمام ایسے
متامل، ہیں چند جو سمجھیں
گر نہ پلے پڑیں کہ ابہام اک ملکہ مُستزاد ہوتا ہے
یوں ہی دشمن سے چاہیے اظہار ہم سے جب وہ چلے نہیں سیدھا
مسخرے پن کا کچھ ٹھکانہ تھا، وہ کھڑے دل لگی رہے کرتے
تھے خیالوں میں سر فراز اپنے، شک سے بالا وثوق نصرت کا،
قوت لم یزل سے، زعم تھا یہ، اختراعات ان کی پور پڑیں،
نزدان کے حقیر القیحہ، خندہ زن تھے جنودِ یزداں پر'
دیر سے جو پھنسی تھیں مشکل میں — گو نہ مشکل میں وہ رہیں تا دیر۔
آخرِ کار اشتعال آیا، ڈھونڈ پایا جو اسلحہ نکلے کارگر اس خبیث فتنہ پر۔
یک بیک (دیکھ تو تفوق اور طاقت اپنے قوی فرشتوں کو
جو ودیعت کیے ہیں یزداں نے) اپنے ہتھیار تو پرے پھینکے
اور جھپٹے پہاڑیوں پر وہ (ہے میسّر زمیں کو گردوں سے
نوع یہ لطف لطف کی واقع دمن وکوہ میں) سبک جیسے
چشمکِ برق ہو دواں پراں۔
پیش وپس خوب دے کے ہلکورے جڑ سے جنباں جے جمائے جبال
ندیوں، جنگلوں، چٹانوں کے بارِ جملہ سمیت اکھاڑ لئے
تھام کر جھبری چوٹیوں سے انہیں اپنے ہاتھوں میں پھر کیا اونچا۔
ہکا بکا کہ واقعی باغی دَل مہا دَل پہ چھا گئی دہشت،
ہولناک اپنی سمت جب ریلے یوں دکھائی دیئے انہیں اوندھے

پینڈے بالائی رخ پہاڑوں کے۔
زد میں دیکھیں انہوں نے تابڑتوڑ تھیں جو تہری پرت کلیں منحوس،
ہیکٹری دفن ہو گئی ساری کوہساروں کے بوجھ میں گہری۔
اور دھاوا پھر آپ بول دیا، سر پر ان کے بزور دے مارے،
تیز آئے خلا سے جو گھنگور اور مسلح قشون ناش ہوئے۔
تھے مضرت رساں زرہ بکتر،
چھیلتے، کھبتے، چھیدتے، گھستے دھنس گئے جوہرِ وریدہ میں،
کی بڑی سخت پیڑ تا محسوس اور ٹیسوں سے بلبلا اٹھے۔
دیر تک ہاتھ پیر یوں مارے،
سعی سر توڑ کی نکل جائیں، ایسے زندان سے کسی صورت۔
طیف تھے طیف گو لطیف تریں، اولاً واقعی لطیف تریں
بن گئے اب کثیف عصیاں سے۔
اور باقی بھی ریس میں لپکے، ہچنیں اسلحہ کا وہ لپکا
سب پہاڑ آس پاس اکھاڑ لیے۔
اب خلا میں ہوئی پہاڑوں سے جنگبازی بپا پہاڑوں کی،
پیش و پس شدت افگنی —— گویا گھور پرچھائیوں کے اندر تھے
وہ زمیں دوز معرکہ آرا، غل جہنم نژاد، غل غوغا،
جنگ خونین سامنے جس کے محض بازیچۂ شریف لگے۔
خوفناک ابتری کے پشتوں پر خوفناک ابتری کے پشتے تھے۔
عرش یکسر کھنڈر سا کھنڈ جاتا، اینٹ سے اینٹ بج گئی ہوتی
گر نہ مبدع، وہ قادرِ مطلق، معتکف بیتِ عرش میں مامون،

کارفرمائے کل وجز آگاہ ہو نہ جاتا فساد سے پیشین۔
تھا بہ حکمت فقط مجاز اب تک کہ ہو تکمیل من یشائے عظیم،
اور اس کا عزیزِ جان مسیح اس کے اعدا سے سرفراز آئے
جسے اعلانیہ کرے تفویض اختیار (انتقام جویانہ)
پس عزیز متین سے — اپنی کرسیٔ حق کے پاسدار سے — یوں
مسئلہ پر ہوا خیال آرا:
"نور چشم عزیز، اے میری عظمتِ قدس کی ضیاء مکتوم
رخ پہ جس کے عیاں بدیہی ہے — اور باللہ میرا مظہر ہے
قُم باذنی ید اللہ جس کا ہے، قوت کُل کا حامل ثانی
روز دو ہو گئے ہیں — ہاں دو روز، روز یہ اس لحاظ سے جوں ہم عرشیانہ شمار کرتے ہیں —
کہ یہاں سے گئے تھے میکائیل سارے کرّوبیاں کے ہمراہ
تا کہ ان سرکشوں کو رام کریں
جان لیوا جھڑپ ہوئی ان میں، جس قدر تند و تیز امکانی
جب درآویز ہوں قشون ایسے اسلحہ بند، خود انہیں میں نے
دی تھی مہلت نمٹ لیں آپس میں۔
تو ہے آگاہ وضع میں یکسر آفرینش ہوئے ہیں وہ یکسر
ماسوا جو خطا سے خام ہوئے۔
احمقانہ بروئے کار ہے جو میں نے "ارجا" میں کی جزا ان کی
پس رہیں گے سدا بدیں صورت مبتلائے بلائے بے درماں،
لازماً غیر منتہی رن میں — اور یہ مسئلہ نہ حل ہوگا۔

جنگِ خستہ جگر نے پیدا کی کیفیت جنگ سے جو ممکن ہے
باسلاحِ جبال، ہڑبونگی قہر کو بے لگام چھوڑ دیا،
عرش میں حشر ہو گیا برپا جو خطرناک بے تحاشا ہے،
اور اب تو گذر چکے دو دن، تیسرا دن ہے آج، یہ مجھ سے
تیسرا دن تجھے مقدر ہے۔
ہو چکا ہے زیاں کثیر ان کا — بول بالا عظیم تر تیرا
گر یہ جنگ عظیم ختم کرے، کوئی تجھ بن نہ کر سکے یہ ختم،
میں نے تجھ میں حلول فرمائے وہ جمال و جلال بے پایاں،
کہ تمام اہلِ دوزخ و جنت جان لیں زور ہے اتم تیرا،
اور ثابت یہ ہے تکا بلوہ از رہ اختثال امر کرے
کہ ولی عہدِ جملہ موجودات بہترین و بجا تریں تو ہے
تو ولی عہد و خسروِ کونین تو شرابور صبغت اللہ میں
حق حقیقت میں تیرا استحقاق، زور مبدع سے تیری، شہزوری۔
بیٹھ کر جا مری ارابہ میں، موڑ اُس سمت تیز رو پہیے
جہاں بنیادِ عرشِ لرزاں ہے
ساز و سامانِ حرب لے میرا، یہ کڑک یہ کڑی کمان اٹھا،
تن پہ بلوان یہ سجا ہتھیار، باندھ کاٹھی سی ران پر تلوار،
کر تعاقب دھکیل دے باہر ان اندھیرے کے اُپ کپوتوں کو
آسماں کی حدود سے دے مار گھورتا کے عمیق کھالے میں،
جی میں جیسے سمائے واں بے شک وہ یہ آموختہ کریں از بر
کہ وہ یزداں سے اور ہوں بیزار، اور مصبوغ شہ مسیحا سے"

''یہ کہا، روح اللہ پر بھرپور راست کرنیں ہوئیں ضیا افگن
منعکس تھی تجلی مبدع رخ مبذول پر بہ عنوانے
عکس الفاظ میں محال ڈھلے۔
وہ الوھی سعادت اطوار اب کشادہ جواب میں...... ''مبدع
اے معظم (کہ ہیچ ہیں تجھ سے) عرش پر کُل سریر آرایاں،
اول وارفع اقدس واعلیٰ دائماً اہتمام فرما تو،
روح اللہ کا بول بالا ہو، میں یہ کوشاں بلند نام ترا کہ یہی اقتضائے برحق ہے
میرا ایمان ہے کہ شان مری، سرفرازی وشوق کُل میرے
صرف تیری رضا کا ہدیہ ہیں —— رضی اللہ تعالیٰ عنی زاد،
جو ہے فرماں تری مشیت کا، ہو مکمل، جو یہ مکمل ہو
عین میرے لئے سعادت ہے۔
اختیار وعصا تری بخشش، ہیں مجھے یہ مؤدبانہ قبول،
جو کروں گا بہ طیب خاطر ترک جب بالآخر کہ تو ہی تو ہوگا
میں تری ذات میں مدام، تمام ضم مری ذات میں ترے مقبول،
تو جنہیں ناپسند فرمائے مرے نزدیک ناپسندیدہ۔
نازل ان پر کروں عذاب ترا،
میں کہ مظہر ترا ہمہ انداز——
اسلحہ بند قوتِ ربی عرش کو پاک صاف کردوں گا سرکشوں کے وجود سے یکسر،
وہ گریں گے دھڑام سے سارے ایک بئس مصیر میں سارے،
بستۂ ظلمات کے سلاسل میں وہ ابد تک کے واسطے ہوں گے۔
سر دخوراک امر کوڑوں کی،

کیوں ہوئے خیرہ چشم روگرداں تیری پاکیزہ، طاعت حق سے، طاعت ایسی کہ عین راحت ہے۔

تیرے اچھے ولی جداگانہ، دوران اہلِ نار سے ہوکر

نغمہ سنجِ الٰہیہ ہوں گے۔

حمد و تمجید کی مناجاتیں اور میں پیش امام ان سب کا"۔

یہ کہا' ٹیک کر عصا اپنا، راست دستِ تعالٰی اللہ سے

وہ اٹھے، جس جگہ نشستہ تھے۔

پھوٹ کر اب فلک میں پاکیزہ تیسری صبح جگمگاتی ہے

شورشِ گردباد سے لپکی رتھ خدائے بزرگ و برتر کی شعلہ ہائے دبیز افشاندہ

چرخ در چرخ، ناکشید لجام، آپ بھی وہ لبالب جذبہ،

بدن و بال و پر پہ سرتاپا انجم آسا جڑی ہوئی آنکھیں،

عین عینی زبرجدی پہیے آتشیں تیز اندروں ساری

تھے سروں پر اکاس بلوری اور اس پر سریرِ نیلم گوں،

صاف بیجادہ سے مرصع بھی اور باریدہ قوس کے الوان۔

وہ زرہ بکتر سماوی میں فرق تا پا تمام ہارونی

تابناکانہ اسلحہ برتن — ملکوتی ہنر کی صناعی —

تھے سوار، اور دائیں بیٹھی تھی بازبازو نہاد — پیروزی۔

تھی بہ پہلو کمال آویزاں اور ترکش، ذخیرہ باافراط

تحت سہ رعد صاعقہ لے کر،

قرب ہی میں تراوشیں پیچاں تند شعلہ جوال آتش کی،

دود تھا اور شرار مہلک تھے۔

زادگاں اصل دس ہزار ہزار تھے جلو میں، کہ پیش قدمی پر
پڑا آمد کا دور چمکارا، جگمگائے نظر میں بیس ہزار
(اور تعداد خود سنی میں نے) رتھ، بہر دست نصف، یزدانی۔
طمطراقانہ وہ کروبی کے شہپروں پر سوار بیٹھا تھا،
آسمانِ بلور آسا میں اور رنگ آرائے نیلمیں، یکسر تا بہ حدِ نگاہ نورانی۔
بہ خلافِ امیدِ دلشادی، خوب حیران کر گئی سب کو
جب سرافراشتہ فرشتوں کا وہ درفشِ کلاں مسیحائی
شعلہ پاشی سے عرش پر بن کر خوشنما اک نشان لہرایا۔
جمع کی میکائیل نے سب فوج اس کے زیرِ کماں یسار، یمیں
پس سرِ خیل خود بھی پہنچے ایسے یک جا کہ جس طرح یک جاں،
آگے آگے مشیتِ قدسی راہ ہموار کرتی جاتی تھی۔
حکم پاتے ہی جا بہ جا جم جائیں بیخ کندہ جبال ہٹ ہٹ کر،
دی سنائی جب آپ کی آواز چلد یے خم کیے سرِ تسلیم
رونقِ عرشِ ماسبق لوٹی۔
تازہ گلہائے رنگ رنگ کھلے، دمن و کوہ لہلہا اٹھے۔
آپ کے دشمنانِ دوں ہمت ڈٹ گئے دیکھ کر ڈھٹائی سے
بہرِ پیکارِ تازہ دم طبقاتِ جہل سے سرکشی پر آمادہ،
یاس کا پیرا امید سے بھاری،
توبہ ایسی بلا کی ہٹ دھرمی اور ارواحِ عرش سے سرزد
خود سراں را مگر دلیل چہ سود۔
یا چمتکار اب بھئے کیسا کہ پسیجیں کٹھور اچنبھے سے،

ہیچ صیقل نکو نداردکرد آہنے را کہ بد گہر باشد۔
اکثر اصلاح آوری سے ہوں، بیش یہ کج معاملہ گمراہ
اس کی عظمت پہ دل گرفتہ تھے۔
رشک آتا تھا، دیدنی ہے، کاش وہ بھی ان رفعتوں کو چھو سکتے۔
جنگ خونریز کے لئے صف بست،—
چھل سے بل سے نہال ہو جائیں حاوی آئیں مسیح و یزداں پر،
یا مکمل ہوں پائمال آخر ہو چکے کائنات جب تاراج—
لام کا التزام بالانجام،
کسرِ شاں تھی انہیں فراری اب، بزدلی کا ثبوت پسپائی
یوں چپ و راست پر عسا کر سے روح اللہ نے خطاب کیا:-
''خوبصورت پرے جمائے ہوئے اصل زادو کھڑے رہو چپ چاپ،
تم فرشتو کھڑے رہو یاں لیس آج کے دن لڑائی سے فارغ،
راہ حق میں صریح بے جگری' صادقانہ ستیز آرائی
چشم یزداں میں ہوئی مقبول۔
آفتیں تم پہ ان گنت ٹوٹیں، ان پہ تم نے بھی ماسوا توڑیں
خوب دڑّانہ وار، لیکن اب دستِ دیگر سے کیفرِ کردار۔
طے ہوا نابکار ٹولے کا۔
زیب اسے انتقام یہ زیبا، اب کسی اس کے نامزد کو ہے
حسبِ تقدیر معرکہ امروز کثرت و چند کا رہین نہیں
ہو کھڑے دور سے تماشائی کس طرح میں عتاب یزداں کا نازل ان مرتدوں پہ کرتا
ہوں۔

بیر تم سے نہیں ہے، مجھ سے ہے — گو رقابت سہی، غم و غصہ

ہے، بہر حال بر خلاف مرے۔

کیوں مجھے مبدعِ حقیقی نے — وہ جسے کبریائی، برنائی

عرش کی پادشاہی زیبا ہے — منزلت "من یشا" عنایت کی،

پس ہے تفویض سرزنش مجھ کو، وہ بھی اپنے نکال لیں ارماں

میرے مدِ مبارزت آئیں۔

کون دیکھیں دلیر ثابت ہو، جملہ وہ یا خلاف میں تنہا۔

وہ کہ سب آ نکلتے ہیں قوت سے، اور فضیلت میں رشک مند نہیں

کون افضل ہے، بے نیازی سے،

بس انہیں میں نہیں نوازوں گا کشمکش میں بصورتِ دیگر"

روح اللہ نے یہ فرمایا، چہرہ ہیبت نشاں تمام ہوا،

آنکھ جس پر نہ ٹک سکے، تیکھا اور بھرپور طیشنا کی میں

دشمنوں کی طرف رجوع ہوئے۔

ان (براقِ) چہار نے یکدم پنکھ تاروں بھرے کشود کیے،

ہوئیں ننھی ڈراونی پرچھائیں۔

چرخ ارابے کے بے دھڑک گھومے، ہو گئے شل عرابے عرّادے (مخزن منجنیق)

تند طغیانیوں کا ہنگامہ تیز فوج کثیر کا غوغا،

یورش اپنے پلید اعدا پر بے دریغ اب انہوں نے کی سیدھی،

وہ کہ بے رنگ و نور شب گوں تھے

نیچے گرم و حریق پہیوں کے فلکِ استوار کانپ اٹھا، سو بسو، ماسوائے الکرسی

جھٹ جھپٹ کر وہ بیچ میں پہنچے، دائیں مٹھی میں بجلیاں دابے،

دس ہزار اب جو چھوڑ دیں آگے، یوں کہ ان کی پلید روحوں میں
سوط بن کر وباؤں کا اتریں
کہ ہو تابِ مزاحمت ماؤف، ہوں سراسیمہ جرأت و ہمت،
ہاتھ سے چھوٹ کر گرا نیچے سب وہ ان کا سلاح ناکارا،
چت گرے رستمیں سراف سروش
یہ بڑھے روندتے ہوئے ان کے مغفریں، خَود پوش سر، ڈھالیں،
یہ تمنا رہے عدو کرتے
کاش ٹوٹیں پہاڑ دوبارا، خشمِ عیسیٰ سے تو امان ملے۔
رقص میں دشنہ و قرابیں ہوں،
یوں برستے تھے اب چہار اطراف موسلا دھار ناوک و پیکان
جس جگہ تھے چہار چہر چہار — وہ نینتا اجاگر آنکھوں کے، (ف)
نین ان جاندار پہیوں کے، وہ کہ تھے عین مین نینو یانت۔ (آنکھوں کے کوے)
بس کہ سب دیدہ ہائے بینا میں۔
جذبہ یہ ایک کارفرما تھا، کوند کر آنکھ آنکھ میں بجلی
ان لعینوں کے درمیان مہلک شعلہ زنارِ حامیہ پھینکے۔
سارا کس بل بھسم کیا، طبعی سب توانائی پھونک دی، پھونکی،
باختہ دل، فگار جان، بسمل، مضمحل وہ تمام کھیت رہے،
نصف طاقت ابھی نہ جھونکی تھی۔
بیچ بوچھاڑ کے انہوں نے پس صاعقہ اور رعد روک لئے،
تھا نہیں مدعا کہ ہوں نابود، تھا یہ مقصود ہوں وہ عرش بدر۔
جو پٹخ کر کئے تھے چت ان کو اب اٹھایا، ہوئی اکٹھی بھیڑ

جس طرح بکریوں کا اک ریوڑ، ایک بھیڑوں کا کچ دِلا گلّہ،
دُرّۂ برق سے انہیں ہانکا،
فرطِ غیض و غضب کے عالم میں عین پیچھا کیا ثغور تلک۔
اندروں سمت اب سمٹ کے فراخ شق جدارِ بلورِ عرش ہوئی،
کھل گیا روزنِ کشادہ ژرف جھانکتا تھور تھل کڑاڑے میں —
منظر ایسا ڈراؤنا، یکدم وہ دہل کر ٹھٹھک گئے، لیکن
زور کا وہ عقب سے دھکا تھا۔
کہ انہوں نے دھڑام دے مارا سر کے بل بامِ عرش سے خود کو
دائمی قہر، سخت سوزانی، در تعاقب اتھاہ کھائی تک
بے ہنگا غل سنا جہنم نے، اور پامال عرشئی دیکھے
چمپت اب خوف سے وہ ہو جاتی پر رکھی تھی شقی مقدر نے
تیرہ بنیاد انتہائی عمیق، سخت اس کو جکڑ کے باندھا تھا۔
نو دن ان کا ہبوط — چنگھاڑا عین مبہوت اختلالؔ، اسے
دس گنا ابتری ہوئی محسوس،
بے تکے اس ہبوط میں وحشی افراتفری کے درمیاں دائم،
بھگدڑ ایسی بلا کی تھی، اس پر اور جس نے اجاڑپن لادا۔
منہ جماہی میں پھاڑ کر آخر سالم ان کو نگل گئی دوزخ،
اک جحیم سعیر لا اطفا، غم الم روگ سوگ کا ڈیرا۔
اب سبکبار عرش شاد ہوا،
پٹ گیا جلد رخنۂ دیوار، لوٹ آئی جہاں یہ سمٹی تھی۔
کر کے کامل غنیم کا اخراج فردِ فاتح مسیحِ اقدس نے

اس ظفر مند رتھ کو لوٹایا،
خیر مقدم کے واسطے ان کے اولیا تھے مؤدب استادہ
کارناموں کے برملا شاہد، اور عینی گواہ جرأت کے
سایۂ نخلِ شاخدار میں جب وہ روانہ ہوئے تو برلب تھا، جیت سنگیت، زمزمہ سنجاں
مرحبا، مرحباشہِ منصور، روح اللہ ووارث وصاحب
جس کو بہ حق عطا قلمرو ہے مستحق جو قلمروی کے ہے
اس طرح آن بان شان کے ساتھ —
وہ برومند، خرم وخورسند، عرش کے وسط میں سوار آئے —
حرم وقصر میں حضور اپنے مقتدر مبدعِ حقیقی کے — مسند آرائے کرسی ارفع —
خاص آغوش لطف میں اس نے پھر انہیں سرفراز فرمایا
اور رکھتے ہیں وہ وہیں تشریف دائیں پہلو میں رحمت حق کے
یوں قیاس آسمان کے احوال کر کے احوال ارض پر میں نے
تیری درخواست پر بیان کیے کہ ہو آگاہ ماجرا تجھ پر
آشکارا ہے صورت دیگر نوع انساں سے، جو نہاں رہتا
جو پڑی پھوٹ، جو تیوں میں دال جو بٹی دیوتاؤں میں باہم
آسماں سے ہبوط پھر ان کا پائیں پاتال میں، ہوسنا کی تھی جنہیں انتہائی رفعت کی۔
سرکشیدہ مخالفہ کر کے،
اہرمن — اب حسد زدہ تجھ سے' تیری مقبولیت کے باعث وہ
محو سازش ہے ورغلائے تجھے اور اطاعت سے منحرف کر دے،
تا کہ محرومِ خرمی ہو کر تو بھی اس کا شریک حال بنے،
ابدی کلفت وعقوبت میں ان سا مغضوب والضالیں ہو۔

غم غلط کو یہ حرب اس کی ہے حربۂ انتقام اس کا یہ

ہے روادارِ بغض و کینہ جو وہ خلاف بزرگوار بزرگ،

خواست گار اس زبون حالی میں تو بھی ساجھی بنے کبھی اس کا،

پر خبردار کان مت دھریو اس کی ترغیب پر، بتا دیجو — بالخصوص اپنی نصف بہتر کو

وہ ضعیف العقیدہ ہو محتاط۔

عبرت اس سے پکڑ، ساعت کی روح فرسا نظیر میں تو نے

جو جزائے عدول حکمی ہے۔

وہ بھی ثابت قدم تو ممکن تھا، تاہم اس کا ہبوط، پند بگیر

اونکردہ، شمار حذر بکنید،

یاد رکھ اور اجتناب سدا کیجیو تو عدول حکمی سے :-

فرہنگ

تروعہ — بروزن طزریہ تن تراتن ترا کی آواز قرنا یا صور جیسی —

غریو — حد درجہ کا شور

قلپاق — اونچی باڑ کی اونی کلاہ جیسی غالب پہنتے تھے

بھوس بلاس — جھوٹی تسلی بھوس وہی بھس ہے

نیتا — نین تا 'آنکھ والا' مراد رتھ بان سے لی جاتی ہے — یہی نیتا بنا تو قائد کے معنی میں مستعمل ہوا۔

دفتر ہفتم

تلخیص

اَلَّذِی خَلَقَ الاَرضِ فِی یومین، جعل فی ہارواسی من فوقہاوبارک وقدر فیہااقواتہا فی اربعۃ ایام ۔ (ستۃ الایام)

آدم کی درخواست پر رفاعل نے اپنا بیان جاری رکھا اور تخلیقِ عالم کی بابت بتلایا کیوں کر عمل میں آئی، مقصد تخلیق کیا تھا — چگونہ و بچہ غایت؟

جب اہرمن اور اس کا ٹولہ بہشت بدر ہو چکے تو یزداں نے آفرینشِ مخلوقات کا قصد فرمایا، روح اللہ کو اپنی قدرت سے سرفراز کیا اور انہیں تفویض کیا کہ چھ دن میں کائنات کی تخلیق کریں۔ وہ اس فرض کی بجا آوری کے لئے رخصت ہوئے، فرشتے ہمرکاب تھے۔ جب کارِ تخلیق تمام ہوا تو کروبیاں نے حمد و مناجات گا کر جشن منایا۔

روح اللہ واپس عرش پر تشریف لے گئے

(زردشتیوں کے ہاں یہ عمل گاہ بار، گاھبارھا سے موسوم ہے، ترتیب یوں ہے۔

میدیوزرم — خداوند نے سماوات بنائے

میدیوسم — خداوند نے سمندر بنائے

پیتی سہیم — خداوند نے زمین بنائی

ایاتہریم — خداوند نے نباتات بنائی

میدی یاریم — خداوند نے حیوانات بنائے

ہمش پتامہدیم — خداوند نے انسان بنایا) (مترجم)

عرش سے آفرودد (ہیئت کی) دیوی یورانیہ — اگرتو ہے

اپنے اس نام سے بجا موسوم۔
تیری آوازِ غیب کے پیچھے ہوں میں فوقِ الپیا طیراں،
(اسپ بیلوروفیں) پگاسس کی تیز پرواز بال سے بالا—
دی ہے معاندانہیں اسما۔
تو نہیں مثلِ نو میوزوں کے، نہ فرو کش قدیم المپس کی خاص چوٹی ہی پر ہے تو، لیکن
عرش زائیدہ تھی کہیں ماقبل—
جب پدیدار کوہسار ہوئے، یا رواں آب جوبار ہوئے—
ہم سخن دانش ازل سے تھی، تیری ہمشیر عقل اُس کے سنگ
مبدعِ کل کے سامنے تو نے راس لیلا رچائی، کھل کھیلی
ملکوتی غنا سے وہ خوش تھا۔
تو جو عرش العروش پر لائی، یہ جسارت ہوئی مجھے— ہر چند
ایک مہمانِ خاکدانی ہوں— دمِ بادِ سماویہ کھینچا اور تیرا خمیر اپنایا۔
بحفاظت بعینہٖ لے چل تو مجھے اب فرود، لوٹا دے پھر مرے عنصرِ طبیعی کو۔
توسنِ بے لجامِ پرّاں سے مثلِ بیلوروفیں، مبادا میں
اور نیچی ترائی میں اتروں، بلکہ نیچے کہیں گروں اس سے
(لیشیا) کی الائی گھاٹی میں۔
واں بہ پاداشِ سہو آوارہ مارا مارا پھر کروں تنہا۔
ناسرائیدہ ہے یہ نصف ہنوز، آشکارا— فضائے یومی کے
اندروں تنگ تر مگر بستہ— ایستادہ زمیں پہ، مستغنی
ہستیٔ ماورائے قطب سے میں سہل نغمہ سرا فراوانی
بے دگرگوں بہ صوتِ ناسوتی گنگ ہوں نے گلوگرفتہ ہوں۔

آپڑا سخت وقت، آن پڑا وقت سخت اور بے طرح پیچھے
بدزبانیں ہیں افترا پرداز۔
گھپ اندھیرا، چہار سو خطرات، اور تنہائی، گو نہیں تنہا
جب کہ ہر رات مہربانی سے تو مری نیند میں در آتی ہے،
گنگنا میرے گیت میں اب بھی، دیوی یورانیہ بہم پہنچا
کم سہی، سامعینِ ذوق سرشت۔
کر یہ باخوس، اس کے ہم جولی رنگ رلیاں منانے والوں کی سوقیانہ ہاہمی موقوف۔
عیش کوشانِ مست کا حلقہ
جس نے رودھوپ میں تیاپانچہ کر دیا تھا تھریسوی بھٹ کا،
جس جگہ بن چٹان وجدانہ گوش برزمزمہ رہے، جب تک
ہائے دونوں نہ ساز اور آواز شورِ وحشت اثر میں ڈوب گئے۔
نہ بچاری میوز (اطروپا) اپنا یہ لاڈلا بچا پائی —
ہار دیجو نہ تو اسے، تجھ سے جو بہ منت ہے ملتجی — تو تو
اپسرا ہے گگن کی، اطروپا، وہ بچاری تو محض سپنا ہے:

....

بعدہٗ، پھر وقوع کہہ دیوی کیا ہوا جب کشادہ پیشانی
سرکروبی رفاعل آدم کو پیش آگاہ کر چکا — تمثیل
دے کے پرہول — ارتداد سے ہو متنبہ، حذر کریں، بتلا
عرش میں مرتدوں پہ کیا گزری؟
آدم وآلِ آدم ان کا تو ہو نہ فردوس سے ہبوطِ زبوں،
شجر الخلد جس پہ ہے ممنوع، سخت لاتقربا کی قدغن ہے،

گر تجاوز کا ارتکاب کریں، در خورِ اعتنا نہیں مانیں،
بس یہی ایک حکم جس کی ہے سہل تعمیل — سیر گرنگی،
گذر و گشت ہی میں ہو جن سے، وہ مہیا بھی خوان سب رس ہیں۔
یہ شریکِ حیات حوا کے ساتھ روداد سب بغور سنی،
خوب افزود شوق و دلچسپی، محویت، انتہائی استغراق —
کیا عجیب و غریب افسانے، ماورائے شعور کیا قصے،
عرش پر یہ بغاوتیں بلوے، نفرتوں کے مظاہرہ منظر،
امنِ میمونِ حضرت یزداں ابتر ایسا جدال کی زد میں۔
جلد پسپا کیا مگر شر کو،
جس طرح سیل اٹھ کے لوٹ آئے واپس اپنے محرکوں پر ہی،
خیر سے امتزاجِ شر — مشکل، بلکہ یہ طے ہوا کہ ناممکن۔
قلبِ آدم میں جو ہوئے پیدا، فسخ شبہات ہو گئے فوراً
سادگی بلکہ سادہ لوحی سے بے قرار اب ہوئی تھی یہ خواہش
علم کچھ ان امور کا بھی ہو جن سے ان کا لگاؤ ذاتی تھا۔
ان سماوات وارض کے مابین ہوئی آغاز کس طرح دنیا
چوں، چگونہ، چرا، چہ عنوانے؟
کہ درون و بروں عدن میں تھا کیا عمل یادداشت سے ماقبل؟
مثل اس شخص کے ابھی جس کی تشنگی شاداب ہو، لیکن
پھر سُنے جوئبار کی سیال گنگناہٹ تو پھر بھڑک اٹھے۔
سلسلہ بات چیت کا جاری میہمانِ فلک سے یوں رکھا:
"حیرت افزا معاملات عظیم، گوش پر فاش تو نے فرمائے

جو ہمارے جہانِ ارضی سے متفاوت ہیں، ترجمانِ قدسی
سرمدی لطف سے ہے تو مبعوث سوئے ناسوت تا کرے برقت
مطلع ان امور پر جن سے حرج واقع ہو غیر دانستہ، علمِ انساں رسا نہیں جن تک
خیر لا انتہا کی منت ہے تا ابد ہم پہ، یہ کرم اس کا،
اور تسلیم ہے عمل پیرا امن یشا پر بغیر حجت ہوں۔
خیر کوشی صمیم نیت سے — بس یہی مقصد حیات اپنا۔
کیا شفیقانہ یہ نوازش کی تا ہمیں ہو وقوف خاطر خواہ
سب ان اشیا کی شرح فرمائی جو ہیں مافوق فکرِ خاکی سے،
زحمت اب کر، اتر کے بات ذرا آگہی کچھ مفید مطلب اور
اولیں ابتدائے عرش کی بات، کس طرح ابتدائے عرش ہوئی
خلق کیونکر ہوا جو اتنی دور رفعتوں پر دکھائی دیتا ہے؟
ان گنت جس پہ آتشیں سیار لالہ آرا ہیں، اخگر آگیں ہیں
جس سے لبریز یہ خلا سارا یا دباؤ میں جس کے باعث ہے
کیسے یہ گردِ ارض حلقہ بند سو بہ سو پھیل کر محیط ہوا؟
کیا بقائے دوام میں آخر یوں بھلا کردگار کو سوجھی
کہ مقدس سکوں با لتاخیر وہ کرے اختلال میں تعمیر؟
کارِ تخلیق جب شروع ہوا، کب بزودا ختتام کو پہنچا؟
ہو نہ بندش تجھے تو کھول ذرا — گرچہ حاشا نہیں یہ نیت ہے —
اس کی اقلیمِ لازوال کے ہم کُنہ و اسرار کی کرید کریں
بلکہ رطب اللسان وصف میں ہوں
کارناموں کے بیشتر ہم لوگ ہو کر آگاہ بیش تر ان سے

اور دن کا وفورِ نور ضرور طے کرے گا سفر دراز ہنوز
گو یہ ڈھلوان پر روانہ ہے
تری آواز سے ٹھٹکتا ہے عرش پر اور (مہر) سنتا ہے
تیری گھمبیر گونج، سننے کو وہ توقف کرے گا البتہ
سرگذشت اپنی آفرینش کی،
اور فطرت کی پُرنمو تولید تھاہ سے اختلالِ مبہم کی۔
قمر و نجمِ شام اگر آئیں تیز رفتار، گوش بر آوز
شب لئے آئے گی سکوت اپنا۔
نیند تیری صدا پہ رک جائے، یا اسے ہم کہیں الوپ رہے
جب تلک گیت ختم ہو تیرا،
پھر کہیں الوداع ہم تجھ کو بامداداں یگاہ سے پہلے"۔ (پو پھٹے)
اپنے ممتاز میہمان سے یوں اول الناس التماس گذار
اور وہ دیوتا سروپ سراف بہ متانت جواب میں گویا:
حزم سے، التماس گذرانی اور یہ مستجاب ہوتی ہے،
گرچہ قدرت کے مقتدر شہکار، تاب ہے کس زبانِ قدسی کو
لا سکے حیطۂ کلام میں وہ، اور اتنے الفاظ دستیاب کہاں
یا کہاں حوصلہ بشر ہی کو صیدِ دامِ شعور انہیں کر لے۔
تاہم اب جو پڑے ترے پلے، ہو اضافہ طمانیت میں تری
جو ممد ہوں امور — عظمت میں تیرے خالق کی چار چاند لگیں،
نہ رہے گی تری سماعت اب ان سے محروم — اجازت آئی ہے
مجھے بھی حضور بالا سے کہ تمنائے آگہی تیری تا حد خاص مطمئن کر دوں۔

ماسوا ہو نہ کوئی استفہام،
اختراعات سے کر انداز اُمت ہیولے تیار اشیا کے، فاش تجھ پر جو کی نہیں جاتیں۔
شاہِ غیب، اس بصیر نے جن کو پردہ کتم میں رکھا پنہاں،
کوئی ہو عرش فرش میں، ان پر کچھ کسی کو بھی دستگاہ نہیں۔
بہر تحقیق و آگہی لیکن پھر بھی وافر علاوہ ہے موجود۔
علم بھی تغذیہ کی صورت ہے، جس میں تقلیل کی ضرورت ہے
ہو طلب لیکن اعتدال کے ساتھ
چاہیے درک کو وہی مقدار ہو بخوبی جو ذہن کا مقدور،
موجب سوئے ہضم پرخوری،
گاؤدی پن میں سوجھ بوجھ ڈھلے، قوت جیسے ریاح میں تبدیل
پس ہو معلوم عرش سے طاغوت —— (اب اسے تو پکاریئے، یوں ہی
تھا وہ انبوہِ قدسیاں میں کبھی اک ستارا فزوں ستاروں میں)
ساتھ اپنے قشونِ ناری کے، جب گزر کر اتھاہ سے، نیچے
گر گیا مستقل ٹھکانے میں اور تشریف لے گئے واپس
کامرانِ پُر فتوح روح اللہ پاک زادانِ اصل کے ہمراہ
دیکھ کر —— ان کے لاؤ لشکر کو اپنی رفعت مآب کرسی سے
اپنے دل بند نورِ ہستی کو مبدعِ لم یزل نے فرمایا:
اس عدوئے حسد گزیدہ نے کھائی منہ کی، مغالطہ تھا جسے
سب اسی کی مثال ہیں سرتاب
اور وہ ان کی دستگیری سے ہے، جو میرا یہ اقتدارِ اعلیٰ، سخت نا قابلِ حصول وضبط
کرسیٔ داوری رفیع و جلیل قبضہ کر کے بڑے تیقن سے

(چاہتا تھا) ہمیں کرے معزول۔
اس دغا میں کیے شریک اپنے اب وطن بھی جنہیں نہ پہچانے،
پھر بھی میرے ملاحظہ میں ہے مستعد بیشتر بہ جا ٹھہرے۔
ہے وہی یہ ہمارا عرش آباد یہ سماوات و دار اقلیمیں ہیں بدستور وا ہمہ وسعت
اور تعداد میں کثیر غفیر — یہ کروبی ملک سروش سراف
حاضرِ پر شکوہ ہیکل ہیں واجب آداب سے زیارت کو
جملہ موزوں رسوم ادا کرنے۔
زد مگر پڑ چکی ہے جو اس سے ہو نہ دل میں گھمنڈ اسے ناحق
بے اہالی کیا فلک میرا، احمقانہ قیاس نقصاں کا
میں وہ قادر، تلافیٔ مافات مرے امکان میں ہے گر بیچ بچ
خود زیانی سے بھی زیاں ہو جائے،
میں وہ خالق عظیم ہوں اپنے کن فکانی کمالِ اعلیٰ سے
طرفۃ العین میں جہاں دیگر نو بہ نو آفرید فرماؤں
ایک آدم کی نسل سے آباد مردم بے حد و شمار کروں
جو بتدریج اوج تک رستہ آخرِ کار کھول لے، خاصا امتحاں طاعتوں کا جب ہو لے،
عرش فرش اور فرش عرش بنے —
ایک اقلیم وصل و راحت کی جس کے اندر نہ انتہا ہو گی
اور کروبیانِ عرش رہو با فراغ و سکوں دریں عرصہ،
کلمہ — تو مری ہے روح الہ، کام یہ تری ذات سے لوں گا،
کن باذن اللہ کہہ فکاں ہو گا۔
درمعونت تری معیت میں ظلِ ممدودہ زورِ کل میرا۔

ہو سوار اور حکم کر بڑھ کے سرحداتِ معینہ میں اتھاہ عرش ہو جائے، فرش بن جائے،
لا تناہی و بیکراں اتھاہ کیوں کہ ہے میری ذات سے مملو،
نہ ہی یہ الخلا ہے ال خالی:
غیر محدود کیفیت میں میں گرچہ اعراض آپ فرماؤں
اور مختار فعل یا بر عکس حسَنہ کو کروں نہ فاش مزید
اتفاق اور احتیاج کبھی میرے نزدیک آ نہیں سکتے،
جو رضا ہے مری قضا وہ ہے
قادرِ کل نے یہ کیا ارشاد اور جس امر کی تھی فرمائش
اس سعادت مآب ایزدِ عکس کلمہ نے تمام فرمایا۔
کن فکاں شانِ کار یزداں ہے حرکت و وقت سے سریع کہیں،
بہرِ گوشِ بشر ضروری ہے لیکن اظہار کا وسیلہ یہ
اور اظہار بھی بایں عنوان کر سکے درک جو حسِ خاکی۔
اس رضائے قدیرِ مطلق کے پاک اعلان پر سر افلاک
شادمانی کی مچ گئی دھو میں عرش پر، عرشیوں نے صدق انگیز
گیت گائے تعالی اللہ کی عظمت و شان کبریائی کے،
گیت آدم کی خیر خواہی کے، ان کے گھر در کی عافیت کے گیت۔
وردِ سبحان ربی الاعلیٰ، حمدِ جبار منتقم جس نے
دور بے دیں کئے نگاہوں سے، دینداروں کے گھر سے دھتکارے،
حمد و جبروت اسی کو زیبا ہے،
عقل کل جس نے اپنی حکمت سے خیر کو شر سے آفرید کیا
عوضِ طیف ہائے بدکیشاں نسلِ احسن کا اہتمام —— کہ جو

ان کے خالی خلا کو پر کر دے
جو وہاں سے نفوذِ خیر کرے سب زمانوں میں سب جہانوں میں
تھے ثنا خواں شامسہ یوں جب اسلحہ بندِ قادرِ مطلق (ف)
روح اللہ بہ طرزِ احسن تھے مفوضہ مہم پر آمادہ،
ملکوتی جلال کا ہالہ ضوفشاں —— بینش و محبت کی
منظر آرا مبین جلوہ گاہ، منعکس ذات میں ہمہ مبدع۔
تھے کروبی، اسراف اور سریر، حسۂ قہرمان اور اقنوم
اردگرد ان کی رتھ کے لاتعداد
بال آراستہ رہیں پر دار، درمیانِ جبالِ روئینی
خاص روزِ خصوص کی خاطر
پاس ہی مستعد سماواتی ساز و سامانِ حرب آرائی،
صفتِ جوہری کے خاصہ دار جملہ بیروں بر آمدہ یک لخت
رہنِ وابستگانِ عالی جاہ۔
مستقل استوار باب اپنے عرش نے بھی کشادہ باز کیے،
متحرک، طلائی قبضوں سے مدھم ابھری نوائے ہم آہنگ
شاہ شاہانہ لے چلیں تشریف
صاحب جوہرِ کل و کلمۂ تازہ کونین آفرید کریں
بیکراں عرش فرش افتادہ، دور ساحل سے حفرہ بے غایہ (ف)
شور شوریدہ، قلزم بے طور، تیرہ، برباد اجاڑ ویرانہ،
وہ کہ معکوس کر گئیں جس کو ہونکتی آندھیوں میں تند امواج
جو اٹھ کر جبال سے سیدھی ماورائے فلک کریں ریلہ،

گاڑ دیں قطب عین مرکز میں
"موجہائے شدید و تند تھمو، شانتی سب اتھاہ میں پھیلے"
کلمہ — کارسازِ کل بولے "بس اب اپنا فساد بند کرو"۔
واں توقف نہیں کیا، لیکن بالِ کرّوبیان پر اسوار
سر پرستانہ شان سے ناپید کون اور اختلال میں طیراں،
— یہ صدا اختلال تک گونجی —
جملہ دنبالہ در جلو، گویا اک جلوس نظیف، تا ان کے
طاقت و زور کی کرشموں زا آفرینش کا ہو تماشہ بیں۔
تھم گئے گرم ولولہ پہیّے
ہاتھ میں تب اٹھائی وہ پرکار زرنگارین، ساختہ ازلی
خاص صفار خانۂ حق کی،
تا کریں صاف دائرہ بندی بہر ایں کائنات و موجودات،
نوک اک وسط میں دھری، دیگر گردِ عمقِ وسیع کے پھیری
حکم فرما: "دراز ہو یاں تک یاں تلک ہیں تری حدود بسیط
اے جہاں یہ ترا درستِ محیط۔"
یوں خداوند نے کیا تعمیر السّما وھی دُخان — اور
رَفع سمکہا فسوھا، خلق الارض دَاحِہا — جو ایک
خالی و بے صور ہیولیٰ تھی۔
گھور اندھیروں میں جذب تھا پاتال، لیکن آبی سکوں پہ (ال طیار
روحِ یزداں نے باز فرمائے)، کارگر خیر کا نفوذ کیا
اور حجم رقیق میں حل کی تپش پُر اثر — مگر تنقیح

سرد، شوری، سیاہ طرسوسی مضرزیست ڈرد کے نیچے —
پھر کیا ٹھوس اور گٹھلایا مثل اشیا کو مثل اشیا سے
بٹ گئیں دوسری ہمہ انواع سو بہ سو بے حساب باافراط۔
درمیاں میں ہوا بلو ڈالی،
کُرہ ارض اپنے محور پر متوازن بہ حسب ذات ہوا۔
تب خداوند نے کہا، اے نور پھیل جا جھٹ مقدم الاشیا
نور اثیری، بڑا مصفیٰ ست — تیرہ و تار اتھاہ سے جھلکا،
اور فضائی فسردگی میں ہوا گرم گام اپنے دیس پورب سے
اک منور سحاب میں ملفوف،
کہ نہ خورشید تھا ہنوز — مقیم تھا وہ اب کسی مظلہ میں —
پھر خداوند نے نظر ڈالی،
نور عمدہ تھا، تیرگی اور نور طبقِ نیم سے جدا فرمائے،
نور کو روز سے کیا موسوم، اور شب تیرگی کا نام کیا،
سحروشامِ اولیں — ابدی
لیکن آکاش منڈلیوں نے بسر دن نہ بے اہتمامِ جشن کیا
دم فزا نور خاوران پر فاش جب ہوا تیرگی میں پہلی بار
یہ جنم دن گگن کا دھرتی کا،
عالمِ سرخوشی کہ گونج اٹھا کُرۂ کائنات نعروں سے،
خاص دھن پر طلائی عودوں کے حمد خوانی، ثنا سرائی تھی،
تھی مناجات آفرینندہ، مدحتِ قدرت خداوندی
وردو تسبیح دونوں وقت بھی —

اولیں شام جب ڈھلی، جس وقت سحرِ اولیں طلوع ہوئی
پھر خداوند نے کہا — آکاش، بیچ میں پانیوں کے بن جائے
ساگروں سے الگ کیے ساگر اس طرح ڈال دی بنائے فلک
اور قائم ہوئی — فضائے بسیط۔
اک رقیق و منزہ و شفاف عنصری باد کی نفوذ ہوا
دائرہ وار اس کبیرہ تریں عروہ کے انتہا محدب تک،
یہ سراسر اٹوٹ بٹوارہ،
آب ھائے یہ فرو، یکسر تھے جو بالا، انہیں جدا کر کے۔
خلق مثل زمیں جہان کیا پر سکوں آبہائے جاری پر بیکراں قلزم بلوری میں۔
پھر مزاج اختلال غوغائی کالے کوسوں پرے ڈھکیل دیا
کہ مبادا تناقضات شدید
متصل ہوں تو سارے ڈھانچے میں بے تحاشا خلل بپا کر دیں
اور آکاش عرش نام کیا
سحر و شام طائفے نے یوں دوسرے روز کا منڈھا گایا
خلق الارض، تاہنوز مگر پانیوں کے نہ کھوکھ کھوں میں تھے برآور جنین خام خمیر،
تاہنوز ارضِ بے معین میں بحرِ اعظم کا دور دورہ تھا
صورتِ حال، گو نہ لاحاصل،
گرم مشمر مزاج سے اس کے بلکہ سارے گرے کو نزما کر
اونٹتا تھا کہ مادرِ علیا حمل ٹھہرائے مطمئن، ہو کر نمِ تولید خیز سے سیراب۔
پھر خداوند نے کہا ہو جاؤ پانیو زیرِ عرش تم یک جا
سب سمٹ کر، یہاں برآمد ہو خشک خطہ — پلک جھپکتے میں

تھے نمودار ڈیل ڈول پہاڑ، چوڑے چکلے برہنہ کوزان کے
بادلوں تک بلند ابھرے تھے، چوٹیاں آسماں کو چھوتی تھیں،
متورم تھے الجبال افراز جتنے اوگھٹ، تو کھو کھلی اتنی
دھنس گئی تھیں تلہٹیاں بہ نشیب —
چوڑے چوڑے، کھلے کھلے گہرے پانیوں کے بنے جو پاٹ، ان میں
وہ شتابی سے شاد دوڑ لئے —
یا بلوری جدار سے خیزاں، یا ڈھلے کوزہ پشت، کوھانی
کیوں کہ عجلت تھی۔ وہ دویدن کا تیز طغیانیوں کو حکم ہوا
شورشِ تروعہ پہ جوں فوجیں (جن کا احوال سن چکا ہے تو) (ف)
تیز اڑاتی پھریرے آتی ہوں — رن میں شیرازہ بندیاں کرنے
ایسے آبی ہجوم موج بہ موج، راستہ جس طرح ملا اٹدا
ریلتا پیلتا دھکیل دھکیل — تھی ترائی تو تیز تیز رواں
نرم رو جو سپاٹ تھا میداں —
تھے نہ ٹیلے چٹان سنگِ گراں مار آسا عیان و پوشیدہ
راہ اپنی بنائے جاتا تھا
رود باروں کی کھینچتا سطریں نرم، گہرے رقیق کیچڑ میں۔
حکم میدان کو یہ فرمایا خشک وتفتہ تمام ہو جائے
ان کناروں کے ماسوا جس میں جاوداں ہیں دواں دواں دریا
لے کے دنبالہ ہائے نم آلود —
خشک دھرتی کو تو زمین کہا، پانیوں کے بڑے ذخیرے کے
جھیر کو ساگر اس نے فرمایا

کی جوان پر نظر وہ عمدہ تھے ——ارض ال ما السماء جملہ——
پھر دیا حکم انبت الارض —— ارض شقا و انبتا فیہا،
اخرج ماءہا و مرعٰہا —— مخملیں گھاس، عصف دانہ دار، (خوشہ)
ثمر آور درخت، پھل اتریں اپنے اپنے مزاج کا جن سے
آپ دھرتی میں بیج جن کا ہے۔
لب پہ ان کے ابھی سخن یہ تھا کہ برہنہ زمین جواب تک
بدنما، بھوڑ، تھور، چٹیل تھی نرم ریحاں سے لہلہا اٹھی،
مخملی تازگی نے ڈھانپ دیا طلعت آفاق گیر دھرتی کا
شبھ سہانے ہرے بھرے پن سے
پتہ پتہ الگ الگ ڈھب کا، بوٹے بوٹے پہ وہ بہار آئی،
کھل گئے بے شمار رنگ اتنے سینۂ ارض کی پھبن نکلی،
مست خوشبو مشامِ جاں پھیلی۔
گل شگفتہ ہیں، تاکِ خوشہ دار پُر نمو ہے فزوں، فزوں گنجان
رینگتا ہے کدوئے آماسی، کاشتہ کشت کشت دانہ دار
سنبلیں (خرمنوں کی مژدہ خواں) خوب افراشتہ و در آویز۔
پھر اضافہ حقیر ان پر ہے، جھاڑیاں بوٹیاں، لگیں جیسے
آئیں بالوں میں مینڈھیاں گوندھے۔
آخرِ کار رقص میں جیسے نخلہائے شکوہ مند اٹھے،
شاخہا شاخ سبزہ گستردہ میوے میوے سے بوجھل الغاروں،
یا درخشاں رتن شگوفوں سے (فالق الحبّ والنوی —— ھو) (بیج اور گٹھلی)
تاج اونچے بنوں کے کوہ بہ کوہ،

دامنوں میں دمن دمن طرے کنج زاروں کے، طرف ہر چشمہ

حاشیے، رود۔ رود، دور بہ دور۔

خطۂ ارض کا سماں ایسا باغِ فردوس کا گماں گذرے

وہ جہاں دیوتاؤں کے استھان، وہ جہاں شادماں کریں گل گشت

اور جس کی پوتر چھایا میں وہ بڑی چاہ سے کریں بسرام —

گو خداوند نے زمیں پہ ابھی مینہ اتارا نہ تھا، ابھی انسان

قلبہ رانی کو تھا نہیں موجود۔

شبنمی کہر ارض سے اٹھی، کی اراضی میں آب پاشی خوب،

مزرعہ کے ہر ایک پودے کی آبیاری کہ خاک میں پہلے

جو خداوند نے بنایا تھا،

آبیاری ہر ایک کونپل کی جو ہری بُونٹ پر نہ پھوٹی تھی

کی خداوند نے نظر اس پر، اور پایا اسے، بہت عمدہ،

صبح سے شام تک کی یہ روداد — تیسرا روز آفرینش کا

قادرِ کل نے پھر کیا ارشاد وسعت آسماں میں رفعت پر

رونما ہوں حسین روشنیاں آشکار امظاہرات دنوں، موسموں کے مہینوں سالوں کے

متعین مطابق منصب ہوں "بروجا" گروں پہ گردوں میں

جگمگائیں، زمین چمکائیں — یہ اسی طور سے وقوع ہوا۔

کہ خداوند نے فروزاں کیں مشعلیں دو بڑی بڑی، تاباں،

آدمی کے لئے فزوں مصرف — (جعل الشمس والقمر — نوراً)

راج دن پر کبیر کا، سکہ متبادل صغیر کا شب پر

پھر نجوم استوار فرمائے

زینا السماء الدنیا بمصابیح ــــ نور سے معمور (مشعلیں)
انقلابِ تغیرات سے، جو حکمراں دن پہ، حکمراں شب پر
کہ اندھیرے سے جوت الگ کردیں۔
کی خداوند نے نظر اپنے کارنامے پہ غائرانہ ــــ اور
خوب پایا اسے، بہت عمدہ۔
اول اجرام آسمانی میں شمس ڈھالا تھا، وہ عظیم کُرہ
قبل ازیں بے ضیاو نور مگر اصل میں کالبِ اثیری تھا
پھر گھڑا چاند مستدیر، بنی اختر اختر کی ہر جسامت بھی
گنجلک ایک کھیت کی مانند بودیئے آسمان میں تارے۔
وافر انبار روشنی چن کر منتشر بادلے کے تیر تھ سے
منتقل قرصِ شمس میں کردی، یوں مسامی کے انجذاب کرے
نوش نورِ رقیق فرمائے کل شعاعوں کا جمگھٹا ڈھالے ــــ
تابنا کی کا یہ کلاں کوشک۔
گرم رفتار سوئے منبع ہیں۔
تبھی اکوابِ زرنگاریں میں جیسے دیگر نجوم روشنی کش (ف)
تو کہائے ستارہ سحری (زھرہ) کیسا طلائی کرتا ہے
اور یہ عکس اخذ کر کر کے
مجمل اندوختے فزوں کرلیں ــــ اور بے شک ہیں حجم ور سارے
چشم انساں سے گرچہ دور دراز ننھے منے دکھائی دیتے ہیں
خاص اول دیارِ مشرق سے رونما ہے چراغ رخشندہ
خسروِ خاورِ نہار، اس نے سب افق کے نواح کو روشن

شوخ کرنوں کی خلعتیں بخشیں،
شادماں شاہراہ گردوں پر ہے دویدہ بخطِ طول بلد،
فجرِ بیضا و خوشۂ پرویں رو برو نور خیز رقصیدہ،
کیف لطف آفریں چکیدہ تھا
قمرِ کم ضیا مگر برعکس غرب میں اپنا آئینہ تھامے،
متلازم نشست میں دیگر — پھر بھی ملحوظ فاصلہ تا شب
شرق میں وہ ضیا فشاں، گرداں محورِ آسمان پر اپنی
حکمرانی کی داد پھر دے گا
کمتر انوار فرد فرد سمیت ان گنت ان گنت کواکب بیش
جو نمایاں ہوئے تو نصف کرہ جیسے سلمہ زری سے جگ مگ ہو۔
نیّرات جمال آگیں کا کارخانہ بنا دیا کیسا
یہ طلوع و غروب ہوتے تھے۔
خوش سحر شاد شام نے اس طور کر دیا تاج پوش دن چوتھا
(خَلَقَ کُلَّ دَابَّۃٍ مِّن مَّاءٍ)
اور خداوند نے کہا پانی گردشندہ وجود میں لائیں، (رینگنے والے جانور)
کچ بچ ادھچور، کیڑیاں، انڈے، چھلیاں جیتے جاگتے گھونگے
اور جو سما میں مرغ ہوئے پرفشاں نوع نوع باہم جنس
کیں خداوند نے مہار اگھو (وہیل) تخلیق، اور بعد ازاں
کھیپ کھیپ ایسے ذی نفس یمشی من علیٰ بطنہٖ (کہ جو رینگے)
آب سے جنس ان کی ہستی میں آئے نسلِ ہمیں سے بافراط،
اور ہر پنکھ کا پکھیرو بھی، آپ اپنی قبیل سے پیدا،

اس پہ ڈالی نظر، یہ عمدہ تھا۔
دی انہیں یہ اشیر باد بڑھو، خوب پھولو پھلو بہت بہتات
رود ہائے رواں میں جھیلوں میں، ساگروں میں —— جہاں ملے پانی
اور خشکی پہ نسل کش مفرط باہمیں طور مثل مثل طیور
بھر گئے جھٹ خلیج کھاڑی بحر، رود بار، آبنائے، جو، دریا
جھول کے جھول ٹھٹ کے ٹھٹ نکلیں مچھلیاں بے شمار انڈوں سے،
سبز موجوں میں فلس گل مچ کی جھلملاہٹ، رواں دواں ابرق
ٹیکری رنگ کی بنے منجدھار
ان کی شغل ہے کائی اور لچن جو مزے سے وہ چرتی پھرتی ہیں
درمیاں کنجہائے مرجاں کے تیرتے ہیں، کبھی دکھاتی ہیں
بھاؤ بانکی ادا سے اترا کر اپنی اٹھکیلیاں بھی سورج کو
پہنے اوڑھے یہ بُندکی والے لہریئے دار کنچنی باگے
صدف در صفت میں یا اپنی تر مقوی غذا اڑاتی ہیں،
تاک میں چند پائیں من بھاتا سنگ پا کھر تلے چٹانوں کے۔
قلزم پر سکوں میں سگ ماہی اور خم دار ڈلفنیں کھیلیں،
لوٹتے پوٹتے ڈھبوس کئی، ڈیل بے ڈول، چال سے ہلچل
وہ سمندر، میں، ہو پیا بھونچال۔
اور سارے محیط پہ پسرا اس ایسا ڈھینگرا، بے ڈھنگ
زندہ مخلوق میں بلا پیکر، خواب میں یا شناؤ میں، بالکل
متحرک زمین کا للّہ،
گل پھڑوں سے ڈکوستا ساگر، تھوتھنی سے اُگل اگل دیتا۔

کنگنی بھٹ میں، تٹ میں، جھابر میں (کوتا)
ساتھ ہی ساتھ انت کے نکلیں چینگے بوٹے کھٹک کھٹک انڈے
ہوں نمودار جونہی یہ ترخیں، لوتھڑے سے بچونگڑے، بچڑے
تیز اگیں پر پرپرزے اور اور رواں، حاصلِ جمع سے بھریں باڑے،
محوِ پرواز باد میں بالا، ٹھنٹھنا کر ٹکر ٹکر دیکھیں
وہ زمیں کو بڑی حقارت سے دور لیٹی ہوئی گھٹاؤں میں ——
آشیاں لق لق و عقاب کنام
واں سرازیری و صنوبر کی چوٹیوں پر کیا کریں تعمیر
بعض اکیلے دکیلے طیرانی، ان علاقوں میں، بعض باہم جنس
گاؤدم فانہ شکل ترتیبیں باندھ کر ڈار میں روانہ تھے۔
وہ رتوں کے مزاج داں، اکثر کارواں سبک خرام کے ساتھ
ساگروں اور خشک بھومی کے اوپر اڑتے ہوئے بلندی پر
ہمصفیری کے لطف سے اپنی سہل پرواز کرتے جاتے تھے
یوں سمجھدار کونج سالانہ سفر اپنا پون پہ کھیتی ہے،
وہ جو گذریں فضا تھرک اٹھے ان گنت کلغیوں کے پنکھوں سے،
چھوٹے چھوٹے پرند گیتوں سے ٹہنی ٹہنی بنوں میں راس رچائیں
شام تک رنگدار پر پھیلائے۔
نہ کرے عندلیب زار اپنی راگنی بند بلکہ کومل لے رات بھر چھیڑتا ہے بیدار
دیگر اپنے رواں رواں سینے دھوئیں چاندی سی جھیل ندی میں،
نرم ڈھولے پروں کے فرغل میں گردن قوس دار دبکا کر (سفید)
پاؤں پتوار سے ادا کے ساتھ تمکنت راج ہنس کھیتا ہے

چھوڑ کر کچھ کبھی کبھی نمناک اپنے بے لوچ پیرقوں پر ہوں
آسمانِ ہوائی میں پرّاں، گرم رو کچھ زمیں پہ ہی جم کر۔
مرغِ کلغی نما بھی گونجادے چپ سے تیز تیز بانگوں سے
دوسرا بھی دلیلِ زیبائش ہے جسے اک حسین دنبالہ
دھنکوں کے گلال گوں گلدار، نین تارا کے چتر رنگ برنگ
(اک خروس اور دوسرا طاؤس)
آب ماہی سے یوں ہوئے لبریز، یوں فضا مرغ سے ہوئی معمور،
سحر و شام نے منایا پس پانچواں دن (یہ آفرینش کا)
دن چھٹا آخرین خلقیہ نکل آیا سنوارتا سارنگ
اور گاتا ہوا بھجن ــــ بولا تب خداوند جی اٹھے دھرتی
سارے یہ کنبے کٹمب گوت سگوت
سب چرند اور پرند اور درند ــــ لیس جنم آج خاک مٹی سے
حکم ملتے ہی کوکھ دھرتی نے کھول دی یوں ہری بھری، گابھن
زچگی ایک اور جن ڈالی ان گنت ساخت، ادھک سنتان (آل اولاد)
ٹھیک نک سک سے، انگ انگ بھرا،
فرش سے یوں اٹھا دو وحشی جیسے اپنے کچھارے سے نکلے
وہ بیابان میں جہاں پڑ غند، جھاڑ جھنکاڑ بھٹ میں رہتا ہے۔ (ایک پودا)
نر و مادہ اٹھے درختوں سے،
رکھ، چراگاہ، مرغزار کی سمت چل پڑے پھر تمام چوپائے
کوئی کوئی یہاں وہاں ایک ایک، ریوڑوں میں ادھر ادھر ڈنگر
چر رہے تھے گیاہ زاروں میں ــــ خوب تھی جھول جھول افزائش

ہے کلونجی زمین سب دوبی (گھاس والی)

ہے نمودار نصف شیر ببر، گندمی رنگ، پنجہ زن، پیہم
یوں رہا کر کے اپنا پچھلا دھڑ کہ بھرے جست جال کو توڑے
تھرتھرائے ایال چتکبری ـــــ
باگھ بھی، تیندوا بھی، چیتا بھی ـــــ جس طرح کورموش نے اٹھ کر
اوپر ان کے پہاڑیوں کی طرح پھینک دی ہو ملی دلی مٹی۔
تیز طرار بارہ سنگھے کا خاک سے شاخ دار سر ابھرا۔
اپنے قالب سے پھر بدقت فیل جثۂ اکبری میں خاک آلود،
اپنی گھمبیر تا بروں لایا۔
اون اگی گالا گالا لگلوں پر، تیز ممیاہٹوں کا شور مچا
کیفیت ایک پھول بوٹوں سی
نوع مجہول بین بر و بحر ـــــ اب نیلاب کھر کھرے گھڑیال،
وار داک ساتھ ایک دم جو بھی پیٹ کے بل زمیں پہ چلتا ہے،
کرم، بھنگے، پتنگ پروانے
اس طرح نرم پنکھ لہراتے جس طرح پنکھیاں لچیلی سی،
ننھے منے بچے تلے خدخال، وردیوں میں سجے سجائے بدن
ارغوانی طلائی، سبز، کبود، نقش، ہو جن پہ صیف کو نازش
ایک لمبی لکیر کو جیسے ماپتے جا رہے ہوں دھیان کے ساتھ
فرش پر دھاریاں کھنچیں، خاکہ خم بہ خم صاف ابھرتا جاتا تھا۔
جملہ من حیث جاں حقیر نہ تھے، بعض تھے اژدری قبیلے کے
فربہی و طوالتِ طرفہ، کنڈلیاں پیچناک، پھر پردار۔

سب سے پہلے تو چیونٹی رینگی ـــــ اک کفایت شعار بی کہیے
کھائے جاتی تھی فکر بس کل کی، تنگ سینہ میں دل کشادہ تھا،
خیل خیل اک لڑی میں بے تفریق بہر فرد ابھلا نمونہ تھی
وہ مساواتِ منصفانہ کی۔
نحل مشغول جھنڈ جھنڈ آئی جو نکھٹو کا پیٹ بھرتی ہے
کیا مزیدار موم کوٹھڑیاں وہ بناتی ہے شہد شہد بھری
آئے بسیار بے شمار دگر جن کی اقسام کا وقوف تجھے۔
کہ انہیں تو نے آپ نام دیئے ـــــ سو عبث ذکر ان کا دہرانا۔
سانپ تا ہم نہیں ہے نا معلوم
انت کا کائیاں ہے وہ سب میں جو ہیں خشکی پہ جانور موجود۔
بعض اوقات تو درازی اور خون آنکھیں، ایال مویئنہ (ریشمی)
اس قدر خوفناک ـــــ خیر مگر حق میں تیرے ضرر رساں نہیں،
بلکہ ہے تیرے تابع فرماں
آن بان آب تاب سے اپنی عرش اب جگمگا اٹھا سارا،
کر دیا گردشوں کو گردانی، اپنے دستِ عظیم سے ان کو
چکر اکبر محرک اولیٰ دے چکا جب مدار پر اول
خلعت فاخرہ میں یوں ملبوس دلکشی سے زمین مسکائی،
خاک باد آب میں وہ چوپایہ، مرغ، ماہی کا گھومنا، اڑنا، تیرنا، رنگ رنگ کے منظر
باہمہ چہل پہل ابھی تک تو دن (چھٹا) بے تکان جاری تھا۔
ایک کاریگری تو باقی تھی، اک بڑا اہتمام ہونا تھا
اک بڑا واقعہ ـــــ وقوع پذیر

کلھم تا کہ ختم ہو جائے — تمت ایسی جسے کہیں بالخیر،
ایک ہستی کا ہے ورود مزید،
ایک ہستی وحوش دیگری نہ بہیمہ منقش خمانیدہ،
شرف آگہی سے احسن ٹھیک جو ہی قامت استوار رکھے
راست، خندہ جبین، سنجیدہ سب پہ فرمانروائی فرمائے
صاحب، دل خود آشنا، فائق، عرش سے راہ و رسم کا شائق،
ظرف عالی، نیاز مند ایسا
جس جہت سے بھی ہو کوئی احسان، قلب لب چشم سے بصد اخلاص
شکر نعمت ادھر بجا لائے۔
بہ حضور اس عظیم یزداں کے طاعت و بندگی میں جھک جائے
کائنات و حیات و موجودات سب پہ جس نے اسے امام کیا
مبدعِ لم یزل بدیع عظیم (وہ نہیں کون سی جگہ موجود)
روح اللہ سے ہمکلام ایسے صاف سب کو سنائی دیتا تھا
مثل اپنی شبیہہ کے آساں آفریداب کر — احسن التقویم —
وہ مرا عکس ہو بہو — انسان — صاحب اختیار، اسکاراج
جل کی مچھلی، پون کے پنچھی پر — ایک اک جانور پہ دھرتی کے
حشرات تمام پر، جو بھی پیٹ کے بل زمین پر رینگیں —
(سب کہ ومہ پر الغرض یمشی من علی بطن واربع ورجلین)
بعد ذالک خلقنا الانسان،
لقد آدم، کیا گیا تجھ کو بشرِ خوب — خلق من صلصال،
ناک نقشہ سنوار کہ آخر پھونکا تیرے مشام خاکی میں

نفس زیست (نفخت وروحی)

نقل اتاری وہ عین مین اپنی، صاف تصویرِ حضرتِ یزداں۔

صورت مرد تو ہوا تخلیق، کی شریکِ حیات زن تیری

نسل کش، بہر نسل انسانی دی دعا برکتوں کی —— فرمایا

خوب پھولو، پھلو بڑھو، بھر دو یہ زمیں، یاں ہے جو مطیع کرو،

سب مسخر کرو یہ موجودات

ماہی آب اور مرغِ ہوا اور دیگر بھی ذی حیات ارضی

جس جگہ وہ کیا گیا پیدا، (نہیں مختص مکاں بنام کوئی)

پھر، خبر ہے تجھے کیا واں سے یاں حسین کنج زار میں آباد——

یہ حدیقہ جہاں ہے روئیدہ خوبصورت نخیل یزدانی،

خوب مرغوب دیکھیے چکھیے لطف "اقواتہا"، فراوانی،

سب ہے جو اس زمیں کی پیداوار، ہمہ انواع جو مہیا ہیں،

سب نہ جن کا کوئی حساب کتاب —— ذائقہ دار پھل تجھے بخشے،

لیکن اک نخل کا ثمر ممنوع

گر زباں پر کبھی اسے رکھا، خیر وشر کا سمجھ مزا چکھا،

مت پھٹکنا قریب بھی اس کے —— لب وکام ودہن کیا جس دن

اس سے آلودہ چل بسے، جانو، موت اس کی سزا معین ہے

احتیاط، اشتہا پہ رکھ قابو، آنہ لے بے خبر گناہ تجھے

اور دبوچ اجل —— سیہ چاؤش

گفتگو یاں تمام کی دیکھا پھر نظر بھر کر آفرینش کو،

اور پایا تمام عمدہ تھا —— (ہے یہ روداد) دن چھٹا ایسے

سحر و شام نے تمام کیا — پر نہ، حتیٰ کہ آفرینندہ
کام سے ہاتھ روک کر آخر سوئے عرش بریں ہوا عازم
سدرۃ المنتہی، وہ عرش عروش جس جگہ تھی قیام فرمائی،
مدعا یہ، نظارہ فرمائے اب وہاں سے جہانِ نورستہ
سلطنت کا جدید تر الحاق۔ منظر اس کا بلند کرسی سے کیا سہانا تھا کس قدر زیبا،
اس کے اعلیٰ خیال کا پرتو۔
فوق اسوار وہ روانہ تھا، نعرے پیچھے فلک شگاف بلند
نغمگی خیز ہم سرود انگیز ایسے بربط تھے دس ہزار جنہیں
تال سر میں گگن گندھرب کریں۔ (سازندے گویّے)
سب فضا، سب زمیں کھنک اٹھی (تو نے سنگیت وہ سنا ہوگا)
سارے آکاش جھنجھناتے تھے، تارا منڈل تمام بجتے تھے،
سن رہے تھے رواں سیارے، مستقر میں کھڑے ہوئے تارے،
جب کہ تھا شادماں صعود کناں (سوئے منزل) وہ پر جمال جلال۔
باز ہو جاؤ بند دروازو، نغمہ سنجاں عروش وا کر دو تم دھڑ کتے ہوئے کواڑ داب
لائے تشریف تا کہ آ جائے آفرینندۂ عظیم دروں
پلٹ آیا وہ مہتمم بالشان، فارغ گاہ بار ہا، اس کا
کارنامہ وہ ستۃ الایام — کائناتِ تمام — سرانجام،
پھر بھی تم باز ہونا گاہ بہ گاہ، جب خداوند ہوں قدم رنجہ،
مومن و راستباز بندوں کے مسکنوں میں، یہاں بہ نفس نفیس،
یا بہ فیضِ تعلقِ خاطر کریں ارسال آپ احیاناً
اپنے پردار ایلچی قدسی فیض کے نامہ و پیام لئے —

وہ خجستہ جلوس نغمہ سرا رو بہ افراز تھا، فلک نے جھٹ
چوپٹ اپنے حسین پٹ کھولے، وہ بہ صدق و نیاز راست چلا
حرمِ سرمدی میں یزداں کے
اس کشادہ صراط سے جس کی دھول سونا کھرے انجم تھے۔
نظر آتے ہیں جو تجھے انجم نظر افروختہ مجرّہ میں، (کہکشاں)
کہکشاں ایک پر تلہ گرداں تو شبانہ تماشہ کرتا ہے،
غازہ بکھرا ہوا ستاروں کا
عدلکی سرزمیں پہ اٹھلاتی ساتویں شام کا نزول ہوا
سورج اوجھل ہوا شفق پھولی شرق میں پیشوائی شب کو۔
عرش کے شہ نشین قلہ پر، متبرک جبل کے پاس، جہاں
پختہ شاہانہ کرسی یزداں دائماً ہے جڑی ہوئی لاریب،
وہ سعادت مآب آپہنچا — اور مبدع کے قرب میں بیٹھا —
کہ یہ مستور ساتھ ساتھ گیا، باوجودیکہ یہ مقیم رہا،
(ہمہ جائی کو مقدرت یہ ہے) کار ہستی کا حکم فرمایا،
ہمہ اشیا کا بانی و غائی — کام سے فارغ آج ستایا،
برکتوں کی دعائیں فرما کر ساتواں دن سعید ٹھہرایا،
فارغ اپنے امور سے یہ دن (سبت) آرام کے لئے مخصوص۔
— ہاں مگر پاک مون برت نہیں —
چنگ و بربط رہے نشاط افزا، بین مزمار، دف، النکھاری،
دھیوت، ارغون پر، نکھاد، رکھب،
سموادی و وادی تکموں پر، سندریوں پردوں اور تاروں پر

وہ ملائم، لطیف، شیریں، نرم
تان پلٹے، الاپ، استھائی، سُر مدھر دکر در بل اندولت
ماروائی اساوری، بھیروں — ایک سے ایک ٹھاٹھ سمپورن،
اٹھ کے زرین عُود دانوں سے، دھونیوں کے معطر ابروں نے
راسیٔ قدس کو لپیٹ لیا۔ (پہاڑ)
گا ھبارا اور آفرینش کا گیت گایا — نشید خلقت کا:
کار خانے شکوہ مند ترے جاج قدرت تری لامحدود،
کس تصور کی یہ بساط کرے تیرا حیطہ، زبان کو مقدور
کب تری ذات کا بیان کرے
ہاں بسا پس تفکّروفی صفات، بسکہ، بس، لاتفکّروفی الذّات
تری عظمت کو چار چاند لگے بڑھ کر ان باشمقچیوں سے کہیں (ف)
(اہرمن، اہرمن کے دوست لعین)،
رعد ٹوٹے بلائے جان بنے آفریدن پہ یہ کہیں افضل
آفریدہ کو میٹ دینے سے،
کس میں جرات ہے خسروِ اعظم زک تجھے دے، کرے تراش خراش
سلطنت کی حدود میں تیری،
سہل سارے مفاخرانہ عزم مرتد ارواح کے کچل ڈالے
سعیٔ ناکام غرّہ پرور کی، ختم سب زعمِ کفر سامانی
کہ پرستار کاٹ کر تجھ سے چند در چند، ضعف پہنچائیں
آس زائل تجھے خفیف کریں
بلکہ وہ اپنے مکر کے برعکس تیری قوت کا آپ مظہر ہے،

تو کرے شر اسی کا استعمال خیر جس سے مزید پیدا ہو۔
کوئی دیکھے جہاں یہ نو تعمیر، یہ نیا عرش، باب عرش سے جو
فاصلے پر نہیں — کہ سامنے ہے عرش کے آئینہ پہ نیو اس کی
عرش کا آئینہ — یہ بحر زجاج
وسعت ایسی کہ بیکراں کہیے جس میں وہ ان گنت ستارے ہیں،
ہے مقدر ہر اک ستارے کا شاید آبادگاہ ہو جانا
تجھ کو ان کے تغیرات کا علم
ان میں ہی مستقر ہے آدم کا — یہ شرابور بحر زریں میں
ارض ان کا حسین مسکن ہے
بندگاں خوش نصیب سہ گونہ، اور فرزندگاں، جنہیں یزداں
ایسا اقبال مند فرمائے، منعکس اپنے عکس میں کر دے
یہ کریں اس کی بندگی واں پر، اس صلے میں وہ بخش دے توفیق
بر و بحر و فضا میں اس کے سب شاہکاروں پہ راج فرمائیں
حق پرستار نیک بندوں کی نسل افزائشی میں ہوں مصروف
ہیں وہ سہ گونہ خوش نصیب اگر خوش نصیبی کا درک ہو ان کو۔
راست بازی کو برقرار رکھیں۔

زمزمہ سنج یوں رہے سارے، ورد اللہ ھو کی تسبیحیں،
غلغلہ مچ گیا سر افلاک، اس طرح التزام سبت ہوا
جان لے، التجا ہوئی پوری، کہ یہی استفسار مجھ سے تھا۔
کس طرح ابتدا میں دنیا تھی، کیسے اشیا ظہور میں آئیں،
اس تری یادداشت سے پہلے کیا ازل میں ہوا وقوع پذیر؟

بے کم و کاست وہ بیان ہوا کشف احوال ہو گیا تجھ پر
تا کہ اخلاف پا کر آگاہی
اس تری معرفت سے نسل بہ نسل ان کے بارے میں مطلع ہو جائیں
اور اگر تیرے جی میں باقی ہے اور بھی ٹوہ مار دا کی لے
اور پھر ٹوہ بھی نہ ہو بیرونِ فہم انساں کی بساط سے — بول!"

فرہنگ

شماسہ جمع شماس — بہ معنی راہب' یہاں مراد ملائک
حفرہ — گڑھا' — بے غایہ' بیکراں' مراد بیکراں خلا
اکواب جمع کوب' وہ پیالہ جس کی ہتھی اور ٹونٹی نہ ہو۔ مگجا۔
باشمقچی — (ترکی) گرگے' رکابدار

دفتر ہشتم

تلخیص

آدم گردشہائے سماویہ کے بارے میں معلومات کے خواہاں ہیں۔ انہیں گول مول جواب ملتا ہے، ساتھ یہ تاکید:

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

انہیں ایسے امور کی جستجو میں ہلکان نہیں ہونا چاہئے، جن کا علم ان کے واسطے لازمی نہیں۔

آدم یہ نکتہ سمجھ جاتے ہیں، تاہم رفاعل کی صحبت سے چونکہ ابھی جی نہیں بھرا تھا، اسے ٹھہرانے کے لئے اپنی رام کہانی چھیڑ دیتے ہیں۔

یزدان سے خلوت میں کیا گفتگو ہوئی، اپنے لئے کیوں کر جیون ساتھی کی خواہش کا اظہار کیا۔ پھر حوا سے ملاقات اور ازدواجی معاملات کا احوال۔ اسی موضوع پر فرشتہ سے چندے اور تبادلہ خیال۔

وہ انہیں مزید ہدایات دیتا ہے۔ نافرمانی سے احتراز کی تلقین کرتا ہے اور آخر کار رخصت ہو جاتا ہے۔

چپ فرشتہ ہوا مگر اس کا شکریں نطق گوشِ آدم میں
یوں رہا زمزمہ نواز انہیں ایسا احساسِ ظن یہی چندے کہ بدستور ہمکلام ہے وہ،
یہ بدستور جیسے کان دھرے لطف پیما، کھڑے ہوئے مبہوت۔
نیند سے چونک اٹھے ہوں پھر جیسے، اور سراپا نیاز یوں بولے:
کون سا امتنان کافی ہے یا مکمل معاوضہ ایسا
جو کما حقہ، ادائیگی ہو؟
کی فرو سرمدی مورخ خوب یہ تجسس کی تشنگی تو نے،
عین یہ بندہ پروری تیری
فاش نکتے کئے محبانہ جن کی از خود دقیق تھی تحقیق۔
اور میں بھی تمام وقت رہا ہمہ تن گوش شوق وافر سے
کر کے منسوب شانِ کل جیسے یہ ہے شایانِ کردگارِ عظیم
ایک الجھن ہنوز باقی ہے رفع ہو جائے تو جو حل کر دے۔
جب نظر ڈالتا ہوں اسا عمدہ نظمِ عالم پہ۔ مشتمل جو ہے
ان سماوات وارض پر، پھر میں حجم ان کا لگاؤں تخمینہ،
تو زمیں ایک تل ہے اک ذرّہ، محض مثقال روبروئے عرش
اور پیشِ نجومِ لاتعداد جو ہیں مگھم خلاؤں میں گرداں۔
(ہے دلالت یہ فاصلہ اس پر، یہ بسرعت مراجعت یومی)
آفریدہ یہ سب کہ ہوں ضوریز غیر شفاف ارض کے اطراف——
یہ بہ جا نقطہ——بہر یک شب روز
رائیگاں ورنہ راہ پیمودی ماسوا کل دراز و دور کی ہے

پھر ز روئے دلیل اچنبھا ہے،
جز رس و ہوش مند فطرت سے سرزد ایسے عدم تناسب ہوں
یوں وہ اجرام احسن و اعلیٰ دستِ وانی سے آفرید کرے
چند در چند، بہتر و مہتر بہر خدمت گذاریٔ ادنیٰ؟
ہے صریحاً تو آشکار یہی۔
لازماً ان کروں پہ عائد ہو بے قرار انقلاب اعادہ وار
یوم فی یوم — گو نشستہ ارض نسبتاً اک قلیل پاٹ میں بھی
سفر آسودہ گام طے کرتی۔
پیش کار اس کے برتر و اشرف، کام بیٹھے بٹھائے چلتا ہے
لے رہی ہے خراج یہ رانی۔
تیز رفتار غیر ادار کی سفرِ بے حساب یہ اس کی روشنی، یہ حرارت و رفتار
کیا کرے کوئی شرح طراری، عاجز آتے ہیں ہندسہ و اعداد"
یوں ہمارے بزرگوار نے بات ختم کی — رنگِ رخ مگر غماز
غوطہ زن خاص انہماک سے وہ گہری غامض خیالیوں میں ہیں۔
سامنے سے یہ کیفیت بھانپی جس جگہ پر نشستہ حوا تھیں'
پر تکلف نیاز کیشی سے کافر انداز دلربائی کا
دامن دل کشاں کہ جی چاہے وہ بہارِ نظر وہیں ٹھہرے،
صد بصد ناز کبک دار خرام جانبِ غنچہ و گل و میوہ
پود گھر میں مشاہدہ کرنے خود کلی پھولتی، پھلی پھلتی۔
آمدن باعث شگفتن ہے،
سحرِ حسنِ نگاہداری سے شادمانہ وہ لہلہا اٹھے

نہ وہ رخصت ہوئیں کہ دلچسپی گفتگو سے نہیں تھی خاص انہیں
یا تھا موضوع ہی ادق ایسا متحمل نہ گوش نازک ہو۔
بلکہ منظور تھا کہ اکلوتی اپنے آدم کی سامعہ وہ ہوں۔
جانب یار خوشگوار رجوع، اک کہے اور سنا کرے دیگر،
پھر یہ احساس لذت آگیں بھی کہ بہک کر وہ شوخ دلدادہ
گاہ آمیزشِ بعال کرے لاعبانہ سخن میں دانستہ (ف)
لب دلدار سے برائے نشاط مطلب الفاظ سے فقط کیوں ہو
اب وہ زوجین دلنواز کہاں،
چاہ، چاؤ، رچاؤ کے سندر آبرومند باہمی بندھن؟
روپ مکھ پر سجائے دیوی سا تھیں خراماں، مگر نہیں تنہا
ملکہ سی، جلو میں ساتھ لئے دیومالائی اردبیگیاں (کنیزیں)
(یوفروزینہ، تھالیہ، اگلئی — اپسرائیں کہ روپ دان کریں)
اس حسینہ کے چار سو، آنکھیں تیر برسائیں یہ تمنا کے
وہ جمالِ نظر نواز تھے
الجھن آدم نے جو بیاں کی تھی، اس تدارک کو اب رفاعل نے
پاسدارنہ خوش مزاجی سے بہ ایں الفاظ انہیں خطاب کیا:
"یہ تجسس ترا، یہ استفہام، دوش دیتا نہیں تجھے، لیکن
یہ فلک سامنے مرتب ہے دیکھ مثلِ صحیفہ یزداں،
اس کے اندر مطالعہ کر لے حیرت انگیز ماجرا اسارا
کہ ہوں معلوم موسم و اوقات، دفترِ یوم و ماہ و سال تمام،
اور یہ درک بھی کہ چکر میں ہے فلک یا زمیں — بعید نہیں

تو کرے گر درست اندازہ۔

مابقیہ کمالِ حکمت میں کارسازِ مجید نے پنہاں کر دیا آدم و فرشتہ سے۔

بہرِ تدقیق آشکار اسرار نہ کئے ان پہ ہے جنہیں واجب

صرف اس کی ستائشیں کرنا۔

منتہائے قیاس آرائی چھوڑ دی ساخت آسمانوں کی

باہمی رد و قدح پر ان کی،

آپ محظوظ خوب ہو گروہ کل کلاں لائیں دور کی کوڑی،

باشگونہ گمان، دوراز کار ڈول آکاش کا بنائیں جب، (الٹے)

یا ستارے گنیں وہ اٹکل سے۔

وہ لڑائیں گے کون سا منطق کہ سنبھالیں یہ بیکراں ڈھانچہ،

(یہ زبردست بے ستوں محراب) ساختہ چوں، چگونہ برکندہ؟

اور ان مظہرات کی تاویل،

اس فضا پر بہ طور حلقہ بست مرکز الارض و خارج المرکز،

کل نگارشتہ یہ گرہ بہ گرہ، دور اس کے محیط میں دوراں؟

عقل آرائیوں سے میں تیری کر رہا ہوں ابھی یہ اندازہ،

تو ہدایت نمائے نسل بنے۔ یہ تجھے دغدغہ ہے، خدمت پر

کم اثر بے فروغ کی مامور کیوں ہیں رخشاں کلاں کلاں اجرام،

کیوں دو دیدہ سفر پہ عرش ہے یوں، کیوں وتد پر زمیں مگر ساکن (لفظی معنی کلّی)

استفادہ کرے تنِ تنہا؟

نکتہ اول تو ہو یہ ذہن نشین ــــ

ڈیل ڈول اور چمک دمک کوئی شرفِ ذات کی دلیل نہیں۔

آسماں کے مقابلے میں ارض لاکھ کوتاہ بے شعاع سہی،
عین اغلب مگر یہ نفع رساں مہر سے وافر و وقیع ملے،
وہ ضیا پاش ہے پہ یہ خوبی ہے خود اپنے لئے فضول اسے
کار آمد ہے جو زمیں کے لئے،
اولاً پیشوائی کی کہ ہوئی یافت برنائی و توانائی مہر کی ٹھس شعاعوں کو اس جا،
حسنِ خدمت پہ مستعد ایں طور نیّراتِ منوریں سارے
خاطر ارض کو نہیں بلکہ ساکنِ ارض تیرے واسطے ہیں۔
عرش کا حلقۂ بسیط و عریض — سو یہ منہ بولتا ثبوت بنے
سطوتِ کردگار کا جس نے یوں کشادہ اسے بنایا ہے۔
دور اس کا وتر دراز کیا تا رہے آدمی کو آگاہی
کہ وہ فی نفسہٖ مقیم نہیں — بند اس مختصر سے خانہ میں
آدمی کی بساط کیا معمور کر سکے اس قدر بسیط رواق،
اور باقی سو واللہ اعلم بالصواب — ان کی مصلحت کیا ہے؟
متعین مکاں و دوائر کی، گرچہ بے حد یہ برق رفتاری
قدرتِ کاملہ سے اس کی ہے،
جو قریباً دوشِ مضاف کرے مادّی جوہروں میں روحانی —
تو مجھے بھی نہ سست گام سمجھ، عرش سے ہے جہاں مقیم ایزد،
پو پھٹے میں چلا تو آ پہنچا دو پہر تک عدن میں، طے کر کے
فاصلہ جو نہ کر سکیں ہندسے متعین یہ نام دار تمام۔
مان کر آپ ہوں مصر لیکن حرکت میں ضرور ہیں افلاک
کہ صریحاً کھلے بڑا بود اشک ہے، دل کا جو اس سے پیدا ہے۔

یوں میں توثیق بھی نہیں کرتا
یوں اگرچہ دکھائی دے تجھ کو یاں بسیرا زمیں پہ جس کا ہے
حکمت اس کی شعور انساں سے ماورا ہو، فلک سے یزداں نے
دور اتنی زمین رکھ دی ہے
چشم خاکی جو ہو قیاس آرا لامحالہ مغالطہ ہو جائے
عالم ہست و بود وہ ارفع، بات گُر کی نہ کوئی ہاتھ لگے
کیا ہے جو آفتاب محور ہے اس جہاں اور دگر کواکب کا،
اپنے وصفِ کشش سے اور ان کی، متحرک جو گرد در قصیدہ
کئی ہالے بنا کر اس کے ہیں؟
ان کی گشت و گزار جب افراز، اب نشیب اور تب نہاں، پس رو
پیش انداز یا اچل نرچت،
ستہ سیارگاں میں تو نگراں، ارض سبعی یہ ان میں سیارہ
ظاہراً استوار لیکن ہے غیر محسوس طور پر گرداں
مختلف تین حرکتوں میں رواں (یومیہ، محوری، مداریہ)؟
لازماً ورنہ تو یہ گردانے دیگر اجرامِ چند پر محمول،
کج اریبوں میں گامزن، معکوس، یا مشقت نہ مہر پر ڈالے،
یہ سمجھ لے شبانہ ویومی جو معین، سریع، ہر صورت
سارے تاروں کے پار اوجھل ہے، رات دن کا (گھماؤ پہیہ ہے)
پھر تجھے زحمتِ یقیں کیسی،
خود زمیں، خوگرِ مشقت گر، دن ہویدا اگرے سفر کر کے روز مشرق کی سمت تدریجاً
یوں کرے، مہر کی شعاعوں سے طبقِ منحرف کو شب بکنار،

تابدار اس کے نور سے دیگر
گر فرستادہ روشنی اس کی پار جو بہمین وصافی سے (بہت چوڑی)
بزِ مہتاب کو ستارہ صفت نور آرا بوقت روز کرے،
جس طرح وہ بوقت شب اس کو — یوں بہمدیگر — اور اگر واں پر
کھیت، میدان، لوگ ہوں موجود؟
داغ اس میں سحاب آسا دیکھ، پھر کہیں یہ سحاب اگر برسے
مینہ اگا دے پھلوں کی ایک منڈی گوندھ کر نرم نرم مٹی کو،
چند جن کی وہاں اقامت ہے اس سے کام ودہن کو شاد کریں
کئی سورج دکھائی اور بھی دیں ساتھ حلقہ بگوش چاندوں کے
روشنی ریز اور پرتو گیر،
یہ اہم دو نرینہ و مادین، جن سے دنیا کا دل دھڑکتا ہے،
ہر کرہ میں ذخیرہ یہ شاید بعض کے پاس، ذی حیات ہیں جو
ایسی فطرت کی ژرف پہنائی، اور ذی روح سے تہی یکسر
ہو کا عالم اجاڑ بن، سنسان، صرف ضوافگنی سے کام جنہیں
وہ بھی اندک، ہر اک کرے کے لئے ہو فراہم ذرا سا چمکارا،
پھر اس آبادگاہ کو اتنی دور تک بھی ضرور ارسال
روشنی، جو انہیں کو لوٹا دے — مسئلہ کلیتہً ہے بحث طلب۔
لیکن آیا بعینہ یہ امور ہیں اسی طور یا نمط دیگر
آسماں پر طلوع ہوتا ہے حاویٔ ارض ہو کے سورج، یا
ارض کو فوقیت ہے سورج پر،
شعلہ زن رہگذر پہ پورب سے وہ روانہ ہے یا خرامیدہ

اپنے گم سم سفر پر پچھم سے بے ضرر چال میں یہ لٹوسی
زم محور پہ محوِ خواب سی ہے جبکہ آسودہ گام، مست خرام
لے کے آرام سے تجھے بر دوش اس ملائم ہوا میں تیرتی ہے
کر نہ ہلکان مفت ذہن اپنا، غیب و اسرارِ غیب کی خاطر
جملہ بالا حوالۂ یزداں۔
بن سراپا نیاز کی تصویر، خوف، خدمت، خیال خواب اس کا،
اور دیگر تمام موجودات من یشا کی دلیلِ محکم جان،
جان لے ہیں بہ جادہ جس جا ہیں —— کام جس کا ہے یا اسے سا جھے
تو مگن رہ عطا ہوئے تجھ کو باغِ فردوس، دلربا حوا،
عرش اتنا بلند و بالا ہے درک احوال ہے محال اس کا،
مرد دانا فروتنی اچھی۔
کام سے کام، فکر تن من کی، دور کون و مکاں کے خواب نہ لے،
ان جہانوں میں کون ہے آباد، کون سے روپ انوپ کی جنتا
حیثیت، حال، حد، حساب کی ہے؟
ہو تشفی کہ منکشف تجھ پر بے کم و کاست جو کوائف ہیں
فرش کیا بلکہ عرشِ عالی کے

....

ہو گئی دور الجھن آدم کی، تو جواباً ہوئے وہ یوں معروض:
"کی تسلی مری متین ملک، اے مکمل فراستِ عرشی،
مخمصوں سے رہا کیا مجھ کو، بے حد آساں سکھا دیئے تو نے
سارے آداب زندگانی کے —— سرِ حکمت بما کہ گوید باز؟

کیوں پریشانی خیالیوں کا زہر گھولئے خوشگواریٔ جاں میں
حکم یزداں ملا کہ دور رہیں سب تردد پذیر اندیشے،
نہ کریں دق ہمیں — بمصداق بیل آمار، آپ ہم کرلیں
جی کا آزار، روح کی سوہان بے سروپا خیال، لغود ھنیں۔
پڑگئی ذہن ظن کو لت ایسی مارے مارے یہ بے لگام پھریں
اور آوارگی کی منزل کیا!
تجربہ ہو، سبق ملے کوئی تب یہ ممکن ہے کچھ پڑے پلے
علی الاطلاق کس لئے آخر کوئی ہلکان ان امور میں ہو—
دور از کار، مبہم اور دقیق؟
لیکن اشیائے روزمرہ کی کیفیت کا وقوف لازم ہے
کہ یہ دانائی سے عبارت ہے
ماسوا فاسدہ بخارات اور خیرہ چشمی ہے یا تہی مغزی۔
اور کردے (سعی لاحاصل) متعلق امور میں بے مشق
اور بے التفات بھی ہم کو اور مجنونِ جستجو بھی مزید۔
تج کے پس یہ بلند بانگ فضا آؤ نیچی ذرا اڑان کریں۔
کیجئے موضوعِ گفتگو چندے قرب میں جو امورِ مصرف ہیں
گر بہ دوران برسبیلِ بیاں کچھ سخن گسترانہ بات آئے،
بے محل ہو نہ شوقِ استفسار، تو اجازت یہ مرحمت کرکے
اپنی مخصوص مہربانی سے کیا عجب گر نواز تا جائے۔
قصہ تیرا سنا، وقوع پذیر جو ہوا میری یادداشت سے قبل،
سن مری سرگذشت اب مجھ سے یہ نہ شاید ہوئی ہو گوش گذار—

اور دن بھی ابھی نہیں بیتا — خیر جب تک تجھے ہو یہ احساس
کہ تجھے روکنے کی خاطر ہی شیوہ و اہتمامِ پرفن ہے
ہمہ تن گوش سن حدیث مری،
ناحق البتہ — گر توقع ہو یہ غلط ملتفت نہ تو ہوگا —
بات یہ ہے کہ تیری صحبت میں ہوں ورائے نعیم گویا میں
اور تیرا سخن بگوش مجھے ثمرِ نخل سے بھی شیریں ہے۔
اس گھڑی سے زیادہ لطف انگیز
بعد محنت ملے لزیذ طعام چھک کے جب بھوک پیاس دونوں کو
طلب ان کی تمام ہوتی ہے سیر ہوتے ہی جلد جی بھر کے،
تازگی بخش کیفیت، لیکن سخنِ دلپذیر تیرا تو
سرمدی برکتوں میں آمیزہ، ان کی آسودگی نہ سیر کرے"
ملکوتی ادائے حلم سے یوں تب رفاعل جواب میں ان کو:
"لب ترے ہیں ابو بشر بے طرز نہ ترا نطق بے فصاحت ہے
کہ نعم بے حساب یزداں نے کیں نچھاور دروں بروں تجھ پر
تو کہ اس کا جمیل پرتو ہے
لب کشائی ہو یا زباں بندی روپ ہے، آن بان ہے، چھب ہے،
لفظ اس طرز سے ادا گویا ایک تصویر سی بنا آئے۔
تیری بابت زمین پر، ہم میں ہے سرِ عرش ذکرِ خیر بہت
جیسے باہمد گر ہو یاروں میں۔
شاد جویا، اس آدمی کے ساتھ خوب راز و نیازِ یزداں ہیں
شاہد اس پر اسے شرف بخشا، بلکہ یزداں نے مرحمت فرمائی

کامل اپنی محبت انساں کو۔
چھیڑ تو اس لئے کہتا اپنی کہ میں اس روز غیر حاضر تھا
واقعہ یوں ہوا کہ حسب الحکم دور میں اک مہم پہ، دوزخ کے
بابہائے خراب کی جانب، سفرِ مخفی و مہیب میں تھا۔
اک مکمل قشون صف بستہ (تھی ہماری چنیں کمیدانی)
کہ رکھیں ہم کڑی نظر، نہ کرے کوئی جاسوس یا غنیم خروج
جب ہو یزداں بکارِ خود مصروف۔
خیرہ چشمانہ ایسی شورش پر وہ مبادا غضب میں آجائے
اور تخلیق میں فنا بھر دے
یہ نہیں ہے معاملہ، ان سے ممکن اقدام ہو بغیرِ اذن،
لیکن اس نے ہمیں کیا ارسال بطریق امرِ عالی سرکار
مقتدر بادشاہ کی صورت کہ ہوں فی الفور خوگرِ تسلیم
ہم نے دریافت کرکے سختی سے جھٹ بھیانک کواڑ بھیڑ دیئے
اور مضبوط کی دھس بندی۔
آئے بھی تھے نہ ہم ابھی نزدیک کہ دروں شور و غل سنائی دیا،
یہ نہ آہنگِ رقص و نغمہ تھا،
بلکہ ہنگامہ خیز چیخم دھاڑ — کرب شوریدہ، شیون و زاری۔
ہم بخوشِ شامِ سبت سے پہلے لوٹ آئے سواحلِ ضو کو،
یہ ہمارے سپرد قضیہ تھا۔
سرگذشت اب مگر تری، میں ہوں ہمہ تن گوش، کم نہیں مجھ کو
انبساط آفریں سخن، جس قدر تھا مرا کلام تجھے

دیوتا روپ اس فرشتے نے یوں کہا، پھر بزرگوار اپنے
آدمی کو محال ہے بے شک کہ وہ بتلا سکے ہوئی کیسے
ابتدائے حیاتِ انسانی — کس کو معلوم ابتدا اپنی؟ (فَصمت ہاہنا لسان القال)
حیلۂ آرزو ہے اک تجھ سے صحبتِ گفتگو دراز چلے۔
آپ کو میں نے خوابِ نوشیں سے ہو کے بیدار جس طرح پایا
گدگدا سا دراز گلِ آگیں دوب پر روغنی عرق میں تر،
تھا بساندی نمی سے میں سیراب
تیز سورج نے گرم کرنوں سے پھر مجھے خشک کر دیا اک دم۔
چشم پُر اشتیاق تب میں نے منعطف سوئے عرش کی سیدھی،
ٹکٹکی باندھ کر دیکھا آسمانِ کثیر کو چندے،
پھر جبلی سریع حرکت سے ایک دم جست فوق کی، گویا
سعیِ پرواز آں جہت، لیکن پا بہ استادہ مستقیم ہوا۔
کھل گئے گرد و پیش آنکھوں پر
کوہ و میدان و وادی و صحرا، سایہ دار اور دھوپ میں اجلے
اور سیال نرم نرم بہاؤ زمزمہ خیز آبجوؤں کے،
مترنم طیور شاخوں پر، پھول افشاں شمیم سے لبریز،
حرکت مند زندگی ہر سمت خوش رمیدہ، روندہ بال کشا
ہر طرف نت نئی نئی مخلوق
ہر کجا چشمۂ بود شیریں — ماہی و مرغ و مور بر آیند!
ڈال کر پھر نظر سراپا پر جائزہ عضو عضو کا لینا:
نرم عضلات، جوڑ لچکیلے — رم کناں میں کبھی خرامیدہ

چاق و چوبند — دے توانائی جس قدر بھی قدم قدم تحریک!
مطلقاً تھی مگر نہ آگاہی — کیستم، از کجا ئم، اصلم چیست؟
کی جو سعیِ سخن، ہوا گویا، جھٹ زبان، ہمنوا بنی میری،
اس طرح میں سخن طراز ہوا، شمس! تو نورِ خوشنما، بے شک
تیرے دم سے زمیں منور ہے، اس قدر دیدہ پرور و شاداب۔
جنگلو کھیتیو، ندی نالو، گھاٹیو اور وادیو — تم بھی،
خوش شکل اہلِ حیات و حرکت تم — گر کیا ہے مشاہدہ، بتلاؤ
میں، بتاؤ چہ طور ایں صورت معرضِ ہست میں یہاں آیا؟
نہیں بالذات اگر، کسی اعلیٰ آفرینندہ کی بدولت ہوں،
وہ جمال و مجال میں خالق۔
کس طرح یہ بتاؤ پہچانوں، کس طرح بندگی کروں اس کی
جس کے فیضِ کرم سے میں ایسا صاحبِ حرکت و حیات ہوا،
میرے ادراک سے زیادہ یہ میرا احساسِ شادمانی ہے؟
جب کہ دیتا ہوا ندائیں میں یوں نجانے کدھر تھا آوارہ
سانس پہلے پہل ہوا میں لیا اور مبارک یہ روشنی دیکھی۔
خامشی اک مگر جواب میں تھی۔
سخت دلگیر ایک سایہ دار مخملیں گُل شکر کنارے پر
گر پڑا میں نڈھال، پہلی بار — خوابِ شیریں نے آلیا مجھ کو
اک غنودہ لطیف حالت نے میرے احساس کو دبوچ لیا۔
میں بہت شانت تھا پہ لگتا تھا سابقہ کیفیت میں پھر بے سدھ
دھنس رہا ہوں کہ میرا شیرازہ جھٹ بکھر جائے گا یہ دوبارہ۔

تب اچانک سرہانے اک سپنا اپنے طیفِ دروں سے جنبدہ
طرزِ احسن سے تاکہ ظن میرا یہ رہے استوار — قائم ہوں،
ہے بدستور سب وجود مرا اور میں تاہنوز زندہ ہوں،
کوئی آیا، گماں ہوا کوئی پیکرِ قدس زمزمہ زن تھا:
خیز ہے عصرِ منتظر آدم، اول الناس جدِ پیشینی ہے
یہ مقدر ہے تیری پشت سے ہوں مردم غیر ممکن ال تخمین۔
دی ہے تو نے ندا سو ہوں موجود رہنمائی کو باغِ راحت تک،
مسکن آرام دہ وہاں تیار"۔
یہ کہا ہاتھ تھام کر اس نے پھر اٹھایا مجھے، چلا لے کر
کشت زاروں میں جوئباروں میں،
دوش بادِ نسیم پر رپٹے، بے اٹھائے قدم روانہ تھے۔
لے کر اونچی سپاٹ چوٹی کے بن اٹے اک پہاڑ پر پہنچا،
اک احاطہ حصار بند وسیع، خوبصورت درخت روئیدہ،
اک خیابانِ برگ پوش حسیں
ارض پر جو مشاہدہ کیجئے، ہر سماں اس سے خوش نما کم کم
ہر شجر باردار، آویزاں خوبصورت ترین پھل میوے
بھوک میری چمک اٹھی یک دم، جی کرے منہ میں توڑ کر رکھ لوں۔
کھل گئی آنکھ تو حقیقت کے روپ میں سامنے نظر آیا
خوب منظر نما جو خواب میں تھا۔
رہ نوردی اسی طرح رہتی وہ مرا راہ بر درختوں سے خود پدیدار گر نہ ہو جاتا۔
سر بسر ایک سرمدی جلوہ

شادمانی سے احترام کے ساتھ میں نے اس کے قدم لئے جھک کر۔

تب بہ تمکینِ تمام اس نے یہ اٹھا کر کہا مجھے —— "میں ہوں
تھی تجھے جستجو یہاں جس کی،
صانعِ کُل ہوں جس کا شاہد تو فوق و چو گرد و تحت اپنے ہے۔
میں نے فردوس کی ہبہ تجھ کو، لے سنبھال اب یہ ملکیت اپنی
کاشتن داشتن ترا ذمہ۔
لہلہاتا ہے نخل نخل پہ جو کر ثمر نوش جان جی بھر کے
کال کا کوئی ہو نہ اندیشہ۔
ہاں مگر اک شجر پہ بندش ہے —— جس کی تاثیر سے ابھرتا ہے
خیر و شر کا شعور —— اور یہی
تیرے ایمان اور طاعت کی میں ضمانت قرار دیتا ہوں
یہ امر پیڑ وسطِ باغ میں ہے، یاد رکھنا تجھے ہے یہ تنبیہ
کر حذر تو اسے نہیں چکھنا کہ بری عاقبت سے بچ جائے۔
ہو خبردار، کچھ چشیدا اس سے تو نے جس دم کیا —— بغاوت کی
یہ میرا امر امتناعی جان
موت آئے گی لازماً اس دن، ہو گی مبرم قضا تری تقدیر
اور فانی قرار پائے گا۔
اک جہانِ ملال و حرماں میں تو یہاں سے جلاوطن ہو گا
صادر اس نے بڑی خشونت سے کی یہ سنگیں ممانعت، اب تک
اس تکلّم کی گونج کان میں ہے —— قدغنِ رعب دار، تاہم تھا
خود مرے اختیار میں، بس میں نہیں ایسا ارتکاب کروں۔

جلد پھر طرزِ صاف میں اپنی سخن دلنواز کی تجدید:
"نہ فقط خوش نما یہی رقبہ بلکہ ساری بساطِ ارض تجھے
اور تری آل کو مری بخشیش، قبضہ مثلِ خدیو لے اس کا،
تیرے چاکر ہیں جو بھی اس میں ہیں — جو ہوا میں ہیں، جو سمندر میں
ماہی و مرغ و دام و دد سارے۔ (ف)
بدلیلِ ہمیں پرند چرند ایک اک نسل نسل پر اپنی
تو ذرا ان کا تسمیہ کر دے
یاں پہ کرتا ہوں سب طلب حکما، عاجزانہ اسامیوں کی طرح
دم بھریں گے تری غلامی کا
ہو قیاسِ ہمین ماہی پر خانۂ آب میں رہائش دار
طلبی سے یہاں کی ہے معذور،
دم کشی بادِ نرم میں ہے محال یاں اسے قلب ماہیت کر کے"
جب یہ ارشاد اس نے فرمایا، دیکھ حاضر ہوئے وہاں زوجین
ہر پرندہ، ہر ایک چوپایہ
سر یہ نخرے سے پست نیہوڑائے، پنکھ پر خم ہر اک پکھیرو تھا
وہ جو گذرے تو نام ٹھہرائے، کچھ خصائل کا بھی شعور ہوا،
کہ مرے درکِ ناگہانی کو آگہی بخش دی تھی یزداں نے
پر مہیا نہیں ہوئی ان سے اک جو دل میں طلب عجیب سی تھی۔
اس طرح میں نے جراتِ اظہار ہستیِ قدس کے حضور میں کی
اے مبارک وہ اسم پاک ہے کیا، وہ فضیلت جسے تمام پہ ہے
افضل انساں سے اور جو افضل نوعِ انساں سے، برتر اس سے بھی

اور مافوق تسمیہ بھی ہے
میں تری بندگی کروں کیوں کر اے زمان و مکان کے خالق؟
ہست کن تو فلاحِ ہستی کا، جملہ بہرہ وری کو یوں وافر
نو بہ نو اس کشادہ دستی سے کر دیا ہے بہم —— کریمانہ،
کوئی لیکن نظر نہیں آتا ہم نمک، ہم نوالہ، ہم سفرہ ——
اور تنہائی میں مزہ کیا ہے، کیا سواد اس اکیلے پن میں ہے
اور اگر کچھ سواد بھی ہو تو حاصل آسودگی کہاں ایسے؟
میں تو بے باک، جلوۂ رخشاں متبسم، مزید رخشاں تر
بجواب اس طرح سخن فرما: ''شکوہ تنہائی کا تجھے کیسا؟
کیا زمین و فضا نہیں معمور جانداروں سے بھانت بھانت کے ہیں
سب کے سب تیرے تابعِ فرمان آئیں بازی کناں ترے آگے،
تجھ کو ادراک کیا نہیں ان کی بولیوں اور رنگ ڈھنگ کا ہے؟
وہ بھی رکھتے ہیں سوجھ بوجھ، ایسی بات تحقیر کی نہیں اچھی۔
ڈھونڈھ تفریح ان کی صحبت میں، راج کر، ہے بڑی تری سرکار''
یہ خداوندِ کل نے فرمایا، تھا یہ منشائے ایزدی میں بھی
لب کشائی کی التجا کر کے یوں بصد منت انکسارانہ
تب ہوا در جواب عرض گذار: —— ''بارِ خاطر نہ ہو سخن میرا
اے مرے کردگار ہوں معروض تو مرا کردگارِ کل بن جا'
تو نے روزِ ازل مجھے اپنا کیا خلیفہ نہیں بنایا ہے۔
اور یہ حیثیت میں ہیچ کیے؟
باہم ان میں مجالست کیوں کر جو نہیں ہمگناں بہمدیگر

لطف صحبت کہاں کہ ہمرنگی چاہیے ناگزیر دو طرفہ
دادہ و یافتہ بہ اندازہ نسبت و تناسب ہے
یہ تفاوت ہو گر بجوش جو اک، اس کے باوصف سرد مہر دگر
کیا ہے دل بستگی کا پھر امکاں؟
یوں تو ہو بین جانبین اک سا عالمِ انتہائے بیزاری۔
اس رفاقت کا ہے یہ ذکرِ جمیل متمنّی کسی دلآرا کا
جو بصد ہوش مندئ موزوں بادہ پیمابساطِ قرب پہ ہو۔
جانور کی نہیں ہے یہ اوقات کہ وہ انساں کا ہم جلیس بنے،
جملہ ہم جنس مست باہم جنس، باز مادہ شریکۂ نرباز،
شیر با شیر زن، شریک حیات جوڑ موزوں ملائے یہ کیسے
مرغ ماہی میں کیسا میل ملاپ، کب چرندو پرند میلانی
یا رکب بقرہ بوزنہ باہم،
بین حیوانِ ناطق و مُطلق صورت حال اور مہمل ہے،
خارج از بحث ہی اسے کہیئے"۔
نہ برامان کر ذرا، گویا قادرِ مطلق اس طرح بجواب:
"ہے مجھے علم، سودِ خاطر کو یہ نفیس و لطیف ایما ہے
بہر ہم صحبتِ پسندیدہ،
بسکہ آدم نہ لطف چش ہوگا، لطف وافر ہزار ہو — تنہا
کیا مرے سلسلہ میں سوچا ہے، کیفیت پر مری بھی غور کیا؟
تیری دانست میں ہوں میں کہ نہیں خوب راحت نشینِ آسودہ
گو جریدہ ازل کے دن سے ہوں —

(احد ولم یلد ولم یولد)—
کوئی ثانی نہ ہے مثیل مرا، کسی ہمتا کا ذکر ہی کیا ہے،
متکلم ہوں جس سے کون ہے وہ میری مخلوق کے سوا، آخر
آفریدہ جو آپ کی میں نے؟
ذات میری معلیٰ و اولیٰ، ان گنت سلسلے فرو تر کل
جس طرح آفریدگاں دیگر ہیچ سب حیثیت میں تجھ سے ہیں
چپ ہوا وہ تو یوں مودب میں "اے جز و کل کے والیٔ والا،
بالِ فکرِ بشر تو قاصر ہے ابدی سنتوں کی گیرائی اور گہرائی تک رسائی ہو،
ذات قدوس میں ہے تو اکمل، کسر تجھ میں نہیں سرِ مو بھی،
آدمی کا قماش دیگر ہے۔
باعثِ عند یہ ہے تدریجاً ہم کلام ایک ہم نفس سے ہو
تب ذرا تقویت ملے اس کو، اس ذریعے سے رفع کوتاہی۔
نہ تجھے احتیاج افزائش، ہے تری ذات آپ لامحدود
اور جملہ صفات مطلق ہیں— وحدک لاشریک تو لاریب—
بشر اپنی صفات سے مظہر اپنے مفرد ادھورے پن کا ہے،
مثل سے مثل کا مولد یہ نسل افزا شبیہ کا خود ہے،
اپنی وحدت میں ناتمام، ضرور جگری رابطے کا حاجت مند،
داد خواہ محبتِ طرفین۔
بزم خلوت میں تو وحید سہی، لیکن احسن رفیق ہے بالذات،
مجلسی اختلاط کا خواہاں تو نہیں، بے نیاز آسودہ
تجھ کو قدرت ہے دست پروردہ ہو تر اصاحبِ عروج اتنا

کہ بہ پیوستگی و ہم ربطی مظہر ذات کبریا بن جائے
قم باذنی سے کر نہیں سکتا کوزپشتوں کو میں سہی قامت
نہ ہی ان کی روش سے دلجمعی خاص حاصل مجھے کبھی ہوگی۔"
بے تکلف، مودبانہ تھی یہ جسارت میں شوخیٔ گفتار،
ہوگئی عرض کی پذیرائی کہ میسر ہوا مجھے پاسخ سرمدی صوتِ خوش سواد سے یہ:
"یاں تک آدم تھا امتحاں مقصود، مطمئن ہوں ملاحظہ فرما
کہ نہیں صرف آشنائے وحوش — تو نے موسوم بھی کیا جن کو
بلکہ ہے خودشناس وخود آگاہ،
فاش کردی ہے اے مرے پرتو برملا روح تو نے باطن کی
جو نہ پھونکی گئی بہیمہ میں۔
صحبت ان کی ترے لئے ناجنس، مختلف ان سے طبع کی افتاد
بس کہ معقول ہے ترا اظہار ناپسندیدگی کا یہ کھل کر
اس ہمارے مکالمہ سے قبل
تھی خبر زیست یکہ وتنہا آدمی پر بہت گراں ہوگی،
نہ مشیت تھی ہمدستاں ہوں جو تیری نظر سے گذرے ہیں
آزمائش کو تھے یہ آوردہ
کہ تو موزوں اور زیبا کا کس طرح امتیاز کرتا ہے۔
میں کروں گا کرشمۂ کن سے جو مزین قبائے ہستی میں
تیری دلشاد بالقیں ہوگی — نصف پیکر ترے وجود کا وہ
تیری شایان شاں مددگارہ، ہو بہو آرزو ترے وجود کا وہ
تیری شایانِ شاں مددگارہ، ہو بہو آرزو تری دلخواہ —

اس نے چپ سادھ لی تھی یا کہ جواب دے گئی تھی مری سماعت ہی۔
عرش تمثال کا ہجوم ہوا اب بکثرت نہادِ خاکی پر
تاب جس کی طویل لائی تھی۔
ملکوتی، مگر ملوکِ کلام تھا بحدّے دباؤ کا موجب جس طرح امر ماورائے شعور۔
خیرہ و مضمحل ہوا میں تو نیند سے لطف کا تمنائی،
اور اس نے بھی کر لیا غلبہ جیسے قدرت کو ہو مدد منظور——
اور دھیرے سے موند دی آنکھیں،
میری آنکھیں تو موند دیں لیکن تھا سر پردۂ تخیل باز،
وہ مری بینشِ دروں جس سے منترع —— بے خودی کے عالم میں
دھیان گذرا، نظر پڑا مجھ کو، گرچہ خوابیدہ، میں جہاں تھا دراز
وہ ہیولیٰ نظر پڑا، اب بھی جلوہ آرا، حضور میں جس کے
میں بہ بیداری ایستادہ تھا۔
وہ جھکا اور پہلوئے چپ میں فصد دے کر نکال لی میری
ایک پسلی —— تپاں، تراویدہ پے بہ پے جوہرِ تپاک اس سے
گھاؤ گھمبیر تھا مگر جھٹ پٹ بھر گیا گوشت، اندمال ہوا۔
کی جو پسلی کی اب تراش خراش تو بنا چتر کار ہاتھوں میں
ایک پیکر حسیں بشر صورت، مختلف صنف کا وہ دلآرا
کہ فریب نظر لگا سارا جو زمانے میں دلفریب لگا۔
خوبصورت گندھا وہ شیرازہ اس بدن کا، نگاہ میں ایسا
کیف مرکوز رچ گئی یک لخت وہ لگا تا دل میں شیرینی
کہ نہیں یہ سواد چکھا تھا۔

اس وجودِ لطیف سے تحریکِ حبِّ دل، حظِّ عاشقانہ کی۔
تیرگی میں وہ ہوگئی روپوش، جب کھلی آنکھ لگ گیا ہوکا
یا تو مل جائے وہ صنم مجھ کو، حرزِ جاں یا قلق مدام بنے—
(قیس ولیلائے گمشدہ کہیئے۔
یا زلیخا کی چاہ میں یوسف ہر دگر حظ کو خیر باد کہے)
کچھ مجھے اب بھلا نہ لگتا تھا،
جب بڑھا حد سے دردِ نومیدی تو مرے سامنے تھی محبوبہ
عین نک سک درست خواب ایسا، روپ سولہ سنگار سات ابرن
سج دھج ایسی کہ اک سماں باندھے، وہ بناؤ کہ اک پھبن نکلے،
کبک رفتار، رہنمائی میں عقبِ کردگارِ قدوسی۔
جو نہاں تھا— وہ اس جگہ پہنچی لائی اس کی ندائے غیب جہاں۔
ناشنیدہ سرودِ عشق وشباب، راہ ورسمِ زفاف نادیدہ۔
ناشناسِ نہایتِ عصمت، بے خبر وصل کی شریعت سے،
چال میں بانکپن، نظر میں نعیم، رہزنِ صبر ادائے باتمکیں
مست وسرشار وبیخود وخرم۔
فرطِ ہیجان اضافۂ خلجان کہ نہ ضبطِ سخن ہوا مجھ سے
اور بے اختیار بول اٹھا:
صورتِ حال میں ہوئی ترمیم، مہرباں، آفریدہ گار، کریم،
تیرے پیمان کی ہوئی تکمیل—کل امورِ حسیں کے بخشندہ!
سب عطیاتِ خسروانہ میں خوبصورت ترین یہ بے شک
ہے بجا رشک آفرینندہ۔

استخواں میں ہے استخواں میری لحم میں حسن میرے لحم کا ہے۔
سامنے عین ذات یہ اپنی — زن لقب، مرد سے برآوردہ۔"
کارن اس کے تجے گا پھر ماں باپ، ہو کے رہ جائے گا وہ جورو کا
ایک تن ایک جاں میاں بیوی
(رہ گئے تلسی داس اُوت کے اُوت دھیاں لے جاں جوائی بھواں پوت) (بیٹیاں)
بات سن کر مری وہ دلآرام — بتِ زندہ، کرشمہ زائیدہ
صاف معصومیت، حیا طیب، صفت و سیرت و صفائے ضمیر،
دل زسینہ بُرد — وہ پیار آئے —
نہ گریزاں، نہ خود سپر دایسی، بے طلب تو نہ آئے پہلو میں،
شیوۂ پرحجاب سے سرتیز آتشِ شوق بے تحاشہ کرے۔
قصہ کوتاہ یہ کہ فطرت نے فکرِ عصیاں زدہ سے بے بہرہ
ساخت فرمائی اس قرینہ سے کہ مجھے دیکھ کر کیا اغماض
وہ بنی آہوئے رمیدہ تو میں تعاقب میں اس حسینہ کے
تھی وہ ناموس آشنا محرم
کہ مری التجادلیل آمیز ناز تمکین سے قبول ہوئی۔
بھور سی لال لاج کی ماری آئی جب حجلہ عروسی میں،
سعد وہ ساعت زفاف آئی، قرنِ فرخ کی نیک فال گھڑی
— ارغوانی سہاگ پھول کھلے —
راس منڈل، اکاش نکشترا خوب واریں نچھاورانت کریں
شُبھ پہ شُبھ بھاگوان ریکھائیں۔
ارض میں تہنیت کی دھوم مچی، ہر پہاڑی نے دی مبارکباد،

مست طائر نہال، نرم نسیم، تازہ جھونکے چلے بہ سرگوشی
جنگلوں سے یہ ماجرا کہہ کے، شجر و نخل تھے شگوفہ شگفت
اور آتی تھی مست لوبانی شاخ کی خوشگوار مہکاریں۔
تھیں وہ اٹکھیلیاں مگن دل پھینک رین پنچھی نے راگ سمبدھی
خوب آنند چھیڑ کر یہ کہا سانجھ تارے سے — اس پہاڑی کی
دور چوٹی پہ — بیاہ دیپ جلا۔
کی بیاں کیفیت تمام تجھے، اب مری داستان آ پہنچی
دینوی نعمتِ ملخّص تک، راحت اندوز بیش جس سے ہوں۔
یہ ہے تسلیم ہوں بہت محظوظ دیگر اشیائے رنگ رنگ سے بھی،
ہو مگر یا نہ ان سے ہو بہرہ
ذہین میں تو بپا نہیں کرتیں کوئی تغییر و خواہشِ سرتیز۔
میرا مطلب نفاستیں ساری — ذائقے پھول پھل جڑی بوٹی،
بوئے خوش، زمزمے پرندوں کے اور نیرنگیاں نظاروں کی —
یاں ہوا پر معاملہ برعکس — عالم بے خودی میں اب نگراں،
عالم بے خودی میں لمس کناں،
کیفیت یہ ہوئی ہے پہلی بار، طرفہ ہیجاں، عجیب سرشاری،
دوسری ہر طرح کی لذت سے ہے یہ جذبہ متین اور وقیع
بس کہ بے بس ہوں روبرو کتنا
نگہِ کارگر کے جادو سے جو بظاہر نگاہ سے کم ہے
نقص فطرت سے رہ گیا مجھ میں، کوئی حصہ ہوا نہیں پختہ
کہ وہ یہ آفتِ حسیں سہتا،

یا تھی بے حساب کر ڈالا میرا پہلو نکاس کے ہنگام۔
کچھ بھی، مستزاد اسے بخشی زیب وزینت — یہ آن بان اس کی
ظاہراً بے قیاس گو کم تر، باطناً بھی بعینہ اتنی۔
کہ مجھے یہ شعور وافی ہے
خام اس کو بغایتِ اولیٰ آپ فرما دیا ہے، فطرت نے بہ لحاظِ دماغ واستعداد،
اس بزرگ وعظیم ہستی کے ظاہری عکس کی مثیل بھی کم
جس نے ہم دو کو آفرید کیا۔
ظاہری عکس بھی مثیل ہے کم
کم ہے کردار میں نمایاں بھی آئے حاوی دگر خلائق پر
تاہم اس کے جمال پر جاؤں تو مکمل دکھائی دیتی ہے، اپنے پیکر میں مستند کامل
اپنے بارے میں یوں مبیّن ہے آپ
کار و گفتار و عندیہ جو ہو نظر آئے کہ انتہائی ہے
عقلمندانہ خیر کوشانہ، کاملانہ، نگاہدارانہ۔
گرد سارا تبحرِ علمی گم ہوتی سخن طرازی میں
آئے دانش کبھی جو منہ اس کے، کھائے منہ کی، لگے ہونق سی،
حکم یا حزم سامنے ہو کر ایک پانی بھریں، کہ منشا تھا
ابتدا نہ بعدہٗ یعنی صرف مطلب برآریاں ان سے
بہرِ اتمام ذات میں اس کی عظمتِ ذہن و نیک خوئی نے
گھر کیا باکرشمہ واعجاز —
رعب ہستی سے وہ نمایاں تھا کہ نگہدار ہو سروش اس کا"
تب انہیں بھوں سیکٹر کر عرشی:

"دے نہ فطرت کو دوش اس نے تو فرض اپنا دیا ہے سرانجام،
تو بجالا جو فرض تیرا ہے
ہو نہ بدظن خرد سے یہ تجھ کو دے نہ داغِ جدائی، گر تو ہی
ترک اس کو کرے نہ جب اس کی قربتِ انتہائی ہو درکار،
جب کہ دے تو قرار بیش انہیں عمدگی میں نہیں جو بیش قرار
جس طرح تو بذاتِ خود شاہد
جس کی خوبی کا مدح خواں تو ہے، تجھ پہ کرتی ہے وجد جو طاری،
کیا بدیہی ہے؟ وہ تو دلآرام پاسداری کی ہے ترے شایان،
تیری دلداری و محبت کی، پر نہیں ہے ترے تسلط کی۔
آپ کرلے موازنہ اس سے پھر لگا اہمیت کا اندازہ
عزتِ نفس سے بسا اوقات کوئی شے بیشتر مفید نہیں
مبنیٔ حق و عدل، خوش اسلوب۔
ماہرِ اس گن میں جس قدر ہو گا وہ کرے گی اسی عقیدت سے
اپنا سرتاج بھی تجھے تسلیم
مان جا، روکشِ حقیقت ہیں جو بھی ہیں خودنمائیاں اس کی —
اس قدر پرجمال جب دیکھے دل ترا باغ باغ ہو جائے،
اس قدر پُرجلال پیار کرے مونسِ جاں کو احترام کے ساتھ
کائیاں ہے وہ بھانپ لیتی ہے کب تری عقل ماری جاتی ہے
ہاں تجھے لمس کی مگر یہ حس — جس سے نسلِ بشر کی افزائش —
گر فزوں تر ہے دل پسند سرور،
سوچ اس سے تو ڈھور ڈنگر کو، ہر دو دام کو نوازا ہے؟

یہ ادا عام کی نہیں جاتی، منکشف ان پہ یہ نہیں کرتے۔
ہے ذرا سی، بہت مزیداری
ہو مسلط روانِ انساں پر تو وہ جذبات مرتعش کردے
عشق تجھ کو عظیم تر حاصل اس کی صحبت میں ہے مگر کتنا
عشق گرویدہ گر شعور نواز، آدمیت شعار، تو بے شک
عشق کے کاروبار میں مشاق، اور جذبہ میں خامکار کہ یہ
عشقِ صادق سے ہے تہی یکسر،
عشق فکر و خیال کو صیقل اور دل کو کشادہ کرتا ہے
عشق کا عقل میں نشیمن ہے، عشق ہے نکتہ رس دقیقہ سنج
عشق مرقات تو صعود کرے تا بہ عشقِ حقیقی قدسی (سیڑھی)
عشق نفسانیت کی لذت کا کشتہ شوق و خواست گار نہیں
بر — یہ دلبر تری — اسی خاطر ان بہائم سے انتخاب نہیں"
خجل و نیم منفعل بجواب تب فرشتے سے یوں صفی اللہ:
"نہ تو یہ سامنے سراپا ہی اس قدر جہتِ نظر اس کا
نہ ذرا یہ تمام جنسوں کا مشترک فعلِ نسل افزونی
(گرچہ برتر بہ حرمت اخفا جانتا ہوں سہاگ سیج کو میں)
لذت انگیز ہے مجھے جیسے خوش کن اس کی ادائیں وہ بانکی
وہ کرشمے ہزار، پیدا ہیں جو سخن اور چلن میں روز اس کے
جن میں آمیزشِ محبت ہے دلربا امتثالِ امر کے ساتھ،
بے تصنع معانقہ جن سے ارتباطِ خیال کا — یعنی
جس طرح ایک جان دو قالب —

بینِ زوجین وہ ہم آہنگی کہ نہ فردوس گوش ایسی ہو
تجربہ میں نوائے ہم آہنگ — تاہم آتے نہیں ہیں یہ حاوی،
تجھ پہ کرتا ہوں آشکار اس سے۔ جو بھی محسوس ہے دروں مجھ کو
پس نہیں ہے حواس باختہ جو متنوع امور کو پا کر،
کہ ہیں مظہر نمائے رنگ برنگ —
اور مختار باوجود اس کے وہ گل سرسبد پسند کرے
وہ سرا ہے کہ میرا جی چاہے۔
عشق پر نکتہ چیں نہیں تو بھی، ہے یہ تیرے قریں تو عرش رساں۔
راہ بھی، راہ بر بھی، راہی بھی۔
بار خاطر نہ ہو تو عرض کروں، گر مرا یہ سوال جائز ہے۔
بادۂ نابِ عشق سے سرشار ہیں جو روحانیانِ عرش تو یہ
کیسے اظہارِ عشق کرتے ہیں
آنکھوں آنکھوں میں پیار ہوتا ہے کہ یہ باہم وصال نور کا ہے،
سرسری لمس ہے کہ سچ مچ کا؟"
یوں سروش ایک ابتسام کے ساتھ، جو کاشی گلال گلگونہ
رنگ مخصوص ہے محبت کا:
اس قدر بس تجھے ہو معلومات، ہم ہیں مسرور، اور سُرور کوئی
گر محبت نہ ہو، نہیں ہوتا۔ جس منزہ سے تن ترا محظوظ۔
(کہ منزہ ہوئی تری تخلیق) ہم بھی حظ یاب ہیں کثیر اس سے
حائل آتا نہیں غشا مُفصل، عصب، عُضلہ — خصائصِ اعضا
(الجھنیں انگ جوڑ جھلی کی)

ہائے لطف نشاط پیرایہ ہوں جب ارواح ہم کنار، ایسا
بادکا باد سے ملاپ کہاں —— یہ مکمل وصال کا عالم،
آرزومند اک منزہ کا ربط پیوستگی منزہ سے —— نہ ہی کچھ ضبطِ نفس کو حاجت،
جس طرح ہو بدن بدن میں ضم اور تحلیل جان جان میں ہو——
بسکہ ممکن فزوں نہیں مجھ سے
الوداعی نگاہ ڈال کے مہر ہو رہا ہے غروب ان شاداب پچھمی ٹاپوؤں کے پار، پرے
ارض کی سبز راس (ورڈے) سے —— یہ اشارہ ہے میری رخصت کا
حوصلہ رکھ، یہاں پہ جی آنند اور محبت نبھا سلیقہ سے،
لیکن اول محبت اس سے ہو کہ محبت ہے بندگی جس کی،
اور پھر اس کا امر بالمعروف، اس پہ باقاعدہ عمل پیرا،
دھیان اتنا رہے نہ یہ جذبہ متزلزل شعور کو کردے،
نہ روادار ہو رضا آزاد حرکتِ ناروا کرے سرزد۔
سب تری ذرّیت کا اور تیرا راحت و رنج منحصر تجھ پر
جان، وابستہ تیری ذات سے ہے،
میں تری مستقل مزاجی سے مطمئن ہوں، تجھے دعا دوں گا
تو بھی ثابت قدم سدا رہنا۔
ایستادہ ہے تو کہ افتادہ تیرے مقدور میں یہ خودمختاری،
تو بباطن اگر بنے کامل، فکر کیا خارجی سہاروں کی
تجھ میں ترغیب معصیت کوشی زائل از خود تمام تر ہوگی"
وہ یہ کہتے ہوئے اٹھا، آدم حق میں اسکے دعائے خیر کے بعد:
"آن پہنچی گھڑی جدائی کی، سرمدی مہماں خدا حافظ،

ملکوتی سفیر تو جس کا مرسلہ ہے سلام کہتا ہوں اس کی میں مقتدر فضیلت کو

تو خلیقانہ پیش آیا ہے میرے ساتھ اس کرم نوازی سے،

میں بہ تکریم دائماً تجھ کو شاد و ممنون یاد رکھوں گا۔

نسل آدم پہ التفات نواز،

دوستانہ یہ سلسلہ رکھنا، زحمت ایسی کبھی کبھی کرنا۔"

اس طرح باہم الوداع کہی،

اس گھنیرے سماں سے پرافشاں وہ کروبی تو سوئے عرش ہوا

اور لی راہ گھر کی آدم نے

فرہنگ

بعال — خوش فعلی، باہم زن وشوئی

لاعبانہ — (لعب) مستی سرمستی کی

اس میں چپ ہی بھلی

دام — جانور جو گوشت نہیں کھاتا، دو — گوشت خود جانور

راسمنڈل — بروج

نکشترا — فال کا ستارہ

دفتر نهم

تلخیص

اہرمن زمین کا چکر کاٹ کر فریب کاری سے تاریکیٔ شب میں ایک ہیولی سا فردوس میں گھس کر خوابیدہ افعی میں حلول کرتا ہے

طلوعِ سحر کے ساتھ آدم وحوا روزمرہ کے کام کاج پر نکلتے ہیں۔ حوا مصر ہیں کہ الگ الگ اپنے دھندے نمٹائیں۔ آدم منع کرتے ہیں مبادا وہ دشمن، جس کے متعلق خبردار کیا گیا ہے، گھات میں ہو، اور اکیلے میں انہیں بہکا دے۔ حوا چڑ کر مضبوطی کردار کے مظاہرہ پر تل جاتی ہیں۔ آدم تریاہٹ کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

افعی میں حلول ابلیس حوا کو اکیلا ڈھونڈھ نکالتا ہے، چھل سے پاس لگتا ہے، تک لگائے، خوشامدانہ سلسلہ بات چیت کا چھیڑتا ہے۔ تعریف کے پل باندھتا ہے کہ کل مخلوقات میں ان سے زیادہ کوئی قابل ستائش ہستی نہیں۔ سانپ کو یوں انسان کی طرح بولتا سنا تو یہ دم بخود پوچھتی ہیں کہ اسے یہ عجیب درک کیوں کر ہوا کیوں کہ جانوروں میں ایسی بول چال اور سوجھ بوجھ تو کبھی دیکھی نہ سنی۔

حیلہ گر بولا یہ ایک درخت کا کرشمہ ہے اس کا پھل کھایا تو گویائی ملی اور شعور سے سرفراز ہو گیا جس سے پہلے عاریٔ محض تھا۔ حوا کی خواہش پر انہیں بھی اس درخت کے پاس لے گیا۔ وہ مایوس ہوئیں کہ ممنوعہ شجر العلم نکلا۔ افعی نے چکنی چپڑی لگائی ادھر ادھر کا منطق بگھارا اور انہیں آخر وہ پھل کھلا ڈالا۔ بڑا مزیدار تھا حوا نے آدم کے لئے بھی توڑ لیا، ان کے پاس پہنچیں اور ساری روداد بیان کی۔

آدم ہکا بکا منہ دیکھتے رہ گئے۔ سمجھ گئے کہ لغزش کھائی ہے اور حوا اب کہیں کی نہیں

رہیں۔ لیکن وفائے محبت کے عالم میں خود بھی حوا کے ساتھ یہ آفت جھیلنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ قدغن کو بالائے طاق رکھتے ہیں اور پھل منہ میں رکھ لیتے ہیں۔

جھٹ لغزش کے اثرات دونوں پر مرتب ہونے لگتے ہیں۔ برہنگی چھپانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، باہم تکرار ہونے لگتی ہے اور الزام تراشی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

بس خموش اے زباں جہاں مہماں آدمی کے سروش ویزداں ہوں،
جس طرح یار یار سے اپنے، زرہِ التفات ہم مجلس،
ساتھ گانوی ادھار، اَن جَل نوش، (خوراک)
مستزادِ اس پہ درگذر کی شان، لن ترانی کی عام اجازت بھی
اب یہ رامشگری مگر بدلوں المیہ میں — کہ بدظنی مذموم
باغیانہ خلاف ورزی ہو آدمی کا معاملہ، افسوس
انحراف وعدول وسرتابی۔
عرش کا ہو معاملہ گشتہ، بخت برگشتہ — راندہ ومانده
آدمی پر بجا ہو خشم اس کا اور جائز، اگر پڑے پھٹکار۔
فیصلہ صادر اس جہاں میں ہوں وارد، آزردگی کے کارکنان
معصیت، معصیت کا عکس اجل، پھر مصیبت اجل کی ہرکارہ —
فرض افسوسناک — یہ موضوع ہیچ تاہم نہیں، سوا یہ تو
بطلانہ غضب سے، (ہیکٹر پر) جو اخیلس نے ظلم توڑا تھا
طیشِ طرنوس (اطالوی) سے بیش وہ بھی لیونیہ کی بازیابی کے وقت جس کا مظاہرہ دیکھا
جونو نیپچوں کی قہرناکی سے، ادھک ایسا کہ جس سے اوڈیسس
زچ ہوا (سند باد یونانی) اور فرزند سطریہ بھی دق —
"(ظالم آئینس قاتل طرنوس — نیپچوں دیو بحر، جونو ماں
دیومالا میں دیوتاؤں کی)
طرز درخور اگر عطا کر دے وہ سماوی مربیہ مری
(دیوی یورانیہ) قدم رنجہ جو شبانہ بغیر منت ہے،

یا تو فرمائے خواب میں القا،
شعر بے ساختہ کو یا میرے یوں محرک کرے کہ آمد ہو۔
رزمیہ نظم کا مگر موضوع خوب اول لگا، بدیر چنا، اور بتاخیر فکر فرسائی۔
میں نہیں ہوں ریاض گر طبعاً کہ رقم وہ محاربے کرتا
صرف جو یادگار ہو جاتے رستمی و تہمتنی کے سبب
بلکہ یہ قادر الکلامی ہے ذکر تلمیح میں کیے جائیں
کوفت پرور طویل ہنگامے، جو مچاتے مبارزت میں ہیں
ظاہراً الف لیلوی لُر بیگ (گراں ڈیل، کوہستانی)
(گفتنی کتنے جرأتِ برداشت اور اولوالعزم جاں سپاری کے
شاہنامے رہے ہیں ناگفتہ) یا فسانہ سرائی کے موضوع:
آتی پاتی، مقابلے دنگل، گتکا، بنوٹ کھیل کرتب دوڑ
ساز سامان، تغمی ڈھالیں، نادرہ کار شعلہ گوں، تیغیں
پاکھریں، خنگ، سیم تاب یراق،
اسوا کوتک میں یا بلی بلوان، نیزہ بازی میں یا شجاع دلیر
یا ضیافت کا اہتمامِ خاص کسی مہمان خانہ شہ میں۔
طشت بردار قورچی حاضر۔ (ف)
سفلہ کوشی و فن کی پرکاری جو کہ ایسی کمال کی بھی نہیں
کہ بجا طور پر کسی کا نام
شخص ہو تو جری کرے اس کو، نظم ہو تو رجز بنا ڈالے۔
اور میری بساط ہی کیا ہے، کہ ہمہ داں نہ میں ہنر پرداز،
تاہم اس مثنوی کا یہ موضوع عمدگی سے بیاں اگر کر دوں

ملتفی ہے کہ میرے نام کا وہ بول بالا جہان میں کر دے — پیشتر زاں — کہولت عمری
تندآب وہوائے یخ بستہ یا زمانہ مرے پرِ طیار
نم زدہ، ریختہ، فرو کر دے
بس کہ یہ حادثہ نہیں ممکن کیونکہ یہ سرمدی کتھا ہر شب
وہ مری راقیہ بذات خود کان میں پھونک پھونک جاتی ہے
ہو گیا ہے غروب سورج اب رقص میں ہے ستارۂ ناہید
جس کے ذمہ ہے فرض دھرتی پر کھیت اگائے شفق کا — کم ہنگام
چودھرائن یہ رات اور دن کی — اور پھر از کنار تا بکنار
رات کے نصف قطر نے تاریک اک لبادہ افق پہ ڈال دیا
جب کہ — جبرئیل کے ڈراوے سے دم دبا کر ابھی عدن سے جو
بھاگ نکلا تھا اہرمن کر کے اپنے اوسان اور حواس بحال
حسد و دشمنی میں طے کردہ جذبۂ کینہ و شقاوت میں
— سر پر اب آسمان ٹوٹ پڑے، خواہ کوئی بلا اسے آلے
آدمی کی تباہ کاری پر تل گیا اور بے دھڑک پلٹا۔
شب کا مفرور نیم شب لوٹا ختم کر کے زمین کا گھیرا،
جب اتالیق مہر جلوہ گر، دن سے محتاط عوزئیل نے جھٹ
اندر آتے ہوئے اسے تاڑا اور کیا قدسیوں کو چوکنا۔
ضیق ناخن بہ دل زدہ چل کر گھپ اندھیرے میں پار کرتا ہے
وہ مسلسل خلائے ہفت شمی،
معتدل النہار کے خط سے سہ گنا چکر اب تمام کیا
قطب تا قطب رات کی رتھ کے پاس سے چار مرتبہ گزرا،

(اعتدال و مدار کا قاطع) دائرہ انقلاب پار ہوا،
آٹھویں رات آخرش لوٹا، ایک ساحل پہ عام راہ سے دور
ہٹ کے ہر پاسباں کروبی سے،
چور رستہ سے یوں بچا کر آنکھ گھس گیا وہ کہ ہو نہ سان گمان
تھی وہاں اک حسیں رامشگاہ دستبرد زمانہ سے محفوظ (آرام گاہ)
لیکن اب وہ کہاں، نہیں ہے وہ یوں مرور زمانہ نے اس کی
ہیئت سابقہ بدل ڈالی اور پہلی بہار رنگیں سب
کر کے تلپٹ گناہ نے رکھ دی —
زیر فردوس تھا ترائی میں تیز کاریز ساروان دجلہ
شجر الخلد کے قریب اس کی راہ پیمود موج کا لطمہ
واشگاف ایک صاف اور شفاف خوب فوارہ ساں اچھلتا تھا،
اہرمن برزمین وزیر زمین، پھیلتی گھور دھند میں ملفوف
تھا اندھا دھند ٹوہ میں خفیہ بر و بحر اس نے کھوج ڈالے سب —
از عدن تا کنارہ اسود (پونٹس) رود بار مائیس
(بحر آزوف) سائبریا میں اوب دریا کے ماورا پر
اور تلے منجمد جنوبی تک، غرب میں طول طول از اورنٹیز
تا ڈرن (خاکنائے پانامہ) جو سمندر کی حدِ فاصل ہے،
واں سے اس طاس تک جہاں لبریز تیز گنگا و سندھ بہتے ہیں
آنکتا تھا کرہ پہ گشت کناں چشمِ باریک بیں سے ہر مخلوق
کل جہان وحوش میں آخر سانپ مکار انتہائی ملا
متذبذب، بہ فکر مستغرق غور و خوض اور حیص بیص کے بعد

یہ بجا غایت نہایت کا گپت ہتھیار انتخاب کیا،
ڈھونگیا ٹھیک ٹھاک ڈھب کا وہ مجرمانہ فریب کاری میں
اپنے مذموم عندیہ کے ساتھ اس طرح اس کی جون میں آئے (شکل)
چشمِ شاطر ترین بھی شک نہ کرے
اور مشکوک چھل بٹے کیوں ہوں بلکہ عیار سانپ میں موجود
آئینہ دار یہ تو ٹھہریں گے اس کی ہشیاری و ذکاوت کے
ہاں وحوشِ دگر میں گر پائیں حق بجانب یہ وسوسہ ہوگا
سایہ کوئی پڑا ہے آسیبی — خرقِ عادت کا یہ معاملہ ہے۔
عزم تو یہ تھا، اس قدر لیکن غم نہانی کے پھٹ پڑے جذبات
منہ سے فریاد بن کے بول آئے: "اے زمیں کس قدر بسانِ عرش
گو نہ از روئے حق سہی مافوق، جائے ہے درخور خداونداں،
ثانوی غور سے تری تعمیر تا کہ نقش کہن سنور جائے،
ورنہ یزداں کیوں بھلا تخلیق بعدِ احسن زبون تر کرتا؟
عرشِ گروی بگرد رقصاں ہے اور اجرام ضوفگن، ضوپاش
اپنے روشن نجی چراغ اٹھائے — نور برنور، صاف ظاہر ہے
کہ ہیں تنہا ترے لئے، تجھ میں مرتکز وہ تمام کرتے ہیں
پاک تاثیر بے بہا کرنیں،
مثلِ یزداں — وہ عرش کا مرکز، مرکزی حیثیت میں خاص اپنی —
تو بھی گویا خراج نورینہ سب گروں سے وصول کرتی ہے۔
ان کے اندر کی تو نہیں معلوم کیا ہیں جملہ خصوصیات، مگر
تیرے اندر یہ آشکارا ہیں — پھول بوٹے میں، یہ نمو پرور

رفتہ رفتہ یہ جمع انساں میں جان بالیدہ وخرد کے ساتھ
کیوں نہیں شاد لطف لے لے کر سیر میں تیرے پیرامون کروں؟
خوبصورت تضاد رنگ برنگ ـــــ دشت میدان، رود، کوہ، دمن
یہاں خشکی وہاں سمندر ہے اور ساحل بنوں سے چھائے ہوئے
ڈانڈ بھی کوہ بھی چٹانیں بھی (ف)
وائے میرے لئے نہ جائے قرار نہ ہی جائے پناہ ان میں ہے
راحتیں گرد و پیش جتنی ہیں کرب محسوس اسی قدر جی میں
قابلِ نفرت اک کشاکش سے جو نقیضین کی ہے پیداوار
میرے حق میں مفید کل مہلک،
پھر فلک پہ تو میری کیفیت اور بھی بیشتر دگر گوں ہے۔
بر سرِ عرش ہی نہ یاں زیریں متمنی ہوں میں سکونت کا
حاکمِ مطلقِ سماوی کو زیر کر لوں اگر تو البتہ،
نہ یہ امید، اس طلب سے خود مجھ پر افتاد مختصر ہوگی،
بلکہ جیسا خراب حال ہوں میں دوسروں کو خراب حال کروں
خواہ مجھ پر ہو بازگشت ابتر۔
ان مرے سنگدل خیالوں کو لطف تخریب ہی میں آتا ہے
واں وہ شخص جو اجڑ جائے
کاش یوں کامران ہو جاؤں غرق بیڑا مکمل اس کا ہو
جس کی خاطر کل اہتمام ہے یہ،
جلد ہی کل یہ اہتمام تمام ہو کے تلپٹ نہیں رہا ـــ تو ہی
جاننا چاہیے کہ وابستہ راحت و رنج سب اسی سے ہیں

رنج میں تو بسیط و عالمگیر اس تباہی کا سلسلہ ہوگا
جس قدر قوتیں ہیں طاغوتی ان میں اعزاز ہے مجھے حاصل
ستیاناس کر دیا میں نے جو لگا تار سب بنایا تھا۔
پورے چھ رات دن میں — ہاں اس نے المسمّی بہ قادرِ مطلق
اور اس کی خبر کسے پہلے کب سے تدبیر کر رہا ہوگا
شاید اس سے دراز تر مدت اس مہم کے لئے نہیں درکار
کہ دلائی نجات میں نے تو لگ بھگ آدھے سروشناموں کو
بے تکی شرمناک خدمت سے
ایک ہی شب میں رہ گیا کتنا مختصر مجمع پرستاراں
درپئے انتقام ہوکر بھی کسر تعداد میں جو آئی تھی۔
کچھ تدراک نہ کر سکا اس کا وہ کرشمہ قدیم ہار گیا،
مانئے اب نہیں مگر ممکن اور کروبیان کی تخلیق
واقعی ہیں گر اس کے خلق شدہ۔
یا ہے تذلیل کو ہماری پھر یہ تہیہ کہ وہ بڑھا وادے
اس ہمارے مقامِ علوی تک ایک مخلوقِ خاک ساختہ کو،
اس زبوں اصل کو فراز کرے بخش دے سب غنائم عرشی
یہ غنائم اسے جو اپنے ہیں
اس مشیت کی ہوگئی تکمیل، تھا جو منشا ظہور میں لایا۔
خلقِ آدم و تسویٔ، کل کائناتِ عظیم اس کے لئے،
مستقر ارض کو بنا کر وہ، حسبِ اعلان بن گیا آقا،
ڈوب مرنے کا ہے مقام ارے سب فرشتوں کے بال و پر مامور

اس کی خدمت کے واسطے ہو جائیں۔
شعلہ افگن تمام کارندے، ایسی خاکستری امانت کی
پاسبانی کے واسطے پابند—
جو کسی کا غلط نہیں خدشہ، ہے مجھے لاحق ان کا اندیشہ۔
آنکھ ان کی بچائے میں ملفوف، اکثرِ نیم شب کے کمرے میں
پھر رہا ہوں دبے دبے پیروں، ٹوہ لیتا ببول جھاڑی میں—
سانپ مل جائے، نیند کا ماتا، اتفاقاً کہیں، کہ ہو جاؤں
اس کی پر پیچ کنڈلیوں میں الوپ میں سمیت اپنی زشت نیت کے۔
اوہ بھونڈی گراوٹ، اب تک تو دیوتاؤں سے یہ مہا یدھ تھا۔
سب سے اونچا براجمان کبھی، اب مگر آ گئی ہے یہ نوبت
جانور کے شریر میں سمٹوں، لت پت اس کی بھرشٹ رال میں ہوں،
درپ یہ درپ وان 'بن مانُس ہائے کردے اسے جسے آشا (ف)
پریم پاون مہاتما بن جائے!
ہوس وانتقام کی لیکن ہے کوئی انتہائے پستی بھی،
ولولہ ہے تو اس قدر، نیچی ٹھیک جتنی اڑان اونچی ہے،
ہیچ کیفیتوں سے بیزاری خواہ کیسی ہو اول و آخر۔
پہلے ہاتھ انتقام شیریں ہو، جلد اچٹتا ہے تلخ تر جاں پر،
سو بلا سے مری، نہیں پروا
بس نشانہ یہ شست پر بیٹھے، کہ بلندی سے مار کم ہو گی
وہ جہاں سے بھی زد میں آ جائے (بعدِ یزدان) جو حسد میرا اس قدر کر رہا ہے برانگیخت!
عرش کی آنکھ کا نیا تارا 'آدمی پست خاک کا پتلا

ابنِ کین وعناد گُل آبی۔
ہست کن نے جسے کیا تخلیق کہ ہماری مزید ذلت ہو۔
بسکہ ذلت کا بدلہ ذلت ہے، کہ مکافات واجبی یہ ہے +"
بکتا جھکتا اسی طرح ایک ایک وہ تروخشک جھاڑ جھاڑی میں
تاکتا جھانکتا ہوا بھونڈا بھونڈ کالا بجنگ کھوجی تو
یوں لکیریں نکھنڈ میں پیٹے کہ اسے جلد سانپ مل جائے۔ (بیچ راستہ)
جلد ہی گہری نیند میں دھت مل گیا بانک دار حلزونی (ف)
پیچ در پیچ کنڈلیاں مارے، بیچ میں کنڈلیوں کے لہراتا
مکرِ پرفن کا وہ دفینہ پھن'
گھور بانی نہ چھاؤں میں برچھک' بے نیازِ ضرر رسانی وہ (بچھو۔موذی)
چین سے ایک دوب بوٹی پر خوابِ بے خوف میں پڑا مدہوش۔
اہرمن منہ میں گھس گیا اس کے،
اور درکِ بہیمیہ اس کی دل کے اندر تھی یا دماغ میں تھی،
بس میں لے کر، نفوذ کی فوراً روشِ زیرکی عوض، لیکن
نیند میں کچھ خلل نہیں ڈالا،
بلکہ محبوس اضطرابانہ منتظر آمدِ سحر کا ہوا+
تازہ پھولوں پہ نور کے تڑکے پاک اجالا سجل سجل پھیلا
اور عدن میں بکھیر کر مہکار
اب وہ معمور کرتے جاتے ہیں بوئے مشکور سے مشامِ جاں۔
یہ وہ ساعت، کہ موبدا شیا سب ارض کے شاندار معبد میں (مستقل)
دم کشاں ہیں خموش حمد اوپر بھیجتی ہیں حضورِ باری میں

شامل بندگی ہوئے بیرون آ کے زوجین انس بھی گویا
زادگاں طائفے کے ساتھ جسے تھا میسّر نہ وصف گویائی
فارغ اس سے تو لطف پیمائی موسمِ گل سے جو بہار پہ تھا
شکر و شہد و مشک آغشتہ و نسیمیں تھیں وہ شمیمیں تھیں
مشورہ پھر ہم کو نمٹائیں کس طرح وہ طریقِ احسن سے
آج کے روز کار روز افزوں کو کشادہ رہا تھ دونوں کے
بہر تکمیل قاصر آئے تھے۔
کی پہل یوں میاں سے بی بی نے: "آدم اچھا ہے باغبانی سے
ہم قبائے چمن درست کریں — یہ بھلا فرض ذمے اپنے ہے
پھول، پودا، شجر جڑی بوٹی ہم کریں دیکھ بھال تا آں دم
کچھ کمک میں مزید ہاتھ آئیں۔
کام محنت کے باوجود اپنا ہے اضافہ پہ، سہل کوشی میں تو پھر اس کا حد و حساب نہ ہو
دن بھر اب جان مار کر چھانٹی حشو روئیدگی کی کرتے ہیں۔
گوڈی، تھونی، گندھاؤ جو بھی ہے ایک ہی شب کہ دوسری کتنے
بے تحاشا اگاؤ سے بن کر جھاڑ سا، مضحکہ اڑاتی ہے
تو بھی، یا خیال سے باتیں سن مرے دھیان میں جو آئی ہیں
یہ ہو تقسیمِ کار — خوب لگے جو تجھے وہ سنبھال یا جن کو
کچھ ضرورت زیادہ تیری ہے — خواہ یہ، کس طرح لپٹتی ہے
نرغہ بن بیل کر کے پیڑ غنہ کا، خواہ یہ بندوبست کر کس رخ
عشق پیچاں چڑھے بدشگاں سی۔
میں ادھر سامنے حنا بستہ گل بنوں کے بہار زاروں میں

(برف پوش)

دوپہر تک انہیں سنواروں گی۔
ہم اگر پاس پاس رہ کر یوں کام اتنا کثیر بھگتائیں،
کچھ عجب یہ نہیں کہ قربت میں مخل آئے نگاہ یا مسکان
یا نئی چیز سامنے دیکھیں سرسری جس پہ گفتگو چھڑ جائے،
وقفہ وار اپنا کار روزانہ یوں نبٹ بھی سکے تو معمولی
منہ اندھیرے بھی گر شروع کریں۔
جب شبانہ طعام کی ساعت آئے بے حقِ مزدہی آئے"
سن کر آدم، ملائمت کے ساتھ بات کا یوں جواب دیں ان کو:
"تو رفیقہ وحیدہ اے حوا
جملہ مخلوق ذی حیات میں تو انتہائی عزیز ہے مجھ کو
خوب تو نے کیا ہے یہ تجویز، دھیان اچھا بہت لڑایا ہے
ہم سلیقے سے ہوں گے عہدہ بر کس طرح کار منصبی سے، جو
ہمیں یزداں نے سپرد کیا جی میں آتا ہے مرحبا کہیے
سچ تو یہ ہے کہ دلکشی زن کی
ہے اگر تو یہی کہ سگھڑ پن خانہ داری کے سب امور میں ہو،
اور شوہر کو وہ بنے تحریک بہتریں کارکردگی کے لئے
پھر بھی عائد نہیں مشقت کی ہم پہ مولیٰ نے سخت گیرانہ
کہ نہ ہوں تازہ دم ضرورت میں شادکامی و ہمکلامی سے،
یہ غذا ہے دماغ کی، ممنوع کب نگاہوں کا پیار سے ملنا
یا رہ و رسم مسکراہٹ کی ـــــ مسکراہٹ یہ آئینہ دل کی
جانور جس سے فیضیاب نہیں ـــــ مسکراہٹ ہے پریم کا کھاجا'

پریم — جیون کا راس رس میٹھا!
جنم اس نے دیا ہمیں سکھ میں، نہ برائے ریاضتِ شاقہ'
جوڑ سکھ کا پرکھ کے ساتھ کیا — لایکلّفُ الّا وسعہا —
سہل ہاتھوں سے ہم نہ روکیں گے روشوں اور برگ پوشوں کو
کاہے دبداری کہ ہوں جھنکاڑ' (فکر)
صاف رکھیں گے چاہئے جتنی سیر کے واسطے جگہ ہم کو،
ہے جو درکار بہرِ کارِ بیش آس رکھئے جوان ہاتھوں کی کچھ کمک جلد آن پہنچے گی
ہجر چندے برائے من بیشک — گاہ خلوت ہے بہتریں جلوت،
مختصر سا فراق بھی بڑھ کر آتشِ شوقِ وصل تیز کرے۔
میرے جی کو مگر یہ دھڑکا ہے،
تو مبادا علیحدہ مجھ سے کسی آفت میں مبتلا ہو جائے۔
جانتی ہے جو انتباہ ہوا' کوئی اپنا عدوئے کینہ جُو،
اپنے سکھ چین سے ہے خار جسے کہ وہ محروم آپ اس سے ہے،
فکر میں ہے کہ چالبازی سے شاطرانہ کرے کوئی پیدا
سبب اندوہ اور ندامت کا، گھات میں پاس کوئی فتنہ ہے۔
ہوس آلودۂ امیدِ خراب کہ برآئے دلی مراد اس کی
ہو کے وہ نا امید اس امکاں سے کوئی چکمہ ہمیں اکٹھا دے
ایسی صورت میں جب بعجلت ہم آسکیں گے بہم اعانت کو۔
اور ایسا ہوا اس کا منصوبہ
پہلے یزدان کی اطاعت سے وہ ہمیں منحرف کرے، پھر وہ
توڑ دے پیارے بیاہ کا بندھن — جس سے بڑھ کر اسے کوئی راحت

جو میسر ہوئی ہمیں ـــ شاید ہے نہیں موجب حسد (حوا
اور مِن شَرِّ حَاسِدٍ ـــ اعوذ) ـــ یا وہ بدتر کرے خرابی اور!
ترک کچھ وفا کا ساتھ نہ تو جس نے تجھ کو وجود بخشا ہے
اور سایہ کناں لئے تجھ کو دامنِ عاطفت میں دائم ہے۔
ہو جو بیوی کو خدشہ ناموس یا کوئی اور خوف و اندیشہ
تو سمجھ ہے سلامتی حاصل صرف خاوند ہی کے پہلو میں،
وہ محافظ ہے، اور ساتھ اس کے ہر کڑی کو سہار لیتا ہے"
دلربایانہ ناز سے حوا اس طرح شیفتہ بنا جائے،
کر کے محمول کج ادائی پر اختلاف، اب یہ بول سنجیدہ:
"زادۂ ارض و آسماں (آدم) سرزمینِ حسیں کے صدرِ گُل!
یہ خبر تو لگی تھی دونوں سے ـــ
کچھ بتایا ہے تو نے، کچھ لی ہے میں نے سن گن سروش رفتہ سے،
شام کے پھول جب بجلتے تھے، گوشہ سایہ دار میں ٹھہرے
یہ سنا ذکر کر رہے تھے تم کوئی موذی، کوئی عدو اپنا
پاس ہی در پئے تباہی ہے۔
لیکن اس کا نہیں ہے یہ مطلب کہ وفا پیشگی پہ شک کیجئے۔
مجھ سے یہ خواہ اپنے بارے میں، خواہ یزداں کے باب میں یہ ہو
ایک بدکیں عدو کمین میں ہے، وہ قدم میرے ڈگمگا دے گا
تجھ سے میں یہ سنوں، گمان نہ تھا۔
تو نہ اس کے ستم سے ترساں ہو کہ ہمارا وجود میں جانوں
درد انگیز اجل پذیر نہیں

ان کی زد ہی میں ہم نہیں ہم کو یا تدارک کی استطاعت ہے
ہے تجھے مکرِ غیر سے تشویش، اخذ تشویش سے یہ اندیشہ
میرا عہدِ وفا شکستہ ہو یا محبت مری پڑے گمراہ
یہ خیالات وسوسہ آور خام طبعی کا شاخسانہ ہیں
ہائے اس کی طرف سے سوئے ظن جو تجھے جان سے عزیز بھی ہے"۔
بجواب اس طرح تب آدم نے نرم الفاظ کا رکھا پھایا:
"دخت یزدو بشر امر حوا — تہمت و معصیت سے پاکیزہ
وہم کیوں ہو خدانخواستہ میں، ہو کے بداعتماد کہتا ہوں۔
تو نہ میری نظر سے اوجھل ہو
ہاں مگر چاہتا ہوں میں یہ ضرور ہر بلا سے رکھوں تجھے محفوظ
ورغلائے نہ وہ حریف کہیں — ورغلائے وہ رائیگاں ہی سہی
ورغلائے جسے وہ ہوتا ہے بدنما ننگ سے کچھ آلودہ
کوئی کج باز اگر نہیں، اس پر ہو نہ ترغیب بھی اثر انداز۔
ناگواری سے ہی مگر تاؤ پیش کردہ بدی پر آتا ہے۔ پس نہیں چاہیے غلط فہمی
میری کوشش ہے تجھ سے ٹل جائے دو بدو اک مقابلہ تنہا،
لاکھ جیوٹ سہی عدو جرأت شاید ایسی کرے نہ دونوں پر
کہ بیک وقت برخلاف اگر پہلا حملہ تو ماند کر دوں گا
دیکھ تو اس کا جعل بغض حسد اس قدر ہیچ بھی نہیں گردان
ایسا دیدہ دلیر وہ عیار، جل فرشتوں کو صاف دے جائے
مدد دیگراں فضول نہ جان۔
یہ کمال نظر کا فیض تری میں رسا ہر کمال تک گر ہوں،

روبرو تیرے بیشتر دانا، بیشتر بینا و توانا ہوں
ہو توانائی گر بروں درکار۔
ہو جھجک، دیکھتا تجھے دیکھوں پاؤں اپنی جھجک پہ میں قابو
اور چھا جاؤں، زور حد درجہ ہو فزوں ——— متحد فرازی ہو
میری موجودگی میں کیفیت عین ایسی تجھے بھی ہو محسوس،
ہمرہی میں مری جو تو اپنے دست و بازو کو آزمائے گی،
خوب شاہد بنوں گا، آئے گی جو بھی خوبی بروئے کار تری
قصہ کوتاہ یہ مری پیاری ایک ایک اور دو گیارہ ہیں"
شوہرانہ بپاس دلداری آدم خانہ داریوں بولے
بہر تسکینِ غمزہ و پندار اس میں حوا نے جزرسی پائی
پس جواباً بہ لہجہ شیریں ———
"بلبلا مژدہ بہار بیار، خبرِ بد بہ بومِ شوم گذار،
حالت زار اگر ہو یہ اپنی ناطقہ بند دو کا اک کر دے۔
اور محصور ہو کے رہ جائیں ——— خوف سے حیلہ مند دشمن کے
اور توفیق ہی یہ کھو بیٹھیں کہ اکیلے دکیلے کر پائیں
اپنا اپنا دفاع خاطر طواہ گر کسی سے مقابلہ پڑ جائے
مطمئن کیسے جی سکیں گے، سدا جو یہ خوفِ زیاں مسلط ہو؟
قبلِ عصیاں زیاں نہیں ہوتا
صرف اپنا غنیم بہکا کر اپنے اعزازِ بدنما کے ساتھ
منہ نکو سیرتی کے آتا ہے ——— باعث افتخار یہ ہم کو
خیر ماتھے پہ وہ ہمارے تو کیا لگائے کلنک کا ٹیکہ

اس کا اعزازِ بدنما اس سے آپ کالا کرے وہ منہ چندرا،
حذر و احتراز کیوں ہم کو؟
پائیں ہم لوگ منزلت دو چند، نکلے اس کا غلط جو اندازہ
حاصل آئے طمانیت قلبی، لطف اس نیلی چھتری والے کا
شاہد اس واقعے پہ جب ہو گا۔
عشق کیا صدق کیا صفا کیا ہے گر نہ بے منتِ دگر تنہا
برقرار ابتلا میں رہ جائیں
کیوں گماں ہو کہ مطمئن حالت ناقص اس کردگارِ دانا نے
یوں بنائی کہ ہوں نہ ہم محفوظ خواہ ایکا ہو یا اکیلا پن،
صورتِ حال گر ہے یہ بالفعل تو سکوں عارضی ہمارا ہے
یوں ہے گر واگذار اندیشہ تو عدن کو عدن ہی کیوں کہیے؟"
بجواب اس طرح انہیں آدم اب ذرا تیز ہو کے — "اے عورت
احسن اشیاء ہمہ مقدر ہیں حکمتِ ایزدی نے کیں جیسے،
جملہ جو خلق و آفرید کیا،
کچھ نہیں خام ناتمام اس کے دستِ تخلیق کار نے چھوڑا،
آدمی کا تو ذکر ہی کیا ہے، یا کسی اور شے کا، جو محفوظ
حالتِ مطمئن رکھے اس کی، فتنۂ زورِ غیر سے محفوظ
خود خطر آپ اندر اندیشہ، اندر اس کے ہی اختیار بھی یہ
نہ خلاف رضا گزند لگے۔
جاننا چاہئے کہ یزداں نے چھوڑ دی قدرت و رضا آزاد،
کوئی بندش نہیں کہ پیرو کار عقل کا کوئی شخص ہو بالذات

عقل کو مستقیم فرمایا
ساتھ ساتھ احتیاط کی تلقین وہ خبردار ہو، سدا ہشیار
یہ نہ ہو کوئی دلفریب اس کو طرح دے جائے ہو کے خوب نما
اور وہ نادرست حکم لگائے پھر رضا سے غلط بیانی میں
فعل سرزد کرائے کچھ ایسا منع یزداں سے جو صریحاً ہو
بدگمانی نہ کر، تقاضا ہے باہمی جذبۂ محبت کا
کہ سدا میں ترا خیال رکھوں اور میرا رہے خیال تجھے
محکم اپنا سہی وجود مگر پھر بھی لغزش کا احتمال تو ہے
غیر اغلب نہیں کہ ہو دوچار عقل آسیب اثر کسی شے سے
جو بظاہر نظر نواز لگے، اور غچا یہ بے خبر کھا جائے
کر نہ پائے نگاہ داشت کڑی کر نہ بیٹھے فروگذاشت بڑی
دیکھ ترغیب کا نہ لے آ گا، عافیت اس سے احتراز میں ہے
تو اسے حفظِ ماتقدم جان، دور ایسے نہ مجھ سے ہو جانم
یہ رہے دھیان میں کہ وقت بُرا دے کے دستک کبھی نہیں آتا
گر ثبوتِ وفا پہ ہے اصرار کر بہم تو ثبوتِ طوعِ اول،
دوسری بات یوں کسے معلوم
لیکن اب بھی ہے گر یقین تجھے، جس کے بارے میں انتباہ ہوا
بل بلائے عذاب سے ایسے واقعی ہم ہیں نسبتاً محفوظ
یاں ٹھہرنا خلافِ مرضی تو اور کردے گا دور — بے شک جا
جا، بہ ایں طبعزاد معصومی
جو صفا ہے کرا عتماد ہے یہ لا جس قدر لا سکے بروئے کار

تیرے ذِمے جو تیرے حصے کا کام یزدان نے لگایا ہے
جا بہ طیب دلی اسے نمٹا
یوں ابوالبشر مخاطب تھے، تریاہٹ تھی، اڑی رہیں حوا،
دب کے لیکن یہی جواب آخر
"پس رضا مند تو ہوا میں بھی خوب اچھی طرح ہوئی آگاہ
بالخصوص آخری ترے الفاظ، جن سے ثابت ہے منطقی اظہار
ہو نہ جب وہم تک، بلا ہم پر آ پڑے تو بڑی خرابی ہے
ہوں نہ اس کے لئے اگر تیار۔
مستعد تر روانہ ہوں میں تو کہ نہیں ہوں خراب اندیشہ
متکبر عدو بزعم اتنا ایک زربل پہ ہاتھ اٹھائے گا
کی یہ حرکت اگر تو رسوائی اور پسپائی کا سبب ہوگا
کہہ کر آہستگی سے نازک ہاتھ اپنے شوہر کے ہاتھ سے کھینچا
اک سبک حورِ دشت کی مانند — ازقبیلِ ثلاثۂ غسالہ —
دیلیا، یا عریدیا درئید (دیویاں چاند، پربت اور بن کی)
یوں رواں سمتِ کنج زار ہوئی
کہ ان اس چال کی ادا مستی دیلیا کے خرامِ ناز میں تھی
سر بسر پدمنی سا بھاؤ سبھاؤ
کب پر اس چندرما کی دیوی سی لیس وہ ترکش و کمان سے تھی
بلکہ ہاتھوں میں تھے وہی اوزار باغبانی کے ناتراشیدہ
سر پہ جن کے نہ آگ کا احسان نہ وہ آوردۂ سروشی تھے
ہو بہو اس سنگار میں مانو پیلز (راعی پری سی) لگتی تھیں۔

یا وہ (پھل دیوی) پومنہ ایسی، ورتمونس سے وہ جو چھپ بھاگی
(ورتمونس رتوں کا دیوتا ہے)
یا وہ مانائے سرس (ان دیوی) جس کا جوبن تھا عجب بہاریں تھا۔
(بانوئے گل) پری سراپئنی، باکرہ یا ابھی جو نا پیدا
ہوئی تھی جو وکی نہ ہم خوابہ
آنکھ اس کی نگاہِ شوق کے ساتھ دور تک اس صنم کے شاد گئی
جی میں بس یہ ذرا ٹھہر جائے،
اور تاکید بار بار وہی کہ پلٹ کر وہ جلد آجائیں،
اور اتنی ہی مرتبہ حوا، یہ دلائیں یقین لوٹیں گی دو پہر تک ضرور مسکن کو
تا کہ نبٹا سکیں بھی دھندے حسب معمول اور بسم اللہ
کھائیں ظہرانہ اور سہ پہرے کر سکیں وہ نچنت قیلولہ
مبتلائے فریب، سادہ لوح، سوختہ بخت، نامرادانہ
خام قصدِ مراجعت حوا — واقعہ فاجعہ پسِ ساعت
اب نہ فردوس میں نصیب تجھے خوابِ نوشیں، طعامِ خوش ہوں گے
پسِ گلہائے رنگ رنگ ہے وہ در کمیں گاہ منتظر خفیہ
دشمن کینہ ساز جو بن کر سنگِ راہ گراں تجھے روکے
اس جگہ پر ہی یا تجھے موڑے، باختہ، انبساط و سر گشتہ
بلکہ شک بافتہ یقیں رفتہ اور معصومیت پراگندہ
منہ اندھیرے ہی شکلِ افعی میں آن بیٹھا تھا گھات میں خناس
بسکہ جُویا جہاں بھی ہوں دریاب صرف ''زوجین انس'' وہ جن میں
ذرّیت کا شمول سارا تھا — سوچا سمجھا ہوا شکار اس کا —

کنج وکشت وکنار میں ڈھونڈھا — ہر جگہ — باغچے کا نخلستان
ہر چمن زار کا حسین تختہ، ہر بھرا دوب دوب سبزہ زار —
وہ نگہداشت وکاشت جن کی تھی لطف انگیز شغل دونوں کو،
چشمۂ رودِ سایہ دار کے پاس جستجو میں روانہ ان کے تھا۔
جی میں کیا کیا اگر ملے حوا حسنِ تقدیر سے کہیں تنہا،
تھی تمنا مگر امید نہ تھی شاذ و و نادر ہی اتفاق ایسے۔
لیکن اس کی مراد بر آئی کہ اکیلی نظر پڑیں حوا
کب توقع تھی، پر نقاب اوڑھے اک سحابِ شمیم کا تنہا
تھیں وہ نیم آشکار استادہ۔
گلبنوں میں گھنے گلابوں کی تمتماہٹ کا آس پاس گلال!
— اور لیناوہ تھام تھام ان کا ڈنڈی ڈنڈی پہ نرم نرم بہ ناز
گہ بہ گہ پھول پھول جھک جھک کر، تازہ تازہ اک ایک کا مکھڑا
لاجورد، ارغواں، ملاگیری، سیم زر داغ، خم زدہ بے ٹیک،
ٹیک دیں بندھنوں سے مہندی کی وہ انہیں تو سہج سبھاؤ، مگر
بے خبر خود یہ زہرہ تارینہ بے سہارا قوی سہارے سے
اس قدر دور تھا، قریب کہیں اس قدر تھی تباہ کن آندھی!
پاس آیا ذرا وہ طے کر کے رہگذاریں کئی — عظیم ان کی
پوششیں دیودار، چیل، نخیل۔
حوصلہ کر کے لوٹ پوٹ بڑھا اوٹ میں وہ کبھی، کبھی ظاہر
پھول بوٹوں کے اس گھنے گنجان تانے بانے میں — حاشیہ بکنار
جو کرشمہ تھے دستِ حوا کے۔ ساختہ گل کدوں سے دیدہ زیب

جو تھے پداختہ اڈونس کے (یہ ہے زہرہ کا خوبرو دلبر)،
شہرہ آفاق اس خیابانِ (شہ فشیہ) سے پُر بہار — وہی
النسِ میزبان (اوڈیسس) پسرِ رتسِ کہن سالہ،
خوب تر اس سے غیر اساطیری شاہ بیدار مغز جس گھر میں
خانمِ مہ جبینِ مصری سے گرمیٔ اختلاط رکھتا تھا۔
(واقعہ حضرتِ سلیماں کا)۔
دی سوادِ جمیل کی اب داد، اب سواد اس جمیلہ کی،
مثل اس شخص کے جو مدت تک ہو کسی شہرِ پُر ہجوم میں تنگ،
متعفن جسے بدررو ئیں اور گنجان گھاٹ گھر رکھیں،
گرمیوں کی سحر میں اک ستھرے گاؤں میں کھیت آ نکلے
اور ٹہلے، کرے ہوا خوری جو ملے شے اسے سرور آئے۔
مہک اُن کی، بساند تُوڑی کی،
گائے بھینسوں کی گندھ، میٹھی باس (دودھ لسی کی) شیر خانوں سے
ہر سماں گانو یہ، سدا دیہی،
اتفاقاً پری خرام اگر سوہنی ٹیار پاس سے گذرے
جو لگا تھا حسین اسے اب ہو اس کے دم سے حسین تر محسوس —
تھیں مکمل جمال وہ حوا
با تجمل جمیل آنکھوں میں نقش، نشہ، نشاط، نوش لئے۔
باغ باغ اب ہوا دلِ افعی دیکھ کر خطہ فراواں گل،
خلوت پر جمال حوا کی، یک بیک مل گئی اکیلی وہ
ملکوتی اک آسمانی حور پر، بہت کومل اور نسوانی

حسن و معصومیت تجمل دار،
غمزہ عشوہ ادا اشارت کا دلفریب وطرب منش انداز
غالب اس کے عناد پر آیا، کر دیا نازِ قاتلانہ نے
پاک قصہ تمام تندی کا، تند ارادے لئے جو آیا تھا
شر سے اپنے شرِ مجسم وہ غیر متقروں کھڑا رہا کچھ دیر
خیر آموختہ و وارفتہ —— جس طرح اس سے بدن پر سے
کین، حسد، انتقام کے اس نے سارے ہتھیار اتار پھینکے ہوں
اس کے اندر بھڑکتی رہتی ہے جو سدا نار حامیہ —— سوزاں
وہ میانِ ارم اگرچہ تھا جھٹ بھسم کر گئی سرور اس کا،
اور ایذا رسانیت کی خُو —— وہ کہ جلتا ہے دیکھ کر راحت
وا ژ گونی کا جو نصیب نہیں تند نفرت بحال کرتی ہے
فتنہ پرور خیال نفریں نے اس طرح اب کیا اُسے انگیخت
"تم خیالو مجھے کدھر لے کر چل پڑے، ہے یہ کیسی مجبوری
جو غرض لے کر آئی ہے یوں ہو خوشگواری سے بے خودانہ محو؟
نفرت الفت نہیں نہ یہ امید کہ جہنم کی جا ملے فردوس
لغو امیدِ لذتِ راحت، بلکہ راحت تمام ہو برباد
ماسوا صرف ایک راحت کے —— وہ جو غارتگری میں آتی ہے
چھن گئی اور سب خوشی مجھ سے
پس یہ موقع بڑا سنہرا ہے، یہ مرے ہاتھ سے نہیں نکلے۔
دیکھ عورت یہاں اکیلی ہے اور شیشے میں سہل اترے گی
خاوند اس کا نہیں کہیں نزدیک وہ نظر دور پار آتا ہے

جس کے ذہنِ رسا سے ترسیدہ میں زیادہ ہوں اور طاقت سے
اور پر اعتماد جرأت سے، انگ کی سور ما بناوٹ ہے
لاکھ پتلا سہی وہ مٹی کا پر خطرناک دشمنِ جاں ہے
زخم کاری لگے نہیں اس پر، وائے حسرت کہ میں نہیں ویسا
وہ زبوں کر دیا ہے دوزخ نے، درد نے مضمحل کیا ہیہات!
ورنہ میں عرش پر کبھی کچھ تھا — اور اے واہ صنف وہ دیگر
وہ حسیں ہے، حسین لا ہوتی، دیوتا ٹوٹ کر جسے چاہیں
رنگِ وحشت ذرا نہیں ہر چند سخت وحشت جمال و عشق میں ہے
سخت نفرت سے جاؤں کیوں نزدیک
سخت نفرت سہی مگر مخفی چاہئے دوستی کے پردے میں،
بس یہی چال ہے، مرا جس سے ہے ارادہ اسے تباہ کروں۔"
یہ کہا اور سوئے حوا وہ بد مکینِ غلافِ افعی اب
چل پڑا — خصم نسل انسانی، پر نہیں موج موج سا پیچاں
منہ کے بل رینگتا ہوا بھی نہیں، خاک پر جس طرح یہ تب سے ہے،
بلکہ دنبالہ پر الف، تہ گول مرتفع کنڈلیوں کی، لاٹ سمان
پیچ در پیچ امنڈتا الجھیرا اور کلغی سا پھن کو لہراتا
لال انگارہ لعل سی آنکھیں گردن صیقلی مطلی سی
ایستادہ تناؤ سے گرداں دائروں کے محیط میں پرکار،
خم بہ خم گھاس میں خرامیدہ۔
موہ لے آنکھ کو وہ روپ اس کا، سندر ایسا کہ پھر ادھک سندر
ناگ بنسی کوئی نہ یوں ہوگا۔ یچ تھے سامنے الیریا میں

(تھیبز کے بادشاہ اور بیگم) کادمس اور ہر میونہ بھی
جُون میں ناگ اور ناگن کے۔
(شہر یوناں) اپی ڈوارس میں صنمِ ادویہ سکولوپس،
ختم طاعون کی وبا کرنے شیش بہروپ میں جو روم گیا۔
نہ تھا کایا کلپ میں مارا ایسا جو وافریقیہ کا، عمونی،
(ابِ اسکندرِ اساطیری) نہ ہی کیپی تلین (جوپیٹر)
وہ تو اولمپیاس کے ہمراہ (ماں سکندر کی) اور یہ اژدر
ماہ پارہ کے ساتھ ہم صحبت، متولد تھا بطن سے جس کے
سیپیو — فخر رومۃ الکبریٰ — (جو ہنی بال پر ہوا غالب) —
پہلے آڑا وہ ساتھ دھرتی کے — باریابی کا جس طرح خواہاں
متذبذب مداخلت میں ہو — اک طرف راستہ بناتا ہے،
اک سفینہ، جہاز راں ماہر راس کے پاس جس طرح لائے،
یا دہانے پر ایک دریا کے، وہ جسے تند باد دیتی ہو
ہر جگہ دائیں بائیں ہچکولے، اور وہ ٹھیک رخ پہ کھینے کو
بادبانیں ادل بدل کر دے —
چل رہا تھا بدل بدل کر یوں خم بہ خم وہ دراز دنبالہ،
پیچ در پیچ کنٹھ مالائیں پیشِ حوا پر وہ رہا تھا اب
کسی عنواں نظر کو پھسلائے —
وہ مگن تھیں کہ سرسراہٹ کا شور پتوں سے کان میں آیا،
وہ نہ کھٹکیں کہ سامنے ان کے کھیت باڑی میں جانور اکثر
یوں کلیلیں کیا ہی کرتے تھے، حاضر آتے تھے ہانک پر ایسے

کہ نہیں سر سَین کا ریوڑ بھی جب بلائے وہ بالدی بن کر۔
اب ہیاؤ کھلا تو جھٹ آ گے ہو گیا بن بلائے آن کھڑا،
آنکھوں آنکھوں میں جس طرح مداح کلغی طرہ دار سے بہ ادب
وہ بجالائے بار بار آداب۔
اور مینائی گدگدی گردن چاپلوسی کے ساتھ نیہوڑائے،
جس جگہ تھا خرامِ نازاں کا پے بہ پے اس زمین پر پابوس۔
گنگ، مسکین وضع آخر کار کھینچ لیتی ہے چشمِ حوا کو
کہ تماشہ کرے کلیل اس کی۔
جیت کر اس طرح توجہ کو جی میں پھولا نہیں سماتا تھا،
زورِ حسِ ہوائے گویائی، بن گئی یا زبان مار آلہ
حسنِ ترغیب پُر فریب کی یوں اس نے تمہیدِ خوشنما باندھی:
"کر تحیر نہ مقتدر خانم، آپ ہستی تری تحیر خیز،
آسمانِ ملائمت، منشا ہو اگر تو نگاہ میں شاید
کر بھی لے تو یہ خشمگینی کم۔
پاس آیا ہوں سخت آزردہ" بر دیدار سے نہیں آنکھیں،
میں جریدہ مگر نہ خوفزدہ ہو اگر سرزش رُو دچیں بہ جبیں
میں پلٹ جاؤں، احتراز کروں —
اے جمیلہ کہ ہے جمیل تریں عکس اپنے جمالِ خالق کی
محو ہر چیز تیری دید میں ہے جو بھی بطورِ ہدیہ ہے،
ہر کوئی ذی حیات یا بے جان اس ترے حسن کی پرستندہ
جلوہ دلربا ترالاریب کیسا کر جائے ششدر و مبہوت

جلوہ آرائی خوب ہے لیکن کس نے دیکھا جو بن میں ناچا مور
اس بیابانِ بند حلقہ میں درمیاں ان وحوشِ وحشی میں
رائیگاں یہ ٹکر ٹکر دیکھیں کند، کوتاہ بیں نگاہوں سے
کرسکیں نیم تر ہی نظارہ جو تری ذات میں ہے دلآرا
فردواحد کریں جو مستثنیٰ کون ہے شاہد جمال ترا
کیا حقیقت ہے فردواحد کی
ہو دلآرام خوش ادا تو تو دیوتاؤں کے جھنڈ میں دیوی،
اور کروبیان لاتعداد ہوں پرستار و پیش کار بسان
روز تیرے حضور میں حاضر"
چکنی چپڑی لگا کے ترغیبی حرفِ مطلب زبان پر لایا،
اور اس کی یہ گفتگو جھٹ گھر دلِ حوا میں کرگئی کیسی،
پھر ہوا ٹھیک ہی اچنبھا بھی اب انہیں بول چال پر ایسی۔
وہ یہ بے ساختہ پکار اُٹھیں۔ "یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟
جانور کی زبان سے بولی، عین انساں سی ادا ہونا، پھر بستر کا شعور بھی ظاہر؟
میری دانست میں تو ہیں محروم' کم سے کم پہلے وصف سے حیواں
آفرینش کے دن جنہیں تخلیق بے زباں ہی کیا ہے یزداں نے
بول وہ کہہ سکیں نہ برجستہ ـــــ دوسری بات کا گماں کچھ تھا
چال ڈھال آنکھ وانکھ میں ان کی نظر آتی ہے سوجھ بوجھ اکثر
اور معلوم ہے مجھے یہ بھی کہ ہے افعی تمام طبقے میں
خوب ہی کائیاں ـــــ مگر ہو گا مرحمت نطق آدمی تجھ کو
یہ مرے وہم میں نہ آتا تھا۔

اس کرشمہ کو اب سوا کر دے اور آگاہِ راز کر کیسے
بے زبانی بنی زباں تیری، نظر آتی ہے یہ جو روزانہ
اس قبیلِ وحوش سے بڑھ کر مجھ سے تیرا تپاک کیسا ہے؟
کہہ کہ اس طرز کا عجوبہ تو لائقِ غورِ خاص ہوتا ہے"۔
یوں وہ ترغیبیٔ دغا باز اب:
"کائناتِ حسیں کی سلطانہ، نور افروز ضو فشاں حوا،
میں کروں تیرے حکم کی تعمیل، حسبِ ارشاد سہل ہے مجھ پر
ابتدا میں تھا جانور میں بھی، جس طرح پائمال شغل کو
چرتے پھرتے ہیں دوسرے ہر سو، پست ذہنیت و فرومایہ
کوئی خوراک تھی نہ خاص بجز جو میسر ہوا وہ تھور لیا۔
جنس کی بھوک یا بس مٹا ڈالی درک تھا ہی نہیں کچھ ارفع کا۔
اسی میداں میں گھومتے پھرتے
ایک دن اتفاق سے میں نے دور رچھتنار پیڑ اک دیکھا
پھل تھے جس پر کثیر رنگ برنگ خوشنما سرخ سرخ زراندود۔
پاس پہنچ میں ہوا تو شاخوں سے آئی ایسی مشام جاں کو خوشبو
جو ہوس اشتہا کی تیز کرے۔
ہوئے سرشار سب حواس، نہ بو یوں شکر بیز سوئے کی بھائے
نہ مہک شیر تازہ کی سرپستان گوسفند و بز،
ان پیا شام کو کلیلوں پر جو بڑا میمنوں کو اکسائے،
قصد پس یہ کیا بلا تاخیر بہرِ تسکینِ خواہشِ سرتیز
میں وہ سیبِ نفیس نوش کروں،

بھڑک اٹھی تھیں بھوک پیاس اک دم ثمرِ کام بخش ایسا تھا،
دامنِ صبر ہاتھ سے چھوٹا۔
تک رہے تھے کھڑے ہوئے دیگر جانور گرد کیا حریصانہ
رال پیتے تھے رشک کھاتے تھے، تھے رسا اس تلک نہ بیچارے۔
جست کی اس درخت پر یک دم، پھل فراواں تھا اشتہا انگیز
اس قدر پاس اس پر آویزاں کہ نہ صرفہ ذرا کیا میں نے
توڑ کا، خوب خوب نوش کیا۔
پہلے کب یہ ملا تھا چٹخارا سو شکم سیر ہو کے رج کھایا۔
دفعتاً — دیر کچھ نہ گزری تھی — خود میں محسوس کی عجب کھد بد،
باطنی طور پر ہوئی مجھ میں اہلیت حدِ عقل تک پیدا
اور بہرِ سخن زبان ملی — ہیئتِ اصل برقرار رہی —
تب خیالات کو رجوع کیا سوئے پست و بلندِ ہست و بود،
آسمان و زمیں کے جملہ امور ذہنِ روشن کے زیرِ غور آئے،
اور مابین بھی امورِ اعلیٰ، جو بھی تھے عمدہ و حسین امور۔
واہ تیرے جمالِ قدسی کی روشنی واہ وانمایاں یہ
عمدگی اور حسن سب تیری ملکوتی شبیہ میں یک جا۔
خوبصورت ترے مثیل کوئی، یا ذرا تجھ سے خوبصورت کم
نہ عناں گیر ہو سکا، پس میں سخت بے اختیار، اور شاید
یوں یہ ابرام بھی، یہاں آیا تیرے دیدار و بندگی کے لئے،
تو کہ مخلوق کی ہے طے برحق ملکہ، کائنات کی بانو"
طیف ساں، شاد، کائیاں افعی یوں مخاطب ہوا، تو حیرت سے

غیر محتاط اس طرح حوا: "اس قدر مدح میں غلو افعی،
پھل کی تاثیر میں ہو شک پیدا، گو بدیہی ثبوت بھی تو ہے۔
خیر بتلا درخت کس جا ہے، اس جگہ سے وہ دور کتنا ہے،
ورنہ فردوس میں تو یزدانی متعدد شجر ہیں ایک سے ایک
نوع در نوع جن کے بارے میں کچھ نہیں ہے ابھی ہمیں معلوم،
کثرت اتنی برائے چیدن ہے کہ ثمر کا ذخیرۂ وافر
اپنے کام و دہن سے بیگانہ برسرِ ہر شجر معلق ہے،
پھر خرابی کا احتمال نہیں۔
میں تو جانوں کہ چاہئے تعداد کچھ اضافہ رسد کی نسبت سے
ہاتھ بسیار جو سبک کر دیں مل کے فطرت کا بارِ افزائش"
شادماں ان سے اژدہا عیار:
"راہ پہلو کشا ہے سلطانہ، اور ایسا نہیں وہ دور دراز،
نزدِ چشمہ سپاٹ میداں میں پار بس ان حنائی پودوں کے،
گندھرس کے لہکتے جھاڑی بن اور بلسان سے ذرا آگے،
شرف رہبری اگر بخشے لے چلے یہ نیاز مند وہاں"
تب یہ حوا سے کہ چل لے چل — منحنی، مستقیم دکھلاتا،
تیز تر لے کے لوٹ پوٹ چلا سوئے فتنہ، وہ الجھے بٹنا —
مست و سرشار بادۂ امید، طرہ آب خوشی سے تابانی
صورت ماہتابی جولاں — ٹھوس پیوستہ لجلا بخر،
شعلۂ ملتہب خرامیدہ اور لوگوں میں یہ روایت ہو
آگیا بیتال کوئی منڈلاتا، کوئی بھوت آتمان لہراتی

ہکا بکا مسافرِ شب کو لے نکلتی ہے راہ بھٹکا کر

کنڈ کے بیچ میں سے دلدل کو جو نگل کر نشاں مٹا ڈالے

کالے کوسوں نہ یار نے یاور

لے چلا آتشین افعی یوں ام خوش اعتقاد و حوا کو

سوئے فتنہ — وہ نخل ممنوعہ جڑ ہماری ہر اک مصیبت کی —

نخل دیکھا تو اپنے رہبر سے ہمکلام اس طرح ہوئیں حوا:

"خوب افعی مگر یہی ہوتا زحمت آنے کی ہم نہ یاں کرتے

بے ثمر ہے مرے لئے بے شک ثمرِ خوش کی یہ فراوانی،

تیرا حصہ افادیت، تجھ کو ہو مبارک یہ خوبیِ تاثیر

واقعی باعث تحیر ہے، ہم چنیں گر ہے خاصیت اس کی

مس کریں اس شجر کو ہم لیکن یا ثمر چش ہوں، ہم مجاز نہیں

کہ ہمیں تو ہے صاف یزداں کا حکم لا تقربا — یہی مرضی،

یہ ہی بنتِ صدا تو اکلوتی ذات باری کی آئی ہے ہم تک

ماسوا ہم بسر حیات کریں جو بھی آئین ہو یہاں اپنا،

اپنا آئین عقل ہے اپنی"

یوں یہ حیلہ انہیں وہ ترغیبی: "واقعی یہ کہا ہے یزداں نے

یہ ثمر نوش جاں نہیں کرنا، صرف یہ نخلہائے گلشن میں؟

اس پہ مشہور بھی ہوئے آقا سب زمین و فضا کے تم — واللہ!

تاہم اس سے یہ بے ریا حوا" کھائیں ہر نخلِ باغ کا پھل ہم

باغ کے اس حسین نخل کا پھل ہے یہ ارشاد خاص یزداں کا

تم خبردار مت اسے کھانا مت یہ چھونا کہیں فنا ہو جاؤ"

لب پہ ہی تھا ابھی سخن ان کے، مختصر گو — مگر وہ ترغیبی
اور دیدہ دلیر، انساں کا بن کے ہمدرد و مدعی سرگرم
جیسے جل بھن کے رہ گیا اس کی دیکھ کر ظالمانہ حق تلفی
قابلیت مزید جتلائے — جس طرح ہو رہا ہو جذباتی
زیر و بم اضطراب کا تاہم عمدہ شائستگی کے پردے میں —
کارروائی کے واسطے تیار
کہ نظر میں اہم معاملہ ہو اور محتاط اسے شروع کرے۔
ج جیسے آزاد روما و ایتھنز
کہ فصاحت جہاں فروغ پہ تھی، (اور جو تب سے گنگ و صامت ہے)
شہرہ آفاق اگلے وقتوں کا کوئی شعلہ بیاں خطیب ادیب
ہو ستادہ جمع خاطر سے اک اہم مسئلہ پہ کرنے کو اپنی موزوں رائے کا اظہار
اور حرف سخن نہ لایا ہو وہ زباں پر ابھی کہ پہلے ہی
ہر اشارہ ہر آن ہر انداز دم بخود سامعین کو کردے
یا کرے ابتدا بہ شد و مد
کہ نہ تمہید کے لئے تاخیر بہر اظہارِ حق گوارا ہو۔
یوں سراپا مرقع جذبات ایستادہ وہاں رواں فرفر
سخن آرا ہوا وہ ترغیبی:
"اے مقدس، فہیم، دانش بخش شجرۂ امّ حکمت اب تیرا
خود پہ غلبہ دروں ہوا محسوس
کہ نہیں ہوں دقیقہ بین فقط اب علل ہی کا صرف اشیا میں
بلکہ یہ دستگاہ بھی پائی میں مکمل طرح لگاؤں سراغ

سارے عمال کا طریقِ کار، متصور ہیں جو بڑے دانا۔
اس جہاں کی عظیم سلطانہ مت ٹھٹک لا ذرا نہ خاطر میں
یہ ڈراوے ڈراونے اجلی — تو کبھی بھی فنا نہیں ہو گی
اور ہو گی بھی کس طرح؟ پھل سے؟ جو تجھے ذوق آ گہی بخشے
یا کرے گا فنا وہ تہدیدی؟ تو مجھے دیکھ ہاں مجھے جس نے
وہ چھوا بھی ہے اور چکھا بھی میں سلامت ہوں بلکہ حاصل ہے
وہ مکمل حیات اب مجھ کو جو نہ میرے لیے مقدر تھی
گو نہ توفیق تھی مجھے — جرأت میں نے فرمائی ہے یہ رندانہ
آدمی کو وہاں نہ بار ملے جانور کے لئے جو باز ہوا
کیوں برافروختہ بھلا ہو گا سوچ یزداں ذرا سی لغزش پر
اس ذرا سی خلاف ورزی پر بلکہ وہ کیا نہیں سراہے گا
تری یہ باندازیِ بے باک — جاں کو آزار مرگ کا کھٹکا
— جو بلا بھی یہ مرگ ہے — لیکن وہ نہ اس چیز سے ذرا جھجکے
جو مہیا کرے حیاتِ اکمل — خیر و شر کی صحیح آ گاہی
خیر کی ہو تو یہ روا کتنی، شر، چلو جو حقیقتِ شر ہے
کیوں نہیں اس سے واقفیت ہو کہ ہو آسان احتراز اس سے؟
پس عقوبت تجھے نہیں دے گا بلکہ یزدان دادگر ہو گا
گر نہیں دادگر تو یزداں کیا!
خوف بے جا ہے اور ہو سرزد فعل اگر یہ نہیں ہے سرتابی
مرگ کا خوف ردِ خوف بنے — ورنہ کس واسطے لگی قدغن
یوں کہ دہلائے یوں تمہیں رکھے کہتر و بے خبر پرستارو؟

وہ ہے آگاہ نخل سے اپنی تم تواضع کرو گے جس دن بھی
یہ بظاہر تمہاری صاف آنکھیں ان ڈھلی دھندلی حقیقت بین
اور بینا بنیں گی وا ہو کر۔
اس طرح دیوتاؤں کی مانند خیر و شر میں ہو دستگاہ تمہیں
درک جیسے انہیں ہے دونوں کا
اور تم دیوتا سمان بنو، میں ہوا آدمی بساں جیسے — آدمی اعتبارِ باطن سے
دیکھئے تو حساب چکتا ہے
جانور سے بشر بنا ہوں میں دیوتا تم بشر سے ہو جاؤ۔
ہے فنا کا اگر یہی مفہوم — اس فنا کی تو آرزو کیجئے۔
بشریت کا جامۂ ہستی تم اتارو کہ دیوتاؤں کی ہیئت تامہ زیب تن کر لو —
گر یہ تہدید ہے، تو ہو، بدتر صورتِ حال ہو نہیں سکتی۔
دیوتاؤں میں کون سے گن ہیں آدمی بن سکے نہ جو ان سا'
حصہ دار اس اکاش بھوجن میں۔
دیوتا چونکہ آئے ہیں پیشین اسلئے ہم پہ فائدہ لے کر'
مدعی ہیں سب ان کے دم سے ہے۔
حجت اس پر مری مرے آگے بار آور ہے زرملی دھرتی
آپ سورج کی دھوپ میں تپ کر: دخل ان کا ذرا نہیں اس میں
ہفت خواں ہیں اگر تو بتلائیں نخلِ ممنوعہ میں کیا ہے بند کون ہستی نے علمِ خیر و شر
پھر اس انداز سے کہ نوش کرے جو بھی دانش اسے نصیب آئے۔
حاجتِ اذن تک نہیں ان سے
آخر اس میں خطا ہی کیا گر یوں آگہی آدمی کرے حاصل

کیا ضرر تیری آگہی سے اُسے، کیا بدوں من یشا تجھے یہ نخل
بخش سکتا ہے کچھ اگر کل پر اس بڑی ذات کا تصرف ہے؟
ملکوتی صدور میں ممکن کارفرمائی حسد کب ہے
اس طرح کی کئی دلیلوں سے ہے یہ ثابت کہ پُر مزہ پھل کی
لامحالہ تجھے ضرورت ہے
توڑ اٹھ کر بشر صفت دیوی نوش اس کو بلا جھجک فرما"۔
بات کی ختم لفظ لفظ اس کا۔ مکر میں چور چور، حوا کے دل میں اُتر ارواں رواں جھٹ پٹ
پھل کو تکتی تھیں ٹکٹکی باندھے کہ نظر ہی پڑے تو للچاتے
یوں ترغیب مند شوق انگیز مستقل کان میں کھنکتے تھے۔
وزن دار از روئے دلیل لگی بات انہیں اور پھر خدا لگتی۔
دوپہر سر پر آن پہنچی تھی زور کی بھوک بھی چمک اٹھی۔
اور چمکا دیا جسے بو نے اشتہار خیز میوہ خوش کی۔
جواب اس آرزو سے مائل تر فندق وکام کی تواضع پر
طالبِ چشمِ اشتیاق بنی
حالت اس وقت یہ مگر پہلے جی ہی جی میں وچار کچھ ایسے:
ثمرِ خوش تریں حقیقت میں تیری خاصیتیں کمال کی ہیں
گرچہ انسان کو نہیں بہرہ تو مگر قابل ستائش ہے
کہ ترا ذائقہ — رہا پرہیز اک زمان دراز تک جس سے —
پہلے دہلے فنِ خطابت سے گنگ کو سرفراز کر جائے
نہ بنی تھی جو بول چال کو تو اس زباں میں کرے اُجاگر گُن

کہ وہ گانے لگے ثنا تیری۔

وہ بھی جس نے کیا حرام تجھے وصف تیرا نہ رکھ سکا مخفی۔

حکم لا تقربا دیا، لیکن کر دیا نخلِ آگہی موسوم

آگہی شر کہ خیر ہر دو سے —لذت اس کی حرام ہے ہم پر

حرمت اس نے مگر جو فرمائی تازیانہ سمندِ شوق کو ہے

دیکھ— حالانکہ خیر خیز ہے یہ

درک تو نے ہمیں دیا جس کا اور ہم احتیاج مند بھی ہیں

کہ یقیناً نہیں ہے نامعلوم خیر تک دسترس — اگر ہو بھی

اور نہ کیفیت اس کی ہو معلوم تو نہیں دستیاب ہو کر بھی

سادہ لفظوں میں اس طرح کہیے —منع کرتا ہے یہ کہ مت جانیں

منع کرتا ہے خیر سے ہم کو منع کرتا ہے ہوشمند نہ ہوں

ان مناہی کے ہم نہیں پابند

موت اگر باندھ دے ہمیں بے شک بعد کے بندھنوں میں یہ باند ہے

اور یہ کون سی ہے آزادی

کھائیں جس دن بھی ہم یہ نزل پھل تو مقدر ہے جان سے جائیں۔

جاں سے اپنی گیا ہے کیا افعی؟ خوب کھایا مزے سے جیتا ہے

وحشی محض جو ابھی تک تھا۔

بات کرتا ہے وہ سمجھتا ہے جانتا ہے لڑاتا ہے منطق

کی گئی صرف کیا ہمارے لئے اجل ایجاد — کیا ہمیں محروم

اس ذہانت فزا غذا سے ہیں یہ بہائم کے واسطے مخصوص

یہ بہائم کے واسطے ہوگی جو بہیمہ مگر ہوا پہلے
فیضیاب اس سے تنگ ظرف نہیں
ہوئی دریاب جو اسے مجھ تک خیر وہ خوش دلی سے لایا ہے
مشتبہ بھی نہیں سند اس کی یہ بہی خواہ آدمی کا ہے
پاک ریب وریا سے بالکل پاک — کیوں مجھے کوئی خوف دامنگیر
بلکہ شر اور خیر سے ایسی بے خبر ہوں تو خوف ہی کیسا
مجھ کو یزدان کا شریعت کا ملک الموت کا عقوبت کا؟
سب کا تریاق یاں مہیا ہے یہ ثمر قدسی ونگاہ نواز
ہے طلبگار منہ میں رکھ لیجے دانش آور ہے اس کی خاصیت
کون ہوتا پس مزاحم لے بدن وذہن کی ضیافت کر؟
ہائے منحوس وہ گھڑی جب یہ کہہ کر اپنا انہوں نے مارا ہاتھ
بے دھڑک اس ثمر پہ، توڑ لیا پھر مزے سے نگل لیا یک دم
جیسے دھرتی لہولہان ہوئی جیسے فطرت نے اپنی مسند سے
یوں بھری آہ اس کی صناعی ایک اک غم زدہ دکھائی دی —
چوں بدیدم پسے نماند بسے!
گپت چپکا قصور وار افعی جھاڑ بن میں کھسک گیا واپس
سہل تر اس لئے کہ حوا کو تن بدن کا رہا نہ تھا کچھ ہوش،
چاٹ منہ کو لگی یہ چٹخارہ کسی پھل میں ملا نہ تھا پہلے
تھی حقیقت کہ وہم ایں معنی حاصل آئے گی آگہی اعلیٰ
نہ تصور میں سرمدیت سرد — بس حریصانہ اک ندیدہ سی

بے تحاشہ وہ تھورتی جائیں غافل اس امر سے یہ خورانی
اصل میں ایک نقل اجل کا تھا
سیر آخر، خرابِ مے جیسے مست و سرشار خوش بخوش خود سے
جملہ اشجارِ باغ رضواں میں مقتدر وصف دار بیش قرار
فیض دانائی ہے تری تاثیر — رہا اب تک پہ رسوا و روپوش
یوں معلق کیے لطیف ثمر کہ نمو یہ ہوئی ہو بے مصرف
لیکن اب لو لگا کے آئندہ منہ اندھیرے ترے بھجن گاؤں
گن الاپوں کروں تری سیوا — اس بروبار تازہ و تر کے
بوجھ سے ٹہنیاں سبک کر دوں مفت سب کے لئے جو حاضر ہے
آگہی تام ہوتا دل سے دیوتاؤں کی مثل ہو جاؤں
تام ان کی سی آگہی جن کو علمِ تامِ تمام اشیا ہے
رشک کیا کیا انہیں ہے گو اس پر جو عنایت وہ کر نہیں سکتے
ان کی سوغات یہ اگر ہوتی یوں نہ ملتی یہاں پہ روئیدہ
تجربہ ہے مجھے یہ تیرے بعد ہے ترا فیض رہبرِ کامل
میں نہ تیری متابعت کرتی، غرق رہتی سدا جہالت میں
تو نے بینش کی راہ دکھلائی اور اس تک رسائی میری ہے
گو بسرا تھا راز میں اس کا — اور شاید وہ راز ہوں میں ہی
ہے بلند آسماں بلند اتنا
کہ نظر واں سے آ نہیں سکتی صاف ہر اک چیز دھرتی کی
شاید اپنے عظیم مانع کو اور مصروفیت رہی درپیش

کہ توجہ اچٹ گئی اس کی متواتر نگاہداری سے
اپنے سب مخبروں کے جھرمٹ میں وہ کہ بالکل سلامتی سے ہے
پر آدم کا سامنا کیوں کر؟
کاش کایا کلپ کروں اس کی، وہ شریک خوشی بنے میرا
یا نہیں — رمز بلکہ بے ساجھے میں رکھوں آگہی کے اپنے تک
کسر کی اس طرح تلافی ہو رہ گئی ہے جو نصف نازک میں —
کیونکہ ہم دوش میں بنوں اس کی وہ کرے مجھ پہ التفات مزید
نہ رہوں ناگوار شے شاید حیثیت ہو مری بسا فائق
کہ زبوں حیثیت ہے کون آزاد؟ بس رہے گا معاملہ یوں خوب
پر لیا ہو جو دیکھ یزداں نے اور کردے اجل مجھے ناپید
خانہ آباد شاد پہلو میں، وہ کسی اور ایک حوا کے
ہائے مر جاؤں، بیاہ کر آدم سوت حوا کی شادمان جئے
اف مٹوں میں جنم جلی توبہ یہ تصور تو عین موت مجھے
پس یہ عزم صمیم کرتی ہوں
عید ہو یا محرم اس میں تو میں کروں گی شریک آدم کو
جسم و جاں سے مجھے عزیز ہے وہ ہے گوارا جو ہمرکاب اس کے
موت پر موت بھی مجھے آئے — زندگی اس بنا اجیرن ہے۔
سوچ یہ، پیٹھ نخل سے موڑی — لیکن اول وہ عجز مندانہ
رسم تعظیم کی بجالائیں — ذات انواط کی مثال اسے
کوئی قوت فرو کش اس میں ہو اور اس کے وجود سے جیسے

عرق علم آفریں جاری ہو رگ و پے میں نخل کی تازہ'
یا کشیدہ پوتر امرت سے سوم رس دیوتاؤں کا مدھرا۔
آرزومند واپسی کے ادھر
آدمِ منتظر نے اس دوران اک پرویا تھا ہار چن چن کر
بہتریں پھول حورِ حوا کی زلف و کاکل سنوارنے کے لئے
مزدِ دہی کا یہ صلہ — سرپیچ ریت ہے باندھتے ہیں یا ماتھے پر
جو درو کار فصل دیوی کے
لے رہے تھے وثوق سے فالیں فرطِ تفریح کی خیالوں میں
آئے گی جب پلٹ کے دلآرام ہوگا آرام دل کو دوبارہ
ہوگئی تھی مگر بڑی تاخیر — جی میں اک وسوسہ سا آتا تھا
غیب سے ایک بدشگونی سی، ہول سا جی کو — اور لغزش کی
حرکت کا ذرا ذرا احساس — چل دیئے ڈھونڈتے اسی رستے
صبحدم جس پہ وہ سدھاری تھیں جب ہوئے تھے جدا جدا دونوں۔
شجر العلم ہی کے پاس انہیں راستے سے گذر کے جانا تھا
پاس اس کے ہی وہ ملیں آتیں — ثمرِ خوش کا ہاتھ میں خوشہ،
نرم و گل خندہ و نوی چیدہ بھینی بھینی بکاؤلی کی بو،
سوئے آدم بڑھیں لپک کر وہ، چہرہ عذرِ حسیں کا دیباچہ
معذرت خواہ گل عذار ہوئیں جھٹ بناؤ سے شکّریں شکن:
"یہ جو آدم مجھے ہوئی تاخیر کچھ تجھے اضطراب تو ہوگا؟
اف وہ تیرے بغیر سُونا پن جس طرح اک زمانہ بیت گیا،

تیری صحبت سے وائے محرومی کلفت الفت میں یہ نہ دیکھی تھی،
یوں نہ اللہ بارِ دیگر ہو، تو بہ تجھ سے بچھڑ کے دردِ فراق،
الاماں کاوشِ حصول کہ تیز کی جو نا آزمودہ کاری میں۔
لیکن اس کا سبب عجیب ہوا گر سنے کوئی تو اچنبھا ہو!
نخل جیسا سنا نہ تھا اتنا پرخطر، گر ثمر چشید کریں
کوئی کھلتی نہیں ہے ان دیکھی رہ مصیبت کی، بلکہ اس کا تو
سرمدی کیف کھول دے آنکھیں، کھائے جو، دیوتا سروپ بنے۔
ہو چکی یہ ثمر چشانی — (سن یوں ہوا) ہوشمند وہ افعی
قدغن اس کو نہیں تھی ہم ایسی، یا پھر اس نے خلاف ورزی کی —
وہ ثمر کھا کے بدمزہ نہ ہوا، اور پھر جان سے نہیں گذرا،
خوف اپنا ہے جس کا خمیازہ — متصف بلکہ وہ تو آئندہ
نطق واحساسِ آدمی سے ہوا — منطق ایسی کی دنگ کرتی تھی۔
میرے اوپر تو کر دیا جادو،
بیجو دانہ ہوئی میں آمادہ اور لذت سے شاد کام کیا۔
تھا مرتب اثر وہی مجھ پر، آج تک جو رہیں مندی آنکھیں
ہو گئیں وا، لطیف جان ہوئی، دل مرا بلیوں اچھلتا تھا
سرمدیت کی خاص حد چھولے میں تھی جس کی ترے لئے جویا،
آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا جس کو بسکہ تجھ بن نہیں گوارا تھا!
رحمت اب تیرے ساتھ رحمت ہے، تو نہیں ہو شریک، زحمت ہے،
پیشتر طبع میں گرانی ہو، یہ ثمر تو بھی نوش فرما لے
تا کہ تقدیر ہو بہم یکساں، ہو محبت کی سرخوشی اک سی،

گر کرے احتراز تو باہم ہو مبادا تفاوتِ بسیار، — ازکجا ایں "فراق" تا بکجا!
ترک سرمد کروں تری خاطر، جب نہ تقدیر یہ اجازت دے،
وقت جب ہاتھ سے نکل جائے +"

اس طرح شاد چہر حوا نے آپ بیتی بیان کی — ہر چند
صاف عارض کے حسنِ تاباں میں تھے نمایاں غلل کے بھی آثار۔
اس طرح جاں ستان سرتابی، جب سنی دھک سے رہ گئے آدم
ششدر ایسے، نہ کچھ سجھائی دے، خوف سے شل ورید شریانیں،
سن بدن، دے گئے جواب اعضا، گر پڑا ڈھیلے ہاتھ سے نیچے
بہرِ حوا جو ہار گوندھا تھا — گل فسردہ بکھر گئے سارے۔
گم سم ایسے کھڑے تھے وہ، منہ پر اڑ رہی تھیں ہوائیاں — آخر
دل ہی دل میں سکوت یوں توڑا —
"آفرینش میں کل جمیل تریں جملہ صناعیوں میں یزداں کی
دیریاب انتخاب اے شہکار — بہرِ فکر و نظر تراشیدہ
تجھ میں فن نقطۂ کمال پہ ہے، پاک، قدسی، حسیں، سجل، دلکش!
آپ کو غرق کر لیا تو نے، یک بیک غرق کیوں کیا ایسے،
گم شدہ، وقر باختہ، لقمہ اب کسی وقت بھی اجل کر لے۔
کیوں ہوئی ارتکاب آمادہ سخت جس کی ہمیں مناہی تھی؟
کیسے دستِ تطاول اس پھل پر جا پڑا — وہ حرام پھل ممنوع؟
کوئی دشمن کا حربۂ مذموم دے گیا جُل تجھے مگر اس طور
کہ خبر تک نہ ہو سکی تجھ — ساتھ اپنے مجھے بھی خوار کیا،
کہ تہیہ مرا یہ پختہ ہے جان تیرے شریک دیدوں گا۔

کیسے زندہ ترے بغیر رہوں، آخرِ کار کس طرح تج دوں
تیری شیریں مقالیاں، تیرا عشقِ صادق، کیا ہمیں جس نے
شوقِ وارفتگی سے ہم آہنگ۔
اک مہجور شخص آوارہ دشت و در میں پھروں میں دوبارا،
اک مہیا کروں دگر پسلی، خلق یزداں کرے نئی حوا،
تیرے مٹنے کا داغ اے پیاری میرے دل سے مگر نہ جائے گا،
واللہ ہرگز نہیں، نہیں ہرگز ——
صاف محسوس، ہے کشاں مجھ کو کوئی فطری تعلقِ خاطر،
لحم کی لحم، استخواں میری استخواں کی ہے تو، محال محال
کیفیت ہو تری مری مفروق —— ہو سعادت کہ یہ قیامت ہو +"
خود سے کر کے یہ گفتگو، جیسے یاس نومید میں قرار ملے
یا پریشاں خیالیوں کے بعد اس پہ راضی، بظاہر اب جس کا
کوئی بھی تو نہیں مداوا ہو، شانت ہو کر کلام کا دھارا
سوئے حوا: "مری جری خانم کام جیوٹ کا کر دیا تو نے
کس جسارت سے، کس قدر سنگین خطرۂ احتمال برانگیخت۔
یہ بھی جرأت کی بات تھی گر آنکھ دیکھتی پھل حرام للچا کر،
واجب اعراض جس حرام سے ہے۔ کوئی تشنہ جگر کرے ایسا،
مس پہ جس کے ہو سخت پابندی لب و دنداں کا شغل ہو اس سے
واقعی ہے کمال دل گردہ —— عہد رفتہ کو کون دے آواز ——
اور کسی کو مجال ہے صاحب کہ وہ کردہ بنائے ناکردہ،
نہ یہ قدرت خدائے قادر کو، نہ یہ مقدور ہے مقدر کا۔

وہ چشیدہ ثمرِ نجس ناپاک عام شے کر دیا تھا افعی نے پہلے اس سے کہ نوش ہم کرتے،
خیر وہ اس وحوش کے حق میں مضر و جاں ستاں نہیں نکلا،
وہ بدستور خیریت سے ہے خیریت سے کہ تو بتاتی ہے۔
فائدہ مند ہے کہ انساں سادہ کرے اب بسر حیات اعلیٰ۔
خوب ہم کو یہ باعثِ ترغیب، گر تناول کریں تو منطق پر
اسی نسبت سے ہو عروج اپنا،
ماسوا کچھ نہ ہو، صنم ہم یا دیوتا یا سروش بن جائیں۔
شائبہ شک نہیں مجھے اس کا کہ وہ یزداں — خالقِ دانا
خشم و تہدید تو کرے لیکن مار دے، واقعی ہلاک کرے
یوں ہمیں جو ہیں فخرِ موجودات
برمحل اس کے سب نظام پہ ہم فائزِ رتبۂ بلند ایسے،
ہم پر آئے زوال تو لابد ساتھ اپنے تمام زائل ہوں
جو ہمارے لئے ہوئے تخلیق کہ وہ ملزوم آفریدہ ہیں —
کرے نا آفریدیوں یزداں، دل شکستہ — یہ کانَ، وفانَ،
ساری محنت اکارت، ایسا تو بابِ یزداں میں فکرِ ناہنجار۔
گن پہ بارِ دگر ہی قادر، تاہم اس سے ابا اسے ہوگا
نیست کر دے ہمیں، مبادا یہ فاتحانہ عدو پکار اٹھے
لو وہ یزداں کے عزیز، ان کی محض ناپائیدار ہستی تھی،
کون راضی اسے سدا رکھے — میں ہدفِ اوّل اس کا، اب انساں
دیکھئے آگے کس کی باری ہے، کوئی ہو کس کو رستگاری ہے!
دے عدو کو نہ طنز کا موقع — بے نیاز اس قدر رقدیر نہیں —

میری تقدیر تجھ سے وابستہ عزم ہے حشر ہو تو یکساں ہو
گر تری ہمدمی میں موت آئے، جانِ من زندگی ہے موت نہیں،
دل میں شدت سے ہے مجھے محسوس ہے کشاں یہ سرشتۂ فطرت
اپنی ہی ذات کی طرف مجھ کو ذات میری جو تیری ذات میں ہے،
کہ ہے جو کچھ بھی تو مجھی سے ہے، اپنی حالت میں افتراق نہیں،
تن من اک اپنا، تو من و من تو — تو نہیں ہے تو میں کہاں باقی۔"
آنچناں آدمؑ ایں چنیں حوا: — "واہ وا بیکراں محبت کا
کامیاب امتحان، یہ تصدیق مستند، ایک بے نظیر مثال!
شرطِ سعی مماثلت آدم،
تو مگر ہو جو تشنۂ تکمیل میں بھلا کیسے کامراں ہوں گی،
تو کہ جس کے عزیز پہلو سے ہے مجھے فخر آفرینش کا۔
کس قدر ہو گئی ہوں میں دلشاد یہ جو ہمتائی کا ہوا اظہار
ایک دل، ایک جان — یہ جس کا آج کا دن ثبوت بیّن ہے۔
تیرے عزمِ صمیم سے واضح، موت یا موت سے مہیب افزوں
کوئی ہم کو جدا کرے تو کرے، یوں ہیں گرویدگی سے پیوستہ۔
میرے ساتھ ارتکاب ہر لغزش، میرے ساتھ اشتراکِ ہر عصیان
ہے خطا یا گناہ پھر بھی یہ ثمر خوش چشید کر لینا۔
جس کی خوبی (کہ خوب سے حاصل خوب بالواسطہ کی سیدھ سجھاؤ)
میرے سرتاج تیری اُلفت کو اس حسین تجربہ میں لائی ہے
جو نہ ہرگز بصورتِ دیگر اس طرح آشکار ہو سکتی۔
ہو ذرا سا گمان گر مجھ کو ہے جو تہدید وہ اجل ہو گی

اس مری کردنی کا خمیازہ، میں اکیلی بلا کے منہ آؤں،
یوں کروں میں تجھے نہ آمادہ،
بہ خوشی ہو قبول مر جانا بے سہارا، مگر کبھی ایسے
نہ تجھے میں رہینِ امر کروں جو سکوں کا ترے زیاں کردے۔
بالخصوص اس وثوق سے مجھ پر یہ صراحت سے جب ہویدا ہے
عشق صادق ترا، وفا پرور کوئی جس کی کہیں نظیر نہیں۔
لیکن اس امر میں مرا بالکل مختلف ہے یقیں ـــــ اجل کیسی،
ہے فزوں زندگی، نظر بینا، نو بہ نو کیف، نو بہ نو امید
ذائقہ سرمدی کچھ ایسا ہے۔
کام آلودِ انگبیں آگے اس کے تلخ اور بے مزہ نکلا،
تو مرے تجربے کے بعد اس سے ذوق فرما بلا جھجک آدم،
دغدغہ دل میں لا نہ کچھ اس کا، کلموئی موت آج مردہ باد۔"
کہہ کے یہ گود میں گریں ان کی، اشک فرطِ خوشی سے آنکھوں میں،
سرخرو ہوگئی ہیں، آدم نے کر دیا عشق کو نجیب ایسا،
جان کر، اس کی پاسداری کو، مول ناراضگی سماوی لی
موت سے بھی نہیں دریغ ہوا،
پس کریمانہ پیش خوشہ سے ثمرِ خوش نما و دلاویز،
نوش جاں از رہِ تکلف تھا، نہ رسا فہم کے منافی ہی،
نہ بہ دامِ فریب افتادہ ـــــ بلکہ دیوار نہ وار، وہ مغلوب
ایسے سحر جمالِ زن سے تھے ـــــ!
ارض آنتوں تلک لرز اٹھی، سخت اسے دردِ زہ اٹھا، اے وائے

لب فطرت پہ دوسری فریاد!!

چڑھ گئی آسمان کی تیوڑی، بڑبڑاتا ہوا گرج کے ساتھ، رو پڑا پھوٹ پھوٹ کے — ہیہات

اصل مہلک گناہ انساں کا اپنی مرضی سے ہو گیا سرزد!!!

لیکن آدم کو ہوش ہی نہ رہا منہمک وہ خورش میں ایسے تھے،

باک تکرار میں نہ حوا کو سابقہ اس خلاف ورزی کی۔ (ف)

صحبتِ دلنواز سے خواہاں کہ مسرت فزود ہو باہم

دونوں مخمورِ بادۂ تازہ تھے رواں موج ہائے عشرت پر،

اس تصور میں، بال و پر پیدا کر رہی تھی الوہیت ان میں

یہ زمیں تو نظر میں ہیچ ہوئی۔

وائے مکروہ پھل سے اول تو کچھ پدیدار اثر ہوئے دیگر۔

فرطِ ہیجانِ نفسِ امارہ،

اور عورت کو مرد نے دیکھا طلب آلود ڈال کر آنکھیں

اور آنکھوں میں کھنچ گئے واں بھی شدتِ آرزو سے ڈورے لال

انگ انگ آگ میں سلگ اٹھا۔ جل رہے تھے بدن، بدن کی پیاس اب بدن

میں بھڑک اٹھی۔

بہر بوس و کنار عورت کو مرد نے اس طرح کیا مائل:

"بہرِ تسکینِ شوق مرغوب اب میرے نزدیک تو مکمل ہے،

شستہ انداز، ذوق شائستہ،

اب ہر اک بات لطف سے تعبیر، کیجئے حظ و سرور کی تدبیر

تجھ پر تحسین بہر سانی کی ایک معقول کیفیت کی بیش،

کس قدر لطف کا ضیاع ہوا!

ہائے جب تک رہا ہمیں پرہیز اس مزیدار خوشنما پھل سے
یہ دریغا نہ تھا ہمیں معلوم ذائقہ کیا ہے، اصل لذت کیا۔
کیفِ اشیا اگر ہے یہ ممنوع
آرزو کیجئے کہ نخل ایسے ایک کیا دس حرام ہو جائیں۔
ہولئے خوب تازہ دم آہم جی اب اک دوسرے سے بہلائیں
تجھے سجھاؤ بسیکھ، حسن، ادا دلربائی کہاں مزین یوں (ف)
جب رچائی کہیں جسے شادی — وہ شناسائی کی شبِ اوّل۔
آگ جذبات میں شدید لگی، گود میں آ، سہاگ رات منا
اس خیابانِ جسم سے تیرے والہانہ ہو شغلِ گل چینی
جچ رہی ہے حسین آنکھوں میں کہ نہ ایسی جچی کبھی پہلے
یہ درختِ نکو کا ہدیہ ہے
یہ کہا اور ہاتھ سے جیسے دامنِ صبر وضبط چھوٹ گیا
نارضامند وہ نہ ساتھ آئیں، ہوشمندی یہ بے خودانہ تھی
پھر تو کوئی نگاہِ پُر ہیجان کوئی چُھل چُھل عشق بازانہ
رہ گیا اب کہ یہ نہ کھل کھیلے خوب مطلب عیاں تھا جو اُپر
آگ جذبات گیر، شوق افزا شعلہ افشاں نظر میں تیز یہ تیز
پیار سے تھام کے وہ ہاتھ ان کا، لے چلے کنجِ سبزہ وگل میں
جس پہ بالائے سر گھنیرا چھتر سایہ انداز سقف صورت تھا۔
سوسن وسنبل وبنفشہ کی خوبصورت سدا سہاگن سیج —
پشپ — چمپا دوپہریہ، جوہی کرنا، کچنار، کیتکی کیسو —
ارض — کی تازہ وگداز آغوش انتہائی گداز اور تازہ —

عشق سے سیر شاد کام ہوئے خوب خوش مشغلہ وصال کا تھا

ان کی تقصیرِ باہمی کی مہر، معصیت کی سبک مزہ تکمیل

جب محبت کے کھیل سے تھک کر ہو گئے چور چور جسم ان کے

شبنمیں نیند نے دبوچ لیا

مستئی میوۂ مغالطہ خیز جو مفرح نفس ہوئی بسیار

طبع میں خوشگوار شغل کناں

کر کے آمادۂ عجب کاری

داخلی قوتوں کو جب خارج ہو چکی کیفیت عجیب ہوئی۔

بداثر ابخروں کی پروردہ خوابہائے شعور سے بوجھل، ہوئی رخصت جو وہ مکدر نیند

تو کسلمند سے اٹھے دونوں پر نہیں جیسے کوئی آسودہ

جب پڑی ایک دوسرے پہ نظر

تو ہوا فاش کس طرح آنکھیں وا ہوئیں ذہن کیسے بند ہوئے۔

گئی معصومیت کہ پردہ سی تھی انہیں مانع بدآموزی

اعتمادِ بجا طبیعی حسن اور ناموس نے انہیں سونپا

ننگ لغزش نواز کو ننگا

ستر پوشی جو کی تو آدم کو اور بے ستر کر گئی پوشاک

وہ اٹھے — سیمسن قوی جثہ (سبطِ یعقوب) ڈانیا مضبوط

یوں اٹھے گا چھنال گودی سے فیلسطینوی دلائلہ کی

زور زائل شدہ ہوئے بیدار سب محاسن سے عاری و محروم

گنگ چہرے عرق ندامت سے

دیر سے بدحواس بیٹھے تھے گم سم ایسے کہ سانپ سونگھ گیا

کم نہیں تھے خجل وہ حوا سے پھر بھی آدم گھٹے گھٹے الفاظ
لائے نوک زباں پہ یہ اپنے:۔ وائے حوا ہوائے نفس کی وہ
ساعتِ بد کہ تو نے کان دھرا اس فریبی ذلیل کیڑے پر
جس کسی سے بھی سیکھ آیا تھا نقل بولی کی وہ بشر ایسی
کہ ہمارے زوال میں برحق اور حتمی کمال میں باطل
وا ہوا ہے ضرور اب دیدہ' بے گماں ہم پر آشکارا ہے
آشکارا یہ خیر و شر ہم پر ـــ گم شدہ خیر و بازیافتہ شر
آگہی کا یہ حاصل مکروہ
گر یہی آگہی کا تھا مقصود کہ ہمیں اس طرح کرے عریاں
ضبط معصومیت وفا کیشی شرم ناموس سے تہی داماں
ہائے فطری نکوئی وخوبی ہوگئی جو خراب وآلودہ
کیسی پھٹکار اپنے چہروں پر فعلِ نفسانیٔ کریہہ کی ہے
ایک اندوختہ خرابی کا بدتریں ان خرابیوں میں سب
یہ فضیحت بھی ـــ پس غنیمت ہے کم خرابی سے گر پڑے پالا
کر سکوں گا زیارت اب کیسے میں لقائے سروش ویزداں کی
وہ نظارہ کہ تھا ہمیں اب تک باعث سرخوشی وسرمستی
خیرہ ضو سے کریں گی لاہوتی صورتیں خاکدانِ ناسوتی
تابِ نظارگی ہو سلب اپنی
اور وحشت کدے کی خلوت میں گھور اندھیرے سے گھر یہ بیہڑ ہو (اجاڑ۔ ویران)
چتر خاکستری محیط ایسا کہ نہ تارے نہ دھوپ جھانک سکے۔
ڈھانپنا اے صنوبرو مجھ کو

دیودارو تم ان گنت اپنی ٹہنیوں میں مجھے چھپا لینا
وہ سماوی فضاؤں کے باشی، اوجھل ان سے مجھے کروا لیسے
آؤ، اس حال زار حالی میں غور فی الوقت بافراغ کریں
کہ ان اعضا کی ستر پوشی ہو بلحاظِ حیا یہ بے ہودہ
واہیات اس قدر نظر ان پر ڈالنا تک نہیں ہے شائستہ
گر کسی پیڑ کے ملیں پتے نرم چکلے لطیف تو سی کر
ایک بندِ کمر ازار سے یہ ڈھانپ لیں بیچ کے حصص مخصوص
واں نہ جم جائے تنگِ نو وارد اور ملامت کے سنگ برسائے
کہ اب اطہر نہیں رہے ہم لوگ"
کی یہ باہم صلاح پھر دونوں ساتھ داخل ہوئے گھنے بن میں
ڈھونڈتے ڈھانڈتے پھرے، آخر نخل انجیر پر نگاہ پڑی
نہ وہ مشہور قسم اس پھل کی
بلکہ مانوس آج کل جس سے مالابار دکن میں ہندی ہیں
اس طرح جو کھڑے ہیں پھیلائے ٹہنیوں کی دراز باہوں کو
کہ خمیدہ معلقہ نیچے وہ زمیں میں جڑیں پکڑ جائیں
خورد خورد اک کلاں درخت کے گرد
اور ان کا خنک خنک سایہ ایک محراب سی چھپل پایہ
سر پہ اونچی تنی ہوئی گنجان تنگ پگڈنڈیوں کی ٹھنڈک میں
دھوپ سے بچ کے بیچ موکھوں سے دکھنی بالدی کرے ٹکار
گھاس چرتے بکھرتے ریوڑ کو۔
ایموزینی کھلے سپرچوں سے برگ دونوں نے یہ سمیٹ لئے

جو مہارت تھی، جوڑ جاڑ لئے کہ وہ کچھ اندری پہ چپکا لیں
رائیگاں یہ حجاب، انہیں مقصود پردہ پوشی اگر قصور کی تھی
یا اذیت رساں خجالت کی
متضاد آہ کس قدر سارا ابتدائی برہنہ عظمت سے —
پھر کو ملبس کو بچیں مابعد ٹاپوؤں بن اٹے کناروں پر
یوں ملے تھے قدیم امریکی تنگ پٹکے پروں کے اٹکائے
بے نیازِ لباس، شوریدہ جابہ جا بیچ میں درختوں کے —
یوں لنگوٹی سی باندھ کر جیسے ننگ دانست میں ڈھکا اپنا
چین دل کو نہ ذہن کو آرام زار و گریہ کناں وہ بیٹھ گئے —
آنکھ ہی سے نہیں جھڑی، اندر آندھیاں چل رہی تھیں سینہ میں
شبہ، ہیجان، برہمی نفرت، سوئے ظن اختلاف بیزاری —
داخلی کیفیت دماغ کی تھی رکھ دیا ہو جھنجھوڑ کر جیسے
تھا ابھی تک جو شانت ورش وشال سخت آفات کی لپیٹ میں تھا (ف)
ہو گیا تھا زمانہ پر آشوب
دور ادراک کا تمام ہوا داستاں یا ستاں نہیں اسکی
درخور اعتنا ارادے کو — خواہش نفس کے ہوئے دونوں
اب یہ زیر نگیں آئے تھے،
بلکہ تسلیم ہو حراقہ
عقل کامل کے سر چڑھی ایسی کہ حکومت جتانے بیٹھ گئی
دل میں ہلچل کھنچاؤ نظروں میں کچھ وطیرے میں بھی تصرف تھا
بات ادھوری رہی تھی حوا سے پھر وہ آدم نے اس طرح چھیڑی
"دھیان دیتی مری نصیحت پر تو اگر میرے پاس رک جاتی

غلط اصرار جب خدا جانے نحس زا صبح سیر کی سر میں کیا نرالی ہوا سمائی تھی
ہم بدستور مطمئن ہوتے جو ہوئی گت بری نہیں بنتی
خیر و بہبود دستبرد ہوئی ہیں برہنہ فلک زدہ نادم
نہ کرے کوئی سعی آئندہ کہ وفا کا عبث ثبوت ملے
جس کے پابند ہیں وہ اخلاقاً، یہ جو سنجیدگی سے چاہیں گے
تو پھر انجام کار جانیں گے کہ وہ بے نیل و بے مرام رہے +"
جز بزالزام کی درشتی پر یوں شتابی سے اب انہیں حوا:
"تیرے ہونٹوں سے آج نکلے ہیں کیسے الفاظ یہ درشت، آدم
مجھ پہ تہمت یہ میری کوتاہی یا مری ضد کا شاخسانہ ہے،
سیر کی ضد جسے بتاتا ہے،
کون جانے کہ ٹوٹتی ہم پر تیری قربت میں بھی یہی بپتا
یا فقط تو جھپٹ میں آ جاتا،
میں تو کہتی ہوں تو وہاں ہوتا، یا یہاں پہ دام افعی
فاش ہوتا نہ عندیہ اس کا — نطق اس طور وہ ہوا ناطق۔
پھر نہ وجہ مخاصمت معلوم،
کس لئے ہو مرا وہ بداندیش، ہو تو کیوں میرے درپے آزار۔
کیا نہ تجھ سے کبھی الگ ہوتی؟
ایک پسلی بنی تری بے جان تجھ سے چسپاں مگر سدا رہتی۔
میری ہستی ہی کیا ہے، کیوں تو نے — کہ ہے فائق — نہ حکم فرمایا
کہ نہ ہرگز ادھر کا رخ کرتی، جان جوکھوں میں ڈالتی ایسے۔
چاہتا گر تو روک سکتا تھا — اب ڈھنڈورا جو رائگاں پیٹے،
شوراشوری کا اب جو یہ عالم، بے نمک تب ہوا تھا کیوں اتنا۔

حجت اب اس قدر نہیں اچھی، مہرباں تھی رضا تری شامل
کہ اجازت بھی مرحمت کی تھی، خوش دلی سے کیا تھا رخصت بھی
تری جانب سے واقعی ہوتا خاص اظہارِ نا رضامندی
تو اگر جانتا تھا اپنی بات ٹھیک ایسی ہی تو اڑا رہتا،
مرتکب میں بھی یوں نہیں ہوتی، نہ ہی تو یوں شریکِ حال مرا+"
طیش میں آدم اس طرح بجواب:
"یہ محبت ہے کج ادا حوا، یہ صلہ ہے مری محبت کا،
دی محبت جو بے دریغ تجھے جب کہ برباد ہو چکی تھی تو؟
میں تو مامون تھا، سدا میری زندگی شاد و مطمئن رہتی
نعمت و لطف دستیاب خدام،
جانتے بوجھتے مگر میں نے موت تیرے شریک اپنائی۔
طعن مجھ پر، ہدف ملامت کا تو مجھے ہی بنائے، میں گویا
تیری بے رہروی کا ذمہ دار؟
تیرا منطق کہ میں درشت نہ تھا جب تجھے روکنے کی بات آئی،
ماسوا کیا تھا میرے امکاں میں کہ خبردار کر دیا تجھ کو
خوب تنبیہ کی، کیا آگاہ قبل از وقت سخت خطرے سے
خصمِ خفیہ سے، جو کمین میں تھا؟ اس سے آگے تو جبر ہو جاتا،
ہم کہ آزاد رائے رکھتے ہیں جبر کا تو کوئی جواز نہیں۔
تیرا پندار لے گیا تجھ کو — یا سمائی ہوائے نخوت تھی،
یا تجھے امتحان میں پڑ کر موجبِ افتخار بننا تھا۔
وہ قصیدے جمال کے تیرے، وہ بیاں سب کمال کے تیرے
آسمان و زمین کے میں نے جو قلابے ملائے — جھک ماری،

غلطی پر بہت پشیمان ہوں، اب تو یہ جرم بن گئی میری،
تو بنی مستغیث بھی اس میں۔
بسکہ یہ حشر لازما جو بھی اس طرح زن سے حسنِ ظن رکھے۔
تریاہٹ کو جو راج ہٹ مانے
زن نہ برداشت روک ٹوک کرے گر اسے اس کے حال پر چھوڑیں
اور جھنجھٹ کوئی نکل آئے تو وہ کمزور بردباری پر
مرد کو صاف نام دھر دے گی
یونہی کیچڑ اچھالتے باہم کئی گھنٹے گزر گئے بے کار
ختم کیسے فضول چخ چخ ہو کوئی بھی جھانک کر گریباں میں
تھا نہ کہنے کو ہرگز آمادہ — بسکہ از ماست ہر چہ بر سرِ ماست

○

فرہنگ

اسواکوتک = گھڑسواری کے کرتب
قورچی = قوربیگی، سامان حرب کا رکھوالا
ڈانڈا = اونچی سطح کی زمین، ڈابر کے برعکس
درپ ناز، غرور — روپ وان = صاحب خوبی
پرم پادن ۔ بہترین
حلزونی — گھونگے کی طرح، یہاں مراد حشراتی
باک تکرار میں — یعنی سابقہ خلاف ورزی دہرانے میں کوئی باک نہ ہوا، دوبارہ اور کھایا
سبھاؤ ۔ طبعی میلان ۔ بسیکھ ۔ بکثرت
شانت = پرسکون ۔ ورش = خطہ ۔ وشال = عمدہ

دفتر دہم

تلخیص

انسان کے گناہ کا چرچا ہوا۔

نگران فرشتے فردوس سے سوئے عرش آئے کہ عذرِ کوتاہی پیش کریں۔ یزدان نے درگذر فرمایا کیوں کہ وہ اہرمن کا داخلہ روکنے پر قادر ہی نہیں بنائے گئے تھے۔

دونوں خطا کاروں کی تقدیر کا فیصلہ روح اللہ کے سپرد ہوا۔ حسب ارشاد نزول کر کے انہوں نے مقدمہ کا تصفیہ کیا اور درگاہ باری تعالیٰ سے عفو کا مژدہ جانفزا سنایا۔ ان کی برہنگی کے ستر کا سامان کیا اور واپس عرش پر صعود فرمایا۔

باب دوزخ کے دربان معصیت و اجل تحیرانہ دلچسپی اور مخصوص غرض مندی سے اہرمن کے منتظر تھے۔ جونہی انسان سے جرم سرتابی سرزد ہوا یہ دربانی چھوڑ چھاڑ کا شانۂ انسان کی طرف لپکے اور دوزخ و دنیا کے درمیان آمد و رفت کے لئے اختلال پر پل باندھ دیا۔ اہرمن نشہ کامیابی میں بدمست واپس اسی راستہ پر چلا آتا تھا کہ ان کی مٹھ بھیڑ ہوگئی۔ باہم علیک سلیک۔

دار الخبائث پہنچ کر عام اجلاس میں اہرمن نے آدم کے خلاف اپنی کارگذاری بیان کی جواب میں شور تحسین کی بجائے سوں سوں کی آوازیں آئیں وہ اور اس کے سب ساتھی اچانک سانپ بن گئے تھے۔ یہی اجر عالمِ بالا میں ان کے لئے فیصلہ ہوا تھا۔ شجر ممنوعہ کا عکس ان کی نظروں میں لہرایا اور یہ چھایا مایا اتارنے کے لئے اچھلے کودے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر کڑوی کسیلی راکھ پھانکنے لگے۔

معصیت و اجل کی کارستانیاں اور یزدان کی روح اللہ کو ان پر غلبہ کی بشارت — لیکن جب سب اشیا کا احیا ہو جائے کروبیاں کو حکم ہوا کہ عناصر میں

تبدیلیاں عمل میں لائیں۔

آدم خستہ وخراب حال مصروفِ آہ وبکا تھے۔ حوا نے ڈھارس بندھائی اور کوشش کی کہ آدم کو تشدد کی راہ پر لگائیں وہ نہ مانے اور دامن امید کو ہاتھ سے نہ چھوڑا، بلکہ حوا کو یاد دلایا کہ ابھی ابھی انہیں بخشش کی بشارت مل چکی ہے — البتہ پیماں شکنی کا خمیازہ اولاد کو بھگتنا ہوگا — سو توبہ استغفار سے یزداں کی رحمت کے طلب گار اور سعی کناں ہوں کہ وہ مہربان ہو جائے۔

دریں اثنا — شنیعہ و پرکیں حرکت اہرمن نے جو کی تھی
باغ فردوس میں، کیا گمراہ — شکل افعی میں اس نے حوا کو —
اور حوا نے اپنے شوہر کو — ثمرِ جانستاں چشانیدن —
مشتہر عرش پر تمام ہوئی
کیا نہاں ہے بصیر یزداں کی چشم سے کیا فریب ممکن ہے
اس ہمہ داں کی فہم سے لاریب وہ ہمہ امر عادل و دانا؟
کیوں عناں گیر اہرمن ہوتا کہ نہ ذہنِ بشر پہ وار کرے
جب ودیعت ہوا مکمل زور، عزمِ آزاد سے مسلح بھی
بھانپ کر دے شکست فاش کوئی مطلبی یار ہو کہ دشمن ہو
وہ نہ آئے کسی کے جھانسے میں
تھی انہیں آگہی یہ لازم تھا حکمِ قطعی یاد وہ رکھتے
خواہ ترغیب کوئی بھی دیتا، جرم میوہ چشی نہیں کرتے۔
سرزداں سے ہوئی جو کوتاہی، منکرانہ صریح ستابی
ٹھیک مستوجب سزا ٹھہرے
تھی شرابور ی گناہ ایسی شاخسانہ ہبوط جس کا ہو
تیز فردوس سے صعود کیا حارسانِ فلک نے عرش کی سمت
حالت آدمی پہ افسردہ، دل گرفتہ اداس اداس خموش
سب قیافہ لگا چکے تھے وہ — تاہم اس پر تھے ششدر و حیراں
کیسے چوری چھپے بچا کر آنکھ گھس گیا تھا وہ کائیاں خناس
خبرِ بداثر مگر جونہی فرش سے بابِ عرش پر پہنچی

دم بخود رہ گیا سنا جس نے۔
آئے تھے چہرہ ہائے اہلِ جناں گو ملالِ خفیف کی زد میں
تاہم آمیزشِ ترحم سے ان کی راحت میں اختلال نہ تھا
گرد ان واردان تازہ کے لپکے اہلِ اثیر کے انبوہ
کہ سنیں کچھ پتہ لگے ان کو کس طرح سب یہ ماجرا گذرا؟
زد د تھے کرسیٔ معلیٰ کے روبرو وہ جوابِ دہ حاضر
پاسبانی میں سہو کا لے کر عذرِ صفائیٔ معقول'
ازرہِ لطف ہو گیا جو قبول
سرنہاں خانۂ سحابی سے یوں گرج کر وہ لم یزل اعلیٰ
خود بخود گفتگو طراز ہوا:
اژدحامِ فرشتگانِ جلیل اور کروبیان ذی قوت!
تم کہ امر مفوضہ سے یوں ہو کے ناکامیاب لوٹے ہو
ہو نہ آزردہ خاطر و مضطر جو زمیں کا یہاں لگا احوال
باہمہ احتیاطِ سنجیدہ تم سے ممکن نہیں تدارک تھا۔
حال ہی میں تو صاف کر دی تھی پیش گوئی وقوع کیا ہوگا
پار کر کے خلیج دوزخ سے آن اترا تھا جب وہ ترغیبی،
حکم میرا تمہیں تھا جانے دو تیز مقصد فتیح پانے دو'
بیشک انساں کو ورغلانے دو
چاپلوسی سے پھول کر اس کو ہر دگر امر بھول جانے دو'
خواہ خالق ہی کے خلاف سہی، جھوٹ پر اعتبار آنے دو۔
تھی مشیت نہ متفق میری اقتضائے ہبوط میں تاہم

ہوئی ہیجان کے خفیف تریں ثانیہ میں نہیں اثر انداز ان کی مختار رائے پر ترغیب
حسب رجحان میں نے چھوڑی وہ ٹھیک میزان میں توازن سے
—اب مگر وہ خراب و خوار ہوا
اور اس کے لئے رہا کیا ہے، بس کہ ہو جاں گسل سزا صادر
انحرافِ صریح کی پاداش
موت جس کی نفی کے بارے میں تبصرے کیا نہیں ہوئے اس روز
یہ ہوا احتمالِ باطل ہے بے حقیقت نہ مثلِ برق گری
کیوں کہ اندیشۂ بشر تو تھا کہ یہ فوری کرے گی ضرب رسید۔
جلد ہی دن نہیں ڈھلا ہو گا سب حقیقت یہ منکشف ہو گی
بریت بھی نہیں مگر برداشت
عدل کا یہ معاملہ تو نہیں کوئی ٹھکرائی ٹھور نعمت ہے۔
لیکن اب ان کے فیصلے کے لئے میں روانہ کروں وہاں کس کو؟
کون نائب مرے بجز تیرے، نورِ دیدہ تجھے کیا تفویض
عدلِ کلی جہاں ضرورت ہو— خلد میں، ارض میں، جہنم میں—
صاف لیکن مرا یہ منشا جان عدل ہمدستِ دردمندی ہو—
تو حبیبِ بشر ہوا مبعوث ہاں شفیع اور ناجیٔ موعود،
آپ فدیہ بہ طیبِ دل اس کا،
متعین بہ ہیئتِ انساں راندہ انساں کا دادگر ہو جا + "
رب کا ارشاد تھا ہویدا راست عظمت اس کی ہوئی درخشندہ
روح اللہ میں الوہیت بے حجابانہ تمتما اٹھی
منعکس سر بسر ہوئی ان میں اپنے رب کی تجلیٔ تامہ—

سرمدانہ ملائمت سے جواب: "ہے ترا ربّ لم یزل فرمان،
عین میرا فریضہ اب تکمیل "من تشا" کی سماوارض میں ہو —
اور تو مجھ میں یوں حلول کیئے — میں چھپتا ہوں نورِ عین ترا
مطمئن تا ابد مقیم رہے۔
سوئے ارض اب نزول ہے میرا کہ میں ان سرکشوں پہ فتویٰ دوں —
ذات تیری خبیر جو کچھ بھی فیصلہ ہو مجھی پہ لوٹے گا،
وقت جس وقت بھی ہو اموزوں
اب ترے سامنے بھری ہامی اور اس پر نہیں پشیمانی
بس کہ ان کا کروں خفیف عذاب، جاں پر اپنی سنگھیڑ لوں سختی
عدل ورحم اس طرح ہوں ہم آمیز
کلّیۃً مطمئن دکھائی دیں وہ بشر اور تو بھی راضی ہو
متصدی نہ پیش کار وہاں نگراں کوئی اژدحام نہیں،
روبکاری ہے جن کی بس دونوں وہ ہی حاضر وہاں ہیں پیشی پر،
ہے روا غیر حاضری ہی میں تیسرے کے خلاف عائد ہو،
فردِ جرم وگناہ یک طرفہ،
ہو گیا ہے وہ توڑ کر قانون موقع واردات سے مفرور
کچھ نہیں پس ثبوتِ جرم کو ہے اور افعی کے باب میں درکار"
اس قدر عرض کر کے وہ اپنی عظمتِ یک نہاد کی اصلی مسندِ نورتاب سے اٹھے
طبقات سروش اعانت کوش (دوسرے تیسرے چھٹے چوتھے)
اہلِ تخت اہلِ زور، اہلِ دول اور اہلِ تسلط وغلبہ
آئے سب بابِ عرش تک ہمراہ۔

عدن و ساحلِ تمام وہاں اک سماں سے نظر پہ کھلتے تھے۔
راست نیچے وہاں سے وہ اترے ___ وقت تخمینہ کر نہیں سکتا
گرچہ رفتار کا خداؤں کی تیز پردار ساعتوں سے بھی۔
دوپہر ڈھل چکی تھی سورج تھا سوئے مغرب زوال پر مائل،
ٹھیک موزوں گھڑی پہ جاگ اٹھیں پنکھیاں لے کر ارض کو جھلنے
نم ہوائیں کہ شام کو اپنے دم قدم خنک کر دیں
ہوا مدھم عتاب میں نازل رحمدل عدل گستر و شافع
کہ وہ انساں کا تصفیہ فرمائے
محوِ گلگشت وہ چمن میں تھے جب خداوند کی صدا گونجی
دن ڈھلے نرم رو صبائیں جو آئیں لہروں پہ تا بگوش لئے
جب سنی یہ ندا تو وہ دونوں ___ زوج و زوجہ ___ حضور سے ان کے
چھپ گئے جھنڈ میں درختوں کے
جب خداوند کچھ قریب ہوئے یوں پکارا بلند آدم کو
"ہو کہاں کیا نہ خندہ روئی سے خیر مقدم کو آؤ گے آدم"
میں کہ آیا ہوں دور سے ملنے ہے تمہاری کمی گراں محسوس،
جی بھلا کچھ نہیں ہوا آ کر ایسی تنہائی سے تو اضع ہو
بے رخی کیوں کہ بے تکلف تھا پہلے دستور پیشوائی یاں
ہے بڑی کم نما مری آمد یا کوئی انقلاب آیا ہے
یا عناں گیر اتفاق ہوا یوں یکایک جو ہو گئے غائب
آؤ بس اب تو سامنے آؤ ___
وہ نکل آئے ساتھ حوا بھی طوعاً و کرہاً اس طرح پہلے

کہ طبیعت میں ناگواری ہو سرگراں اور مضطرب دونوں
تھیں نگاہیں تہی محبت سے
نہ خداوند کے لئے ہی تھیں اب نہ یہ تھیں برائے یکدیگر
ان دریچوں سے صاف اب جھانکیں جرم تقصیر انفعال قلق
حیلہ جوئی عناد نومیدی خفگی خفت اور خود رائی
لکنت ان کی زبان میں تا دیر آخر آدم یہ مختصر بجواب:
''ہاں سنا تھا پکارتے تجھ کو باغ میں — اور میں برہنہ تن
چھپ گیا سہم کر صدا سے تری'' — منصفِ مہربان و عالی ظرف
یوں جوابا بغیر طعن انہیں: ''تھا سدا تو صدا بگوش تجھے، خوف کیسا کہ شاد ہونا تھا۔
ماجرا کیا ہوا وہی آواز تجھ کو
اس قدر ہولناک لگتی ہے؟ تو برہنہ ہے یہ کہا کس نے؟
کی ہے کیا نخل سے ثمر خوری جس سے لاتقربا کی قدغن تھی؟
بجواب ان کو آدمِ دلگیر — اے فلک واژگون عالم میں
پیشِ منصف کھڑا ہوں میں اپنے سر پہ سارا قصور خود لے لوں
تھوپ دوں یا تمام اس جی پر جو شریکِ حیات میری ہے
چاہیے اس کے جرم پر پردہ دم جو مجھ سے وفا کا بھرتی ہے
نہ شکایت کروں نہ دوں الزام — لیکن افتادِ سخت سے لاچار
اور اندوہگین مجبوری کہ مبادا گناہ و بازدہی
ناروا ہی سہی مرے سر ہوں، لاکھ میں پرسکوں نظر آؤں،
بھانپ لے گا مگر بآسانی جو شواہد رکھوں میں پوشیدہ —
خوب عورت بنائی تھی تو نے یہ مرے واسطے سہارے کو

تیرا انمول بے بہا تحفہ جو تجھ نے فقیر کو بخشا
ملکوتی صفات ذات میں وہ، دم بخود میں ہوا اُسے پا کر،
شائبہ شبہ تک نہ تھا اس کے ہاتھ سے اس قدر خرابی کا۔
کیا کیا اس نے جو وہ کر گزری تھی وہ اس کے تئیں بجا کرتوت
نخل ممنوعہ سے کیا پھل پیش اور میں نے ضرور نوش کیا۔''
یوں بپاسخ انہیں حضور انور: ''ملکہ تھی نہ مالکہ عورت
نہ رد کر سکا کہا اس کا اور جھٹ بات مان لی چپ چاپ
تری قائد نہ تجھ سے فائق تھی کب اسے تھی برابری تیری
دستکش اس کے سامنے اس طور اپنی مردانگی سے، ہو جاتا
فوق من حیث مرد جو اس پر تھا — ترا مرتبہ۔ وہ بھول گیا
جو تراشی ترے لئے تجھ سے — درجۃ الرجل علیھا، جان —
اصل عظمت میں بے گمان ترا، زن سے حسن کمال افزوں ہے؟
زیور اس کا جمال بے شک ہے — گل بدن — خوش ادا، جمیل ایسی
دامن دل کشد کہ جا اینجاست، زن مریدی روا نہیں تاہم
جوہر اس نازنین کے سارے زیردستی میں خوب کھلتے ہیں
گر ملے اقتدار بد گوہر بسکہ منصب تجھے مبارک یہ
ہے تری ذات ہی کو یہ زیبا تو بجا حیثیت جو پہچانے''
یہ سنا کر انہیں تو حوا کو تخن ایجاز سے — ''بتا عورت
کیا غضب ڈھا دیا اری تو نے؟''
دل گرفتہ نڈھال انہیں حوا، مان کر ایک دم خطا، اب تو
وہ عدالت کے سامنے ویسی من چلی ہی رہیں نہ باتونی

شرم سے بلکہ پانی پانی تھیں
چل گیا چال وہ موافعی اور میں نے ضرور نوش کیا
کی خداوندِ آنجناب نے پھر اس سماعت کے بعد ہو کے رجوع
کاروائی مقدمہ کی خلاف ملزم افعی کے — بے درنگ شروع —
جانور ہی سہی قصور اپنا مڑھ نہ سکتا تھا اس کے سر جس نے
بھول پن سے رفیق اسے جانا
آلۂ کارِ شر بہ ایں پاداش لغو تخلیق کی مثال بنا
کور باطن بجا ہوا مغضوب استغاثہ کی اس گواہی پر
ماسوا، علم چاہیے اس سے آدمی کا نہیں تعلق تھا،
(نہ اسے ماسوا کا علم) نہ کچھ نوعیت اس کے جرم کی بدلی —
پس خداوند نے کیا ماخوذ اہرمن کو گناہ میں اوّل،
واصل صد عذابِ پر اسرار جو بہت ہی بجا شمار ہوا —
نازل افعی پہ یوں عتاب کیا کہ مددگارِ جرم ثابت تھا
''چونکہ تو مرتکب ہوا، سنگین تجھ پہ پھٹکار — پالتو، جنگلی
جو بھی حیوان ہیں ذلیل ان میں — پیٹ کے بل گھسٹ کے رینگے گا
عمر بھر خاک چاٹتی ہوگی میں عداوت کا بیج بوتا ہوں
درمیاں عورت اور تیرے، تری اور اس کی نژاد کے مابین —
زن کی اولاد سر ترا کچلے اور تو کاٹ کھائے ایڑی کو''
یوں وہ صدر الصدورِ حق نادی۔
ہوئی تصدیق پھر کہ جب عیسیٰ ابنِ حوائے دوئمیں مریم۔
نگراں تھے بُرا گرا نیچے اہرمن مثلِ برق گردوں سے —

اور احیائے قبر کے مابعد ازلی شاہ فتح یاب ہوئے
دوبدو جنگ آزمائی میں، کیں اقالیم اور دول تاراج
نور، ارفع وہ درمیان فضا دام افگن کئے اسیر چلے
بلکہ مدت کی وہ غصب کردہ سلطنت اہرمن کی بالآخر
روند دیں گے ہمارے پاؤں —
اور مہلک خراش اسپر بھی پیش آگاہ جو ابھی ٹھہرا۔
ہوئی عورت کے حق میں پھر صادر یہ سزا بارگاہ سے اس کی
یہ مرا امر ہے کہ چند بہ چند تری تکلیف میں اضافہ ہو۔
حمل میں، وضع حمل میں تکلیف، ماسوا جبر تجھ پہ یہ عائد
حکم بردار اپنے شوہر کی ہمیشہ رہے گی تو تابع وہ مجازی خدا ترا ہوگا —
آخر اس میرداد کا فتویٰ آدم بدِ عمل کے بارے میں:
اپنی زوجہ کی بات میں آکر چونکہ تو نے کیا چشید اس سے
صاف جس کے لئے ہدایت تھی — دیکھو اس شجر سے مت کھائیو
تنگ ہوگی زمین یہ تجھ پر، زندگی بھر کڑی مشقت سے
رزق کرنا پڑے گا اب پیدا صاف کر کے یہاں وہاں خودرد
گوکھر و بھٹ کٹائی گٹ بینگن تیری خوراک ساگ پات اناج
جو اگائے گا آپ کھیتی سے خوں پسینہ کرے گا ایک تو پھر
تو کمائے گا پیٹ بھر روٹی — یہ مقدر ہوا ترا، جب تک
خاک میں پھر نہ لوٹ جائے گا خاک ہی سے خمیر ہے تیرا،
اصل پہچان لے کہ خاک ہے تو اور پھر خاک ہی میں ملنا ہے۔
ناجی وعدل گسترِ مرسل آدمی کا یہ فیصلہ دے کر۔

متوجہ ہوئے، اجل کا وار جو کہ تھا نافذ العمل فوری،
ملتوی کر دیا نہ اس دن ہو اور میعاد کچھ بڑھا ڈالی —
رحم فرمایا ہائے وہ کیسے یوں برہنہ کھڑے تھے اس رت میں،
تھا تغیر بھی اب اثر انداز۔
پر نہیں تھی انہیں ابھی منظور خادمانہ وہ حیثیت اپنی
اختیارانہ بعدازاں جیسے آپ خادم کے پاؤں دھلوائے
جس طرح اک کُٹمب پر کھا ہوں ڈھانپ دی یوں برہنگی ان کی
چار پاؤں کی پوستینوں سے — چار پائے ذبیح وجاں دادہ —
وہ بدلتا ہے کینچلی بانکی سانپ جیسے نئی — نہیں گذرا
لحظہ بھر یہ ملال وہ ملبوس کر رہے تھے مخالفین اپنے —
نہ فقط پوست چار پاؤں کی اوپری، بلکہ دی سنوار کہ تھی
وہ جو افزوں تر کہیں اس سے اندرونی برہنگی مذموم،
جامۂ پارسائی خود میں نگہِ رب سے پردہ پوش کیا۔
پھر صعودِ سریع سے رجعت سعد پرور جنابِ یزداں میں،
جاگزیں عظمتِ قدیمہ پر، ذات باری کو شادمان کیا،
وہ ہمہ دان ہے مگر پھر بھی کہہ سنائی بشر کی سب روداد،
کر کے عمدہ شفاعتیں شامل
ابھی ناٹک جزا سزا کا یہ نہ رچایا گیا تھا دھرتی پر،
ملک الموت و معصیت جم کر اسی دوراں ڈٹے رہے دونوں
بابِ ہائے جحیم کے اندر، وہ کہ چوپٹ کھلے اُگلتے تھے
غضب آلود شعلے سوزندہ دور سرحدِ اختلال تلک

وہ کہ خناس کے گذرنے پر معصیت نے کیے جو وا اس پر
ملک الموت سے مخاطب یہ: ''اے پسر کیوں تکا کریں بیٹھے
ہاتھ پر ہاتھ یوں دھرے بیکار جب مہاچتر کار وہ اپنا
اہرمن دوسرے جہانوں میں فارغ البال، اہتمام میں ہے
کہ بہار آفریں سرابستاں ہو فراہم ہمیں — ہم اس کے ہیں
بال بچے، اس آنکھ کے تارے —
واقعہ بے گمان اور نہیں، کامرانی سے ہمکنار ہوا،
آفت اس پر اگر کوئی آتی لوٹ کر کب کا آ گیا ہوتا،
یاں غضب میں دھکیلتے اس کو منتقم، اور تو نہ موزوں تھا،
ہاویہ زاویہ عقوبت کو
جس جگہ پھینک کر اسے ان کی آتشِ انتقام بجھ سکتی —
لگ رہا ہے کہ اک نئی شکتی لے رہی ہے جنم مرے اندر،
بال و پر اُگ چلے، بڑا اسنسار اب مرے راج پاٹ کو ہوگا،
دور اندھیارے نرک سے آگے — دور،
اس طرح جو کشاں ہے — ہمدردی یا کوئی ہم مزاج حس پُر زور
انتہا فاصلہ پہ دور دراز ہم خصائل تمام اشیا کو،
ایک مخفی تریں وسیلہ سے خفیہ یکجائی میں پروتی ہے —
جیسے ناخن سے گوشت پیوستہ تو مرے ہمرکاب جائے گا،
ملک الموت کو جدا کر دے معصیت سے مجال کس کی ہے؟
پر مبادا گذر کی دشواری حائل اس کی مراجعت میں ہو،
یہ ہی ناقابل عبور خلیج پار جس سے نہ ہو سکے کوئی

آگ ساگر سے نیو مارگ رکھیں نئے سنسار تک، یہاں سے ہم
وہ جہاں نامِ اہرمن کا سدا سکہ چلتا ہے ڈنکہ بجتا ہے۔
یادگارِ کمال، طاغوتی لشکرِ طالع آزما کے لئے
آمد و رفت کی سبیل آساں جو گراں جانی سفر کر دے
جب کہ بنجارہ کوئی لادچلے، کھینچ لے جائے جس طرح تقدیر—
راستے سے بھٹک نہیں سکتی میں کہ شدت سے یوں کشایندہ
جزبہ والتفاتِ نورس ہے"
سایہ ہیچ مایہ تب اس کو بجواب ایں چنیں شتابانہ!:
"چل جدھر لے چلیں بزور تجھے بخت و میلان — میں نہ پس ماندہ
صورت گردِ کارواں ہوں گا یا جہاں گردِ راہ گم کردہ
کہ بنے تو مرے لئے رہبر—
آئی ہے بوفساد کی مجھ کو، کشت و خوں صید یہ قمرغہ میں (ف)
ان گنت ذی حیات ان سب سے موت کی تازہ باس آتی ہے—
ذائقہ ہے زباں پہ مقتل کا — اس مہم میں، ہمیں ہے جو در پیش،
پائے گو تہ قدم نہ تو مجھ کو میں ہمہ وقت دست راست ترا۔
یہ کہا، بوفنا پذیر اس نے ہو کے بدمست ارض سے سونگھی،
کہ ندیدے پکھیروؤں کا غول لوبھ میں جیو لوتھ کی بو سے
کئی فرسنگ سے کرے یلغار سوئے جنگاہ قبلِ روزِ ستیز
خیمہ زن دو بدو عسا کر کو جس جگہ کل اجل کا ترلقمہ
خوں فشاں معرکہ میں ہونا ہے
(یہ روایت ہے گدھ لڑائی کی باس پہلے ہی سونگھ لیتے ہیں)

اس طرح بولقندرے نے لی دور سے تاڑ کر شکار اپنے
سنگدل شکل نے سکوڑ لیا گھپ فضا میں فراخ نتھنے کو —
بابہائے جحیم سے دونوں تیز پھر وہ برون بال کشا،
بے ڈھب انداز سے وسیع اجاڑ نم زدہ تیرگی پراگندہ
(لاامارۃ میں اختلال کے تھی —
بے ڈھب انداز سے وسیع، اجاڑ، نم زدہ، تیرگی پراگندہ۔)
وہ بصد زور شور طیرانی (الاماں زور شور کیسا تھا)
لجلجے ساگروں پہ منڈلائے یم سیل آفریں پہ دوش بدوش
تہ و بالا رواں ہجوم کیے —
جیسے قطبی مخالفانہ دو آندھیاں جوڈھکیل کر لے جائیں
برف سر پوش کوہ ساروں کو اور راہ دراز اٹ جائے
پسطورا کے شرق میں ساری الخطا کے نعیم ساحل تک —
ملک الموت نے بندھی مٹی اپنے اس خوفناک، خشک، خنک،
گرز سے اس طرح اڑا ڈالی جیسے ترشول (اناج کوگا ہے)
گوندھ کر پھر جما دیا محکم جیسے ڈیلوز کارواں ٹاپو
گورگانی خشونت آلودہ آنکھ اٹھا کر بچی ہوئی باقی (بھیڑیے ایسی)
کیچ گارے سے ریت بجری سے یوں جکڑ دی نہ کر سکے جنبش
جس قدر تھا فراخ دروازہ نرک کی نیو نیو تک گہرا
کس دیا کل کنار اندودہ — سخت و سنگین اپار گودی میں (رنگ روغن ملا)
قلزمِ کف فشان پر بالا حیرت افزا طویل محرابی
پل، دفاعی پناہ کا حامل اس جہاں کی جدار بے جنباں

(قشرۃ الارض) سے ہوا ملحق ملک الموت کے تسلط میں ——
اک سبیلِ کشادہ سہل گذر جو کہیں سے نہیں تھی اڑ بنگی
واں سے دوزخ میں جا اترتی تھی —— پس اگر ہو موازنہ جائز
باہم اشیائے ہیچ واعلیٰ کا —— شہنشہ یارشہ نے کوچ کیا
قصرِ کسریٰ سے شوش کی تعمیر میمونی کرے گلو در طوق
اہلِ یوناں کی حور آزادی اس بجیرے سے (فاسفورس کے)
پار اتر املا کر اک پل سے یورپ و ایشیا کو یوں باہم
اور دُروں کی ضربِ شاقہ سے لی خبر خشمناک موجوں کی ——
(حبشہ کا تھا میمنوں سطراپ) —— (والی)
حیرت انگیز حسبر سازی کا یہ نمونہ کمال فن کا تھا
اک معلق چٹان کی مگری، ساتھ ساتھ اہرمن کی اس رہ پر،
کوڑھی پاتال پر سے کرتا ہوا نیچی نیچی اڑان وہ پہلے
بحفاظت جہاں فرود آیا،
اس مدوّر جہان کے بیروں قشر عریاں پر اختلال کے بعد ——
جڑ دیا پھر سلاسلِ آہن اور اوتادِ سنگِ خارا سے
خوب مضبوط و محکم و پختہ —— مل گئے اب قلیل عرصہ میں
ارض و عرشِ اثیر کے ڈانڈے حدِ تارِ نگاہ تک جا جز ——
جانبِ دستِ چپ معلق تھا، سامنے (عرش ارض دوزخ تک)
مختلف تین راستے تینوں ان مقامات کو نکلتے تھے
ارض تک اب انہوں نے رہ دیکھی سمتِ فردوس سے گذرتی تھی ——
بھیس میں اک بجل فرشتے کے اہرمن راس کو روانہ تھا

عین مابینِ عقرب و قنطورمہر برجِ حمل سے نکلا تھا
پاپ صورت بدل کر آیا تھا ایک دم لیکن ان دلاروں نے
اس کو بہروپ میں لیا پہچان
دے کے حوا کو جُل وہ ان دیکھے پاس بن میں کھسک گیا تھا، پھر
کی یہ کایا کلپ کہ ہو معلوم کیسے چلتا ہے سلسلہ آگے
فعلِ حوا فریب خوری کا ہوا معلوم تو میاں نے بھی
سادہ لوحی میں کر دیا ایضاً — پھر نظارہ کیا برہنہ جب
ان بچاروں نے لاج سے کٹ کر رائیگاں ہاتھ پاؤں مارے تھے
متعین برائے دادگری روح اللہ کے نزول پہ وہ
سخت وحشت زدہ فرار ہوا۔ نظر آتا نہیں تھا چھٹکارا
تھی بچاؤ کی آس کم، کٹی کچھ سرِ دست ہی وہ کترائے
ڈر رہا تھا قصوروار تو ہے جانے کیا قہر نا گہاں ٹوٹے
وہ گھڑی جب گذر گئی، تو پھر رات کے وقت لوٹ کر آیا
تا کہ اس بدنصیب جوڑے کی یاس انگیز گفتگو سن لے۔
باہمی شکوہ و شکر رنجی
جب بھنک یہ پڑی مواخذے کا فوری امکاں نہیں تو خوش کیسا
اب تو آرام سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے۔
شاد، بغلیں بجاتا دوزخ کی سمت لے کر چلا یہ خوشخبری،
اور نکڑ پہ اختلال کے پاس اس نئے طرفہ پل کی پڑلی کھونٹ،
کون یہ مل گئے خلافِ امید، وہ ہی دونوں ملے عزیز اسے،
دیکھ کر ہو گیا نہال جنہیں

جب پڑی شاندار پل پہ نگاہ اور فرحت سے کھل گئیں باچھیں
دیر تک وہ کھڑا رہا مداح
کاہنہ دخترِ جمال آرا، معصیت نے سکوت یوں توڑا،
"اے پدر تیرے کارنامے سب طرہ امتیاز تیرے ہیں۔
آپ سے گو کرے نہ تو منسوب — چتر کار اور اولیں موجد
ہے تری ذات ہی فقط ان کی (ترے دل سے دلِ خموش آہنگ
ساتھ ساتھ آج یہ دھڑکتا ہے خوبصورت تعلقِ جاں سے)
تو برومندارض سے لوٹا یہ ہویدا نظر سے تیری ہے۔
ایک دم ہو گیا مجھے احساس لاؤں فرزند کو ترے پیچھے،
اس طرح ہم جو تین مل بیٹھے تو مقدر کا ماحصل جانیں۔
نہ جہنم حدود میں اپنی رکھ سکی ہے مزید پابستہ،
نہ ہی ناقابلِ سفر تاریک یہ خلیج آسکی ہمیں مانع
کہ تری تابناک راہ چلیں۔
تیرے صدقے رہا ہوئے اب تک پسِ زنداں تھے ہم جہنم میں
تو نے بخشا یہ حوصلہ اب جو ہم میں ہے قوتِ عمل پیدا،
کالے پاتال پر عجوبہ پل اس طریقے سے استوار کیا۔
جو نہ قوت سے ہو سکی توفیق، دستیاب ہنروری تجھ کو،
جو لڑائی میں ہم سے کھیت رہا عقل سے معجزانہ حاصل ہے۔
پورا پورا چکا دیا تو نے عرش کی اس شکست کا بدلہ،
تو یہاں شاہ حکمراں ہو گا نہ سہی واں وہاں پہ چلنے دے
اس ظفر مند کا ابھی سکہ — کہ یہ قضیہ چکا تھا یوں رن میں

اس نئے دہر سے کنارہ کش اجنبی — کردنی سے خود اپنی —
پادشاہی کے سب لوازم میں تجھ سے کرنا پڑا ہے بٹوارہ،
منفصل سرحدی ثغور سے ہے عرش اس کا مربعی کچھ بیچ
دہر کروی کے سامنے تیرے،
اور کرسی کے واسطے پنجہ پھرا گر کیجئے تو خطرہ کیا"۔
شاہ تیرہ پناہ شاد اسے:
"خوب اطوار دختر — و فرزند یہ بیک وقت سبط بھی میرا
یہ مہیا ہوا ثبوت اعلیٰ واقعی اہرمن نژاد ہو تم
(اس لقب پر مجھے ہے فخر کہ ہوں شاہ مختارِ آسماں کا حریف)
تم ہو شایان عرش کے نزدیک جو کیا کارِ فتحمند اپنا
فتحمندانہ ہمکنار مرے قابلِ فخر کارنامے سے
کیسا دنیائے دون و دوزخ کو ایک اقلیم کر دیا تم نے شارعِ عام کے ذریعے سے
اسلئے اب نزول کرتا ہوں ظلمتوں میں تمہاری شارع سے
اپنی ہمکار قوتوں تک سہل
کہ میں ان کامرانیوں سے انہیں مطلع کر کے جشن عام کروں
ہو لو اس راستہ پہ تم دونوں متعدد کروں کی جانب اب
ہو گئے جو تمہاری ملکیت، تحت فردوس میں اتر جاؤ
اور دھرتی پہ چار کھونٹ اپنا خوب سکہ چلاؤ ٹھاٹ کے ساتھ
آدمی خاص کر غلام بنے ہے عطا جس کو خواجگی سب پر
لاؤ تم دام میں اسے پہلے کام آخر تمام کر ڈالو۔
میرے قائم مقام ہو جاؤ کہ مدارالمہامِ ارض کیا،

مجھ سے پیدا ابلا کا بل تم میں مشترک زور پر تمہارے ہی،
منحصر اب تمام تر میرا اس نئی سلطنت پہ قبضہ ہے،
اب مرے معرکہ سے یہ زد میں، معصیت کے سبب اجل کی ہے۔
مشترک زور گر رہا قائم مت کرو فکر امورِ دوزخ میں
کسی رخنہ کا احتمال نہیں — جاؤ بن کر جیو وہاں جی دار + ''
یہ کہا اور انہیں وداع کیا — تیز رورہ میں نحس برساتے'
گنجلک راس منڈلوں میں یوں کہ ستارے چیخ کے زرد پڑے'
پڑ گئے زرد و زرد سیارے' یا مکمل خسوف میں آئے
دور دوزخ کے اس طرف نیچے گامزن اہرمن رصف پہ تھا (ف)
منقسم اختلال پر تعمیر دونوں اطراف سخت غوغائی
تاؤ' تیوڑی کی تان اس کا تھا
تھے نہ دربان، پٹ کھلے چوپٹ، ژرف پھاٹک سے اہرمن گذرا
چار سو ایک ہو کا عالم تھا —
ترک کر کے قراولیں چمپت ہو گئے تھے طلایہ گرد اوپر'
بٹ گئے بعض کر کے پس قدمی دور زیرِ فصیل دارِ فتن'
لوسی فر کی عظیم اقامت گاہ بلدۂ لوئی فلک بے مثل
یوں وہ موسوم نجم تابندہ — اہرمن کا نمونہ تلمیحاً —
'گردتومان چوکس استادہ'
تھے اکابر صلاح میں مصروف بے قراری کے ساتھ چشم براہ
کون سے اتفاق سے کس وقت وہ شہنشاہ واپس آ نکلے،
وقتِ رخصت کیا جو صادر حکم بالکل اس پر رہے عمل پیرا

جیسے برفیلی وادیوں میں تتار اپنے روسی غنیم کے آگے
استر اخاں کے قرب میں پسپا — خسرو باختر گریزاں تھا
باہلالی درفش ترکاں سے سوئے قزوین جانبِ تبریز
کر کے ویراں قلمرو الدول (سب کبیر آرمینیہ یعنی) —
اس طرح لشکر فلک راندہ کالے کوسوں اجاڑتا گذرا، وہ علاقہ جہنمیں سارا،
نزدِ اُمّ البلاد جمع ہوئے سب خبر دار اور چوکنے۔
تھا انہیں انتظار ہر لحظہ
وہ مہم جوئے مقتدر لوٹے تو وہ لے کر دگر جہانوں کی۔
درمیاں سے گذر گیا پنہاں متوجہ ہوا نہ کوئی بھی،
ایک عامی سروش حلیے میں لانس نائک سا ایک برقنداز —
سقری بابِ نار سے چپ چاپ اج سنگھاسن پہ جا براج گیا
دور پرلے سرے پہ جو محکم باہزار آب و تاب رکھا تھا
جا جم اس پر بچھی ہوئی عمدہ جامدانی کے تار و پود کی تھی
او جھل اس طرح بیٹھ کر اس نے بہ توقف نگاہ دوڑائی
آخرِ کار ابر سے اُٹھی ضو فگن شکل، نجم تاب تراش
شکل روشن تر اس لئے ملفوف اس کے اندر رہا بوقت ہبوط
یہ اجازت جو نور پس انداز — یا طمع کا خام چمکارا
تیز اچانک لپٹ کا لشکارا، کہ چکا چوند ہو گیا سارا
اسفلیں اژدحام خم آگے احتراماً بہ جوہرِ تسلیم —
خواہش عیدِ دید جس کی تھی لوٹ آیا وہ سورما سردار
مرحبا مرحبا کا شور اٹھا

امرائے مشیر جھٹ لپکے چھوڑ کر تیرگی زدہ دیوان
خیر مقدم کو گر مجوشانہ عرض کرتے ہوئے مبارکباد
چپ کیا ہاتھ کے اشارے سے، متوجہ کیا انہیں پھر یوں:
ذوالارائک ملوک، الوللقوہ احسن اصحاب باحشم ارباب
قبضہ ہمچنیں بحقداری بلکہ اب میں کہوں ببانگ دہل
ہو یہ مژدہ سواتوقع سے لوٹ کر کامگار آیا ہوں
کہ ظفر مند لے چلوں تم کو باہر اس آتشیں حفرہ سے
غمکدہ یہ کریہہ، بد، منحوس، تیرہ زندان خانہ جابر کا
اے نوابو تسلط اب اپنا اس جہانِ بسیط پر ہوگا
وطن عرش سے جو ہیچ نہیں —
وہ مری جد و جہد کا انعام جان جوکھم سے دستیاب ہوا
داستاں ہے دراز تر گر میں کارناموں کا سلسلہ چھیڑوں
جو کئے ہیں مصائب و آلام میں نے برداشت جب عبور کیا
بحر موہوم بیکران عمیق ہولناک انتشار سے مملو۔
ملک الموت و معصیت نے تیار راہ اس پر کشادہ کر دی ہے
کر سکو گے گذر سریعانہ بخرامِ شکوہ مندانہ —
ورنہ سنسان اجاڑ پگڈنڈی یہ صعوبت سے میں نے طے کی تھی۔
گاہ تحت الثریٰ و بے عرضہ، اختلالِ خلل خلا خالی،
گاہ مجبور کوہ پیما میں شبِ بلدائے بے چراغ میں تھا۔
گاہ بے نام اک انوکھی کوکھ اور غوطہ زنی کٹھن اس میں،
کاٹ کرتے ہوئے، مزاحم تھے اس سفر میں حسود پر اسرار

غل وغوغا میں مستقل حجت کہ بتقدیر وہ معظم ہیں
سو جتن سے رسائی آخر کی گیتی تازہ آفریدہ تک
جس کی خوبی کی پیش گوئی کا عرش پر مدتوں سے شہرہ تھا
کہ وہ صناعی مکمل کا ایک حیران کن نمونہ ہے۔
باغ فردوس کی فضاؤں میں خوش وخرم بشر کی آبادی
(ہم جہاں سے جلاوطن ٹھہرے)
اس بشر کو فریب کارانہ میں نے گمراہ کردگار کیا۔
حیرت افزوں تر تمہاری ہو یہ کرشمہ سب ایک سیب کا تھا
قابل دید سرگرانی تھی پھر وہ یزداں کی ہنسی آئے
واہ وا خود بخود ہوا کیسا صید اس کا بشر، جگر گوشہ
اور وہ کیا، تمام کون ومکاں اجل ومعصیت کے ہاتھ پڑے—
غم، تردد، جفاکشی نہ ہراس صف بہ صف ڈال کر پڑاؤ وہاں
حکمراں ہو بشر پہ وہ ہم پر جس طرح حکمران ہونا تھا
ٹھیک ہے میرے حق میں بھی فتویٰ کچھ ہوا بلکہ یوں کہو حق میں
کرم افعی کے میں نے جو بہروپ بھر کے انسان کو فریب دیا
بلکہ میرے لئے عداوت ہے
جو مری اور نسل آدم کے درمیاں اب دوام رکھ دی ہے
میں کروں اس کی پاشنہ مجروح، (ایڑھی)
اور اس کی نژادِ ناخوش بھی زخم کاری مجھے رسید کرے
ایک دنیا کسے قبول نہیں گر ملے ایک زخم کے بھاؤ بلکہ ہو کر لہولہان بھی لے۔
سب مری کارکردگی کی یہ مجھ سے روداد تم نے سن لی ہے

اور کیا رہ گیا ہے، بس اتنا اے مرے دیوتاؤ، تم اٹھو،
ہے لبالب نعم سے جو گیتی داخل اب اس میں بے دھڑک جاؤ"
پھر توقف کلام میں چندے —— اس توقع میں خوب گونجیں گے،
نعرہ ہائے ستائش و تحسیں ڈونگرے واہ واہ کے برسیں گے،
شور وہ، بج اٹھیں گے کان اس کے ——
اس کے برعکس اسے اداس اداس سو بسو دی سنائی —— سکاری
کہ ہو گھبراہٹ اور گھن آئے اس طرح کا اچرج اچنبھا تھا، (حیرت ناک)
کیفیت یہ رہی نہ دیر تلک کہ چرج آپ بن گیا وہ بھی
کچھ لگا یوں کہ ہو گیا کھینچ کر چہرہ کوتاہ اور مخروطی
پسلیوں سے چپک گئی باہیں اور ٹانگوں میں بل بٹے آئے
وہ اکھڑ کر دھڑام سے نیچے آ رہا پیٹ کے بل اژدر سا
اگرچہ مارے بھی ہاتھ پیر بہت
سب یہ بے سود تھا کہ اس پر تو برتر اک قوت آئی تھی حاوی
یہ عقوبت کہ روپ اچرج اک وہ بنا کر گناہ گار ہوا۔
یہ تلافی، یہ کیفرِ کردار ——
ہر نکیلی زباں پہ سکاری اور ان کے جواب میں یاں بھی،
رہ گئی سعیِ نطق میں کر کے یہ نکیلی زبان —— سکاری
دشٹ کایا کلپ میں یہ درگت
سارے ایواں میں شور ہیبت ناک، ان کی —— سکاریوں سے پھسل گیا،
سانپ کی جون میں تمام ڈھلے جو بھی اس کے شریکِ فتنہ تھے
غول در غول پیچ تن عفریت —— سب سراپا وہ سرپ اڑن بردت (سانپ)

(سانپ کی مختلف قسمیں)

گھور پھن دار، گھاگ، دومونہے، سنگینے، پن سنپولئے، کالے،
گوھواں ڈونڈ کریت، سنکاتر، دس کٹاری جلندھری زہری
(کہ گزیدہ ہواس کا مستبقی اور کاٹا نہ مانگ لے پانی)
یوں اٹد کرنہ ٹھٹ لگا ہوگا خاکِ (لبیا) میں قطرہ بر قطرہ
مارزاخونِ گورگانی سے نہ (جزائر بلیر کے کہنہ)
اونیس نام سانپ ٹاپو پر — ناگ ناتھ ان میں جثہ ور اجگر
تھا کہیں بیش اس سے ڈیلفی کی دلدلی پیتھیا میں سورج نے خوب پروان جو چڑھایا تھا۔
کم مہاناگ کوڑیالا وہ نظر آتا نہیں تھا ہیبت میں
وہ بدستور سب پہ حادی تھا
وہ چلا تو جلو میں وھامن کے سب نکل آئے صاف میداں میں،
تھے جہاں جملہ آسماں راندہ بج کے فتنہ گری کی بھگڈر سے
صف بہ صف فرد فرد جا بر جا متوقع بصد خوشی ہوں گے،
فیضیاب زیارتِ آقا جو مظفر وقار مند آیا۔
منظر اک مختلف دکھائی دیا، بدقوارہ قطار سانپوں کی
رہ گئے دل مسوس کر ڈر سے ہوئی اندیشہ ناک ہمدردی —
پھر جو دیکھا تو انقلاب وہی اپنے اندر انہیں ہوا محسوس
ہاتھ نیچے گرے، گرے نیچے ہاتھ سے نیزہ و سپر چھُٹ کر،
آپ بھی پھر گرے دھڑام سے وہ — پھر وہی ہولناک سسکاری
متعدی زبوں زبوں جلئے،
جرم میں جس طرح شریک بنے اب شریک عذاب بھی وہ تھے
تھا جو مقصود آفریں کہنا — ایک سنکار ایک بھسکارہ

بن گئی تھی ظفر کا کل اظہار منہ میں اب شرم شرم کی پھٹکار
حکمت حکمراں بالا سے، ان کی کایا کلپ کے ساتھ اُگا،
ایک گنجان جھنڈ پیڑوں کا تا عقوبت شدید ہو جائے
اور فردوس ہی سا میوہ بھی خوب ہر پیڑ پر تھا آویزاں
ذائقہ دار خوش نما لاسہ (آزمایا گیا جو حواپر)
اس عجب پر امید نقشہ پر جم گئی آنکھ کیا حریصانہ،
یہ سمجھ کر کہ ایک ممنوعہ نخل کا باغ لہلہا اٹھا،
مدعا تھا مزید ہو جائیں مبتلائے غم و پشیمانی،
تھے بہت پیاس کی جلن سے نڈھال سخت شدت کی بھوک سے بے حال،
گو فریب نظر کا ناٹک تھا دامنِ صبر ہاتھ سے چھوٹا
تو دہ تو دہ لڑھک لڑھک کر وہ ان درختوں پہ چڑھ کے جا بیٹھے
کنڈلیاں تھیں چڑیل چرخ کی ناگن ایسی لٹوں سی گھنگھریلی۔
مر بھکے اس ثمر پہ ٹوٹ پڑے جو بظاہر بڑا سہانا تھا،
ہو بہو، جو کثیر روئیدہ گوندیہ رال دار جھیل کے پاس
(درنواح بحیرہ مردار) جھلملاتا تھا جس میں شہر سدوم۔
مس وہ کر پائیں یا نہیں لیکن ذائقہ میں انہیں مغالطہ تھا
احمقانہ، خیال رغبت سے اشتہا کو فرو وہ کر لیں گے۔
پھل کہاں، راکھ پھانک لی کڑوی وہ کسیلی کہ لگ گئے اُچھو
جس کو تھو تھو اگل اگل ڈالیں
بھوک اور پیاس سے مروڑ اٹھے، کر رہے تھے جتن سڑاپ سڑاپ
لیکن ابکائی آئے، متلی ہو ذائقہ کرکرا کچھ ایسا تھا

منہ میں اٹ کر کلونس انگارے کھینچتے تھے تمام کے جبڑے
متواتر وہ اس سراب میں غرق
ہائے اس چال کے سبب، جس میں وائے انسان آ کے چوک گیا۔
بے کل آشفتہ کال کے مارے انت کے بھر رہے تھے سسکارے
کہ ہوا اذن انہیں کریں اپنی گمشدہ ہیئتیں بحال آخر۔
بعض کا قول ہے برس کے برس ہیں وہ پابند اٹھائیں سالانہ
ذلت ایسی مقررہ کچھ دن، تا کہ انساں کی گمرہی پہ انہیں
جو بھی ہے ناز خاک میں مل جائے جو خوشی بھی ہے ختم ہو جائے۔
دوسری ایک یہ روایت ہے
منتشر ہو گئے وہ صید تمام اپنے فترا کِ مشرکانہ میں
اک کہاوت ہے کس طرح افعی —— دیو مالائی اوفیین لے کر
آری نومی کو (اغلباً حوا) قابض آیا بلند اولمپس پر ——
جس جگہ سے انہیں دھکیل دیا
الپس کیواں نے قبل ازاں ان کے متولد ہو ڈکٹیہ بر جیس ——
(کریٹ میں ڈکٹ اک پہاڑی ہے جس پہ تھا یہ مقیم اوائل میں)
دریں اثنا جہنمی جوڑا (ملک الموت و معصیت دونوں)
زود فردوس میں ہوا وارد —— معصیت ایک مرتبہ پہلے
خوب کھل کر یہاں پہ کھیل چکی —— (ڈگمگائے جب آدم و حوا)
آن دھمکی بذات خود بدذات کہ سکونت پذیریاں ہو جائے
ساکنِ پُر سکون کی صورت —— ملک الموت اس کا دم چھلا،
تھا قدم سے قدم ملائے ساتھ،

اسپ اسفر پہ وہ سوار نہ تھا گو ہنوز — اس سے معصیت بولی:
"ہے بھلا کیا ترا خیال اپنی اس نئی سلطنت کے بارے میں
جو بڑے دکھ جتن سے ہاتھ لگی — کیا مبارک نہیں ہے یہ دوری
یا بدستور ہم پڑے رہتے تیرہ دوزخ کے آستانے پر
ناشنار، رعب وداب سے محروم — اور تو ناشتابہ دربانی؟ (ف)
بجواب اس طرح اسے فی الفور تند عفریت معصیت زادہ
"عرش فردوس یا جہنم میں کیا تفاوت مرے لئے میں ہوں
پیٹ کی آگ میں سدا بریاں اے خوشا وہ جگہ جہاں مجھ کو
صید اندازیاں مہیا ہوں، ہیں جو بسیار اس جگہ، لیکن
اندک اتنی کہ ایک چٹکی بھر داڑھ بھی گرم ہو نہیں جس سے۔
کیا بھلا اس سے اوجھ کا ہوگا یہ مرادھڑ ڈھبوس پوست آزاد؟
گنتر گمنی حرام کارا سے: تو لہٰذا اتمام یہ پہلے (ف)
پھول پھل بوٹیاں جڑیں چٹ کر، بعد ازاں ہضم دام ودد سارے
ماہی ومرغ تر نوالہ کر کاٹ کر وقت کی درانتی پھر
ترے آگے جو ڈال دے اس پر ٹوٹ پڑ، کر ہڑپ، ڈکار نہ لے۔
جب تلک آدمی میں رس بس کے نسل کے واسطے سے آلودہ،
نظر وفکر وقول وفعل کروں — خوان نعمت پہ میں ترے تیار،
آخری چٹ پٹی مرغن قاب:"
یہ کہا اور لگ لئے رستے اپنے اپنے الگ الگ دونوں،
تلف اتلاف پر کمر بستہ، وہ اتاریں فنا کے گھاٹ اترے زود تر یا بدیر ہر اک چیز
ایسے تیار یہ کہ جیسے ہی فصل پک جائے کاٹ کر رکھ دیں

ربِ مطلق نے ربیوں میں (ربوں) جب تماشا کئے معلّٰی سے (پیٹو)
طبقات منورین سے وہ بایں لہجہ ہوا سخن پرداز:
"یہ سگان جہنمی دیکھو تیز کیسے بھڑک کے لپکے ہیں
شورش و نیستی بپا کرنے دور دنیا کریں تہ و بالا
خوب جو آفرید کی میں نے
ایک سی دلپذیر حالت میں قائم اس کو میں رکھتا ہموارہ
گر نہ ان گھاؤ گھپ بلاؤں کو آدمی راہ جہل سے دیتا
اب مڑھیں میرے سر یہ کوتاہی (ہاں یہی باشلیق دوزخ کا (سردار: باشلیغ)
اور منحوس اور تاق اس کے) میں ہوا ہوں مجاز وہ آئیں (ساتھی)
سہل اس وادِ عرش آسا میں اور قابض بزور ہو جائیں،
چشم پوشی سے میں نے ان مقہور دشمنوں کے چلن پہ صاد کیا،
زہر خندہ کہ جس طرح میں نے موج میں آکر ان کو بخش دیا،
اور برداشت کی ہے بے انکل ان کی ہنگامہ پروری مذموم
وہ بلائے گئے ہیں بیچارے اور آئے کشاں کشاں از خود۔
غیر آگاہ تا کہ یہ کتے چاٹ لیں وہ غلاظت و فضلہ
جو نجس معصیت نے خارج کی اطہر انسان سے پلیدانہ
کہ اسے داغدار کر ڈالے یوں ٹھسا ٹھس اٹیں گے ان کے پیٹ
بھک سے پھٹ جائیں گے وہ یہ آخور تھور نے ٹھونسنے ڈگلنے سے۔
راحتِ من، عزیزِ من تیرے دست منصور کا فلاخن تیز
آخر کار اختلال میں سے منہ پہ دوزخ کے یوں فگندہ ہو
کہ وہ تیغا کرے اسے یکسر — ملک الموت و معصیت گم ہوں

بند اندھیری لحد یہ منہ پھاڑے، دوختہ یہ حریص جبڑے ہوں،
آسمان وزمین کا احیا اس طرح ہو مقدس وطاہر
کہ نہ ہو داغدار دوبارہ
اور جب تک نہ آئے وہ ساعت شامت ان پر یہی مسلط ہو—
یہ مرا امر ہے علی الاعلان"
ختم ارشاد جب ہوا اس کا سامعینِ فلک ہوئے پر زور
وردخواں لا الٰہ الا اللہ— سگریٔ ساگروں کے سُر جیسے: (شام کا راگ)
تیرے انداز عادلانہ ہیں تیرے احکام راستبازانہ
باب میں جملہ آفرینش کے، کون ہے جو تجھے خفیف کرے؟
کس کو مقدور ماسوا بے شک ہے مقدر عزیز اللہ کو
تیری عالی جناب سے اعزاز کہ وہ آباد کارِ انساں ہوں'
اور ہے کون جس کی برکت سے عہد بر عہد عصر اندر عصر
آسمان وزمیں پھر اُبھریں گے، یا کرے گا نزول عرش سے کون؟""
تھی مناجات ومنقبت جاری— خاص کروبیاں جلیل وکبیر
کردگارِ عظیم نے کر کے طلب ان کو امور پر مامور
حسب حالات وواقعات کیا— حکم اول کہ مہرِ گردندہ
ایں چنیں، آں چناں درخشندہ ارض کو خنکی وتمازت سے
متاثر کرے مساواتی خوشگواری سے جو مسا برداشت—
گر شتائے اشد شمال سے تو مدعو وہ جنوب سے کر لے
حدت صیفِ راسِ سرطانی
ماہتاب سفید کو اس کا فرض پوری طرح سے سونپ دیا۔

(بدھ، سنیچر، برہسپت، منگل، سکر) خمسہ سیارگان کے پھر لٹے
گردشیں زاویئے کیئے سارے (ساٹھ درجے پر اور نوے پر
ایک سوبیس اک سواسی پر — جبکہ ان کے الگ ہوں نکھشترا)
شصتی وقائمہ ودائرہ ثلث — ضد قرانی ووا ثر گون اثر
اور کب ہوں قران نحس ان کے کب ثوابت کیا کریں بوچھاڑ
اپنی تاثیر ناموافق کی، کون ثابت عروجِ مہر کے وقت
یا بوقت زوال طغیاں خیز — رخ معین کیئے ہواؤں کے
پار منجدھار، یا کنار میں کب ان کے جھگڑے سے انتشار مچے
ہول، ہیبت سے گڑگڑاہٹ کب گھپ ہوائی اطاق میں دوڑے؟
بعض راوی ہیں، حکم فرمایا پھر فرشتوں کو ارض کے قطبین
دو سے دس درجے اور بھی آڑا محور آفتاب سے کردیں
مار کر زور اریوان کیا متوسط گرہ فرشتوں نے
بعض راوی یہ مہر کو تاکید — مثلِ عرضِ بعید ترک کرے
معتدل النہار کی شارع موڑ کر باگ سوئے ثور چلے
ساتھ لے ہفت اطلسی بہنیں (عقد پرویں) توام سپارٹی
(برج جوزا) وہاں سے پھر سرطان (برج) حارہ تلک بصد سرعت
اسد وسنبلہ کے میزاں کے عین نیچے وہ برج جدی کو —
کہ رتیں دیس دیس کی بدلیں
ورنہ آنچل میں گل لئے شاداب متبسم بہار کی دیوی
اس زمیں کو چمن چمن رکھتی ایک سے رات اور دن ہوتے
ایک سے ماسوا فقط جو ہیں ماورا دائراتِ قطبینی

روزنا آشنائے شب ان پر ضوفشاں (مستقل رہا کرتا)۔
جبکہ بہر تلافئ دوری مہر پست ان کی آنکھ کے آگے
یوں بدستور افق پہ منڈلاتا غرب سے اور نہ شرق سے مانوس
برف کو بھی ممانعت ہوتی
باردا سٹوئی لینڈ کے رخ سے (اک جزیرہ قریب لیبر یڈار)
دور نیچے جنوب میں پھیلی میگلاں (آبنائے) کی حد تک —
مہر جرم ثمر چشی کے بعد سفرِ طے شدہ سے یوں لوٹا۔
جیسے طسطن کے خوان یغما سے — (باپ اطروس جس کے بیٹوں کے
سامنے سر بجا کے لایا تھا ظالم اطروس بھائی طسطن کا)
یہ نہ ہوتا تو پھر یہی دنیا — نا معاصی — رچی بسی ہوتی
خوب افزون خوب تر محفوظ
سخت گرمی سے جو جھلستی ہے سخت سردی سے جو ٹھٹھرتی ہے
انقلابات عرش یہ ہرچند تھے بتدریج پہنچیں آئے
انقلابات بحر و بر میں بھی — ہیں دھما کے یہاں کو اکب سے
کہر، تبخیر، دم کشی، تپ ناک، بدمضرت رساں زبوں فاسد،
نیو انگلینڈ کے شمال میں اب نورا مبگ سے (سائبیریا میں)
ساحل سیموئیڈ تک اپنے توڑ کر محبس برنجینی،
برف ٹھر، ٹھار، جھکڑ اولوں سے لیس ساری ہوائیں ورزیدہ —
بوریس (اتری پون) کیسس (اتری پوربی پون) اگستس
تھارسی لیس چنگھاڑتی، جل کو ساگروں میں اتھل پتھل کرتی
جنگلوں کو اکھاڑتی، آندھی ناموافق جنوب کی اوفر

(دکھنی پچھمی) الٹ ڈالے گھپ اندھیری کڑکتے ابروں کی
(دکھنی) لوٹیں اڑا لے جائے
(غرب افریقیہ کے ساحل پر) سرالیونہ سے آر پار کہیں
تند چڑھتی ہوئیں اترتی ہوئیں پھر سُمو میں اسی طرح پروا
اور پچھوا — لوانٹ اور پونینٹ — متوازی صبا و صرصر کے
تیز ہلڑ بپا قیامت کے (باد شرق و جنوب) سراکو اور لیاچو (ہوائے غرب و جنوب)
یوں ہوئی ابتدا اجفاؤں کی ان کے ہاتھوں کہ جاں نہ تھی جن میں۔
موت نے اولاً عموماً کی غیر ذی عقل میں مروّج پھوٹ
جو بلا معصیت کی بیٹی تھی — بے تحاشہ ہوئی شدید شروع
سر پھٹول بہم بہائم میں، چل گئی مرغ مرغ کے مابین،
آئی مچھلی کی جان کو مچھلی اک بنا اک کے پیٹ کا ایندھن
بھات اب گھاس پات کی چھوٹی اور اک نے ہڑپ کیا اک کو
(عمل جہدِ للبقا کہیے) نہ رہا آدمی کا خوف انہیں
رم کناں گاہ گاہ خیرہ چشم ٹھیگر آنکھوں سے گھورتے جائیں۔
تھے مصائب بروں عیاں افزوں کر چکے تھے نظارہ گو آدم
یہ گھنی اوٹ سے نہاں جزوی وقف افسردگی مگر محسوس
اندروں تھی خلش قیامت کی۔
کھا رہے تھے شدید ہچکولے بحرِ جذبات کے تلاطم میں
دل زدہ یوں ہوئے وہ فریادی کہ نجات اس حیات سے پائیں:
"او خوش اقبال یوں شکستہ حال اس نئی شاندار دنیا کا
یہ ہے انجام یہ بزودمآل کتنا آئینہ دارِ عظمت تھا، عظمتِ ایزدی کا عکس فشاں

وائے افسوس میں کہ تھا مسعود کس قدر آج ہو گیا مردود

اوٹ میں اب لقائے یزداں ہے عید دیدار جس لقا کی تھی

باعث صد طمانیت اب تک — یہ بھی تاہم بڑی غنیمت ہے

گر اسی مسکنت پہ ٹل جائے —

کردنی کا بھروں میں خمیازہ گو نہیں اس سے فائدہ ہوگا

میں سزاوار اجر وہ سب جو مری صلب سے جنم لیں گے

ایک شامت کا سلسلہ سمجھو — اس ندائے نوید کے بدلے

خوب پھولو پھلو بڑھاؤ بڑھو — اب اجل کی سنائی دے بھاکا۔

کیا اضافہ کہاں کی افزائش اب کسی کی نہیں ہے گنجائش،

شامت اب جسم و جاں کی آلائش — کون ہوگا نہ ہر زمانے میں

آئے جس کو نہ ہو خیال کہ شر میرے باعث ہی اس پہ ٹوٹا ہے۔

وہ تبرا کرے گا یوں مجھ پر، مورث بد شعار آدم نے

کس قدر حرکت شنیع وہ کی، کس لئے آنجناب کے ممنون؟

برکت کی دعا سراپ بجا، ٹھیک یہ جرم میرے سر پہ منڈھا

ذات سے جلد ہی اُڈ کر یہ مجھ پہ بھاٹا سمان اچٹ آئے،

ہر جگہ وزن دار شے جیسے اصل مرکز پہ لوٹ آتی ہے۔

ہائے جنت کی بو مشام جاں، وائے اے معتدل ہوائے جناں

میں نے شائد گراں خریدا تھا دیرپا رنج کے عوض تم کو۔

لیکن اے آفریدگار تری منت ایسی بھی میں نے کب کی تھی

خاک سے ڈھال کر بنا مجھ کو؟ تیرگی سے فروغ فرما دے

التجا کب یہ کی تھی کر آباد اس خیابان پر بہاراں میں؟

جبکہ میری رضا کو دخل نہ تھا اس طرح میں وجود میں آؤں
تو ہے یکساں مرے لئے مجھ کو پھر مری خاک میں ملا ڈالے
دستکش خوشدلی سے ہو جاؤں پھیر دوں جو ہوا مجھے بخششیں
بس کہ میری بساط سے ہے بروں تیری شرعِ گراں کی پابندی،
خیر مقسوم تھا صلہ جس کا متلاشی تھا میں نہ خواہش مند۔
اس زیاں پر نہ کم تھی کچھ تعزیر کہ اضافہ مزید فرمایا
وورکا غیرِ مختتم احساس — یہ ستم کیوں روا رکھا تو نے؟
یہ تری عدل گسترانہ شان شرح سے ماورا دکھائی دے،
بات دراصل یہ ہے بعد از وقت ہے مری یہ محاذ آرائی،
جو شرائط بھی تھیں مجھے انکار چاہئے تھا یہ جب ہوئیں تجویز —
لیکن (آدم) قبول کیں تو نے —
میٹھا میٹھا تو کر لیا ہپ اب کڑوے کڑوے پہ تھو یہ کیسی ہے؟
خیر، یزداں نے آفرید کیا برخلافِ رضا تجھے مانا،
کوئی فرزندِ ناخلف لیکن سرزنش پر جواب دے منہ توڑ:
یہ تمنا تو کی نہ تھی میں نے کیوں تولد کیا مجھے تو نے؟
تو گوارا کرے گا اس کی یہ خیرہ چشمی قبول یہ توہین،
رہنِ خواہش ترانہ تھا اس کا گو جنم قدرتی لزوم سے تھا؟
حسبِ منشا کیا ہے یزداں نے خود تجھے آفرید تو بندہ
حسبِ منشائے ایزداں اس کا ہے — تیرا انعام ہے کرم یزدی
سو بہ آئینِ عدل مبنی ہے من یشا پر مواخذہ تیرا
خیر یونہی سہی کروں تسلیم فیصلہ اس کا منصفانہ ہے

خاک ہوں مشت خاک ہو جاؤں مرحبا جب وہ ساعتِ خوش ہو
ہاتھ تعمیل امر میں لیکن متامل ہے کیوں جسے اس نے آج کے واسطے کیا طے ہے؟
کس لئے زندہ زائد المیعاد ملک الموت کیوں کرے تضحیک،
کیوں مروں میں مدام جیتے جی دشنۂ درد لاعلاج سے یوں؟
یہ جزا ہے اگر ملوں بے شک والہانہ گلے فنا سے میں
اور بے حس غبار ہو جاؤں — وہ لٹائے مجھے سکون کے ساتھ
گود شیتل ملے جو اس ماں کی، سوؤں اس میں نچنت ستاؤں،
میرے کانوں کے پھاڑ دے پردے نہ بھیانک چنگھاڑیوں گونجے
نہ ہو میرے لئے عذابِ جاں، نہ مری آل کے لئے کوئی خونیں اندیشۂ زبوں امید۔
وسوسہ حرزِ جاں یہ تاہم ہے — اب تو گھبرا کے خیر کہتے ہیں
ہم کہ مر جائیں گے مگر سوچو
مر کے بھی چین اگر نہیں پایا، پھر کدھر جائیں گے کدھر، سوچو؟
میں مبادا نہ ہوں فنا کلی یہ مبادا دمِ لطیف حیات
یہ جو یزداں نے روح آدم میں آپ پھونکا نہ ہو سکے زائل بدنِ ساختہ کلوخ کے ساتھ
کیا خبر ہوں لحد میں یا دیگر کلبۂ بے چراغ کے اندر
زندہ در گور مرگ کا نخچیر — وحشت انگیز اف خیال مرا
گر بجا ہے تو کس لئے یوں ہو — نفس زیست سے خطا سرزد
موت لیکن کسے مقدر ہو معصیت کا روز یست دار ہے جو؟
وہ تو دونوں بدن سے عاری ہیں پس یہ سالم مرا وجود مٹے (یعنی موت و معصیت)
رفع ابہام اس طرح جانو کہ نہیں آدمی رسا آگے۔
وہ کہین و مہین کا مولا جس طرح بیکراں ہے کیا اس کے قہر کی کیفیت بھی ایسی ہے؟

کچھ سہی آدمی نہیں ایسا کہ اسے تو فنا مقدر ہے۔
بے حد انسان پر وہ توڑے گا قہر کیسے کہ موت کام اس کا لامحالہ تمام کردے گی۔
لیکن امکان میں ہے کیا اس کے وہ اجل ہی کو بے اجل کردے؟
یوں تو ہوگا تضاد بوقلموں، یہ ادق ہے برائے یزداں بھی،
پھر سند اختیار کی کیسی یہ سند بلکہ بے بسی کی ہو،
کیا سزایاب آدمی میں وہ بہر تسکین قہر کردے گا۔
حد کو لاحد، کہ وہ درشتی ہو آخرِ کار مطمئن جس کا
ہو نہ ممکن ہی مطمئن ہونا؟
ماورائے غبار بھی اس کی ہو عقوبت کو طول اس صورت
یہ خلافِ اصولِ فطرت کے کہ ہیں جملہ علل بروئے آں
فعل پر کاربند اپنے ہی مادے کی اثر پذیری سے،
نہ کہ مخصوص اپنے حلقہ تک
بلکہ مانو اجل نہیں تعبیر بس فقط ایک ضربِ کاری ہے،
ظن ابھی تک رہا ہے جو مجھ کو — وائے ادراکِ غمزدہ میرا
آئینہ اب ہوا مگر مجھ پر یہ تو ہے غیر مختتم کلفت،
داغ بیل آج پڑ گئی اس کی مستقل نیشتر زنی محسوس
ہے درون و برونِ ذات مجھے — تا ابد برقرار یہ ہوگی
آہ میں، خوف گھن گرج کے ساتھ چکروں میں بڑا مہیب مہیب
ہے مری ذات میں نفوذ کناں غیر محفوظ سر پہ نازل ہے۔
تا ابد ہمرہی ہوئے دونوں، مرگ اور میں — ہیں ضم بہمدیگر،
ذات میں صرف میں نہیں تنہا، نسل مغضوب سب ہوئی مجھ میں۔

چھوڑ کر جاؤں گا تمہیں پیچھے خوب ترکہ عزیز فرزندو،
کاش اسراف سے لٹا سکتا یوں تمہارے لئے نہ کچھ رہتا۔
ایسے ترکہ سے ہو کے تم محروم پھر نہ کیا کیا مجھے دعا دیتے،
موردِ شتم اب تمہارا ہوں۔
صرف اک شخص کی خطا پر ہو کیوں بہ پاداش کل بنی آدم
قابلِ سرزنش — بڑی معصوم، ہو جو معصوم؟ اور ہو گا بھی
کیا مری ذات سے نمو پرور؟
لیکن آغشتۂ گناہ تمام ذہنیت، دل، ارادہ فسق زدہ،
نہ فقط ارتکاب پھر ایسی گر میں خواہش کروں تو باک نہ ہو؟
کون سے کلیہ سے ٹھہریں گے یہ مبرّا نگاہِ یزداں میں؟
پس انہی حجتوں سے ہوں مجبور دوں قرار اب اسے بری ذمہ،
بسکہ از ماست ہر چہ بر ماہست۔
اور لیت و لعل تساہح عذر بے حقیقت ہیں — منطق استدلال (ابہام)
صاف رہ رہ کے بس دلاتے ہیں میرے ہی جرم کا یقین مجھے۔
ہے بجا سر مرے مرے سر ہی جملہ الزام اول و آخر
ماخذِ شر، بدی کا سرچشمہ فی الحقیقت یہ ذات ہے میری
یہ وہ بارگراں ہے، تو بود امتحمل بھلا کہاں اس کا وہ زنِ بد بھی لا کھ دے کاندھا؟
یہ نہیں ہے زمین کے بس کا، روگ یہ سب جہاں سے بھاری ہے۔
تیرے اندیشہ و تمنا سو دونوں قاتل امیدِ ملجا کے۔
ماحصل یوں ہوا فلک زادہ اور فلاکت زدہ رہے گا یوں
کر سکے گا نظیر جس کی پیش،

عہد ماضی کبھی نہ مستقبل — جرم وانجام اہرمن سا ہے۔
وائے میرے ضمیر تو نے مجھے ایک پاتال میں دھکیل دیا۔
جو عمیق اور بیم ناک ایسا، دے نہ باہر سجھائی کچھ رستہ۔
پست سے پست تر ہوں میں غرقاب۔"

شب خاموش میں رہے آدم اس طرح محو گریہ و شیون
وہ کہاں کیفیت کہ تھی مقدور آدمی کو زوال سے پہلے
ساتھ تھیں وہ اندھیریاں جن کا بخ کناں خوف زا اندھیرا اب
آئینہ کر رہا تھا سب اشیاء ان کے چرکیں ضمیر پر دگنے
ہول ہیبت، ہراس بل بل سے، (پریشان)
برف سی یخ زمین پر لیٹے کوستے تھے وجود کو اپنے
موت پر بھیجتے تھے صلواتیں کیوں پھسڈی کو وار میں دبا جب ہیں روزِ خطا سے مستوجب؟
پھر کہا چیخ کر کہاں ظالم مر گئی کیوں اجل نہیں آتی۔
کیوں نہیں ایک ضرب سے، سہ بار، کہ ہے تسلیم یہ بلا تاخیر
کام میرا تمام کر دیتی؟ — قول کا پاس کیا نہیں حق کو
کیوں بہ سرعت روا نہیں ہوتا عادلانہ یہ عدلِ ربانی؟
موت کا ایک دن معین ہے نیوتے سے تو یہ نہیں آتی (بلاوے پر)
سست رفتار عدلِ ربانی تیز گامی پہ کب ہے آمادہ
کیجئے لاکھ منت وزاری؟

اے بنو کہسار چو، چشمو، وادیو، برگ پوش کاشانو!
میں نے کل تک تمہاری راحت کو بازگشت دگر کا درس دیا'
تم جواباً کچھ اور کہتے تھے، مختلف راگ الاپ یکسر تھا۔"

دیکھا ان کا یہ دکھ دکھی حوا، تھیں وہ بیٹھی ہوئیں جہاں چپ چاپ
اُٹھ کر آئیں قریب اب واں سے تا کہ تکلیف پر رکھیں پھاہا
تند ہیجان پر ذرا چھڑکیں مل الفاظ کا سجل نکتار —
لیکن آدم نے ترشرویانہ پاس آنے پہ یوں انہیں جھڑکا:
''دور میری نظر سے ہٹ ناگن، نام تیرا یہی مناسب ہے۔
ناگ سے کی ملی بھگت تو نے چھل چرتران، چکری، مکرو
گھن مجھے تجھ سے ویسی آتی ہے، تو وہی عین مین لگتی ہے،
سانپنی سی جو کینچلی بدلے تیرے بھیتر کا سب بھرم کھل جائے۔
بس کہ چھوٹے بڑے لگائیں سب ہاتھ کانوں کو تجھ سے آگے کو
پھر مبادا یہ کامنی مورت داؤں دے وس بھرے چرتروں سے
تجھ بن آنند میں رہا بیرن خوب جیتے اسی طرح آنند
بل بے تیری انا و خود بینی
میری تنبیہ کو نہ ٹھکراتی — کاش تیری نسائی نخوت یوں
تو سمجھتی نہ کسر شان اگر تجھ پہ گر اعتماد کچھ کم تھا
یوں نہ اڑتی ہوا میں خود چرکا تو لگائے گی گر ملے خناس —
وائے افعی سے جب پڑا پالا، خاک میں مل گیا تر اپندار
تو بنی اس کے ہاتھ سے ابلہ، میں تیرے ہاتھ سے بنا بدھو
میرے پہلو سے زائیدہ تجھ کو میں سمجھتا تھا زیرک و ہشیار
ایسی مضبوط اک چٹان کہ جو سخت حملے کا سامنا لے گی۔
غلط اندیشیٔ خیال افسوس، خود ستائی کو بیٹھ کر اب کوس
میں تجھے قیصرہ سمجھتا تھا تو قصیریٰ تھی، کج مج اک پسلی (بونی عورت)

جو خمیدہ بنائی فطرت نے جس طرح روبرو ہے اب میرے

حصۂ لغو و حشو جو مجھ سے ایک جانب نکال پھینکا تھا

فالتو تھی وہ (تیرھویں) میری ٹھیک (بارہ) عدد پہ — ناکارہ

او خداوند و خالقِ دانا!

عرشِ اعظم پہ چہل پہل ہے خوب کہ ہیں کروبیاں ذکور تمام

ارض پر کس لئے عجوبہ یہ خامیٔ دلفریب فطرت کی؟

پھر نہیں کی ذکور سے دنیا کیوں ملائک سی بے اناث — مگر

کوئی ترکیب ڈھونڈھ لی ہوتی اور انسان کے تناسل کی

کہ یہ فتنہ نہ مستر ادا یسے اور فتنے کبھی بپا ہوتے۔

ایک تریا چرترسے خوں کی کھیلی جائیں گی ہولیاں کتنی

نار سے اک منش بچارے کے بسکہ کیسا اچرج یہ سنجوگ

زندگی کی رفیقہ مشکل ہے مل سکے کبھی بھی موزونی

ہاں مگر شومئی مقدر یا غلطی سے گلے کا ہار بنے —

جان ارمان سے جسے چاہا وہ تو پہلو کرے نہ آسودہ

اس کی خودرائی سیج پر ایسا گل کھلائے کہ خار کی صورت

دل میں اترے نگاہ میں کھٹکے —

(حور لنگور کی بغل میں ہو زاغ کی چونچ میں سجل انگور)

دل کا دل سے معاملہ پٹ جائے والدین آئیں بیچ میں آڑے،

یا کہ محبوبِ دیریاب ملے — (آکے منزل پہ ہمسفر جیسے)

اور جب کوئی خوش نصیب اس کو لے چکے عقد کے حبالہ میں

جائے بیچارہ عاشقِ ناکام وائے بختِ رقیبِ روسیاہ

اس غضب سے مصیبتیں کتنی بشریت کی جان پر ٹوٹیں
گھر گرہستی سکون برہم ہو +"
کہہ کے یہ بخت سست موڑ لیا ان سے منہ پر نہیں ٹلیں حوا،
آنسوؤں کی جھڑی لگی اک سار، بال سارے ہوا میں پھیل گئے،
ان کے پیروں میں گر گئیں تادم، منتیں کیں چمٹ کے سینے سے
مان بھی جائیں وہ پسیجیں بھی اور غصہ کو تھوک دیں بارے،
بار بار التماس کرتی تھیں، "یوں اکیلا نہ چھوڑنا آدم
آسماں کو گواہ کرتی ہیں
بے غرض چاہ ہے مجھے کیسی کس قدر قدر دل میں تیری ہے،
کچھ نہ دانستہ یہ قصور ہوا، کھا گئی میں فریب بے چاری
بنتی کرتی ہوں در گذر کردے پاؤں پڑتی ہوں ہاتھ جوڑتی ہوں،
چھین مت مجھ سے ہیں مرا جیون یہ سہارا یہ مہرباں نظریں
اس کٹھن روگ میں تری صحبت میری شکتی ہیں چین سکھ میرا
چھوٹ کر تجھ سے کس طرف جاؤں کون سے میت کو تلاش کروں
کون ڈھارس مری بندھائے گا ہو سکے گی کہاں بسر میری؟
جب تلک سانس کا یہ تانتا ہے یہ گھڑی دو گھڑی سہی — شاید
صلح درکار ہے ملاپ ملیں جیسے باہم جنم جلے بد بخت
صاف لکھی گئی مقدر میں اک عدو سے عداوتیں اپنی
بیری افعی، مُوا عدو خناس
دیکھ تو تو خفا ہو مجھ سے یوں نہ دھتکار مت چڑھا تیور
میں تو پہلے ہی کشٹ سے ہاری

تجھ سے بڑھ کر عذاب ماری میں۔

مرتکب ہم گناہ کے دونوں — صرف یزداں کا تو مگر مجرم

میں خطاوارِ ذاتِ یزداں بھی اور تیری گناہ گار بھی ہوں

کہ ہوں لونڈی تری کنونڈی ہوں — عرصہ عدل کی طرف چلئے (خوف زدہ)

آہ و زاری کروں گی منت سے میں خداوند کو پکاروں گی —

کہ تری آئی بھی مجھے لگ جائے میرے سر پر پڑے بلا تیری

صرف ہوں ذمہ دار میں پاپن اس تری واژگون بختی کی،

پس تقاضائے عدل بھی یہ ہے میری جھولی میں خار و اخگر ہوں،

قہر سارا مجھی پہ وہ توڑے"

بات کی ختم بندھ گئی گھگی زار و سرگشتۂ الم ایسی

تن بدن شل تھے پاؤں من من کے ایک پتھر سی ہل نہ سکتی تھیں

صدق سے جرم کی مذمت کی بے ریائی سے ہوکا اقرار

کچھ تسلی ہوئی بندھی دھیرج —

دل ہی تھا نرم پڑ گئے آدم اور ان کی طرف سے صاف ہوئے

کہ پڑی لوٹتی تھیں قدموں میں وہ وحیدہ کہ راحتِ جاں تھی —

کیا پشیمان چاندی رُمنی پدمنی ملتجی کہ من جائیں (حسینہ)

یوں جو بیٹھے ہیں سرگراں سرتاج؟

اک سوالی، چھما بھکارن تھی ایک داتا سہاتا کر دیں (شا معافی)

تن کے بیٹھے تھے جو پڑے ڈھیلے —

سپر انداختہ، ہوا سارا جھاؤ تاؤ کرودھ رس کافور (غصہ بدظنی)

پیار سے جھٹ اٹھالیا ان کو پھر لگا کر گلے یہ کومل بول

''کیسی معصوم بلکہ ناداں ہے، کچھ خبر بھی ہے چاہتی کیا ہے؟
متمنی ہے تو عذاب مہین تیری گردن پہ آپڑے سارا؟
— جو ترا اجر ہے وہی سہہ لے
کچھ ہنسی کھیل تو نہیں کوئی کر لے برداشت قہرِ یزداں کا سب
تو نے عشرِ عشیر ابھی چکھا
بوتہ اتنا نہیں تجھے میری خفگی بے رخی سہار سکے
گر میسر شدے بہ گریہ وصال بہ تمنا کنسیم ایں صد سال
التجاؤں دعاؤں سے گر ہم لوحِ تقدیر کو بدل سکتے
آنسوؤں سے نوشتے دھل سکتے۔ تو میں یہ چیخ چیخ کر کہتا۔
غضب و غیض مجھ پہ ہی ٹوٹے
تو کہ ہے صنفِ نازک و کمزور احتساب و عذاب سے چھوٹے۔
تو تو میری حوالگی میں تھی یہ مرا سہو تھا اگر میں نے
تجھ کو اس بھولپن میں یوں ایسی صورتِ حال سے کیا دوچار —
ختم لیکن مناقشت اب ہو بند بہتاں تراشیاں باہم
بسکہ پہلے ٹھہر چکے کافی ہم کہیں اور موردِ الزام،
سعیِ پیہم ہمیں یہ لازم ہے ڈوب کر پیار کے قرینوں میں
اپنے اپنے غموں کے حصہ کا بار اک دوسرے سے کم کر دیں —
محو ہو جائے تلخیِ ایام —
ہم میں مستوجبِ اجل، فوری سانحہ یہ نہ رونما ہو گا،
میری دانست میں یہ سست آفت اس تمنائے جاں گسل میں ہے
کہ مریں ہم رگڑ رگڑ کر ہی ایڑیاں اس پہاڑ سے دن میں،

تا اضافہ ہمارے کرب میں ہو کرب پھر جو نژاد اخذ کرے،
(ہائے اپنی نژادِ سوختہ بخت) ''ڈھارس اب کچھ بندھی تو یوں حوا:
آدم اس تلخ تجربے کے بعد اب یہ افشا ہوا ترے نزدیک
میری باتیں مغالطہ انگیز قابل اعتنا مزید نہیں،
واقعہ تلخ جو بھی گذرا ثابت اس سے کہ واژگون بھی ہیں۔
تاہم اب دلدہی جو کی تو نے، میں فقیر حقیر پر تقصیر
معتبر ہو گئی ہوں، اور مقبول۔
آس ہے جیت لوں گی پیار ترا دھیرج اب میرے من کی یہ کیول (صرف)
جیتے جی اور مرتے مرتے بھی
نہ چھپاؤں گی تجھ سے جو آئے دھیان میرے اشانت سینے میں،
کہ شدائد میں کچھ افاقہ ہو یا دہ ہو جائیں کلیتۃً معدوم —
گرچہ دلدوز ہے یہ پابندی ان مصائب کے سامنے تاہم
نسبتاً پھر بھی قابل برداشت — اور آساں جو اختیار کریں
نسل کی فکر میں بجا ہلکان کہ مصیبت میں وہ جنم لے گی ملک الموت اسے نگل لے گا
(موجب رنج ہے اگر کوئی دوسروں کے لیے ہو رنجیدہ،
اپنی ہی پشت کے جنے اپنے وائے دنیائے دوں میں ہم لائیں
ایک نسلِ الم نصیب کہ جو دن اجیرن بتا کے جیون میں۔
ایسے دیوِ غلیظ کا آخر لقمۂ بے دریغ بن جائے)
ہے ترے بس میں حمل سے پہلے روک ڈالے نژادِ پر افشار،
ہو نہ پیدا کہ جو ہے ناپیدا، لاولد ہے جو لاولد اچھا،
ملک الموت نادیدہ پن اس طرح صاف کھائے گا غچا،

کال مارے پھر او جھ کو اس کے ہم پہ کرنا پڑے فقط گذران
تھوڑے شوق سے وہ ہم دو کو
گو یہ تجھ پر بڑا گراں گذرے ایسے ہیجان خیز عالم میں —
ہم سخن پاس پاس بیٹھے ہیں، دیدہ بازی ہے، عشق سازی ہے —
کر سکے ضبط اس محبت کا اک جنوں مند جو تقاضا ہے
اس محبت کے وہ بجا آداب — لطف انگیز ازدواجانہ
مست ہم خوابیاں — کنار و بوس، تند خواہش کی آگ میں گھلنا۔
شے جو حاضر ہے سامنے (حوا) خواہش ہمچنیں کی شدت سے آپ بھی گھل رہی ہو مل جل کے۔
کم نہیں اس سے یہ اذیت بھی اس قدر جس سے ہم ہیں ترسیدہ۔
تو یہ حیلہ کریں کہ ہم خود آپ اور اپنی نژاد، دونوں کو
جھٹ دلائیں نجات اس غم سے، جان کا جانبین کی آزار،
سارا قصہ ہی مختصر کر دیں ملک الموت کو تلاش کریں
نہ ملے کارِ منصبی اس کا، اپنے ہاتھوں ہم آپ ادا کر دیں۔
کام اپنا تمام خود کر لیں
کیوں یہ اندیشہ ہائے دور دراز کیوں ستادہ یہ لرزہ براندام
کیسی بے چارگی سجھائی دے ماسوائے اجل نہ کچھ انجام
ہم ہیں مرنے کے سو طرح خود اہل جھٹ جو قضیہ چکائے وہ صمصام
حربۂ کارگر — فنا ہی کو ہم بدست فنا فنا کر دیں —
رک گئیں یا نہ رکھ سکیں جاری بات آگے وفورِ حرماں سے
مرگ طاری حواس پر ایسی عارضوں پر کھنڈی نری زردی

لیکن آدم کے پائے ہمت میں تھی نہ لغزش صلاح کاری سے
ذہن بیدار امید افزا تھا اس طرح پس جواب حوا کو:
"راحت وزیست کا یہ استخفاف ہے دلیلِ سوا مگر حوا
اس جمیل و عظیم کی تجھ میں ذہن جس کو خفیف کرتا ہے—
یہ تمنائے خودکشی تیری کر رہی ہے جمالِ فکر جو رد،
ثابت اس سے کہاں ہے استخفاف بلکہ نقصان راحت و جاں پر
فرطِ کرب و ملال ہے جن کو تو فراواں عزیز رکھتی ہے—
یا تجھے گر طلب اجل کی ہے کہ یہی دکھ کی ہے دوا حتمی
اور ہے یہ خیال بچ نکلیں اس طرح جس سزا کا اذن ہوا۔
تو یہ اک واہمہ ہے— یزداں نے غضبِ انتقام لیس کیا۔
ہوش مندانہ اس نمط اس کی پیش بندی محال ہے یکسر،
بیشتر ہے مجھے یہ اندیشہ کہ مبادا اجل سے محرومی
کرب سے دے نہ رستگاری جو تن بتقدیر ہم کو سہنا ہے
اس تمرد پہ تو تعال اللہ عین ممکن ہے مشتعل ہو کر
متمکن کرے اجل ہم میں— پس یہ لازم ہے، ہم کوئی محفوظ
روشِ کار اختیار کریں— جو مرے دھیان میں کچھ آتی ہے—
یاد کر زور ذہن پر دے کر فیصلہ کی وہ شق کی جس رو سے
سر کچلنا ہے ظالم افعی کا تیری اولاد نے، نرالی بات
کیوں مکافات سے نہ مطلب لیں اہرمن وہ عدوئے جاں اپنا
مار وش، جس نے جل دیا ہم کو
سر کچل ڈالیں ایسے موذی کا شعلۂ انتقام سرد پڑے
فوت ہو جائے گا یہ مقصد گر موت کو خود گلے لگائیں ہم—

دوسری بات میں بھی گھاٹا ہے سعی سے ہم رہے جو اوت نپوت
تو عقوبت سے، جو ہے اجر اس کا صاف بچ جائے گا غنیم اپنا،
سر پر اپنے پڑے گی یہ دوگان—
چھوڑ یہ خود اذیتی کا ذکر— ضبطِ تولید و عزلِ دانستہ
منقطع جس سے رشتۂ امید— مترشح ہو صرف خود بینی
ناشکیبائی، ضد و کد، پرخاش، رو کشی، انحراف یزداں سے،
ضیق اس طوقِ بندگی سے جو گردنوں میں پڑا ہے ٹھیک اپنی
یاد کر وہ مقدمہ اپنا— اور شنوائی خندہ رویانہ
خشم و غصہ نہ طعنہ و تشنیع— تھا یہ دھڑکا ابھی فنا ہوں گے،
جھٹ، اسی دن اجل اچک لے گی— دیکھ لیکن بطورِ اجر تجھے
دی خبر بھی اگر تو پیشگی بس درد کی حمل و وضعِ حمل میں دی—
بالعوض بیکراں مسرت پھر— گود جس دم تری ہری ہوگی
بد دعا دی مجھے زمیں سے میں رزق پیدا کروں مشقت سے
خوں پسینہ ہو اک، کمر دوہری، حرج کیا ہے قباحت اس میں کیا،
کی تھی لعنت مجھے یہ بیکاری— کام سے جسم میں توانائی،
جو نہ محسوس ہو کوئی تکلیف سخت سردی ہو یا کڑکتی دھوپ
بے طلب کندہ ناتراشوں کر ترحمانہ بدستِ خویش کیا
روبکاری کے وقت حلہ پوش—
گڑگڑائیں اگر حضور اس کے، وہ سنے گا سمیع ایسا ہے،
ہوگا آموزگار شفقت سے خود کو ہم کس طرح کریں محفوظ
موسموں کی درازدستی میں برف و باران و ژالہ باری سے؟
کس طرح دورِ چرخِ گرداں سے چرخ دیکھ اب پہاڑ پر ہم کو

جو دکھانے لگا ہے رنگ اپنے۔
تیز چلتی ہیں نم ہوائیں بھی غل مچاتی بکھیرتیں زلفیں
ان تناور حسیں درختوں کی، یہ ہدایت ہمیں ملی ان سے
اوڑھیے جامہ دبیز ایسا گرم ہو کر کھلیں یہ شل اعضا
پیشتر زاں وہ کوکب روزی کپکپی شب پہ پھینک کر چل دے۔
یا شعاعوں کی اس تمازت سے مادّے نے جو اخذ کر لی ہیں
ہم سکھایا کریں بدن تاپیں۔
یا تصادم دبائے باد کو یوں دو مجسم دبیز چیزوں کا
آگ پیدا رگڑ سے ہو جائے۔
تند جھکڑ سے تھی ابھی جیسے بادلوں میں شدید دھکم پیل'
برق کی رو نے جل کے پھینک دیا نیچے اپنا اریواں شعلہ
اور سروں صنوبروں کی چھال چٹچی آگ سے بھڑک اٹھی'
دور سے سینک خوب لگتا ہے ہو گئی دھوپ کی کمی پوری
ڈھنگ بتلائے آگ کو برتیں
سو مداوے بجھائے اور بھی یہ اپنے ہاتھوں جو آفتیں آئیں،
گڑگڑائیں اگر حضور اس کے بھیک فضل و کرم کی گر مانگیں۔
کوئی اندیشہ وسوسہ دھڑکا، نہ خلش پھر رہے کبھی جی کو
جھولی داتا کی دین سے بھر جائے، زیست آرام سے گزر جائے۔
یاں تلک خاک میں ملیں مٹ کر جو وطن آخری ٹھکانہ ہے،
ماسوا اور کچھ نہیں چارا، روبکاری جہاں ہوئی، چل دیں
منہ کے بل روبرو خلوص سے ہم گر پڑیں گڑگڑائیں عجزانہ
سب خطاؤں کا اعتراف کریں۔

ہم دعا مغفرت کی یوں مانگیں کہ زمین آنسوؤں سے بھیگ رہے۔
آہ وزاری دل پشیماں کی مظہر سوز واقعی یوں ہو
کہ فضا تھرتھرائے گونج اٹھے۔
برہمانہ جو دست کش ہے وہ ہم پہ دست کرم دراز کرے
اور وہ چشمِ خشم دوبارہ
فرطِ الطاف ومہربانی سے جلوہ آرائے خوشنما ہو جائے"۔
اس طرح تھے ابو بشر نادم کم پشیماں نہیں تھیں حوا بھی
جھٹ روانہ ہوئے ادھر پیشی جس جگہ پر بھگت کے آئے تھے
منہ کے بل روبرو بہ صدق دل گر پڑے، گڑگڑا کے عجزانہ
سب خطاؤں کا اعتراف کیا اور دعا مغفرت کی یوں مانگی
کہ زمیں آنسوؤں سے بھیگ رہی
آہ وزاری دلِ پشیماں کی مظہرِ سوزِ واقعی ایسی
کہ فضا تھرتھرائی، گونج اٹھی

○

فرہنگ

قمرغہ = قمرگاہ، شکارگاہ کا نرغہ یا حصار

رصف۔ پتھروں کا بنا ہوا رستہ

ناشنا = ناآشنا

ناشتنا = بے ناشتہ، بھوکا

گتر گمنی = گوتر گومنی، باپ کے ساتھ حرامکاری کرنے والی

قصیرئ۔ سب سے نچلی پسلی، قصیرہ لکھیں تو بونی عورت

دفتر یازدہم

تلخیص

روح اللہ نے حضور یزداں ہمارے والدین پشیمن کی دعائیں گذرانیں پشیمانی اور الحاح کی انتہائی کیفیت عرض کی۔ بارگاہ ایزدی میں شفاعت قبول ہوئی۔

تاہم فردوس سے حکم سفر ہوا اور میکائیل کو چند دیگر کروبین کی ہمراہی میں اس کام کی بجا آوری پر مامور کیا گیا۔ فرشتوں کا یہ گروہ نیچے اترا۔ آدم وحوا نے اس موقع پر عجیب عجیب شگون دیکھے میکائیل اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ ٹھہرا کر ان کے پاس پہنچا اور جلاوطنی کا حکم نامہ دیا۔ حوا نے بین کیا اور آدم نے بڑی منت وزاری کی — لیکن لاحاصل، تعمیل کیے بن چارا نہ تھا۔

لیکن اخراج سے پہلے ان پر آیندہ پیش آنے والے اہم واقعات کا انکشاف کیا گیا۔ میکائیل نے ایک پہاڑ پر سے طوفان نوح تک کے تمام حالات کا نظارہ کرایا منظر بہ منظر زمانہ بہ زمانہ۔

تھے زبون وزیاں زدہ تائب ایستادہ دعا گذارندہ،
کیوں کہ ان کے دلوں کی خارائی کر گئی تھی رقیق اور گداز
ہو گئی توبہ مستجاب اوپر، کرسئ عفو سے فرود آ کر
رحمت بے حساب نے ان کے گوشت کے نیچے زم تہ منڈھ دی۔
پر پرواز سوئے عرش سریع اس قدر ناشنید آہوں کا
باہمہ شورِ سحر انگیزی
کوئی انداز بھی خطابت کا گردان کی نہ پا سکے ہرگز‘‘
کچھ نہ انداز تھا فرومایہ دادخواہانِ زار ساں کا
تھی نہیں — بادی النظر میں جو اس اہم عرضداشت سے کم تر
داستاں پاستان کے زوجین — تاہم ان سے جو تھے نہ دیرینہ —
داکلون وعفیفہ پری حا — (داکلوں نوح پر یہاں کی اہلیہ مذہبی کلاسک میں)
پیش کرتے تھے عجز مندی سے روضہ طمس پر کہ ہوا حیا
کاش، غرقاب نسلِ آدم کا — (طمس یوناں میں عدل کی دیوی)۔
سوئے جنت دعائیں پراں ہیں زور ماریں شریر پروائیں
ان کو گمراہ و مضمحل کر دیں لے چلیں سوئے جنت الحمقا۔
یہ مگر راہ پر روانہ ٹھیک غیر ابعاد عرش پر پہنچیں۔
صد بخورات میں بسیں، واں تھے معبد زرنگار عطر افشاں
ہوئیں فیضِ شفیع اکبر سے کرسی رب کے روبرو حاضر
روح اللہ نے خوش دلی سے انہیں اس شفاعت کے ساتھ پیش کیا:
’’دیکھ اے ربِّ ذوالجلال کہ یہ ثمر اولین ارض ہیں، جو

تری رحمت کی تخم ریزی سے قلب انساں سے پھوٹ نکلے ہیں
التجائیں دعائیں فریادیں جو طلا کار عود دانوں کی
دھونیوں میں رچی بسی لے کر میں پروہت ترا پدھارا ہوں
بھنیٹ کرنے پوتر آسن پر۔
پھل مفرح سوا شمیم ترے تخم پاکیزہ سے کیا تھا کاشت
جو ابھی اس کے منفعل دل میں — کہ نہ اس نوع کے بہم ہوتے
سارے فردوس کے درختوں پر
ہاتھ سے اپنے کھاد اگر دیتا جب تھا معصوم ابھی وہ — قبلِ ہبوط —
کان دھر اب ذرا تضرع پر چپ کی فریاد سن، خموش آہیں —
اصطلاحات سے صلوٰۃ کی وہ نابلد بھی ہے — اس لئے مسموع
مجھ سے مافی ضمیر اس کا ہو میں کروں پیش — ہوں وکیل اس کا
سر مرے جملہ کردنی اس کی خیر یا خیرِ خیرِ بے پیوند
وصف سے میرے پائے گی تکمیل —
عوضی میں بھروں گا میں تاوان، جی سے جاؤں گا، کر قبول مجھے،
تو برائے بشر ضمانتِ امن کہ مری ذات میں وصول ان سے،
ناخوشی چھوڑ ان سے راضی ہو،
دن جو تخمینہ لگ چکے اس کے زندہ رہنے دے کم سے کم جب تک —
ہے ملول و حزیں پہ رہنے دے تا اجل، اس کا امرِ تقدیری
(جس میں تخفیف کی وکالت ہے ہو نہ بے شک معاملہ واپس)۔
زندگی خوشگوار اسے بخشے جس جگہ وہ رہے مرے ہمراہ
میرے صدقے عوض بہ کفارہ عالمِ فرحت و سعادت میں

یک تن و جاں بمن مکمل، میں جس طرح تیری ذات میں ضم ہوں"
بے حجابانہ ان سے رب متین:
"حق انساں میں اے عزیز مجھے ہے تری عرضداشت کل منظور
جان لے عرضداشت کل تیری در حقیقت مری مشیت ہے
لیکن از روئے قاعدہ، تفویض جو کہ فطرت کو ہو چکا، ہے محال
اس کا فردوس میں مزید قیام
وہ مصفّی عناصرِ جاوید جن میں شمّہ نہیں کثافت کا،
نہ ہی بے میل فاسد آمیزش دست بردار اس ملوث سے،
مصر اخراج پر ہیں اس بدکے، یہ کثیف اب کثیف باد کے ساتھ
اور غذا جاں ستان — جو اس کو ختم و تحلیل بے دریغ کرے —
شاخسانہ گناہ کا اس کے
یہ وہ ذات شریف پہلی ہے، جس نے ہر چیز میں خرابی سے
کی ہے آلودہ غیر آلودہ —
میں نے اول جب آفرید کیا تو نوازا اسے کریمانہ
بخش کر خوشگوار دو انعام — جاوداں شادماں، دوام آرام
دے دیئے ہاتھ سے تغافل میں — شادمانی و جاودانی تو
جبکہ اس دوسری کا یہ مصرف کلفت و درد کو ثبات ملے
میں نے پس اہتمامِ مرگ کیا — مرگ جو آخری مداوا ہے
جاں گسل سوزش و مشقت کی آسیائے حیات میں پس کر
گلخن دین و دینداری میں جملہ آلائشوں سے نتھرائے،
جاگ اٹھے حیات ثانی میں یہ مناسب درستگی کے ساتھ،

اور اصلاح مند احیا سے پھر حوالے سما و ارض کے ہو۔
ندوۂ صالحین عرشی کا لیکن اجلاس ہم بلاتے ہیں،
سب وہ پہنائیوں سے حاضر ہوں کہ نہ منشاؤں سے رکھوں لاعلم
میں انہیں یہ کروں بیاں کیسا آدمی سے سلوک کرتا ہوں۔
حشر جیسے غلط فرشتوں کا پہلے ان کی نظر سے گزرا ہے
گرچہ کردار میں تھے مستحکم باعث اس کے وہ محکم اور ہوئے''
وہ ہوا چپ تو روح اللہ نے اک اشارہ بلند فرمایا۔
پاسبانِ اتابکِ ضو نے جس پہ قرنا بزور پھونک دیا
گونج اٹھی ساری وادیٔ ایمن ــــ
بار دیگر سماں بندھا گویا جب خداوند نے نزول کیا،
بار دیگر سماں بندھے گا یوں جب غلِ رستخیز اٹھے گا
دیسمی جھرمٹوں کے اوٹے سے حوضِ آبِ بقا کے پیچھے سے
برگ پوش اسقفی کے نیچے سے تھے جہاں بھی وہ انجمن آرا
دعوت پر جلال پر لبیک کہہ کر ابنائے نور عجلت سے
متمکن ہوئے نشستوں پر سب کے سب وہ بڑے ادب کے ساتھ۔
رب قادر نے یوں کیا اعلان خسروانہ رضائے ذاتی کا:
جس طرح ہو قبیلِ عرشی سے اے سپوتو ہوا ہے یوں مانوس
آدمی خیر و شر بہ ہر دو سے نوش جاں کر کے فاکہہ محروس،
کچھ مباہات بھی سہی لیکن زائل اس سے شعور خیر ہوا،
شر نصیب اس کا شاد تر ہوتا وہ اگر صرف اکتفا کرتا۔
خیر کی اصل آگہی پر ہی ــــ شر سے بالکل ہی اجنبی رہتا۔

کف افسوس اب وہ ملتا ہے سجدہ سہو میں ہے نادم ہے۔
جس قدر ہے اسے مرا ایما — یہ فزوں جس قدر اثر انداز
میں فزوں اس قدر رہوں دل آگاہ
کہ وہ نگرانِ خویش کتنا ہے متلون و خودنما کیسا؟
شجر الخلد پر مبادا پھر جا پڑے اس کا دست گستاخ اور
وہ ثمر چش ہو جاودانی یا خواب یا وہ لینے لگے ہوا جاوید
حکم یہ ہے نکال دو اس کو خالی اس سے کرو سرا بستاں
ہو اسی خاک میں وہ قلبہ راں جس سے اس کا خمیر اٹھا ہے
تیرے ذمے یہ فرض میکائیل ان فرشتوں سے منتخب کر لے
تو شجاعانِ تند شعلہ شعار —
کہ مبادا بہ خاطر انسان چھوڑے ابلیس اک نیا شوشہ'
یا ہو وہ ہلہ زن بسان دیو غاصبانہ بہ خانۂ خالی
پس لپک پو یہ پاپی جوڑے کو باغ رضوان سے دھکیل بردوں۔
— حق میں ان کے یہ حکم صادر ہے
کہ بہ سمیت آل کے بہ استمرار اس جگہ سے جلاوطن ہو جائیں۔
تاہم ایسا نہ ہو کہ غش کھائیں عائد ان پر جو ہو سزا سنگین
کیونکہ دل پڑ چکے رقیق بہت اشک باری و آہ و زاری سے
پس نہ دہشت زدہ انہیں کیجو
گر کہا مان لیں ترا چپ چاپ کیجو رخصت نہ پھر ملول انہیں
کیجو آدم پہ سب عیاں ہو گا عہدِ فردا میں جو وقوع پذیر،
تجھ پہ میں جو کروں عیاں احوال۔

میرا تجدید یاب ملتا بھی خلیہء زن میں خلط کر دیجو۔
رنج خوردہ سہی روانہ کرواں سے ان کو ملائمت کے ساتھ،
بحفاظت سلامتی سے نکال — جانبِ مشرقِ سرابستاں،
فوق ہے داخلہ عدن سے سہل — متعین ملائکہ کرواں
لیس شعلہ فشاں تیغوں سے
رہیں چوکس نہ پھر پلٹ آئیں شجر الخلد کے ہراس زدہ
رکھ کڑی راستہ کی نگرانی، باغِ فردوس میں خبیث ابلیس
اپنے چیلوں کے ساتھ آن گھسے، واں اجاڑے مرے تمام اشجار
اور بچلائے ابن آدم کو، ان کے مسروقہ پھل سے دیگر بار"
بات کی ختم اس نے — القوۃ — وہ ملک الملائکہ ہوشیار
لے کے ہمراہ کروبی نورانی عاجلانہ نزول کرتا ہے
چاق چوبند ایک ایک سروش — دوہرے دومونہے دیوجانس سے
متشکل چہا چہران کے رخ پہ آنکھیں منقش سی چسپاں
(حکم جونو پہ آرگس آیو ہور کا پاسبان مقرر تھا)
یہ غنودہ نہ تھے فزوں اس سے چار بانگ (آرگس تو) دیوتا دوت (چوکنا)
ہرمس (ابن زیوس ومائیو) کی اکدی گورسال بنسی یا خواب آور چھڑی سے بے سدھ تھا
اسی دوران پاک اجالے سے جگ کو پرنام کرنے پھر اوشا جاگ اٹھی مارتی چھینٹے تازہ
اوسوں سے مکھ کی دھرتی پر۔
ہوئے بیدارِ خوابِ بے خوابی آدم وجدہ امجدہ حوا،
ورد جب کر چکے مناجاتیں،
تقویت آئی یاس سے ابھری نئی امید خوف آمیزہ

خوش تمنا انہوں نے حوا سے کی یہ تجدید گفتگو: لاریب

ہے یہ حق الیقیں اترتی ہیں کل نعم عرش ہی سے ہم ایسے متمتع فراواں جن سے ہیں۔

اس لئے عرش پر چڑھائیں ہم صدق پرور دہ وسعید تریں

نذر مرغوبِ ذہن یزدانی کہ میسر ہو اس کی خوشنودی۔

ماورائے یقیں لگے شاید اس دعا سے مگر یہ ممکن ہے،

دم آدم کی مختصر سی آہ ہو رسا بیں کرسی رب تک،

جب سے کوشیدہ ہوں، کروں راضی میں دعا سے خدائے رہم کو

جب سے دل رکھ دیا ہے یہ اپنا اس کے قدموں پہ ہو کے دوزانو،

دھیان آتا ہے مہرباں خوشنود وہ ادھر کان ہے لگائے ہوئے،

جس سے یہ اعتبار ہوتا ہے ہوئی شنوائی التفات کے ساتھ،

چین سینہ میں گھر کو لوٹ آیا یاد آیا مجھے بچن اس کا

خصم کو تیری آل کچلے گی ——

یاد ہی فرطِ یاس میں نہ رہا جو مگر اب یقین افزا ہے

تلخیٔ مرگ قصۂ ماضی ہم رہیں گے بفضلہٖ زندہ

مادرِ نسلِ آدمی حوا —— ہے سزاوار یہ لقب تجھ کو

مرحبا، اُمِ ذی حیاتِ جمیع

فیض سے تیرے آدمی زندہ، زندہ ہے بہرِ آدمی ہر شے +"

چہرہ غمگین و سرنگوں حوا ان کی خدمت میں اس طرح معروض:

"میں بڑی غیر مستحق بندی مجھ خطار کار کا لقب یہ ہو

تقویت کو بنی تھی تقدیراً میں ترے واسطے —— اسیر ہوئی

ہائے دامِ فریب میں کیسی —— کوسیئے قابل مذمت ہوں،

چاہیے مجھ سے بدگمانی اور — جاؤں قربان عدل گستر کا
دامنِ عفو بے کراں نکلا، میں کہ ہوں اولیں اجل آور،
سب کے حق میں نوازشانہ یوں بن گئی زندگی کا سرچشمہ۔
اس قدر مہربان پھر تو بھی، مرحمت از رہِ کرم بخشی
یہ لقب تو کرے — ہاں حالے میں تو حق دار تھی کہ نام دھرے
کشت کاوش کشِ کشاورزی بیج چل بوئیے پسینہ کے —
رات گو بے قرار گذری ہے دیکھ تو صبح بے نیازانہ،
استراحت سے بے غرض اپنی خندہ زن گلفشاں روانہ ہے —
آؤ باہر چلیں — نہ میں ہرگز تیرے پہلو سے اب جدا ہوں گی،
کام دن بھر جہاں پہ کرنا ہے بن گیا ہے جواب کٹھن — وہ کام
دن ڈھلے تک چلو کہ نمٹا لیں — جب تلک اس جگہ ٹھکانہ ہے
اس سہانی فضاؤں میں آخر کیا صعوبت گران گزرے گی؟
بس یہاں پر، خراب حال سہی، چاہیے صبر و شکر سے رہئے"
یوں نگوں سار و مضطرب حوا کس تمنا سے تھیں سخن پرداز
تھا مقدر کو اور کچھ منظور —
ہوئی فطرت شگوں نما اوّل اور متاثر ہوئے درند پرند
پھر فضا بجھ گئی ہوئے چندے، صبح لعلیں دمیدا و ر ہوئے۔
منہدم چار باشی ارکان (سردی گرمی، رطوبت و خشکی)
کھل رہا ہے نگاہِ حوا پر ایک منظر — کنام سے جھپٹا (عقاب کا نشیمن)
جو و کا شاہباز زر جیغہ جو میں ریلتا ممولے دو —
پہلوئے کوہ سے فرود اترا جس درندے کی ہے عملداری

جنگلوں میں — نخستِ صید افگن، سارے بن ورشیوں میں دہشت سے،
وہ چلا دور تک تعاقب میں بابِ شرقی کی سمت سیدھے رخ
بھولا من موہنا رم کناں جوڑا — آگے آگے غزالہ اور غزال
اس نظارے کے پیچھے آدم کی آنکھ جولان ساتھ ساتھ گئی
— یوں گلوگیر تب وہ حوا سے:
''آفتِ نو قریب ہے حوا ان علاماتِ گنگ کو تو دیکھ
فلک پیر جن کا عکس نما صاف فطرت کے آئینے میں ہے۔
اس کے یا پیش آشکارِ قصد یا خبر دار کر چلے یہ ہمیں
اتفاقاً عذاب سے مامون کہ سر دست تو نہیں اطلاق'
چند روزہ اجل سے مہلت ہے۔
اور تا کے یہ زیست کیا معلوم شمع کس رنگ میں جلے تا صبح'
ہو سیہ پوش شعلہ' ہم لوٹیں خاک میں اور خاک ہو جائیں
خاک میں خاک مدغم و معدوم؟
کیوں دوگونہ مظاہرہ ورنہ یہ تگ دتازِ تر کتازی کا
سامنے بیشہ و فضا میں، ہو ایک ساعت میں اک وطیرے سے؟
دوپہر دور ہے ابھی لیکن کیوں اندھیرے میں شرق ڈوب گیا
پار خاور میں کیوں ضیائے سحر آئی ہے زد میں ابرِ مغرب کی؟
کون مملوا مورِ عرشی سے نور بیضائے خیرگی انگیز
چرخِ نیلوفری پہ حاوی سا رفتہ رفتہ فرود آتا ہے؟
اور ان کو مغالطہ نہ ہوا آئے فردوس میں فرود اس وقت
فلکِ لیسپ نور افشاں سے یا مجی یا مجیک قدسی گرد۔

اک جبل پر وہ رک گئے اعلیٰ اک خیالہ نہ چشم آدم گر (سایہ)
ریب یا خوف جاں سے دھندلاتی۔
الملائکہ نہ شاں نشاں ایسے درمحانم ملاقیٔ یعقوب
سر میداں جہاں پہ خیمہ زن چاق وچوبند پاسباں اپنے
آپ نے تھے ملاحظہ فرمائے۔
شعلہ زن کوہ پر دس پر یوں آتشیں چھاؤنی نہ چھائی تھی۔
جب نبرد آزما خلاف ہوا شام کے حکمراں کے خوں آشام،
بے خبر ایک شخص (الیشہ) کوتا کہ بے اطلاعِ جنگ آ لے
(معجزانہ مگر جو بچ نکلا)
چھوڑ جم جاہ پیشواؤں پر اپنے شش منزلت فرشتوں کو
کہ وہ قبضہ کریں سرابستاں آپ تنہا تلاشِ آدم میں،
تھے جہاں وہ پناہ گیر چلا — جب یہ ان سے رہا نہیں اوجھل
تو مخاطب ہوئے وہ حوا سے دیکھ تو واردِ عظیم آتا'
کر توقع پہنچنے والی ہے اک نبائے عجیب اے حوا' (خبر)
اپنا چکتا معاملہ سمجھو یا کہ ہوگا نزولِ شرع نو،
ہے جہاں وہ سحاب شعلہ خوا لجبل پر نقاب افگندہ
ہے نمودار فوجِ سرمد کا ایک بانکا بعید سے، چھب ڈھب
چال ڈھال آن بان میں بے کاست
کوئی گردوں جناب خاقاں ہے یا سروشانِ سہ مراتب کا
وہ نمائندہ آمد آمد میں حاملِ صد شکوہ ایسا ہے
تاہم اس طور بھی درشت نہیں دیکھ کر سہم جایئے جس کو

نہ ملائم مزاج و مجلس باز کہ رفاعل کی مثل اس سے ہوں
بے تکلف وہ بلکہ سنجیدہ بردبار اک ذرا نہ برہم گو۔
گرمجوشی سے خیر مقدم کو جاؤں میں اور تو مناسب ہے
اے مری جاں درون خانہ چل"۔
بات کی ہی تھی ختم، آ پہنچا پاس سلطاں سروش بھی — لیکن
تھا نہ اس کا وہ سرمدی حلیہ،
تھی ملاقاتِ آدمی منظور اوڑھ رکھی تھی آدمی کی شکل
صاف شفاف بازوؤں پہ رواں ارغواں عسکرانہ اک پلو
قرمزی گون میلی لوبیہ سے شوخ تر، (تھسلیہ میں یہ مرکز صنعت رنگ ارغوانی کا)
سامنے شہر صور کا یکبخت ہیچ تھا صلح عارضی میں قدیم (سیاہ چرا)
یل و سلطاں جو زیب تن کرتے — تار (و پود) آئرس (دھنک دیوی)
رنگ کر آپ لائی ہو جیسے — کو کبی پر تلہ کے بند کشاد
صاف غمازِ عہد عمر کہ جب ختم ہو بھی جوانی کی۔
اصل عاجِ منیر کی یوں تھی تیغ پہلو میں ایک آویزاں
اہرمن دیکھ لے تو تھرائے ہاتھ میں ایک تیز برچھا تھا۔
جھک کر آدم نے عرض کی تسلیم، یک سرمو نہ انحراف کیا
عالم طمطراق سے اس نے بلکہ غایت بتائی آمد کی:
"آدم احکامِ اکبر افلا کی شرح و تمہید کے نہیں محتاج
بس ترے واسطے یہ کافی ہے کہ دعا تیری مستجاب ہوئی،
برملا اس عدول حکمی پر تجھ پہ نازل اجل جو ہونا تھی
بے مرامِ شکار ہے تجھ کو مل گئے یہ بھلے سے کچھ ایام

ایک مہلت برائے استغفار — تب وہ مولا کریم ممکن ہے۔
ہو کے خوشنود اجل کے جبرستاں سخت دعویٰ سے مخلصی دے دے،
پر تری وہ مزید اقامت کا باغِ فردوس میں مجاز نہیں
ہوں میں وارد تجھے وداع کروں چمن پر بہار سے رخصت
کار و کشت اب وہاں پہ کر جا کے تو اٹھا جس زمیں کی مٹی سے"
نہ کہا اور کچھ مگر آدم اس خبر سے تو مضمحل ایسے،
دل زدہ، سن شکنجہ غم میں، مختل ان کے حواس و ہوش ہوئے
پس پردہ اگرچہ تھیں حوا سن کے یہ ماجرا نڈھال ہوئیں
زود تر منکشف ہوا ان پر جو بسانا مقام نو ہو گا +
"ضرب تقدیر ناگہانی ہائے بدتر از موت، کیا تجھے فردوس
اب ضرور الوداع کہنا ہے — ہائے بن باس اے جنم بھومی!
خوش نما سایہ و خیاباں سب ٹھکانہ خداؤں کے شایاں
تھی امید انتہا ملول سہی یاں گذاروں گی وقفۂ آں روز
جو ہلاکت فزا ہمیں ہو گا
پھول کلیو نمو تمہاری تو ہو نہ آب و ہوائے دیگر میں
منہ اندھیرے طواف تھا میرا اور گلگشت و سیر شام ڈھلے
نرم ہاتھوں سے سینچا یوں تھا کومل اول کلی کلی پھوٹے
نام دینے حسیں حسیں تم کو — شوق سے اب کریگا یوں کارید
اور یوں کون نوع آرائی، کون تسنیم سے تمہیں سیراب؟
الفراق آخرا اے شبستاں ہائے اے مرے حجلۂ عروسانہ،
تیری آرائشیں ہمیشہ کیں ہر مشام و نظر کی جنت سے

تجھ سے میں کس طرح جدا ہوں گی؟

کس جگہ اس جہانِ اسفل میں در بدر میں پھروں گی سرگشتہ

کس طرح اس ہوا میں دم لیں گے جو نظیف ولطیف بھی کم ہو

ثمر جاوداں کے ہم عادی؟"

نرم لہجے میں ٹوک کر ان سے یوں فرشتہ — "فغاں نہیں حوا"

بلکہ برداشت کر تحمل سے کہ زیاں ناروا نہیں تیرا

نہ ہی دیوانہ وار کر خواہش جو حقیقت میں شے نہیں تیری

پھر یہ اذن سفر نہیں تنہا' بلکہ تیرے شریک شوہر ہے۔

جس کی لازم ہے پیروی کرنا'

وہ جہاں بھی بنائے گھر اپنا جان اپنی وہی جنم بھومی +"

ہو گئے تھے اچانک آدم سن' جان کچھ ہاتھ پاؤں میں آئی

ہوئے اوسان جب بجا گویا انکسارانہ میکائیل سے یوں۔

خواہ سہ منزلت سروش ہے تو الملا العلائے نامی ہے

شکل سے ہے شہ شہنشاہاں مشفقانہ ہے یہ پیامبری

ورنہ اظہار برملا سے دل سخت مجروح کر بھی سکتا تھا۔

— کیا ہے خمیازہ غلط کوشی ماسوائے ملال ونومیدی؟

ہائے وحشت اثر خبر تیری ہجرت اس خوش دیار سے ہو گئی

پرسکوں کنج عافیت خانہ؟

ایک ٹھنڈک یہی بقایا تھی اپنی آنکھوں کے واسطے مانوس

سب مقامات اور غیر آباد فیض عاری نہیں ہمارا کچھ

علم ان کو ہمیں وہ نا معلوم

آس ہو گر دعائے پیہم سے ممکن اس کی رضا میں ہے تغییر
میں ہوں مشغولِ نالۂ پُرسوز یوں مسلسل وہ عاجز آجائے۔
رائیگاں ہے مگر دعا اس کے امرِ کلی کے سامنے، جیسے
سانس لے صرصر و سموم میں گر دم گش آندھی میں گھٹ کے رہ جائے۔
من تشائے عظیم جو بھی ہو سرِ تسلیم خم ہمارا ہے۔
خون روتا ہے دل مرا جب بھی دھیان نقلِ وطن کا آتا ہے۔
ہائے اس کے لقا سے ہوں مکتوم، اس خجستہ نظارے سے محروم،
اس جگہ جا بجا کیا کرتا میں حضوری میں بندگی اکثر۔
ذات ہوتی جہاں کرم گستر — وہ تجلی نمائے ربانی،
میں یہ فرزندگاں کو بتلاتا — طور یہ ہے جہاں ظہور ہوا'
وہ ہے طوبیٰ جہاں قیام کیا۔
آئی آوازِ لن ترانی کی سامنے ان صنوبروں میں سے'
اس کنارے پہ عین زمزم کے بخشا اس نے شرف کلیمی کا'
میں مصلے گیاہ باف کئی کرتا کاریدہ دوب سے، ممنون
آب جو سے چنیدہ چمکیلے سنگریزوں کا خرمن اک چنتا
پھر چڑھاتا مٹھاس سے مہکی نذر پھل پھول رال کی اس پر
یاد میں یادگار عصروں کی — دور دنیا میں ماورا اس کا
روئے روشن کہاں سے لاؤں گا صاف آثارِ نقشِ پا اس کے؟
میں گریزاں عتاب سے — لیکن ہے درازیٔ عمر کا مژدہ'
آلِ موعود کی بشارت ہے — شاد نظارہ بین اب تو ہوں'
وہ کہ ہے اس کی شان پیرامون'

نقشِ پا پر سرِ نیاز اس کے فاصلہ ہی سہی مگر رکھوں''۔
مشفقانہ یہ میکائیل انہیں التزامِ لحاظ داری سے:
''آدم اتنا تو ہے عیاں تجھ پر — للہ العرش وکلِ فی الارضِ
صرف اس الجبل کی بات نہیں
برو، بحر و فضا تمام اس کی ہمہ جائی سے چار دانگ حصار'
سب حرارت فزا نمو انگیز ذی حیات اس کا فیضِ جوہر ہے۔
اب تجھے یہ زمیں ودیعت ہے ملکیت بھی تری یہ مملوکہ'
تحفہ ایسا بھی یہ حقیر نہیں — سوئے ظن کس لئے کہ ذات اس کی
قید ان سرحدات کے اندر تنگ فردوس یا عدن میں ہے۔
مسکن الصدر بھی یہی شاید نسل در نسل بھی فروغ یہاں
آ کر اکنافِ ارض سے اس جا پہ تری بولتے' ادب کرتے
جدِ امجد تمام کا تو تھا — یہ فضیلت تلف ہوئی تیری
اب برابر ہے سطح پر نیچے تیرے پسران میں ترا بسرام
لیک لاریب فی کہ یزداں ہے دشت و وادی میں جس طرح یاں ہے
وہ ملاقی بعینہٖ موجود
کہ روانہ ہیں تیرے ساتھ اس کے متعدد شواہدِ ہستی۔
مہر پدری و لطف سے اب بھی کر رکھا ہے تجھے محیط اس نے'
چہرہ چہرہ، قدم سراغ نما اس کے ہیں تا بہ مستقیم صراط۔
بسکہ لاذ.ب امن فیہ قبلِ ہجرت یہاں سے ہو معلوم
میں ہوں مبعوث منکشف کر دوں تجھ پہ 'تیری نژاد پر' جو بھی
واقع آنا ہے فرداالایام — پس توقع یہ کر کہ ہو درگوش

قصہ خوب و زشت ہم آمیز ذکر بندوں کی معصیت آلود
کشمکش رحمتِ تمام کی — جو درس آموزِ صبر بالحق ہے۔
خشیۃ اللہ عیش کے دوران حزنِ راست گون دامن گیر،
خوگر اعتدال تو یکساں — نامساعد کہ سازگار کوئی
صورتِ حال ہو کرے برداشت بس یہی کلیہ ہے جس سے یہ
زندگی بافراغ گذرے گی، خوب تیار ہو کہ جھیل سکے
سفرِ آخرت کی سنگینی — روح فرسا گھڑی وہ جب آئے
اس پہاڑی پہ چڑھ تری حواجو آسودگی خواب رہے۔
(پونچھ دی میں نے چشم نم اس کی) — اور بیدار آگہی اب تو'
واردِ بزمِ جاں ہوئی جب وہ جس طرح تھا دراز خوابیدہ"
متشکر جواب میں آدم کوہ پیمائی اب 'تو بسم اللہ
سالکِ راہ رہنمائی کر، بیعت اس دستِ حق پہ کی میں نے
کر دیا طاہر اس نے گو پھر بھی یہ طبیعت بدی پہ راغب ہے
(جانتی ہے ثواب طاعت و زہد پر "الفتا" ادھر نہیں آتی)
لیس ہو کر محن سے غالب ہوں پاؤں راحت مگر مشقت سے
جو یہ آئی ہے میرے حصہ میں — ہو اگر یوں مراد کو پہنچوں + "
کوہ پیما ہوئے وہ اب دونوں روبرو جلوہ ہائے یزداں تھے:
قلۂ کوہ اک بلند تریں باغِ فردوس میں جہاں سے صاف
طبق الارض کی حدِ شفاف دور افراشتہ رسائی کی
ممکنہ زد تلک تھی آئینہ۔
وہ پہاڑی رفیع تھی اتنی نہ یہ منظر وہاں سے کھلتا تھا،

علل مختلف سے ترغیبی دوئم آدم کو لے گیا جس پر،
کہ اقالیم ارض کا ساری فرط جاہ وجلال دکھلائے۔
چشم آدم تماشہ بیں اب تھی شہرہ آفاق شہر شہر، جہاں
وہ قدیم وجدید تھے آباد۔
پایہ تختِ حسیس، جلیل القدر سلطنت کا، مقدرہ (پیپنگ)
کمبلو کی فصیل سے — بلدہ وہ قآنِ خطا کا صدر مقام
تا سمرقند، برلبِ آمو، — تخت تیمور — چین کے فغفور
حکمرانوں کے شہر پیکن سے پھر شہنشاہ مغل اعظم کے
(اکبر آباد) آگرہ لاہور۔
دور نیچے جنوب میں زرّیں کیرو ننّی (سماٹرا جاوا)
یا جہاں خسرو فریدوں فرہماں میں سریر آرا تھا
واں سے تا اصفہانِ نصف جہاں یا جہاں ماسکو میں زارِ روس
اور بازنطیوم میں جس جا تھا وہ سلطان نژاد ترکانہ'
نہ نجاشی کی سلطنت میں دور بندر ارکک سے چشم بیگانہ
اور بحری ریاستیں کمتر — کوئیلوا، ملند، ممباسہ،
(شرق افریقیہ کے ساحل پر)
متمول سفالہ تک واں پر جو ہے نامِ افیر سے مشہور،
پھر وہاں سے قلمرو کانگو اور بعید جنوب انگولا،
یا (بہ مغرب) زرودنا یجر (بہ شمال) الجبال اطلس تک،
اور پھر وہ خلیفۃ المنصور کی ولایات اندلس افریقہ —
فیض بھی شوش بھی مراکش بھی اور الجیریا وطی می سین،

واں سے یوروپ میں جہاں روما ہوگا عالم کورومتہ الکبری۔
شاید اس عالم خیال میں پھر میکسیکو ئے سیم خیز ابھرا،
راجدھانی متذمے راجہ کی
اور پیرو میں کوزکی بستی مرفہ الحال اتی لئی سیپا۔
اور محفوظ تھا ابھی تک جو خارجی یورشوں سے — گی آنا،
کیا فرزندگانِ چیروں نے جس کے دارالخلافہ کو موسوم
ال درادوسے — (اہلِ ہسپانہ، نسل چیروں کی دیو اساطیری
کھائی جس نے شکست ہرقل سے)
لیکن آدم کی آنکھ کا جالانگہ تیز کے بھلاوے میں جو ہویدا ہوا تھا چھل پھل سے،
حکمت میکائیل سے تھا دور کہ وہ منظر نفیس دیکھ سکیں۔
بصری نس سداب انجن سے صاف کی واقعات کے وہ اب (ایک بوٹی) (سرمہ)
آشکار انظارہ بیں ہو جائیں۔
تین بیر الحیاۃ سے قطرے دونوں آنکھوں میں ان کی ٹپکائے
اور اجزائے تیز کی تاثیر
درک ذہنی کے عین حجلے تک
دور اترتی چلی گئی گہری —
اک دم آدم کی مند گئیں آنکھیں بے خودی غالب حواس آئی۔
اس سروشِ نکو خصالی نے ہاتھ سے تب انہیں اٹھایا اور خاص مبذول کی توجہ یوں:
"کھول آنکھ اور غور کر آدم،
تری اک لغزش طبیعی نے کیا کھلائے ہیں گل زمانے میں،
نہیں چھوڑا انہیں کہیں کا جوان گنت تیری پشت سے ہوں گے،

گو نہ کی ساز باز افعی سے نخل ممنوع کے نہ پھٹکے پاس
گو نہ تجھ سی خطا کے خاطی تھے، تیری لغزش سے متہم کیسے؛
ہو گئے سب کے سب وہ بے چارے — دیگر اک حرکت شنیعہ اور!''
کھول کر آنکھ بھر نظر دیکھا خطہ اک قابلِ کشاورزی،
ایک حصہ تمام مزروعۂ باڑہ اولنگ دوسری جانب (مرغزار)
درمیاں دوب کے سوا نہ پر ایستادہ تھی وید کا سادہ — (کنارہ/قربان گاہ)
ایک دروندۂ عرق آلود، واں نمودار جھٹ ہوا لے کر
اولیں مزرعہ کی پیداوار پیلی پیلی ہری ہری پولی
ہاتھ آئیں جو بالیاں بے چھانٹ
ایک چوپان پھر وہاں وارد فرطِ عجز و نیاز کی تصویر
اپنے گلے کے خاص پہلونٹی میمنے لے کے دل پسندیدہ
سامنے تختۂ شگفتہ پر ذبح کر کے انہیں دھرا رو یہ
لحم یکسر بخور افشاندہ — کیس کماحقہٗ رسوم ادا
عرش سے شعلہ مبارکہ نے جھٹ نگل لی اتر کے بھینٹ اس کی،
تیز ضو، خوشگوار بھاپ کے ساتھ۔
دوسرے کی نہ کی قبول نیاز کہ چڑھائی نہ تھی عقیدت سے۔
لگ گئی تن بدن میں آگ اس کے اور دورانِ گفتگو یک لخت
اک نے دی پردۂ شکم پر ضرب پڑ گیا دوسرا اچھنک پیلا
اک تلتلی لہو کی بہ نکلی لڑکھڑا کر وہ گر گیا لت پت
چیخ کر روح حلق سے نکلی اور اس کا چراغِ زیست بجھا۔
دیکھ کر یہ ملول دل آدم جھٹ فرشتے سے آب دیدہ یوں:

اے معلم ضرور سخت ایزا اس بھلے آدمی کو پہنچی ہے،
نذر عمدہ چڑھائی تھی جس نے۔
کیا یہی اجرِ پارسائی ہے یہ ہے بے لاگ بندگی کی جزا؟"
دل گرفتہ خود آپ میکائیل بجواب ان سے اس طرح گویا:
باہم اک دوسرے کے یہ بھائی — ایک ہابیل دوسرا قابیل'
اصل میں پشت سے تری ہوں گے' نیک کا خون کردیا بد نے'
اس جلن سے کہ نذر بھائی کی عرش نے کیوں قبول فرمائی۔
کارِ خونی کا احتساب بھی ہے
صدق بے شک قبول ایزد ہے اجر ضائع کبھی نہیں جاتا'
گو اسے زیرِ خاک دیکھا ہے جاں سے جاتے بخون غلطیدہ"
اس طرح تب ابو بشر اس کو — او دریغا، یہ کار، یہ کارن'
یہ اجل ہے، یہ دیکھ لی میں نے'
یوں مجھے لوٹنا ہے مٹی میں جس سے میرا خمیر اٹھا ہے؟
وائے یہ ہولناک نظارہ بدنما اور چشم آشوبی
دہشت افزا جو کیجیے محسوس سوچیے تو مہیب کتنی ہے۔"
بجواب اب یہ میکائیل انہیں — "آدمی پر مسلط ایک ابھی
موت کی شکل تو نے دیکھی ہے — اس بلا کے ہزار چہرے ہیں۔
متعدد ہلاک یوں، دیکھا جس طرح ضربتِ تشدد سے،
کئی سیلاب و قحط و آتش سے،
کئی پرخوری خیشہ سے — کھا کباب و شراب' اناپ شناپ۔
ارض پر پھیل جائیں گے متعدد عوارض و امراض،

سامنے آئے گا ابھی تیرے جو بھیانک ہجوم ہو معلوم،
نوعِ انساں پہ ڈھا گئی آفت کس قدر بد پرہیزی حوا:
یکدم ان کی نگاہ میں ابھرا، متعفن شدید کرب انگیز
ایک دار الحزن — جذامستاں جمع جس میں تھے ان گنت روگی —
پیڑ، اینٹھن مروڑ دکھ موذی روگ توڑ اور جھنجھوڑ کر رکھ دیں،
لرزہ۔ سنگیں عارضہ دل کا تپ کی سب کیفیات بحرانی،
غش، غشیہ۔ تشنج و نزلہ مرگیاں (صرع) آنت کی پتھری،
سکتہ، قولنج، دنبل و ناسور، اثر آسیبی و جنوں، ہذیان،
خفقان، مادہ زائیدہ سودا، تن گسل لاغری، نپٹ سوکھا،
اور مہلک وبائے بے درماں دق، جلندر، دمہ، بدن کا نٹا
ایڑیاں درد سے رگڑتے تھے دے رہے تھے دہائیاں دل پاش
یاس تیماردارِ بیماراں محو بستر سے تا بہ بستر تھی،
ملک الموت تیر کش ان پر متامل مظفرانہ تھا،
گو کئی ملتجی تھے منت سے جلد ان کو ہدف بنا ڈالے
یہ نجات آخری امید ان کو کون سے سنگدل کو یارا تھا
منظرِ تلخ و کربناک ایسا دیکھ سکتا بدیدۂ بے نم۔
ضبط گریہ نہ کر سکے آدم رو پڑے گو نہیں تھے زن زادہ
رقت اب مردمی پہ طاری تھی۔
جی بھر آیا مگر رہی چندے، کیفیت ضبط، طبع نے روکا،
جوشِ گریہ سے ورنہ تو گردوں کفِ سیلاب ہو گیا ہوتا۔
پا کے قابو بمشکل اب خود پر یوں شکایت طراز دوبارہ:

اے مصیبت زدہ بنی آدم تا کجا یہ زبونی و پستی

یہ عذابِ الیم قسمت میں، خوب ہو ہست ہو یہاں گر نیست،
کس لئے مرحمت ہوئی ہستی، چھین لینا ہی تھی تو کیوں ٹھونسی؟
گر ہمیں آگہی یہ ہو جاتی، کیا دیا جا رہا ہے شکلِ حیات
ہم نہ لیتے اسے نہ یہ حاشا ڈالتے کاسہ گدائی میں
بلکہ یہ چاہتے اجازت ہم — دستکش اس عطا سے ہو جائیں۔
یا ملی تھی جو مطمئن مہلت دامن اس سے چھڑا کے اس دوراں
اسی عالم میں چین سے اپنی ہستیٔ جان سے گزر جاتے۔
کیسے ممکن ہے پیکرِ یزدی — آدمی خلق احسن التقویم
سرو قدِ سہی جمیل ایسا — مانتے ہیں قصوروار سہی،
اس طرح مبتلا کیا جائے یوں تکالیفِ بد قوار سے خوار،
روح فرسا اذیتوں کا شکار۔
کیوں نہیں آدمی بحال رکھے کچھ بدستور وصفِ ربانی،
کیوں نہ مامون وہ رہے ایسی زشت و بدہیئتی سے — میمونی
کہ وہ اپنے خدا کا پرتو ہے؟
یوں کہا میکائیل نے: ''یکسر چھٹ گیا پرتوِ خداوندی،
جب زیاں کار ہو گئے از خود خواہش بے لگام کے تابع،
اور تمثیل عین وہ جس کے مقتدی بن گئے، بہیمی عیب،
(بشمول خطائے حوا) — عام پس سزا اس قدر رکیک انہیں۔
مسخ کب ہے شباہتِ یزداں بلکہ صورت بگاڑ لی اپنی،
یا اگر پھر شباہت اس کی ہے تو یہ بدرو بذاتِ خود ٹھہرے،

پاک فطرت کے سدھ سجاؤ کو روگ بھونڈے پچارنے والے
نہ رہی ذات میں ذرا ملحوظ حرمتِ پرتوِ خداوندی +،،
آدم اب اس طرح: ''بجا، تسلیم، کوئی دیگر طریق بھی بتلا،
ماسوا، جو الم گذاروں کو منزلِ نیستی تلک لائے
کہ ملیں خاکِ ہم خمیر میں ہم؟ یوں کہا میکائیل نے: ''بے شک
ایک لاتسرفو کا ضابطہ ہے گر یہ مدنظر رہے تیرے —
اکل و شرب اعتدال سے مقصود پرورش تن بدن کی ہو جس سے
نہ چٹورہ ہی تو نہ پیٹو بن — کہ ہے خیر الامور اوسطہا
بہر خوردن نہ زیستن معمول صرف ہو بہر زیستن خوردن
پھر ہے ممکن بقا — یہاں تک تو گود میں مہربان مادر کی
ثمر پختہ کی مثال گرے، بے غل و غش چنیدہ سہل آساں
بدرشتی اجل نہ ہو گلچیں ہو جو تیار دستیاب اسے —
حسن قوت شباب کو کہنا عہد پیری میں خیر باد آخر
— اک ضعیف نحیف میں تبدیل شیب کی برف سی سپیدی میں،
کند سارے حواس ہو جائیں،
ذوقِ لذت تلف، لہو میں ہو مضمحل کیفیت خنک اعضا،
تازگی آور وامید افزا اس ہوائے شباب کے بدلے،
یوں کہ جولانیاں تمام کرے جیون امرت تمام پی جائے''
مورث اپنے اسے: ''اجل سے میں ہوں گریزاں نہ یہ تمنا ہے
کہ مجھے زندگی دراز ملے بلکہ بارگراں سے ہو جاؤں'
دستبردار اگر تو اچھا ہے

زندہ رہنا بھی خوشگوار مگر جب فنا ہوں تو ہو یہی احساس
جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا+"
پانچ میکائیل "ہو تجھ کو ہوسِ زندگی، نہ بیزاری،
ہے تو زندہ دلی سے زندہ رہ مختصر یا دراز یہ قضیہ
سونپ عرش عظیم والوں کو — اب ہو تیار اور منظر دیکھ"
دیکھتے کیا ہیں نصب رنگا رنگ عرصۂ بیکراں میں نمگیرے،
— خانہ باری و خیمہ و خرگاہ،
پاس کچھ چھولداریوں کے گھاس چر رہے تھے مویشیوں کے جھنڈ،
بعض سے آ رہی تھی ساز آواز سریلے کہ اک سماں باندھیں —
تار تکموں پر انگلیاں جس کی رقص فرما تھیں — وہ نظر آیا
(جوبل، اس کی رہین موسیقی — موجد انجیل کی روایت سے)
سپتک آہنگ — سا رے گا ما پا' پا دھے نی سا درت 'بلمپت 'مدھ
تال — اور مینڈھ سوت سر کومل، تیور، ایسے ترت ترت، آڑا
ہو گمک دار گت لڑی پر دھیان —
دوسری جا نظر پڑا بھٹی جو کھڑا دھونکتا تھا دقت سے (تو بل از روئے آیہ انجیل)
پیتل اسپات کے کلوخ گراں کر رہا تھا گداخت زمیں ساخت
کوہ و وادی سے دستیاب ہوئے اتفاقاً بنوں میں بھڑکی آگ
تو ہی کر گئی تھی یا زیریں کوئلہ سب عروق ارضی تک
آ پڑے وہ مغاک کے منہ پر خود ابل کر اچھل پڑے یا جب
اندرون زمیں کی پرتوں سے ان کو دریاؤں نے اچھال دیا)
ہوئی تیار تو فلز سیال قالبوں میں انڈیل دی اس نے

ڈھالے اوزار اور پھر ڈھالا جس میں آمیزہ دھات ڈھل پائی۔
پھر وہ اونچی پہاڑیوں پر سے پاس میداں میں اس طرف اترے
تھی جہاں بود و باش کینڈے کے خوب اطوار نیک بندوں کی
انہماک اس قدر پرستندہ صدق سے جس طرح ہوں یزداں کے۔۔۔
دفترِ کردگار سے آگاہ بے نہاں سب امور انہیں معلوم،
اور اہلِ جہان کی خاطر ضامنِ امن و حریت جو ہیں۔
دور میداں نہ طے کیا ہوگا زنکی مہوشوں کا طائفہ اک،
چھچھاتا زر و جواہر میں شامیانوں تلے نظر آیا۔
زیب تن زرق برق پشوازیں تان پورے کی دُھن پہ کومل سُر
ٹھمریاں پریم راگ گاتا ہوا جھومتا ناچتا خرامیدہ،
کیسے کیسے متین و سنجیدہ لوگ ان کے تماش بین بنے،
بے جھجک زائرِ سراپا آنکھ تن کے ہر خط و دائرہ کا طواف غمزہ و ناز کے شکار و شہید
دامِ محبوبیت میں یوں آئے صادق آتا تھا گفتہ برجستہ،
ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے اس کی زلفوں سے سب اسیر ہوئے،
نظرِ انتخاب پڑتی تھی یار ہر اک نے چن لیا جانی۔
ہم کناری و بوسہ بازی کے پیار کا سلسلہ شروع ہوا۔۔۔
دن ڈھلا ایلچی محبت کا (زہرہ شام) جب طلوع ہوا۔
تابش حسن سے چراغاں تھا عشق سیراب وصلِ جاناں تھا۔
ہر شبستاں میں فرط ہیجاں تھا مشغلے تھے شب عروسی کے،
کیرتن تھا بواہ دیوی کا نیوتہ پہلی سہاگ ریتوں کا،
نان اور نان کی ضیافت سے رونق آرا رواق حجلے تھے

خوش خجستہ زفاف رومانی واقعہ الفت و جوانی کا ——
ہاتھ سے دے نہ کوئی شخص جسے —— گلبدن گل گلال، گجرے، گندھ، (خوشبو)
راگ، دھرپد، دھنا سری، گندھار، من میں آدم کے گھر کئے جائیں
ہو چلا یہ انہی یقیں گویا اصل فطرت کی شادمانی ہے۔
اور اس کی کیفیت کا یوں اظہار:
اصل دیدہ کشائے من تو ہے تجھ پہ برتر سروش رحمت ہو،
یہ نظارہ نظر کشا، دل کش حسن امید سے فزوں غماز فرخ ایامِ عیش کوشی کا
جو گذشتہ دنوں کی نسبت جو موت و نفرت الم سے مملو تھے
واہ وا، اے خوشا نظر آیا کس قدر اہتمام سے دیکھو
فطرت مہرباں نے فرمایا علت غائی کا تمام اتمام ——"
یوں انہیں میکائیل "شادی پر تو دلآرائی کا قیاس نہ کر
لاکھ فطرت نواز ہو معلوم ——
تو چنیں طور آفریدہ ہے تیرا مقصود خاتمہ بالخیر،
پاک طین پاکباز پاکیزہ سرمدیت سے عین ہم آہنگ،
بارگاہیں جو دلپذیر لگیں وہ تو اہلِ ریا کے ڈیرے ہیں،
ہیں مکیں ان میں دختر و فرزند سب اسی قاتلِ برادر کے۔
گو بظاہر دکھائی دیتے ہیں منہمک مشغلوں میں وہ جن سے
چہرہ زندگی پر آب آئے ——
ان میں نام خدا ہیں بہتیرے نادرِ روزگار موجد بھی،
غافلِ داورِ حقیقی ہیں جس نے فیضان انہیں یہ بخشا ہے
جو نہ مانے یہ دین اس کی ہے۔

ذریت ان کی خوش گلِ وخوش چہرہ یہ جو تونے مشاہدہ کی ہے
عید نظارہ نکورویاں ——
کامنی ناریوں کے یہ جھرمٹ منچلی دیویوں کے یہ جمگھٹ
اس قدر سندر اس قدر چنچل روپ ونت اس قدر اُدش لیکن
اجنبی اس چلن سے جس میں ہوں نار کے سدھ سبھاؤ سگھڑ پن
"لاج، بچ، پت، گرہست گن اوگن، — کامنا کے لئے چڑھیں پروان
تربیت پرورش تمام ان کی بہر تسکین ذوق نفسانی
گائیکی ہے کتھک ہے فیشن ہے ٹگری ہے مٹک ہے گیت گبت،
جھانولی، چونچلے، ٹھمک ٹھیا — تیز ہو آتش ہوس جن سے
نسل انساں صمیم و پاکیزہ، پارسائی سے نسل انسانی جو ہوئی تھی مقربِ یزداں ——
اب کہاں ہے کہ ترک کردے گی خوبی و نیکی و صفا یکسر
بلکہ پاکیزگی بصد ذلت عشوہ گر کافروں کی اتراہٹ مسکراہٹ کی نذر کردے گی۔
اب یہ غرق نشاط و عشرت ہیں چند روزہ یہ کیفیت تاہم'
خوب ہنس کھیل لیں یہ خوش ہولیں ——
پھر مقدر بہ گریہ پیہم آنسوؤں کے بہائیں گے دریا
اس زیانِ سرورِ قاصر پر دل گرفتہ جواب میں آدم:
"کس قدر شرمناک ہے توبہ — سفر زندگی پہ آسودہ گامزن ہم چنیں مگر کج مج
ان، غلط راستوں پہ چل نکلیں یا سرراہ حوصلہ ہاریں۔
مرد کے روگ کا مگر کارن یہ جو اس کے گلے کا ہار ہوئی ——
جڑ ہے فتنہ کی بے گماں بیگم زن یہ رانی حزن کی بانی ہے۔"
تب وہ قدسی: "بری ہے یہ درگت مرد کی زن بنی جو کمزوری

مرد کو جو مگر ودیعت ہے، حیثیت برقرار وہ رکھے۔
بہتر اوصاف سے مزین مرد — درجۃ الرجال وعلیھا، جان —
خیر، تو ایک اور منظر دیکھ۔"
کی نظر سامنے تو اب دیکھا اک علاقہ بسیط گسترده
بیچ میں گاؤں اور قصبے تھے، چار اطراف شہر اور دیار
تھے فلک بوس برج باب منار — دست بر قبضہ اونچی انبوہ،
ان گنت چہروں کی خشونت سے آشکار الڑائی کے تیور،
یل گرانڈیل دیو ہیکل ویر جوش وجرات میں رستم وسہراب،
بعض کے ہاتھ نیمچوں پر تھے بعض کے کھینچ کر لگاموں پر
تند منہ زور خنگ جنگی کے۔
قور بند انتخاب سب یکجا بے سبب کب رجال ور کہاں تھے۔ (بکتر بند)
چند چنڈول چارہ چرتے غول چیدہ چیدہ چری کے ہریالے۔
کھیت سے ہانک لے چلے — ناقے، ڈاچیاں اور گاؤ گوسالے،
بلکہ گلے بھی نرم ممیاتے میمنوں گالے گوسفندوں کے،
جو غنیمت کا مال ہاتھ آیا۔
جاں بمشکل بچا کے چرواہے بھاگ نکلے مدد کو چلاتے
ہو گیا معرکہ بپا خوں ریز —
وحشیانہ مبارزت میں قشون گتھ گئے — ایک دوسرے کے ساتھ،
گھاس چرتے تھے جس جگہ ڈنگر خون سے ہو گئی وہ لالہ زار
جیفہ، دھڑ، لوتھ سے پٹا میدان (لاش)
شہر محصوں فصیل بند کا تھا ایک لشکر محاصرہ ڈالے

توپخانہ کمند بیخ سرنگ سخت ہلہ پرّوں سے بول دیا،
از برائے دفاع محصورین پے پہ پے کر رہے تھے تابڑ توڑ۔
بان، نفطے، کلوخ کی بوچھاڑ۔
گرم بازارِ کشت وخوں ہر سو رونما واقعات خونین تھے۔
بابِ دارالامارہ پر اک سمت کر رہے تھے عصا بدست نقیب
یہ منادی شریک شوریٰ ہوں
مل کے بیٹھے جری شجاعوں کے ساتھ دانا سفید ریش بزرگ ـــ
اب سنو زوردار تقریریں، تو تکار، اختلاف، ہنگامہ،
شور، کٹ حجتی، دھڑا بندی۔
معتبر اک ادھیڑ صاحب نے کی جو تصریحِ امر بالمعروف
روک کر شر سے، ان کو فرمائی امن، حق، خیر، عدل کی تلقین ـــ
سب صغیر وکبیر ٹوٹ پڑے اور پرزے ہی وہ اڑا دیتے
گر اتر کر نہ ابر اچک لیتا غائب انبوہ سے نہ کر دیتا
(یہ پیمبر خنوخ کا قصہ جو ہماری لغت میں ہیں ادریس)
دور دورہ دغل تعدی دردُردشا، دکھ اندھیر گردی کاؤشٹ دستورِ دہرِ استبداد (ف)
جس کی لاٹھی اسی کی بھینس ـــ غرض کوئی جائے مفر نہ ملتی تھی۔
آبدیدہ وسینہ کوب آدم راہبر سے فسردہ لہجے میں:
''اوہ یہ کون ہیں، نہیں انسان، کارپردازیہ اجل کے ہیں''
موت کے گھاٹ بھائی بندوں کو وحشیانہ اتارنے والے،
یہ تو اس کے گناہ کو جیسے ضرب دیتے ہیں دس ہزار گنا،
بھائی جس نے کیا ہلاک اپنا۔

یوں جنہیں کاٹتے ہیں یہ ظالم مولی گاجر کی طرح کوئی نہیں۔
ان کے اپنے ہی بھائیوں کے سوا آدمی ہی کے آدمی قاتل؟
کون لیکن وہ نیک بندہ تھا کہ نہ آتا مدد کو عرش اگر
راست بازی کی بھینٹ چڑھ جاتا"
میکائیل اس طرح: "انہی بے جوڑ شادیوں کے جنے ہیں، یہ تو نے
جو ابھی کیس ملاحظہ — سنجوگ نیک و بد کے جہاں ہوئے بندھن
ناپسندیدہ، بے ڈھنگے ان مل — بے قرینہ ملاپ جن سے ہیں۔
بدن و ذہن طرفہ زائیدہ، جن جنہیں جانتے ہیں آدم زاد
حاملِ شہرتِ عظیم مگر —
یہ زمانہ ہے جب فقط طاقت خوبیوں میں شمار ہوتی ہو۔
زور و جرأت جوان مردی ہو۔
جنگجوئی کہ ہوں ملل محکوم، قتل عام و غنائم بسیار،
یہ شہامت شمار ہو اعلیٰ عظمت آدمی کا پیمانہ —
بہر اعزازِ عظمت و نصرت سرپرست و مربیِّ انساں،
ہو لقب فاتحانِ اعظم کا — دیوتا، دیوتاؤں کے دلبند،
ہے بجا نام گر ہلاکو ہو حقِ مردم میں یہ وبال و وبا'
شہرت اس طرح ہاتھ آئے گی یہ زمانے میں نامور ہوں گے،
اور سزاوار شہرۂ وافرۃ دامانِ خامشی گم سم،
ہفتمیں پشت میں ہے وہ تجھ سے مردِ صالح کہ تو نے دیکھا ہے
دہر فاسق میں پاکباز وہی
متنفر اسی لئے سب تھے نرغۂ دشمناں میں اس باعث

کہ اکیلے مجال یہ اس کی وہ لگائے بساطِ داد گری
حقِ مُر کا ذکر، عام اعلان کہ خداوندِ اولیا کے ساتھ،
آئے گا احتساب فرمانے — تو نے دیکھا حضورِ المتعال
لے گیا ہے اسے براق انداز کر کے ملفوفِ الغمامِ سبک
وہ بہ ہمراہیٔ خداوند اب کرے اقلیم لطف میں گل گشت
بخششِ بے حساب کا حق دار موت جیسی بلا سے مستثنیٰ،
تا کہ معلوم ہو تجھے کیا ہے اجر خیر و فلاح کاری کا
اور دیدہ کشائے عبرت ہو کہ بدی کا عذاب کیسا ہے؟
دیکھ پیشِ نگاہ ماجرا یہ پیش ابھی بے درنگ آئے گا۔
کی نظر پھر تو نقشۂ ہر شے ایک دم نوع نوع ان پہ عیاں —
ہوا افشاردہ برنجی حلق جنگ کا اور تھم گیا ہڑ بونگ (گھٹ گیا)
اب کھلا لہو و لعب کا منظر — رنگ رلیاں مگن چگڑ یا ناچ (بدمستی)
نوش ناؤ تماش بینی عقد — (بے حسابا تعددِ ازواج)
اہتمام سیاہ کاری ہے نازنینوں کی حشر سامانی
بالرضا ہے یہاں یہ وصل وصال، واں یہ بالجبر آبرو ریزی،
بادہ و جام، ساقی و غلمان، ہر جگہ پر نشاط خانہ تھا۔
اک معزز بزرگوار آخر لائے تشریف اور سخت ان کو
بدعتوں پر وعید فرمائی — بدو طیروں سے برہم و بیزار
منعقد جشن ہوں جہاں مذموم فحش بے راہ روی کی تقریبیں
سرِ اجلاس وہ چلے جاتے اور تبلیغ خیر فرماتے۔
انفعال و انابت و توبہ — وعظ، تلقین، رجوعِ الی اللہ باز

بند جیسے قفس میں روحیں تھیں...... اور قریب الوقوع یوم الدین
ان کے کانوں پہ جوں نہیں رینگی
اس قساوت پہ ہو کر آزردہ ختم حجت ہوئی تو دور لے گئے ان گناہ گاروں سے ڈیرا
کوہ سے کاٹ کاٹ کر لائے وہ دراز و دبیز لٹھ شہتیر
ورع سے کیجئے جو پیمائش، عرض طول، ارتفاع کی کشتی، آپ نے کی بڑی کلاں تیار،
قیر ہر درز میں بھرا بیرون
تب عجوبہ کمال کا دیکھو آدمی جانور کی ہر خوراک کی ذخیرہ درون بافراط
آئے زوجین سات سات کرم و مور و ملخ، چرند و پرند
حسب ترتیب طے شدہ داخل ہو گئے جو عظیم زورق میں۔
سب سے آخر ہوئے سوار بزرگ تین فرزند چار زوجائیں
اور پھر بند ہو گئی مضبوط وہ سرادق بہ حکم ربانی — (ف)
اسی دوران تیز منڈلاتی چل پڑی صرصرِ جنوبی تُند،
ریلتی، پیلتی دھکیلتی تیز زیرِ افلاک ابرِ تیرہ کو
بھاپ تبخیر نم کا اک ساگر کوہساروں نے بھی اچھال دیا،
ظلمتوں کی دبیز چادر کا اسودی سقف بن گیا گردوں،
موسلا دھار ٹوٹ کر چھاجوں مینہ برسنے لگا، ہوا جل تھل،
خشک دھرتی رہی نہ چپہ بھر۔
اور — بسم اللہ، فلک مجریہا — اس کی مقفار شکل گلہی کا،
متوازن جھکاؤ لہروں پر، سینۂ سیل چیرتی چل دی،
دیگر آبادیاں تمام ہوئیں نذرِ امواج مردماں غرقاب،
کہ سیہ گہرے پانیوں کے تلے ان کی شان و شکوہ بیٹھ گئی —
وہ محلات و قصر ابھی جن میں عشرت و عیش کی بساطیں تھیں،

اب بلیّات ، بحر و دریا کے اخترخانہ وزچہ خانہ تھے (اصطبل)
مختصر پائیں گاہ میں اسوار تھی رواں صرف نسلِ انسانی
آدم اولاد آل کا یہ حشر ، ابتلا اور دردناک انجام
کیا ہوگا تجھے قلق انگیز !
ایک سیلاب بلکہ تجھ کو بھی کر گیا — اشک و آہ کا سیلاب —
ہاں تجھے بھی ڈبو دیا تو بھی صورتِ آل زیرِ آب آیا —
بہت آہستگی سے دوبارہ جب ابھارا تجھے فرشتے نے ،
پاؤں پر تو کھڑا ہوا لیکن سخت بے چین قلب خوں گشتہ ،
جس طرح باپ بین کرتا ہے اپنے بچوں پہ جو تلف یک دم
عین نظروں کے سامنے ہو جائیں —
کی یہ فریاد : دلخراش سماں ، او مناظر یہ دلشکن ، میں کاش
عہد فردا سے بے خبر رہتا — نت نئے دن کا روگ کافی ہے ،
میں اٹھاتا فقط صلیب اپنی ذمہ داری قصور میں جو تھی ۔
تو بہ پاداش ٹھیک خمیازہ آپ سہتا اسی قدر میں خود —
ٹوٹتے قرن قرن جو آلام ، جاں پہ یک بارگی نہ آپڑتے ،
علم سابق سے رائگاں پیدا ، کیوں مرے واسطے اذیت کو
پیشتر زاں ، ہوئے وقوع پذیر —
جی کو دگدا سی نہ آیندہ چاہ کوئی کرے ہو غیب آگاہ ۔
ماجرا پیش آئے گا کل کیا ، کیا کسی جان و دل پہ گذرے گی ۔
کہ برا وقت آگہی بھی ہو غیب دانی سے ٹل نہیں سکتا ۔
جو خرابی ہے کل مقدر میں کیوں طبیعت پہ آج بار بنے
کم کہاں خلفشار اندازہ واقعی واقعہ کا جو کیجئے ؟

اب مگر خدشہ تمام ہوا۔
آدمی ہی نہیں رہا باقی جس کو تنبیہ کی ضرورت ہو،
چند جو بچ گئے ہیں مٹھی بھر لقمہ قحط و ابتلا ہوں گے۔
اس بیابان آبناک میں وہ رہینِ آوارگی و حیرانی۔
خوں خرابہ کی گرم بازاری — رک گئی تھی ہوا تھا ختم فساد
تو کچھ امید سی بندھی تھی اب خیر اور خیریت سے گذرے گی۔
آشتی امن نوعِ انساں کو فرخ اقبال خوب کردیں گے۔
میں بڑے ہی مغالطہ میں تھا ہو گیا ہے یہ امر آئینہ
جنگ میں تو تباہ کاری ہے کم نہیں امن بھی خراباتی۔
ایں چنیں چوں شود مگر بہ نما سرمدی رہنما کہ ہم آیا
نوعِ انساں کی فاتحہ پڑھ لیں؟
یوں انہیں میکائیل — ''آخر میں لوگ تیری نظر سے جو گذرے
کامرانی میں چور، دولت کے نشۂ بے تحاشہ میں مخمور،
تھے وہی خوب سر برآوردہ جو ہوئے عمدہ کارناموں سے،
معرکے مار کر عظیم — مگر حسن سیرت سے صاف بے بہرہ۔
خون کی ندیاں بہاتے تھے سخت بربادیاں مچاتے تھے،
کر کے محکوم نام کا ڈنکہ اپنا اقوام میں بجاتے تھے،
یہ چلاتے تھے سکہ یہ خطبہ اپنا ہر ملک میں پڑھاتے تھے،
اس طرح چار دانگ عالم میں خاص خاصہ ہو گئے نخچیر
شہرت اعزازان کے ہاتھوں میں — تھی ہمیشہ ''بعیش کوش'' روش
نفس امارہ کی ہوس رانی، فسق، پرخوری و تن آسانی
روز افزوں امن کہ دوران وہ گھمنڈ اور لاابالی پن

منقلب سب محاسن استعمال منہزم قیدیوں کا مذموی
آدمیت کی برملا تذلیل قلب سے سلب خوف یزدانی ـــ
پر فنوں زہد پارسائی ڈھونگ، واعظ و شیخ کی بہم پرخاش
جس طرح حکمراں مجاز انہیں
وہ اسی طرح حامل کردارے کو نشہ کا حکم جتنا ہے۔
وہ ہیں تائید ایزدی کے تو مدعی ـــ مستحق مگر کب ہیں۔
خیراب وہ منائیں جانوں کی' آسمانی مدد نہ پہنچے گی۔
باور ہے زمینِ گو ماحول انتہائی ہے وافی و وافر
آزمائش مزید ضبط کی ہے (کہ ہے خیر الامور اوسطہا)۔
پر دہ اخلاق باختہ طامع رہنِ نادیدگی و حرص ہوئے،
طاقِ نسیاں پہ دھر دیئے ایمان، راستی، اعتدال، عدل آئین
دور تیرہ میں پر تھا مستثنیٰ ـــ ایک فرزند نور تمثالی
کوئی تحریص ہو کوئی تخویف' متخالف نمونہ دور اندیش
دشمنِ جاں ہو کوئی یہ بے خوف طنز و طعن و جفا و جور سے تھا،
حرکات شنیعہ پر تشنیع اور اعمال زشت پر توبیخ
ان پہ پر امن راست راستے کی بے غل و غش نشاں دہی کر دی
ان لاتعبدوا الا اللہ او اخاف عذاب یومِ الیم ـــ
دی شقاوت پہ گو بشارتِ قہر ـــ لیکن اپنا سامنہ لئے آئے
کاہن و کاذب الملاء بولیں سحر وا، چٹکیوں میں سب تولیں
نزدِ یزداں مگر وہی صاحب مومنِ راستباز ان میں تھا۔
تب انہیں حکم، "اصنع الفلک" ـــ نادر روزگار اک زورق
جو ابھی کی ملاحظہ تو نے ـــ حکم آیا عیال و اہل سمیت

وہ نکل جائیں بچ کے دنیا سے جو کہ نابود و نیست ہونا تھی۔
وہ چنیدہ تھے خاص بہر بقا بہ حفاظت سوارِ عرشہ ہوں۔
جانور آدمی جو ہوں مامون ——
فار التنور کا اشارہ ہو، آبشاروں کے بند کھل جائیں،
موسلا دھار مینہ پڑے چھاجوں ہو دھواں دار رات دن برسات۔
سوئے سوتے ابل پڑیں پر شور سو بہ سو آبہائے طوفاں زور۔
بحرِ ذخار مارتا ٹھاٹھیں، بیکرانہ چھلانگ لے ہر حد۔
زیرِ آب آسمان بوس پہاڑ —— باڑھ، ریلے، چڑھاؤ، طغیانی،
تند لہریں لپیٹ میں لے لیں سر بسر یہ تمام نہضت گاہ۔
اور طفان موجہ در موجہ جس طرح بھی سمائیں سینگ چلے،
ہوں گل و سبزہ و ثمر تاراج، پیڑ بوٹے اکھڑ کے بہہ نکلیں
رود بار فرات سی بہنا (فارس کی) اس خلیج کے اطراف
ہو نمودار شوری و بے بار،
اک جزیرہ وہاں جسے کہیے ٹھور سگ ماہی و بلیاتی ——
ساگری (بوتیمار) بگلوں کا —— خوب بگلوں کی ٹھنٹھناہٹ ہو ——
درس یہ ہے کہ شرع یزداں میں کوئی حرمت نہیں مقام کو ہے ——
ہاں مگر جس جگہ پر انساں کی آمد و رفت کا علاقہ ہو
یا جہاں وہ مقیم ہو جائے۔
خیر اب دیکھ اور آتا ہے پردہ غیب سے ظہور میں کیا + "
کی نظر تو ڈھچر دکھائی دیا سطحِ سیلِ رواں پہ زورق کا،
ھی تجری فی موج کالجبال —— زورِ سیلِ رواں کا ٹوٹ گیا،
تیز بادِ شمال نے ان کو اب دھکیلا تو اڑ گئے بادل،

خشک ایسی ہوا کہ طغیاں کے چہرے پر جھریاں سی ڈال گئی،
آبنا کی کا ایک منظر سا جس طرح ہو دبیز شیشے پر
آفتاب مبین نے اک تنک چشم سوزاں سے ٹکٹکی باندھی،
اوک بھر بھر کے موج تازہ پی جس طرح کوئی پیاس کا مارا،
تنک آبی سے تھی بہاؤ میں وہ کھلی جھیل جز رِ لرزیدہ،
جو بحیرہ کو باز گرداں ہو نرم پا، سست گام، دزدیدہ —
اور خوراب سب ہوئے تیغہ، ہر دریچہ فلک کا بند ہوا —
قیلَ یا ارضُ ابلعی ماءکِ یا سما اقلعی و غیض الماء
(حکم آیا کہ اے زمیں پی جا جل تھل اپنا یہ آسماں تھم جا —
خشک تب کر دیا گیا پانی)
دھیرے دھیرے رواں دواں ناؤ رک گئی تیرنا ہوا موقوف —
قلہ کوہسار کے اوپر گڑ گئی وہ زمین میں ساکن — آخرش سَتَوَت علی الجودی
اب پہاڑوں کی چوٹیاں بے نظر آئے لگے چٹانوں سے —
غلغلہ خیز سیلِ تند اپنے تیز دھاروں کی ریل کر، اب تھا
گامزن سوئے قلزمِ روگرد —
اک غراب اس جہاز سے نکلا، اُڑ گیا وہ فضاؤں میں یکدم،
معتبر قاصد، ایک فاختہ بھی،
کہ لگائے سراغ خشکی یا کہیں پر، کوئی درخت ملے۔
پاؤں یہ جس پہ دھر سکیں وہ بھی بیٹھ کر چہچہا سکے جس پر۔
دوسری بار فاختہ لوٹی، شاخ زیتون چونچ میں لے کر —
خشک اراضی نظر پڑی، اترے وہ معمر بزرگ ان کے ساتھ۔
ساتھ انبوہ بھی سفینے سے — ان کے دست دعا بلند ہوئے

موجزن آنکھ میں عقیدت تھی — سجدہ شکرِ حق بجالائے،
ابر نیساں محیط سر پر تھا درمیاں اک دھنک جھلکتی تھی —
لہریئے تین شوخ رنگوں کے صاف غماز حضرت یزداں،
بھیجتے ہیں سلام خاص ان پر — یہ تعہد نیا نیا میثاق۔
دل آدم کہ غم گزیدہ تھا اس نظارے پہ باغ باغ ہوا
بہرِ اظہار شادمانی یوں: ''ملکہ ہے تجھے کہ تو کردے
آئینہ مثل حال مستقبل — دیکھ کر میں یہ آخری منظر
قائل اب ہوں معلمِ علوی میرا انسان پھر بحال ہوا۔
اس جہان خراب میں بے شک نسل اس کی ہے زندہ پائندہ
ان مہاپاپیوں کپوتوں کا ایک کلجگ اگر سماپت ہوا،
کف افسوس کیوں ملوں اس پر کس لئے ان پہ اشک افشانی
بلکہ میں مطمئن ہوں پیدا ہے حامل رُشد صاحب اک، جس پر
مائل اعتنا ہو پھر یزداں،
آفریدا اس سے تازہ دہر کرے اور قہر و غضب سے درگذرے —
کہہ مگر کیا سپہر پر تو جیہہ شوخ رنگین دھاریوں کی ہے۔
پر بہار و حسین کہ یزداں کی خوش جبینِ عنایت آگیں ہو،
کوئی پیمک ہے پھولدار جسے جیبِ آبِ رواں پہ ٹانک دیا،
آبجی ابر کی مبادا ہو پھر چھلک کر زمیں پہ باریدہ؟
یوں جواباً انہیں کبیر سروش:
زیرکانہ تری تمنا یہ قہر یزدان دور فرمادے —
آپ اپنی رضا سے — وہ غفار — رہن فسق و فجور انساں پر
متاسف اگرچہ بے حد تھا، خون دل ہو گیا تھا، جب نیچے

جھانک کر کل زمین پائی تھی غرقِ سفا کی وستم رانی

گوشت میں گوشت کا فساد، اس کے لچھن ایسے برے برے توبہ،

تاہم اب وہ خرابیاں گذریں۔

کہ تقرب نگاہ باری میں راستباز ایک شخص کو ہوگا

رحمت حق میں جوش آئے گا، نوع انساں نہ اب فنا ہوگی ـــ

نہ تو یثاق نو، نہ یوں ہوگی ارض سیلاب بردد وبارہ،

قلزموں کو نہ اذن پھر ہوگا یوں کناروں پہ سے اچھل جائیں

نہ کرے گی جہانِ مردم وددفرط باراں دمِ دگر غرقاب،

بلکہ جب بھی سحاب چھائے گا اذن رب العلیٰ سے فوق ارض

اس ترنگی دھنک کو جڑ دے گا،

کہ وہ اس پر نگاہ دوڑائے اور یثاق اپنا دوہرائے۔

یہ خریف وربیع ـــ لیل ونہار ـــ یہ بہار وخزاں، شتا وصیف

ہم چنیں برقرار سب ہوں گے۔

آگ تا آنکہ ہر کہ ومہ کو آسمان وزمیں کو (در کونین)

از سرِ نو منزہ کردے گی جن میں اخیار جاگزیں ہوں گے +"

فرہنگ

پائی ـــ گلہ بان یا جنگ قاصد

دغل، دردشا، دشت ـــ ہنگامہ، مصیبت، ظالمانہ بختی۔

سرادق ـــ پردہ خیمے کے معنی بھی دیتا ہے

دفتر دوازدہم

تلخیص

فرشتہ میکائیل واقعاتِ مابعدِ طوفانِ نوح کی تفصیل جاری رکھتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں اس زادۃ النساء کی بتدریج وضاحت کرتا ہے۔ (ہبوط آدم وحوا) کے وقت جس کی بشارت دی گئی تھی۔

حلول، استحالہ، وصال، خروج قبر، رفع وصعود — حضرت عیسیٰ مسیح کے یہ احوال اور پھر تا نزولِ ثانی کلیسیا کے معاملات۔

ان نقول ومواعید سے آدم کو معتد بہ طمانیت قلب وروح ملی۔ معیت میکائیل میں قلّہ ٔکوہ سے فرود آ کر حوا کو جگایا جو اس تمام دوران محوِ خواب رہیں۔ انہیں بھی رویائے صادقہ سے خاصی سکینۃ القلب حاصل ہو چکی تھی اور شیوہ تسلیم ورضا باعث آسودگیٔ خاطر بنا تھا۔

ان دونوں کو ساتھ لے کر بالآخر میکائیل سرحد فردوس پر پہنچا اور انہیں اقلیم بہار جاوداں سے باہر نکال دیا۔ جنت ہاتھ سے گئی — ان کے پیچھے دور تک ایک آتش ناک شمشیر لہرائی اور کرّوبیان مستعد سرمدی حدود کی نگرانی پر مامور کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔

باہمہ التزام تیز روی عین ہنگام نیم روز کوئی

رہ نوردی میں جس طرح دم لے—

پائمال و بحال دنیا کے درمیاں یوں رکا کبیر سروش

ظاہراً اس خیال سے دیکھو شاید آدم کریں کچھ استفہام—

وہ مگر چپ رہے تھے دم سادھے۔

بہ توقف بہ طرز خوش تغییر اس نے تجدید ہمکلامی کی،

کی تماشہ پس ایک دنیا کی ابتدا اور انتہا تو نے—

فرط افزونیٔ بشر ثانی دودماں سے وہاں دگر بارہ،

ہے بہت دیدنی ہنوز مگر—

لگ رہا ہے تری یہ ناسوتی حسِ بینائی دے رہی ہے جواب—

لامحالہ مناظر لاہوت کر ہی دیتے ہیں قدرت انساں مضمحل، خام، نقص آغشتہ

ماجرے، واقعے، سمرِ، احوال سارے شدنی شیدنی مابعد، (جمع اسمار: قصے)

میں کروں گا بیاں لہٰذا تو ہو توجہ سے گوش بر آواز،

یہ گروہِ مکررِ انساں گرچہ تا حال چند و معدودے

ذہن پر مرتسم بھی جس کے ہے حشر ماضی کا دغدغہ تازہ،

فرطِ خوفِ خدا سے رکھے گا راستبازی و راستی ملحوظ

زیست اب مستقیم گزرے گی۔

سرعتِ نسل میں فراوانی، دراراضی مشقت ارزانی،

خوب بہتات فصلِ درِوانی، غلہ، روغن، نبیذ رمانی،

بڈھیا، لیلے، میمنے برّے، غول و گلہ سے نذر و قربانی

بر سبیل نیاز و نذرانہ وہ پیا پے شراب افشانی،
ہر ضیافت عشائے ربانی — روز و شب ان کے خرم و شاداں
کوئی بھی تو نہ لگ سکے بہتان اور نہ بھٹکا سکے کوئی ہیجان،
جات جتھوں میں یوں رہیں آباد چین سے راج پتر کی میں وہ
شخص تا آنکہ ایک ظاہر ہو سر میں سودائے پر فتور لئے
نہ مساوات اور اخوت کا وہ روادار ہو کسی صورت
نہ اسے بھائے عام آدمی کی عزت و عدل و علم و عافیت۔
سارے اخوان پر مسلط ہو غلبۂ ناروا و ناہنجار،
رابطے ضابطے وہ فطرت کے محو روئے زمین سے کر دے
صید افگن (مگر نہیں حیواں، بلکہ اس کے شکار انساں ہوں)
وہ فضولی فساد و فتنہ سے لائے گا زیر دام انہیں جو لوگ
سامراجی کا طوقِ استبداد گردنوں میں نہ جھک کے ڈالیں گے۔
لقب اس کا اسی لئے ٹھہرے روبروئے الہ میر شکار
تجتی متعال سے جت —
مدعی و مصرِ نیابت خود اسے تفویض متعال نے کی۔
نام مردود کا تمرد سے اخذ، گو مورد تمرد وہ دوسروں کو قرار دے (نمرود)
جمع زیر علم کے لئے اس نے لوبھ مارے جبیر اور جرگے۔
لے کر ان کو عدن سے غربی سمت منزلیں تیز مارتا وہ چلا
غارت و قتل پر کمربستہ ایک آوردگاہ میں نکلا۔
تھا زمیں دوز جس میں افشاندہ تیرہ گو گرد کا بھنور ایسا کہ دہانہ کہیں جہنم کا —
نفطہ و سنگ و خشت کو اس نے گوندھ اور متھ کے ہم قوام کیا۔

ایک بلدہ کی واں رکھی بنیاد
جس کا ہر برج ہر کلس کہیے آسمانوں سے بات کرتا تھا۔
یادگارِ بقا رہے جب وہ کالعدم بھی بلادِ غیر میں ہوں۔
اس سے لہنا مگر نہ تھا کوئی نیکنامی ملے کہ بدنامی
لیکن او جھل ورود فرمائے گاہ یزدان اہلِ دنیا میں
گھوم کرتا نگر نگر دیکھے کاروبار جہانیاں خود بھی۔
یہ تماشا ہوا تو اب اس نے فوراً اس شہر پر نزول کیا۔
کہ مبادا یہ برج منارہ البروجِ فلک میں حاجز ہو،
کر دیا درد ہن تفنن سے داخل اک طیف تفرقہ پرداز۔
جس نے ان کی زبان سے اپنی مادری بولیاں کھرچ ڈالیں
طرفہ لفظوں کی بے تکی گنجار — لہجہ ولب میں آڑا بڑ بھر دی، (آڑا بیڑی کا ٹیٹھ تلفظ)
راج مزدور تب لگے کرنے شور عف عف کا سخت بے ہودہ،
تھے مخاطب بیکد گر لیکن خاک پلے پڑے نہ وہ بکواس،
خوب بھنائے جھنجلاہٹ میں حلق انکے رندھے ٹھٹھول مخول
جب بکیں اول فول اناپ شناپ
دندانو کھا، یہ غل غپاڑہ شور جب سر ئنہ سپہر تک پہنچا۔
وہ مکیں جھانک جھانک کر دیکھیں خوب فرمائیں ان پہ استہزا —
اس طرح بن گئی بنا مہمل — جو بلا بو غما ہوئی مشہور
یوں بہ پدرانہ برہمی آدم: ”غصب یزداں نے جو حقوق دیئے
برتری کا جنون برائے ذات بھائیوں پر مرے پلید پسر،
جب کہ بخشی ہے سروری کلی ماہی و مرغ و دد پہ صرف ہمیں

اور یہ بھی عنایت اس کی ہے

ایک بندے کو اپنے بندوں پر اس نے حاشا نہیں کیا مولیٰ۔

خاص اسی سے یہ اسماء الحسنیٰ، آدمی سے ہے آدمی آزاد۔

یہ مگر غاصب اس قماش کا ہے جابرانہ دراز دستی کو باز انسان سے نہیں رکھتا۔

قصد یہ، برج پر سے للکارے اور ڈالے کمند یزداں پر۔

مردِ بد بخت کون سی خوراک تو مہیا کرے گا فوق ایسی

جو کفایت کرے، کفیل تمام تیرے تومانِ ترکتاز کی ہو۔

ابر کے ماورالطیف ہوا او بھ دے گی بدیں نمط ان کو

بے طرح منہ کو آئیں گی آنتیں — گھٹ نہ روٹی پڑے تو دم گھٹ جائے؟"

میکائیل اس طرح انہیں — "بے شک، اس پسر پر تری بجا نفرین

عالمِ بے فساد، بندوں کا جس نے یوں کر دیا تہ و بالا

زور و تزویر سے مطیع کرے عقل پروردہ حریت — تاہم

ہو یہ معلوم حریت اصلی اصل لغزش سے ہو چکی معدوم

کہ توام برقرار و پائندہ ساتھ عقلِ سلیم کے وہ ہے،

اور جس کی محال ہے بالذات منفرد ہستی جداگانہ۔

ماند پڑ جائے عقل انساں میں، ہو نہ یہ مشعلِ ہدایت، جب

سفلہ جذبات، خواہشیں منہ زور چھین کے اس سے جھٹ عملداری

آدمی کو غلام کرتی ہیں۔

چونکہ وہ باطناً مجاز ہوا اس کی آزاد عقل و بینش پر قوتیں نابکار حاوی ہوں،

بر سبیلِ جزا خدائے زدنے

خارجاً طوق اس کی گردن میں بربری حاکموں کا ڈال دیا۔

سلب کرتے ہیں جو بسا ناحق خارجی حریت کو یوں اس کی—

بسکہ یہ ناگزیر استبداد،

مستبِدّ ایسا کوئی کفارہ وہ کرے، قابل قبول نہیں۔ (ب بکسور دال پر تشدید)

بعض اوقات سیرتاً ہوں گی— اس طرح بھی ملل زوال پذیر

عقل بھی مقتضی اسی کی ہے، عدل کا بھی یہی ہے اک منشا

کوئی محرومِ حریت ان کو خارجاً ناروا نہ کر ڈالے

بسکہ یہ بیش تر بسا اوقات باطناً ہو چکی بھی ہو زائل۔

جس نے تیار کی کلاں کشتی ہے پسر یہ اسی کا ناہنجار

اس نے بٹہ لگا دیا جس کے شہرہ و نام کو، تفو اس پر،

یہ وہ ننگ پدر ہے جو اپنی بدگہر نسل کے لئے دائم

طعنِ عبد العباد ٹھہرے گا—

ہم چنیں، یہ جہانِ اخری بھی عین مثلِ جہانِ اولیٰ ہے، بد سے میلان گیر بدتر کا۔

معصیت کوشیوں سے زچ ہو کر اٹھ گیا ان کے بیچ سے یزدان

پھیر لیں ان سے سرمدی آنکھیں،

(اور) لا یُنظرُ الیھِم، اب فیصلہ ہو گیا ہے یہ آخر

جانیں بوجھیں وہ آپ اور ان کی متبذل حرکتیں ہمیشہ کو۔

لائے گا خاص فضل سے بہ وجود منتخب کر کے ایک امت کو

جس کے مرشد حنیف ابراہیم ماورائے فرات کے باشی،

سخت ماحول بت پرستانہ جس کے ماتحت پرورش ہوگی—

لوگ یوں جاہلیت میں گم ہوں گے (کہ بھی سکتا تھا یہ قیاس کوئی)

سر بہ سجدہ حضور اربابا جو تراشے گئے ز سنگ و چوب،

جب کہ موجود درمیاں ان کے تھے ابھی وہ بزرگوار عظیم
سخت طوفاں سے رستگاری کا واقعہ اک کرشمہ جن کا تھا۔
خیر رب جلیل کی دعوۃ کشف میں تھی خلیل کو لطفاً"۔۔۔
دور کاشانہ پدر سے، دور باطل اصنام سے 'اعزہ سے'
ایک اس ملک کی طرف، القاجو ابھی ان سے قوم اک شہزور
معرض ہست میں نزول اس پر وافر الطاف کا، ہلل ساری
۔۔۔حلب سے جس قدر بھی ہوں ان کی ۔۔۔ زیر دامانِ رحمت آئینگی
کہہ کے لبیک بے تامل وہ چل پڑے، منزل اجنبی، لیکن
حق وایقاں کا پیکر کامل ۔۔۔
وہ مرے سامنے ہیں صاف مگر تو انہیں دیکھنے سے قاصر ہے ۔۔۔
پختہ ذوق یقیں سے ترک تمام دیوتا دوست اور دیار وطن،
شہر اُر (کلدیہ) سے رخصت ہیں، گھاٹ اتر کر حران کی جانب
ساتھ ان کے جلو میں جم غفیر ۔۔۔ غول گلے، حشم خدم موفور
جادہ پیمائی بے سروساماں بلکہ یزداں کی اماں میں وہ
دے چکے تھے تمام مال منال، وہ اشارے پر جس کے آئے تھے۔
بے محابا دیار غیر میں یوں ۔۔۔ ملک کنعان میں ہوئے داخل
وہ نظر بارگاہ ساز مجھے نزدِ میدانِ مرحہ آتے ہیں
در مضاف ضخیم، کل اقلیم یہ بشارت عطیہ آل کا ہے۔
حمص میں از شمال تا صحرا در جنوب (ان کے نام گنواؤں
گو مقامات تھے نہ یہ موسوم) شرق میں حیرمن سے اک زخار
بیکراں مغربی بحیرے تک ۔۔۔ جبلِ حیرمن بحیرہ دور

دیکھئے ہر جگہ تناظر میں، جس طرح میں بیان کرتا ہوں:
جبل الکارمل سرِ ساحل اور دریائے اردن دورود،
شرق وار ایک قدرتی سرحد، آل ان کی مگر فروکش ہو،
تابہ سینر — پہاڑیوں کا ایک سلسلہ دور تک دراز فراز —
جملہ اقوام روئے ارضی پر، غور کر اس کے صلب سے آغاز،
صلب سے آپ کی مراد ہو وہ جہاں کو منجیٔ اعظم
جو کہ افعی کا سر کچل دے گا منکشف صاف صاف یہ ہوگا۔
یہ ابوانبیا علیہ السلام مسلماً اسم پاک ابراہیم،
وہ خیف ان کی نسل سے ہوں گے پسر (اسحٰق) سبط (اسرائیل)
حامل دین و دانش ان کی مثل عظمت و امتیاز کے صاحب
بارہ پسران سے ہوئی برکت، سبط کنعاں سے ان کے ساتھ کریں
ہجرت اس ملک کی طرف جو مصر عہدِ مابعد میں ہوا مشہور،
ہے جہاں پر رواں دواں کرتا منقسم آب رودِ نیل اُسے
اور بحیرے میں (روم کے) آخر سات ڈیلٹے بنا کے گرتا ہے۔
خشک سالی تھی سخت جب حضرت یاں سکونت کے واسطے آئے
دی تھی فرزندِ خورد نے دعوت منصفِ صد صفات سے موصوف،
بعدِ فرعون جو قلمرو میں فائزِ منصبِ عزیز ہوئے (حضرت یوسف)
جاں بحق مصر میں ہوئے یعقوب — نسل پھل پھول کر بنی ملت
ان کی افزائش و اضافہ پر سلسلہ کا متوش اک فرعون،
کیسے بے ہودہ میزباں جس نے سب موالی بنا لئے مہماں
پھر ستم — یذبحون ابناء — مار ڈالے نرینہ اولادیں،

طرف یزداں سے تب ہوئے مبعوث دو برادر (وہی برادر دو
موسیٰ اک اور دوسرے ہارون)
تا کہ ذلت کی اس غلامی سے قوم مظلوم کو دلائیں نجات۔
ارضِ موعود کو غنائم سے بار — پھر وہ مراجعت فرما —
لیکن اول ستم گرِ سرکش — صاف منکر وہ ان کے یزداں کا
جو نہیں وحی کو سمجھتا تھا درخورِ اعتنا انا کے سبب
(یدِ بیضا، عصائے ثعباں کے) معجزوں سے ہوا بڑا جز بز،
تا بآنکہ لہولہو دریا! قبل لیکن عذاب آخر سے
(الدّم والجراد و القمّل والضفادع) سے قصر بھر جائیں،
مکھیوں، مینڈکوں، جوؤں کے جھنڈ، اٹ گیا ملک ان بلاؤں سے۔
— لاگ مرّی سے کل مویشی پٹ،
گومڑوں، پھنسیوں سے خود اس کے جسم کا گوشت پھد پھدا اٹھا،
تھا یہی حشر سب رعایا کا — صاعقہ رعد، ژالہ و شعلہ
گڈمڈ ایسے کہ مصر میں جیسے آسماں کے پرخچے اڑ جائیں،
دندنائیں زمین پر، ماریں جب یہ ٹھاٹھیں تو سب صفاچٹ ہو —
چٹ نہ یہ کر سکیں جڑی بوٹی، پھول پھل گھاس اناج دانہ — تو
ٹوٹ کر اک سیاہ دَل بادل ٹڈیوں کا بنائے سب چٹیل،
دیس بھر میں رہے نہ ہریالی — گھورتا چار کھونٹ چھا جائے
ہاتھ چھو لے وہ گھورتا گاڑھی — تین دن گھورتا میں ڈوب گئے —
اور پھر وائے ضربِ نیم شبی،
مصر میں جس سے زندگی کے چراغ سارے پہلوٹھیوں کے بجھ جائیں،

یہ پیاپے مصائب و آفات ــــ ہار جھک مار کے وہ آخر کار زخم دس کھا کے ہو گیا راضی

کہ مقیمانِ عارضی جائیں ــــ دلِ ضدی اگرچہ برہم تھا!

برف جیسے پگھل کے پتھر ہو، وہ تعاقب میں طیش ناک چلا۔

تند دریا نگل گیا اس کو لاؤ لشکر سمیت ــــ اغرَقنا،

اِذ فرقنا ــــ عصائے موسیٰ کی ضرب سے ہم کر یمین یسار

دو بلورین آب دیواریں بن گئیں اور ــــ بہاؤ ٹھیر گیا،

رہ بنی اسرائیل نے پائی، پار وہ نیل سے اتر آئے

یا بنی اسرائیل یاد کرو ــــ

قوت اپنے ولی کو جب یزداں حیرت انگیز بخش دیتا ہے،

یہ جو موجود ہے فرشتہ میں کہ روانہ وہ پیش پیش رہے

اک غمام، اک عمادِ نار مثال، روزِ روشن میں ایک غمام، مگر

شبِ تیرہ میں اک عماد النار ــــ رہنما وقت رہ نوردی ہو،

اور دنبالہ میں مزاحم، آئے جب تعاقب میں، راج ہٹ، سلطاں،

منزلیں مارتا ہے شب بھر اور چھوڑے نہ تیرگی نزدیک

صبح تک درمیان میں حائل ــــ تب غمام و عمادِ ناری سے

مبتلائے بلا کرے یزداں اس کا سارا یہ لشکرِ جرار،

اور سب ٹوٹ پھوٹ رتھ پہیے یکسرش پاش پاش ہو جائیں ــــ

اذن ہو، اور رود پر موسیٰ پھر کلیمی عصا کو دے ماریں

ضربتِ کارگر پڑے ایسی رود آگے عصا کے بچھ جائے۔

جنگ آرا صفوں پہ دشمن کی تند موجیں پلٹ کے چھا جائیں

سب نبرد آزمائی ہو غرقاب۔

دشتِ ویراں میں برگزیدہ قوم، عام رستے سے ہٹ کے گامزناں
بر کنارِ بحیرۂ قلزم، سوئے کنعاں روانہ ہوتی ہے،
واں جو پائیں مزاحمت، طاری ہول ہو جائے اور خوف زدہ
جنگ نا آزمودہ کار یہ لوگ پھر پلٹ جائیں مصر کی جانب
اور قانع اسی غلامی کی خوار و منحوس زندگی پر ہوں،
کہ جلیل و رذیل ہر ایک کو جان پیاری بڑی برابر ہے۔
جب مہارت نہ اسلحہ میں ہو اور تحریک دے نہ بے خوفی
دشت پہنا میں التوا تا خیر فائدہ مند ہی انہیں ہوں گے۔
اک ریاست کی داغ بیل پڑے، منتخب ندوۃ العمائد ہو،
نافذہ شرع کے مطابق جو انتظامی امور نمٹائے۔
یوں قبائل دوازدہ بس جائیں —— ربِ ارنی ولن ترانی سے
لرزاٹھے وہ سرمئی چوٹی اور یزدان طورِ سینا سے
آپ کر کے نزول اجلال اب صاعقہ رعد غلغلہ انداز
صور کی تروعہ پہ فرمائے مرحمت الکتابِ حق —— تورات
متن میں کچھ "قواعدِ لوایالناس" کچھ بیان شعائرِ دینی ——
یوں مثلِ فصلِ لربکَ وَانحَر
پھر اشارے کنائے سے واضح صلبِ برحق کشندہ افعی
کن ذرائع سے نوعِ انساں کی خود بنے گا نجات کا حیلہ
بہرِ سمعِ بشر ندا لیکن سخت ہیبت فزا ہے یزداں کی،
پس وہ موسیٰ سے التماس گذار کہ پیامِ الٰہیہ لائیں،
ہو گئی اس طرح فرو دہشت، کی جو منت تو یہ ہوئے راضی،

تھی ہدایت رسائی یزداں تک ہے بدونِ شفیع ناممکن!
اور موسیٰ کہ ذات میں اپنی حامل منصب مکرم ہیں،
متعارف کرائیں امت سے ایک ہستی بزرگ واعلیٰ تر
جن کی آمد کی دیں بشارت سب قرن در قرن مرسلین پاک
اس مسیحا کی آمد آمد کے نغمہ ہائے نوید گا گا کر۔
ہوگئی ہے شریعت اب رائج باہمانا مراسمِ موسوم۔
اپنے بندوں سے مطمئن یزداں وہ مشیت کے ہو گئے تابع
پس مظلہ اک التفاتانہ خاص ان کے سروں پہ تان دیا،
ذات اقدس ہوئی مقیم ان میں زندگی مستعار جن کی تھی۔
حسب فرماں مقدسہ تعمیر زر مرصع، منبتی فضہ ایک درگاہ دیودار ہوئی
تھی جو میثاق نو کی دستاویز وحی، صندوق میں رکھی محفوظ۔
شہپروں پر سروش اٹھائے ہوئے۔
دو مطلّیٰ غلاف تابندہ سات روشن چراغداں اوپر ---
منطقۃ البروج کا منظر اک مصابیح عرش کا نقشہ ---
اس مظلہ پہ سایہ افگن ابر، روز روشن کی تابنا کی میں
اور آتش فروغ رات آئے --- جادہ پیما ہوں یا قیام پذیر
اک فرشتہ کی رہنمائی میں ارض موعود میں ہوئے وارد
تھا یہ اقرار حکمراں ہوں گے واں براہیم و آلِ ابراہیم
داستانیں طویل گر کیجئے سخت گھمسان رن پڑے کتنے
کتنے فرمانروا ہوئے معزول --- آیا کن بادشاہتوں بہ زوال۔
وسط میں آسمان کے ساکن پورے دن کس طرح رہا سورج

رک گئی شب کی طے شدہ گردش
اک صاحب نے جب یہ حکم دیا — ''مہر گیوبان میں ٹھہر جائے
وادی آئیلون میں مہتاب — غالب آئیں نہ جب تک اسرائیل،
ابن اسحٰقؑ (حضرت یعقوبؑ) سوئم از پشت پاک ابراہیمؑ
آل یعقوبؑ، قوم اسرائیل فتح کنعان اس طرح کر لیں
یاں پہ قطع کلام آدم کا: او فرستادہ فلک تیرے دم قدم سے ہے تیرگی زائل،
کیا مبارک امور فاش کئے بالخصوص ابراہیم اور ان کی آل کے باب میں وضاحت سے۔
اولیں بار یہ ہوا محسوس نورِ دیدہ وری میسر ہے
مرے دل کو ملا قرار چھٹے سب خیالات زشت ژولیدہ
کہ بنی آدم اور آدم کا جانے آیندہ حشر کیا ہوگا
اب مگر آشکار یہ وعدہ کہ اس اکرم کے فیضِ ہستی سے
سب ملل رحمت آشنا ہوں گی فضل کا غیر مستحق ہر چند
میں کہ قدغن زدہ وسیلوں سے علمِ قدغن زدہ کا خواہاں تھا۔
یہ مری فہم سے ہے بالاتر
ساتھ جن کے مقیم خوش خاطر خود خداوند ارض میں ہوگا
کیوں مسلط او امر ان پر یہ متفاوت چنیں قدر، بسیار،
کہ خداوند کا قیام آخر ایسے لوگوں میں کس طرح ہوگا؟
میکائیل اس طرح انہیں: آدم شک نہیں کر کہ دور دورہ پھر
جن میں عصیان واثم کا ہوگا — وہ تمہاری ہی پشت سے ہوں گے
پس شریعت انہیں ودیعت ہے کہ ہویدا کریں ریاکاری،
دیں سمندِ گناہ کو مہمیز، ہوں نبرد آزما شریعت سے —

جب مگر ان پہ منکشف ہو گا کہ شریعت گناہ کو بے شک
یافت در یافت کر تو سکتی ہے تلف اس کو مگر نہیں کرتی،
خون وہ گوسفند و گاؤ کا عام رسما کریں اگر صدقہ،
تو کچھ امکان بھی ہے البتہ — پھر اس امکان ہی سے اخذ کریں
آدمی کی نجات کی خاطر خون درکار خون اشد درکار
بیشتر پاک اور بیش قرار بد کے بدلے نکو، نکو کاری
جس سے دی دین نے انہیں توفیق کہ وہ تائید کردگار کریں
ہو میسر ضمیر کو تسکین مطمئن شرع کر نہیں سکتی، محض رسمی شعار سے اس کو،
نہ ہی انسان کو یہ حاصل ہو کر کے اخلاق پر عمل یک جز،
بے عمل ہو تو جی نہیں سکتا!
شرع ظاہر میں نامکمل پس اور قصداً مگر ودیعت ہے —
تا کہ وقت معینہ پر جب آئے میثاق کامل و کل تو
لوگ اس کی متابعت کر لیں ہوں وہ پیرایہ ہائے مبہم سے
کاربندِ حقیقت قطعی — جسم سے روح کی طرف مائل،
سخت اوامر کے جبر سے آزاد رحمتِ بیکراں کے دامن میں،
وحشت بندگی سے شفقت کی گود میں شاد باش، آسودہ
زمرۂ اسوۂ شریعت سے حلقہ اسوۂ طریقت میں —
قول صادق بنابریں موسیٰ گرچہ محبوب خاص یزداں ہیں۔
صرف اک بانی شریعت تھے اور کنعاں میں لائیں امت کو —
کارنامہ جناب یوشع کا غیر مذہب جسے یسوع کہیں
کہ بہ ایں منصب و لقب آخر دشمن افعی کو زیر فرمائے —

دشتِ دنیا میں دیر آوارہ آدمی کو بڑی حفاظت سے،
لائے دوبارہ امن وراحت کی اسی فردوس لاتنزل میں
(وہ مسیحائے ناصری برحق)
جاگزیں وہ رہیں دریں اثنا — مستقر، خاک زارِ کنعاں ہے
مرفہ الحال تا زماں، لیکن
اجتماعی گناہ کر ڈالے، برہم امنِ معاشرہ ومضاف
اور یزداں ان سے برگشتہ دشمنِ جاں حریف لے آئے —
نادم وشرمسار و تائب وہ جب بھی ہو گئے امان بھی دی
اولاً زیر سایۂ قاضی، بعد ازاں بادشاہ کے ماتحت،
ان میں ممتاز شاہ دوئم تھا طے ہوا جس کے زہد وجرأت سے
اس جہاں میں علی الدوام اس کا قائم اورنگِ خسروی ہوگا۔
نغمہ سنجانِ پیشگوئی سب اسی عنواں زماں زماں ہوں گے،
نسلِ داؤد خسروانہ سے (نام نامی بتاؤں اس کا میں)
ایک فرزند رونما ہوگا — ایک ''مختم النساء'' تینوں کو
دی گئی ہیں بشارتیں جس کی — اوّلاً یہ نبا بہ ابراہیم
جملہ اقوام کا عقیدہ صرف جن کی ذاتِ بزرگ پر ہوگا —
ملک الآخر الملوک وہی علم سارے ملوکِ سابق کو،
کیوں کہ پھر رو بہ انحطاط اس کی بادشاہت کبھی نہیں ہوگی —
قبل ازیں لیکن اک طویل چلے جانشینی کا سلسلہ — فرزند
(ایک داؤد کے سلیماں) ہوں نامی دین ودانش ودولت
متبرک رکھیں یہودا کے پاک تابوت کو وہ ہیکل میں

جو تھا اب تک خیام میں بر سر۔
لوگ ایسے پھر ان کے پیروکار نیک بھی جو شمار تھے بد بھی،
گرچہ تھا جدول بداں طومار، لغو اصنام دوستی انبار
سر پر عصیاں کا بار پشتارہ —
لائیں یزدان کو جلال میں تو وہ انہیں ان کے حال پر چھوڑے،
ہیکل و ملک و بلدہ و تابوت ساتھ سارے تبرکات سمیت
شان و شوکت کے شہر میں ڈالے جس طرح اک شکار خوار زبوں
بائیں جس کی بلند دیواریں ابتر ابتر دکھائی دیتی ہیں۔
نام بابل بدیں سبب جس کا — چھوڑ دے وہ انہیں وہیں چندے
اور اس حالت اسیری میں ان پہ ستر برس گذر جائے،
کھائے پھر ترس یاد فرمائے عہد داؤد سے جو باندھا تھا۔
موڑ کر دیس میں انہیں لائے۔
"شاد آبادیوں کرے جیسے باغِ فردوس میں فروکش تھے۔
شہر بابل سے لوٹ کر آئے دی اجازت انہیں ولی نعمت،
(اردشیر و سیاش و دارا شہ) خسروں نے رضائے یزداں سے،
معبدِ ہیکل یہودا کی وہ مرمت کریں سو وہ کر دی۔
اور کی اعتدال سے چندے حالت مسکنت میں ہی گذراں
فرط مال و منال کا نشہ چڑھ گیا، دھت ہوئے دِگر بارہ
باہم ان میں ہوئی دھڑے بندی، بین صدوقیین (ربی، حبر)
وہ مصلّی ہیں خانقاہ کے وہ متولی ہیں — وہ مجاور ہیں،
سعی صلح و صلاح انہیں واجب لیکن افسوس ان میں باہم ہو،

تو تکرار اور سر پھٹول وہ کہ عبادت کدے کا نام اُچھلے۔
بدلحاظی سے غصب کرلیں وہ نسلِ داؤد سے عصا شاہی،
آن کر ایک اجنبی ان سے پھر سے چھین لے زبردستی'
انت پیتر، پدر ہیراوس کا صوبہ یوروشلم میں رومائی)
صاحبِ مسح بادشاہ مسیح تا کہ محروم حق سے پیدا ہو
اک ستارہ مگر ولادت پر — کہ ہویدا نہیں ہوا پہلے —
آسماں پر طلوع ہوتا ہے اس کی تشریف آوری کا نقیب!
رہنمائے مجوسیانِ شرق متلاشی ہوئے کہ نذر کریں
آستاں پر سگندھ مرلوبان — فاش کی زادبوم (بیت الحم) ایک عالی وقار ہاتف نے —
سیدھے سادے سے ان گڈریوں پر کر رہے تھے جو شب میں رکھوالی
شاد ماں وہ لپک لئے اس سمت گوش زن منقبت سرائی انہیں قدسیوں کی اکھنڈ منڈلی تھی
امّ ان کی ہیں مریم عذرا مرجل جلال ابّ ان کا،
تختِ ارثی پہ وہ قدم رنجہ بادشاہت کو وسعتیں دیں گے،
ارض کی بیکراں حدود کے ساتھ تا بہ افلاک رفعتیں دیں گے:"

رک گیا وہ — خوشی سے آدم تو جیسے پھولے نہیں سماتے تھے
جس طرح رنج سے اسی مانند اوس سی پڑ گئی تھی اشکوں کی،
واشگاف اب نہیں ادا الفاظ زیرِ لب یہ انہوں نے فرمائے:
"مژدۂ جانفزا کے پیغمبر انتہائے امید کے خاتم!
صاف روشن مرے شعور پہ ہے
رائیگاں مستعد خیالوں نے آج تک جس کی جستجو کی تھی۔

کہ ہماری توقع اعلیٰ کیوں ہے تخم النسا سے موسوم؟
تو عزیزہ ہے عرش اعظم کی — حبّذا مرحبا کنواری ماں
زائیدہ صلب سے مری تو اور روح اللہ کوکھ سے تیری —
متعال امر، فیض سے جس کے ہو گئے بندہ و خدا ہم ذات
واقعی منتظر رہے افعی ضربِ مہلک رسید اسے ہو گی،
کس جگہ پر یہ معرکہ ہو گا، کون سی ضرب اس مظفر کی
ہاں بتا کب لہولہان ایڑی (مثل اسکلزعین) کر دے گی؟
میکائیل اب انہیں: ''قیاس نہ کر دو بدو یلیکی کا توان میں،
کہ شفق پا و سر پہ پھولے گی خوں چکاں زخمہائے جزوی کی۔
روح اللہ نہ متحد کر دیں بشریت ربوبیت ایسے
کہ وہ زور آوری کے حربے سے کریں تیرے عدو کے کھٹے دانت
اہرمن بھی نہ زیر یوں ہو گا
سخت گو قرحۂ ہبوط لگا پھر بھی ایسا نہیں ہوا معذور
کہ نہ وہ کر سکے رسید تجھے ضربتِ جاں ستاں سے زخمِ مرگ
جس کا سامانِ اندمال لئے آئے گا جو ترا منجی ہے۔
اہرمن کی نہ پائمالی سے،
بلکہ ریشہ دوانیاں اس کی ہوں تری نسل و ذات میں زائل،
نہ ہی ممکن ہے یہ مگر کر کے وہ بہم جو قلیل تجھ میں ہے۔
حکم یزداں کی پیروی — عائد ہے جو خمیازہ و اجل اب یوں
اور یہ تکلیف جانکنی جائز ہے جو خمیازہ تیرے عصیاں کا،
اور جائز ضرور ان پر بھی جو تری پشت سے جنم لیں گے،

کہ تقاضائے عدلِ اعلیٰ تو صرف پورا اسی طرح ہوگا
امرِ یزداں کی پیروی کامل وہ کرے طاعت و محبت سے
کہ فقط طاعت و محبت سے امرِ یزداں کی پیروی ممکن،
شکل میں گوشت پوست آ کر وہ عقوبت تری کرے برداشت،
زیست مطعون یہ اجل ملعون
اور دے مژدۂ حیات انہیں لائیں ایمان جو شفاعت پر
— کہ نجاتِ بشر ہے کفارہ — یہ عقیدہ بدی و نیکوئی
ذمہ داری ہوئی منجی کی ان کے اوصاف بخشوائیں گے
پس جئے گا اسی لئے منفور اور بے حرمتی بہت ہوگی
اس پہ کیچڑ اچھالا جائے گا پا بجولاں اسے گھسیٹیں گے
صادر اس کے لئے سزائے موت ملحدانِ لئیم کر دیں گے۔
کیل دے گی صلیب پہ اپنی قوم اس کو ہلاک کر دے گی،
کہ نوید حیات کیوں لایا
(ایلی ایلی لما شبقتنی وردِ گولگوتہ میں برزباں ہوگا)۔
درحقیقت ترے غنیم چڑھے دار پر اصل میں ملی سولی اس شریعت کو جو نہیں تیری'
ساتھ ہی اس کے ہو گئے مصلوب — جملہ نوعِ بشر کے جرم و گناہ
پھر نہ ان کو گزند پہنچے گا
صدقِ دل سے عقیدہ جن کا ہے بن گیا ہے مسیح کفارہ
جان کی گرچہ لگ چکی بازی — زود وہ باز خاستہ تاہم
عاجز آئی اجل کہ دوبارہ قوت اس کی مزید سلب کرے۔
اس سے پہلے کہ نور کا تڑکا تیسری بار لوٹ کر آتا:

اخترانِ سحر نے کیا دیکھا قبر سے وہ ورود کرتا ہے۔
تازہ دم جیسے نور کا تڑکا۔
تیر افدیہ ادا ہوا اس نے جان بہرِ بشر فدا کر دی'
جو فراموش کر نہ دیں ان کے واسطے زندگی کا نذرانہ'
نیک اعمال سے نہ غافل ہوں۔
اس خدائی عمل سے رد تیری شوم بختی وگرنہ تو مرتا عاصی' نیک اجر بیگانہ
اہرمن کا لہولہان ہے سر زور اس کا تمام ختم ہوا۔
اب گناہ و اجل، توانا پر دونوں دیوتریاں کے ٹوٹ گئے۔
نیش سر میں گڑو دیئے گہرے ناگہانی اجل نہ ایڑی کو،
یوں ظفرمند کو کرے مجروح نہ انہیں' کی جنہیں دلیر (آئچلو)،
جان سے جا کے دستگار کرے۔
بن گئی موت ایک میٹھی نیند ابدی زیست تازہ بیداری۔
ہو فروکش نہ ارض پر تادیر وہ پس باز خاست، البتہ،
پیروان متین میں گاہے لازماً وہ ظہور فرما ہو۔
اس کے نقشِ قدم پہ گام زناں فرض ان کا ہے یہ ہدایت دیں
بالکل ایسے کہ جس طرح ان کو آپ فیضان سے ہدایت ہے،
یہ نوید نجات بھی جن کا پختہ ایمان اصطباغ پہ ہو۔
اس رواں آبجوئے قدسی میں سارا زنگارِ معصیت ڈھل جائے'
چہرۂ زندگی نکھر آئے۔
موت سے ہمکنار ہو جائے پھر مسیحی ہی کی طرح بخوشی۔
ان پہ لازم ہے سب ملل میں وہ روز و شب دین کی کریں تبلیغ'

بہر ابنائے صلب ابراہیم، رہنمائی ہوئی انہیں مخصوص'
کہ وہ ہر عہد میں انہیں لے کر جانبِ ایمنِ نجات چلیں۔
بلکہ دنیا میں یہ جہاں بھی ہوں بہر ابنائے دینِ ابراہیم،
سب ملل فیضِ صلبِ برحق سے تہ دامانِ رحمت آئیں گی۔
کامرانی و فتح میں ان کا رفع عرش العروش پر ہوگا
حاویٔ دشمنِ من و تو وہ طمطراقِ مظفرانہ سے۔
پابجولاں گھسیٹ لائے گا چھوڑ دے گا حریف افعی کو
ہکا بکا حواس باختہ گم—
حامل امتیاز یکتائی سر پر افسر کلاں، سریر آرا
سمتِ دستِ یمینِ یزدانی نامدارانِ عرش میں نامی،
باہماں جاہ و حشمت و صولت
پھر کرے گا نزول یہ دنیا جب قیامت کی زد میں آئے گی؛
بہر اہل ممات و اہلِ حیات بہر جا ماندہ بہر جاں دادہ
قائم ال قسطِ عدل کر دے گا
گر سزا ملحدانِ رفتہ کو، تو جزا پیروانِ مخلص کو
بر سرِ عرش و فرش اب اس کی مہربانی سے سرخروئی ہو۔
ارض باغِ بہشت بن جائے باغِ فردوس سے حسین عدن،
خوبصورت سدا بہار مقام— جس میں پر لطف گردشِ ایام +"
یاں سروشِ کبیر میکائیل بات کرتا ہوا ذرا ٹھٹکا
یہ تھا عہدِ عظیم گیتی کا متحیر پکار اٹھے یک لخت
جدِ امجد خوشی کے عالم میں: "واہ خیرِ کثیر خیرِ عظیم

باطنِ شر سے خیر پیدا ہو شر مبدل بہ خیر یوں ہو جائے!
مظہرِ نور بطنِ ظلمت سے کیا نخستین پردہ در نکلا
سر بسر ہے مسلط استعجاب، ـــ یکسر ش عالم تذبذب ہے'
نادم اپنے گناہ پر ہوں میں بس کہ دانستہ وہ ہوا سرزد
یا مجھے خوب یہ تسلی ہو،
مطمئن میں رہوں کہ خوب اس سے کیفیت خیر کی جنم لے گی؟
حمد یزداں فزوں اگر، افزوں خیر یزداں برائے انساں ہے۔
کہہ مگر یہ کہ رفع فرمائیں پھر ہمارے اگر نجات دہند
چندرہ جائیں گے جو ایماں دار ٹھٹ کے ٹھٹ ملحدوں کے نرغے میں
ان بچاروں کا حشر کیا ہو گا؟ کون لوگوں کا رہنما ہو گا
کون ان کی مدد کو آئے گا اس کی امت سے پھر سلوک ان کا
کیا نہیں بڑھ کے ناروا ہو گا جو خود اس سے مگر روا رکھا؟
یوں فرشتہ: "یقین کر، بے شک وہ کریں گے بعینہٖ ایسا
وہ بنفس نفیس اک غم خوار، آپ مبعوث ان میں کر دے گا
رب کا پیمان ذات میں جس کی ہو رہن ہار مثلِ روح القدس
نقش فرمائے وہ محبت سے دل پر ان کے امورِ دینداری
حق کامل میں رہنما بن کر تن پہ برگستوان روحانی
ایسے آراستہ کرے، ہلے اہرمن کے تمام رک جائیں
سب اگن بان سرد پڑ جائیں
ظلم انساں کے بس میں جتنے ہیں اس پہ توڑیں ضرور تابڑ توڑ
نہ ہو پائے ثبات کو جنبش خواہ ہو سامنا اجل کا بھی

ان ستم رانیوں کے بدلے میں تقویت وہ ملے کہ ششدر ہوں
متکبر جفا شعار تمام۔
پہلے چھینٹے لگائیں روح القدس ان رسولوں پیمبروں پر، جو
جملہ اقوام میں ہوئے مبعوث پاک انجیل کی کریں تبلیغ
پس جو بپتسمہ دیں انہیں چھینٹے
حیرت انگیز جوہروں سے وہ پھر انہیں سرفراز فرمائیں۔
ہر زباں میں وہ گفتگو کر لیں قدرت ان کو کرامتوں کی ہو،
معجزے جس طرح دکھائے تھے اس خداوند نے بھی قبل ان سے —
پس بکثرت ہر ایک ملت میں سیر حاصل جنہیں ہدایت تھی۔
(اور یہ بپتسمی یوحنا ہیں)
جب رسالت کی ہو چکی تکمیل رحلتِ بامراد فرمائی،
اور سارے قصص تمام اقوال رہ گیا ان کا ترکہ مرقوم
ہاں خبردار جس طرح پہلے کر چکے لوگ روپ دھاریں گے
جٹا دھاری بھبوت راکھ ملے، باراں دیدہ یہ سب گرسنہ گرگ
ہیچ ذاتی مفاد کی خاطر ہوس جاہ و مال کے ماتے۔
قدس پرور رموز سربستہ عرش کے اس طرح کریں تحریف،
زنگِ اوہام حق پہ مل مل کے لوٹ بھر بھر کے ہر اک روایت میں،
گر منزہ رہے تو کچھ محفوظ ان نوشتہ وقائع میں رہ جائے!
اب جو سمجھے اسے تو روح القدس ان کے ادراک سے یہ بالاتر
دین کا ہے کو بس بنج بھوتاد، نام منصب، مقام کا سودا (تجارت)
دینوی اقتدار کے بھوکے — مانو چیورن کا یہی ایک چینھ (راہب کا مسلک)

جذبِ روحانیت ہوا ماؤف۔
سرمدی روح آپ کو مخصوص، گو شریعت کی رو سے یکساں ہے
اہلِ ایمان کو نوید اس کی اور بخشیش سب کو اک سی ہے
ٹھونس دیں دنیوی رعایت سے دین کے قاعدے ضمیروں پر
مستند قاعدے کریں مستور،
مستند قاعدے جنہیں کردے کندہ اندرونِ قلب روح القدس۔
کچھ نہ بن آئے ماسوا اپنی آپ روح پر صبر دل پہ جبر کریں
دلکشا حریت، ہو پابستہ حریت جو رفیقہ روح کی ہے۔
وہ ستم کیش بوالہوس کردیں معبدوں کو بُری طرح مسمار
دینِ اغیار کے نہیں ان کے۔
کون روئے زمیں پہ ہے تسلیم برخلاف ضمیر و دیں معصوم؟
کئی جرات نما نڈر ایسے لاکھ ان پر عقوبتیں ٹوٹیں
لاکھ ایذائیں لاکھ تعزیریں پختہ ثابت قدم مگر نکلیں
اور پھر وہ کہ جن کا دھرم ادھرم، ان گنت جن کا کوئی انت نہیں
بس بجالائیں ظاہری آداب، بن دکھاوا نمائشی ارکان
حجتِ دیں تکلفاً معمول۔
عمل و قول دیندارانہ، خال خال اب کہیں نظر آئے۔
تیرِ دشنام کے ہدف معصوم، — طور بے طور اہلِ دنیا کا
حق میں اچھوں کے ابتلا انگیز ہو بروں کے لئے تلطف خیز،
اور یوں آپ اپنے بوجھ تلے پچ دنیا کراہتی جائے۔
آخر کار ہو طلوع وہ دن

ہوں رخِ ابرار کے تر و تازہ، ہدف اشرار انتقام کے ہوں
ان کی تشریف آوری سے ابھی جو ہوئے تھے نویدِ جاں تجھ کو،
وہ ہی تخم النساء ذکر ان کا سابق ابہام سے ہوا اس وقت،
اب یہ اعلامیہ بدیہی ہے کہ خداوند، وہ نجات دہند
در پسِ چلمنِ سحاب آخر عرش سے آشکار آئے گا،
عظمتِ ربِّ تام میں غلطید
ساری دنیائے دوں سمیت فنا وہ غنیم اہرمن کو فرمائے،
اور اس آتشین تودہ سے اک منزہ و صاف شائستہ عرشِ نو فرشِ نو کرے پیدا۔
ہوں زمانہائے لازماں آغاز راستی، امن، سکھ، محبت، کے،
ابدی برکت و مسرت ہو، خرمنِ بارور دنمور پرور"
بات ختم اس نے کی تو پاخ میں آخری بار اس طرح آدم:
"کرلیا خوب غیب دانِ سعید تیری پیشینگوئی نے حیطہ،
ایک دم اس جہان فانی کا گذراں وقت کا احاطہ کیا،
ساکن ابلق یہ جب کھڑا ہوگا — مادر اتو نرا ہے پھر پاتال —
ابدیت بسیط لا احصا منتہا تک نظر نہیں پہنچے۔
اک معارف یہاں سے رخصت ہوں بے حد آسودہ شعور، خبیر،
آگہی اس قدر مقدر ہے متحمل یہ کاسہ جتنا ہے
بس کہ باقی خلل دماغ کا تھا کہ تمنا مزید مہمل تھی۔
یہ ملا ہے سبق مجھے بے شک بندگی میں ہے بے حساب فلاح
لو لگائیں نیازمندانہ صرف اس خالق حقیقی سے،
جو قدم بھی اٹھے تو یوں گویا گامزن ہم حضور اس کے ہیں،

حکم بردارِ من یشا، دائم
اس کی تقدیر پر رہیں شاکر بس بھروسہ اسی کی ذات پہ ہو۔
حَسَنَۃً سے تغلبِ سیّات ہو خفی سے جلی کی تعمیلیں،
نظر آتے ہیں بے بضاعت جوزک توانائے دہر کو وہ دیں
اور دانائے دہر کو عاجز ایک مسکینِ سادہ دل کر دے۔
فتح کامل تک استقامت سے، بہرحق ہیں صعوبتیں برداشت،
خود نمونہ وہ بن کے پیش ہوا
یہ ملا ہے سبق، مسلم اب وہ ہے ناجی مرا — علیہ اسلام:"
آخری بار اس سروش نے بھی تب انہیں اس طرح خطاب کیا:
درس حاصل تجھے خبر، ہو تو سرفرازِ شعورِ تام ہوا
کہ تمنا نہ مستزاد تجھے ہے خبر — نام سب کو اکب کے
کل اثیری محرکات، ہمہ کاروبارِ شگرف فطرت کا،
جملہ اسرار بحر یزداں کی قدرتوں کا یہ کارخانہ سب۔
جو وارض وسماو قلزم میں اس جہاں کی نعم ہیں گونا گوں
استفادے کے واسطے تیرے ایک کشور یہ حکمرانی کو۔
صرف درکار ہے اضافہ اب عمل و علم کا کہ توان کا
کر سکے احتساب، اضافہ صرف راسخ ایمان کا، اضافہ صرف
ان پر صبرِ جمیل کا، نیکوکاری و اعتدال کا اس پر،
عشق کا چاہئے اضافہ صرف بدل کہیے جسے کہ بالتحقیق
ماحصل، اصل، روح سب کی ہے
باغ فردوس سے تجھے ہجرت پھر ذرا بھی گراں نہیں ہوگی۔

بلکہ فردوسِ بہجت افزا ایک خود تری ذات کے دروں ہوگی۔
فوق مرصد سے چل چلیں نیچے، ساعت راست آن پہنچی ہے
اب معین وداع ہونے کی۔
ڈال آیا ہوں میں پڑاؤ وہاں دیدہ باں دیکھ بر سرِ بالا،
اذنِ حرکت کے منتظر لہرائیں تیغِ آتش فشاں ہراول میں،
تند اشارہ کناں کہ ہم چل دیں — اب توقف نہیں مناسب ہے۔
جا، جگا سو رہی ہے وہ حوا، شبہ شگن، خواب خوبصورت کچھ،
بھر دیئے میں نے نیند میں اسکی ہیں حواس اس کے حاضر ویکسو،
عجز مندانہ بندگی کے لئے، جا اب اس موسمِ موافق میں،
کرائے بھی شریکِ حال، افشا چاہئے جو تجھے ہوا معلوم —
خاص کر، ہو وقوف اسے جو بھی متعلق امور اس سے ہیں،
کہ نویدِ نجاتِ کبریٰ ہے جس سے جملہ بنی بشر کو، وہ
تخم، تخم النساء اس کا ہے۔
زندہ دونوں ابھی دنوں تک ہو، اک عقیدہ کے مشترک پیرو،
سابقہ لغزشوں پہ تم نادم، رہن وحرز ملال بھی ہو گے۔"
گفتگو کی تمام تو دونوں اس پہاڑی کی ڈھال سے اترے،
آدم آگے لپک کے بھاگ لئے سوئے کاشانہ تھیں جہاں حوا
محوِ خواب اب مگر ملیں بیدار!
تھے نہ الفاظِ غم چکاں برلب خیر مقدم کو جب بڑھیں — بولیں
ہے کدھر سے مراجعت تیری، تو گیا تھا کہاں، مجھے آدم
علم اس کا ہے کیونکہ یزداں تو عالم خواب میں بھی ہے موجود،

اور رویائے صادقہ بھی ہیں
سعد پرور دکھائے ہیں اس نے فالِ خیرِ کثیر کے مجھ کو،
دل شکستہ تھی، غم گشتہ تھی ورنہ جب نیند نے کیا مغلوب۔
اب مگر راہبر ہو بسم اللہ تو نہ پائے گا سست گام مجھے،
ہمری میں تری سفر جیسے یاں مرا ہے قیامِ منزل پر،
تو نہیں تو قیامِ منزل بھی شرطِ مجبوریِ سفر ہو گی۔
تو مجھے زیرِ آسماں سب کچھ، کل مری کائنات بس تو ہے،
تو یہاں سے جلاوطن میرے جرم بالعمد کے نتیجہ میں—"
مستزاد اس طمانیت کے ساتھ ہو رہی ہوں یہاں سے میں رخصت،
گو زیاں کار ہوں نہیں اصلا میں سزاوار مہربانی جو
میرے اوپر ہے التفاتاً نہ—
کہ بحال و بجا کرے گا گُل بطن کا میرے صاحبِ موعود۔"
یوں سخن ران اُمِ ما— حوا، شاد آدم، مگر رہے خاموش
کہ سروشِ کبیر تھا نزدیک مستعد سامنے پہاڑی سے
آن اترا تھا مورچوں پر لیس جمِ کرّوبیانِ صف بستہ،
سرِ میداں رواں شہاب آسا جس طرح رودبار سے اٹھ کر
شام کی دھند چھائے دلدل پر، اور تیزی کے ساتھ الجھ جائے
پائے مزدور سے، تھکا ہارا جھونپڑی کی طرف جو آتا ہو—
پیش قدمی میں تیغِ یزداں کی چمچماتی ہوا میں لہراتی
تیز شعلے لپک جائیں کہ ہو دنبالہ دار سیارے،
محرقہ جس کی تابش و تبخیرِ لیبیائی سموم کی مانند

گردناک، اس حسین معتدلہ منطقہ کو جھلستی جاتی تھیں ــــ

وہ فرشتہ اتاؤلا ان کو تھام کے ہاتھ تیز گام چلا۔

والدینِ درنگ گیر اپنے تیز تر سوئے بابِ مشرق اب

الجبل سے حضیض میں پہنچے ــــ پھر کہا (قَالَ اهبِطَا مِنهُا)

اترو (کھادر میں) یاں سے تم دونو ــــ اور پھر آپ ہو گیا روپوش!

وہ مڑے واپسیں نظر ڈالی شرقِ فردوس ہائے وہ گوشہ،

آج تک عافیت کدہ جو تھا!

تیغ شعلہ فشاں اشاروں سے رخصت ان کو وہاں سے کرتی تھی،

اگن آلات تند چہروں کی بھیڑ سے اٹ چکا تھا دروازہ۔

اشک بے اختیار اُمڈ آئے جھٹ انہوں نے مگر وہ پونچھ دیئے۔

سامنے اک بسیط دنیا تھی

اب جہاں بھی کریں بسیرا وہ، ڈال دیں جس جگہ بھی ڈیرا وہ،

راہبر ربِّ العالمین ان کا ــــ

بار بنگاہ، یار بیلی تھا نہ کوئی بدرقہ، نہ آزوقہ،

ہاتھ میں ہاتھ تھام رکھے تھے، پر قدم ڈگمگائے جاتے تھے،

یوں نکل کر چلے وہ آہستہ

سرزمین عدن سے بے چارے اور سنسان راہ لی اپنی ــــ

○

المیۂ حکیم فسطاس

THE TRAGIC LIFE OF DOCTOR FAUSTUS

(Christopher Marlowe)

منظوم مقفّٰی ترجمہ

شوکت واسطی

راشدہ کے نام

○

بسلسلۂ تراجمِ ادبِ عالیہ ادارۂ علم وفن پاکستان کی یہ دوسری پیشکش ہے۔
''فردوسِ گم گشتہ'' کی انتہائی دشوار گذار وادی میں شوکت واسطی ذرا سبکبار ہو کر چلے کہ رواں آزاد معرا ترجمہ ملٹن کی پیراڈائزلاسٹ کا کیا۔ کرسٹوفر مارلو کا ڈرامہ ڈاکٹر فاؤسٹ' ہر چند کہ پرانی انگریزی زبان میں ہے۔ انہیں ترجمہ کے لئے نسبتاً سہل لگا۔ ان کی دشوار پسند طبیعت نے اس کو زبانِ اُردو میں ڈھالنے کے لئے قوافی کی پابندی کو ملحوظ رکھا —— جو اصل انگریزی میں بھی موجود نہیں۔
لیکن اُردو میں بحر کے اعتبار سے' جو اس ترجمہ میں اختیار کی گئی ہے قافیہ کی پابندی نے اصل کے حسن کو نکھارنے میں بڑی مدد دی ہے۔
ہمیں اُمید ہے کہ ناقدین ادارہ کی اس سعی کو بنظرِ استحسان دیکھیں گے۔

(میجر) یوسف رجا چشتی
ناظمِ اعلیٰ

افرادِ تماشہ

پوپ	دانشور تین چار
اسقفِ لورین	درویش و راہب تین چار
شہنشاہِ جرمنی	خدمت گار
نوابِ وائلی	نواب بیگم وائلی
فسطاس	طاغوت
ولدس	بیلذ بب
فسطاس کے	
دوست	
کرنیلیس	مفستقلی
وگنر۔فسطاس	
کا ملازم	نیک سروش
بھانڈ	بدسروش
رابن	سات گناہِ کبیرہ
ریلف	شیاطین
مے فروش	ارواح ـــــ بشکلِ سکندرِ اعظم
اسپ راں	بشکل محبوبہ سکندر اعظم
ایک بانکا	بشکل ہیلن
ایک پیر مرد	منڈلی

المیۂ حکیم فسطاس

(داخل منڈلی)

منڈلی

نہیں قنشون کا ناٹک میں آج نظارہ
تھراسمین کی جنگاہ میں جو صف آرا
مظفرانہ جری رومیوں پہ حملہ زن،
نہ اہلِ روم کا مرّیخ دیوِ جنگ وفتن
دکھائی دے گا اُسی کارزار میں حاوی
اہالیان پہ قرطاجنہ کے ـــــ یہ راوی
نہ بارگاہِ سلاطین کا قصیدہ خواں
کریگا بوالہوسی کا برنگِ عشق بیاں ـــــ
نہ ذکرِ عشرت وعیاشی پیاپے ہی
نہ آج قصۂ سلطان وسلطنت طے ہی،
نہ کارہائے نمایاں کا تذکرہ مقصود
نہ ہی شکوہ کا اظہار تمکنت افزود
نہیں ہے راقیہ اپنی کچھ اس پر آمادہ
بھرے صبوحیٔ شعرِ صفا میں یہ بادہ ـــــ

مغززین ہمیں اس قدر ہے بس منظور
کہ جیسے قسمتِ فسطاس کا نمود ظہور
بد اور خوب ہوا' پیش ناظرین کریں
تماشہ بین' تحمل سے آفرین کریں

کریں اب حال بیاں اس کے عہدِ طفلی کا
تولّد ایک پسر والدینِ سفلی کا
وہ جرمنی کی ہوارو ڈز نام بستی میں
ذرا بلوغ کو پہنچا تو تنگدستی میں
بچارہ قصبۂ ورتان برگ میں آیا
رہا عزیز و اقارب کا سر پہ واں سایہ
کہ جس میں وہ چڑھا پروان —— جلد پھر بہرہ
ہوا علومِ مشائخ سے' اس قدر گہرا
شعورِ آگہی حاصل' حکیم کہلایا'
حکیمِ شرع' فروع و اصول وہ ر آیہ
الٰہیاتی بیاں یوں تجرّانہ کرے
خموش خم سرِ تسلیم کُل زمانہ کرے ——
غرورِ علم سے خود بیں کا زعمِ عیاری
فزوں ہوا' تو (اکارس کی مثل) پُرکاری

ہوئی تمام پر و بال موم ساختہ کی،
جوارِ مہر میں جیسے حواس باختہ کی
اڑان ختم ہوئی، پر پگھل گئے اس کے
فلک کی چال سے کس بل نکل گئے اس کے

زبوں ہوا، تو بڑھا کاروبارِ ابلیسی
کہ سوئے ہضم سے جوہر تمام تدریسی
حقیقتاً جو طلائی تھے، بے جمال کیے
سیاہ شوقِ کہانت سے پائمال کیے،
سوائے شعبدہ بازی نہ اور بات جچے
پسند خیر سے شر آئے، دن سے رات جچے
تمام سعد سے بڑھ کر یہ نحس اسے مرغوب
مگن وہ شخص ہے دارالمطالعہ میں خوب

(رخصت)

○

حصہ اوّل

پہلا منظر

(دارالمطالعہ میں فسطاس خود کلام)

فسطاس

حصولِ علم کی طے بات چاہیے فسطاس
بتا شدید تجھے ہے کس آگہی کی پیاس؟
شروع کی ہے جو تحصیل تو حکیم بنا
تمام اہلِ فن و فکر کا ندیم بنا
ہوا نہائے فنوں' یہ طلب برابر ہے
کتب میں غرق ارسطو کی تو سراسر ہے'
اسی پہ زندگی میری' اسی پہ میری موت
کیا عظیم انا طولیقات نے مبہوت'
دلیلِ تامہ' اتمامِ حجت و منطق
مناظرہ ہے فقط علمِ فلسفہ کا سبق'
نہیں ہے علم ثبوتِ کرامتِ اعلیٰ
مطالعہ میں ہوئی یہ رسائی بالا
خرد کو چاہیے فسطاس کی گراں قاموس
وداع آنقومویوں' خوشا یہ جالینوس

حدیث ختم ہے مافوق کی طبیعاتی
ہے تمت ایک جہاں، واں دگر شروعاتی
تمام کر کے جہاں فلسفی کتاب دھرے
اسی مقام سے پھر ابتدا طبیب کرے
طبیب پیشہ ہو فسطاس، زر کے جوڑ انبار
دوام پا، وہ مجرب دوائی کر تیار
کمال ساری طبابت کا تندرستی ہے
کہ یہ فقط اسی دیوی کی دیوداسی ہے
مطمح
ہے رخِ طبِ حاذق بدن کی خوش نفسی
بھلا نہیں تجھے فسطاس اس میں دسترسی؟
نہیں ہیں مشورے کیا تیرے اتنے پر حکمت
نہیں ہے کیا ترے نسخوں کی اس قدر شہرت
معلقات کی صورت ہوئے جب آویزاں
وبا سے تھا متعدد بلاد کا درماں؟
سکھی ہوئے ترے دم سے امید باختہ لوگ
ہزار ہا جنہیں لاحق ہوئے تھے موذی روگ۔
مسیحِ عہد سہی، لیکن اب تلک فسطاس
وہی ہے آدمِ فانی، تری ہے سانس پہ آس
نہیں مجال کہ انساں کو کر سکے جاوید

جلا سکے اسے جب بعدِ موت ہونا پید'
کمالِ فن اگر ایسا ہو تب یہ زندہ باد
وداعِ طب' کریں جسٹینینِ کو اب استاد ــــ
جو امر خاص نہیں اور عام کے
جو دو کے واسطے ترکہ میں ایک ہی شے ہو
تو شے اسے' ملے قیمت دگر کر جو طے ہو۔
وراثتوں کا حقیر التزام کرتا ہے۔
پدر مجاز نہیں کر سکے پسر کو عاق
مگر ــــ ہیں ہم چنیں آئین کے تمام اسباق
ہمیں طریق ہے دفعات کا بہ دہرا اطلاق
وکالت ایسی طبائع تہی طمع پر شاق'
ہے زر پرست کو زیبا مطالعہ قانوں
کہ مدعا نہیں جز اس کا اوپری فاں فوں
مرے قریں یہ حقیر و منافیٔ فیضاں'
بہت یہ بحث ہوئی' تھام دامنِ یزداں
پڑھ اب بغور تو فسطاس جیرمی انجیل
اجل گناہ کی ہے مُزد' آہ مزدِ قلیل'
اجل گناہ کی ہو مُزد ــــ یہ ستمکاری
اگر کہیں کہ رہے ہم گناہ سے عاری

تو خود فریب ہیں اک شائبہ نہیں سچ کا
مریں گے سب ہی کہ سب سے گناہ تو ہوگا
مریں گے ہاں ہمیں مرنا ہے ایک دائمی موت
یہ بدیا ہے مگر کون سی جو ہوت سو ہوت
شود ضرور چہ شدنی ـــــ وداع دینداری
طبیعات سے مافوق اب فسوں کاری
صحف یہ شعبدہ و سحر کے سماوی ہیں
خطوط دائرے الفاظ حرف حاوی ہیں
ہے اس طلسم کا قسطاس اشد تمنائی
ارے یہ منفعت وزور و لطف پیمائی
شکوہ شان کی رشک آفرین دنیا ہے
یہ اہلِ فن کی عرق ریزیوں کا ثمرا ہے۔
میانِ حلقۂ قطبین یہ رواں گرداں
بغیرِ عذر ہر اک میرے تابع فرماں
نواب امیر ہیں کیا کیا کنور مہاراجے
کہ نوبت ان کی تو کچھ صوبجات میں باجے
نہ حکم سے کبھی اٹھے گھٹا نہ باد چلے
بلہ ہے سحر کی فرمانروائی فوق ـــــ بلے
یہ فکرِ آدمی جتنی کشادگی میں ڈھلے

عظیم دیوتا بے شک ہے کاہنِ پرفن
لڑا دماغ تو فسطاس، سامری ہی بن

(داخل وگنر)

مرے عزیز تریں ہمدموں کو تو وگنر
سلام کہہ، مری جانب سے عرض انہیں جا کر
غریب خانہ پہ تشریف لائیں، وہ جرمن
مجوس ولدس وکرنیلیس،

وگنر — جنابِ من

(وگنر رخصت)

مفید میرے لئے ان سے گفتگو ہو گی
کہ سر کھپائی اکیلے نہ سرخرو ہو گی

(داخل نیک سروش بد سروش)

نیک سروش — کتاب دور او فسطاس پھینک یہ منحوس
لباسِ روح نہ بن جائے خرقۂ سالوس
نہ ہو نزولِ عذابِ خدا ترے سر پر
کر اک صحیفۂ انجیل کی تلاوت کر
یہ کج روی ہے۔

بد سروش — نہ اس کے فریب میں آنا

کہ منتظر ہے تری وادیٔ طلسمانہ
حذر نہ چاہیئے فسطاس قیمتی فن سے
پٹا پڑا ہے یہ فطرت کے ان گنت دھن سے
وہی زمین پہ تو ہو کہ مشتری جیسا
خدیو ہے سرِ گردوں عناصر کل کا

(سروش رخصت)

فسطاس
عجب زعم ہے کیا کیا ہوا سمائی ہے
خوشی کے ساز یہ سنگیت آتمائی ہے
اثر میں اب مرے ارواح کے پرے ہوں گے......
جسے بھی حکم کروں گا یہ لے کر آئیں گی
مجھے تذبذب وابہام سے چھڑائیں گی
کٹھن مہم کوئی کتنی ہو سر کرائیں گی
مرے اشارۂ ابرو پہ تیز جائیں گی
زر و جواہرِ ہندی سے گھر بھرے ہوں گے۔
کہوں تو بحرِ لآلی کھنگال دیں قلزم
وہ آشکار کریں گوشہ ہائے مبہم و گم
ہوئی ہے جو نئی دریافت، پار دنیا سے
مزے مزے کے ثمر لائیں، خوش نما کا سے
طرح طرح کی شہانہ لوازمات سے پُر۔

رواں سنائیں مجھے منطقِ عجیب کے گر
کبھی تمام بدیشی شہوں کے پیوستہ
وہ مجھ پہ فاش کریں رازہائے سربستہ'
کروں جو اذن کبھی تو برنج کی دیوار
کھڑی کریں کہ کھنچے جرمنی کا سخت حصار
کچھ اس طرح وہ بدل دیں گذر گہِ رائین
حسین قصبہء ورتان برگ کے پائین
سبک خرام وہ بہنے لگے، بہت خوش آب"
کہوں اگر تو مدارس میں ریشم و کمخواب
لگائیں ڈھیر کہ ہوں جامہ پوش شوخ شباب'
سپاہیوں کو زرِ نقد سے ملے بھتہ
بھگاؤں والیِ پرما کو مار البتہ'
میں حکمران ہوں واحد تمام صوبوں میں
شمار میری لڑائی کلیں عجوبوں میں'
پل انیٹورپ پہ وہ آتشین پینڈے کا
بنا گیا ہے، جو شیلڈٹ پہ والیِ پرما
نظر میں ہیچ لگے، ہو وہ توبہ نو ایجاد
ہر ایک روح مسخر کرے مری امداد
(داخل ولدس و کرنیلیس)

خوش آئے ولدس و کرنیلیس ـــــ تم المانی
مفید مشورے مجھ پر کروگے ارزانی
بنا گئی ہے تمہاری سخن طرازی یوں
عزیز ولدس و کرنیلیس کہ میں افزوں
طلسم و رمزِ نہفتہ کا اہتمام کروں
سخن طرازیٔ یاراں کا محض نام کروں،
یہ واہمہ کا مرے بھی تو شاخسانہ ہے
روّیہ جس کا بہر رُخ مزاحمانہ ہے
مرا دماغ کہانت کے فن پہ مائل ہے
نہ مگھم اور کڈھب فلسفہ کا قائل ہے
رواطبیبی و آئین کوتہ فہموں کو ـــــ
ہے دینیات تو ارذل تمام تینوں میں
خراب وخوار بہت اپنے خوشہ چینوں میں
جنم جو دیتی ہے ناخوشگوار وہموں کو ـــــ
طلسم، بسکہ ہوا ہوں طلسم پر مفتون
مدد سے سعی میں یارو کرو مجھے ممنون
وہ میں کہ مختصر اک منطقِ مع الفارق
تھا میرے واسطے وافی کہ جب ہوا ناطق
تو جرمنی کے کلیسا میں گُنگ تھے بطریق

گلاب و لالہ و ریتان برگ، بالتحقیق
امید فخر نما، نونہال وہ پُر شوق
ہیں میرے درس کے حلقہ میں جمع جوق بہ جوق
بلند جیسے مسائس کی مدھ توائیں ہوں
نرک میں جمگھٹا مردود آتمائیں ہوں،
مثالِ اگر پہ طرّار میں بھی ہو جاؤں
گھنی گھنیری تھی یورپ کو جس کی پرچھاؤں
کیا تھا سامنے تہ زانوئے ادب پیشہ
(نہیں رہا مرے یارو مجھے کچھ اندیشہ)

دلدس

یہ پستکیں، تری بدھی، ہماری گُن دانی
ملل تمام رکھیں ہم سے ربطِ ایمانی،
کہ جس طرح سبھی ہسپانوی وڈیروں کے
وہ مور ہندیئے فرماں پذیر بندے ہیں
بعینہٖ یہ جو تینوں کے کام دھندے ہیں
کریں گی عنصری ارواح —— مثل شیروں کے،
کبھی یہ کی جو تمنا، تو پاسباں ہوں گی
بدست یا لئے اسوار کی سناں ہوں گی
سیاہ بازوئے رکبانِ المنی جیسے
وہ لیپ لینڈ کے جنّاتِ جستنی جیسے

کیے ہوئے کبھی نرغہ ہمیں زنانِ جمیل
کنواریاں کبھی ناسفتہ موتیوں کی مثیل
وہ ہر نسیم سی سیما میں سیم کی تسنیم
کہ پریم دیوی کی کچ دودھیا کچیں جوں ہیم
بڑے بڑے لئے آئیں جہاز وینس سے
زری و پشم امیریکہ کی، خوب اٹیں جس سے
ہر ایک سال معمّر فلپ کے گنجینے
شکوہ و شان کے ہوں سہل طے یہ سب زینے
یہ شرط ہے رہے ثابت قدم گُنی فسطاس

فسطاس: مصمم ایسے ہی ولدس سمجھ، نہ کرو سواس
کہ جیسے تو نہ کرے منہ سے دور جیون کا س

کرنیلیس: طلسم کی ہیں وہ نیرنگیاں جو غور کرے
حصولِ علم کی کوشش نہ کوئی اور کرے
جسے رمل میں مہارت ہو جو زباں داں ہو
کمال کا تیری مانند خوب عرفاں ہو
درونِ معدن مخصوص بھی جسے، سب ڈھب
اسے بہم ہوئے، جن کی ہے بہرِ سحر طلب،
تو دغدغہ نہیں فسطاس، بلکہ تو مشہور
دو چند ہو گا، اسی رمز کے طفیل حضور

ترے فزوں کہیں آیا کریں گے آیندہ
بہ نسبت ان کے جو لیتے تھے فال فرخندہ
ہزار ہا کبھی ڈلفی کی دیو بانی سے۔
مجھے بتایا ہے اکثر بڑی روانی سے
خود آتماؤں نے، سا گروہ خشک کر ڈالیں
بدیش کے تہ بحروں سے سیم و زر پا لیں،
بلے، تمام وہ دولت بھی جو دفینوں میں
چھپا کے مر گئے (سب راز لے کے سینوں میں)
اپار کوکھ میں دھرتی کی باپ اور دادا
ہمارے، کہہ مجھے فسطاس اور کیا بادہ
طلب کے جام میں درکار ہے یہاں بھرنا؟

فسطاس: مزید کچھ نہیں کرنیلیس، مگر کرنا
مہک اٹھا ہے مری روح میں ارے اس سے،
دکھا شتاب طلسمی مظاہرے، اس سے
میں اپنے کنج نشاطی میں جھاڑ پھونک کروں
مسرتیں یہی جھولی میں اپنی خوب بھروں۔

ولدس: لیک کے گوشۂ تنہائی میں ندیم چلے
بغل میں داب کے البرٹس اور بیکن کے
خرد نواز تصانیف کے ادق نسخے،

مزید اور بھی جیسے زبورِ عبرانی
نیا صحیفۂ انجیل — رمزِ پنہائی
بتائیں پیش ازیں ہو نشست یہ برخاست

فسطاس — نخست کچھ کلماتِ فسون بے کم و کاست
کر آشکار کہ ولدس رسوم ادا ساری
کرے گا خود گنی فسطاس پھر بہ ہشیاری

ولدس — مبادیات میں پہلے تجھے ہدایت دوں
بنے گا تو مری نسبت فسوں طراز فزوں

فسطاس: چلو اٹھو کہ ذرا شغلِ ناؤ نوش رہے
وہیں یہ گفتگوئے سحرِ سلب ہوش رہے
عمل کوئی کہ ہے ممکن ضرور کر جاؤں
میں قبل خواب اسی رات — خواہ مر جاؤں۔

(سب رخصت)

دوسرا منظر

(داخل دو دانشور)

دانشور اوّل: خلش مجھے ہے کہ فسطاس پر یہ کیا بیتی
ہمیشہ جامعہ میں بحث ورنہ تھی جیتی
ثبوت یہ حتمی ہے؟ — (داخل وگنر،

دانشور دوم: — ابھی مگر احوال

کھلے گا آتا ہے وہ اس کا چھوکرا، جنجال
یہ کیا میاں، ترا آقا کہاں ہے؟——
وگنر: ——رب جانے
فلک پہ——
دانشور دوم: ——کیوں نہیں تجھ کو خبر——
وگنر: ——اگر مانے
یہ خادم اس سے نہیں کوئی مدعا حاصل!
دانشور اوّل: ٹٹھول بس یہ میاں، کچھ بتا، جمِ محفل،
وگنر: نہیں ہے لازماً اس سے بزور استدلال / یہ حاصل، اور نہ زیبا
کہ اس طرح تم سے / پڑھے لکھے سندی جمتی بنیں، پس اب / تم
اپنی یہ غلطی مان لو، توجہ دو——
دانشور دوم: یہ تو نے کیوں نہیں مانا تجھے خبر سب ہے؟
وگنر: کوئی گواہ ہے اس پر——
دانشو اوّل: ——میاں سنا اب ہے،
وگنر: تو میرے دوسرے ساتھی سے پوچھ لو، جاؤ
دانشو اوّل: نہیں بتاؤ گے کیا؟
دانشور دوم: نہیں بتاؤ گے کیا؟
وگنر: ——ہاں جناب سر کھاؤ
نہ اس طرح مرا، میں سب بتائے دیتا ہوں / کرو سوال نہ ایسا اگر نہ

بدھو ہوا نہیں ہے کیا وہ طبیعی تنِ حیات آگیں؟/ نہیں ہے کیا متحرک ؟ تو پھر سوال یہ کیوں؟/ حلیم بسکہ ہیں واقع ہوا طبیعت کا/ بہ طیش سست، مروّت لحاظ کا قائل/ وگرنہ کہتا رہو دور تم قدم چالیس/ مقامِ قتل سے ہر چند یہ بھی ہوں آگاہ/ کہ اگلے دور سے پہلے سر صلیب ہو تم —— (طعام خانہ ہے مقتل جہاں شراب کباب/ بڑی ہی سنگدلی سے حلال ہوتے ہیں)/ ہوا ہوں تم پہ جو فیروزمند، سنجیدہ/

کروں گا اب لب ولہجہ میں مستند، گفتار/ برادرو جو حقیقت کہوں مرا آقا/ ہے نا و نوش میں مشغول، ہم نوالہ ہیں/ رفیق ولدس وکرنیلیس، پیالہ کی/ شراب آپ کو مخدوم من یہ بتلاتی/ زبان بہر سخن گرا سے بھی مل جاتی ——

سدا رہو خوش وخرم، خدا کی رحمت ہو

عزیز بھائیو میرے عزیز بھائیو ——

دانشور اوّل: —— تو

وہ ہو گیا ہے اسی کالے علم کا مفتون

انہیں کی مثل، جو دونوں جہان میں مطعون

دانشور دوم: تعلق اس سے نہیں، گر وہ اجنبی ہوتا

میں ایسے حال پر اس وقت بھی دکھی ہوتا

چلو کہ جامعہ کے صدر کو کریں آگاہ

مفید پند ونصیحت سے وہ بلا اکراہ

کرے سبیل، کہ پھر راہِ راست پر آئے

دانشوراوّل: سدھرنہ پائے گا ہر چند کوئی سمجھائے

دانشوردوم: ہمیں بکار ہے کوشش، مری ہے یہ رائے
بشر جو کرسکے تدبیر کام میں لائے

(سب رخصت)

تیسرا منظر

(کنج زار ــــ داخل فسطاس)

فسطاس: ہوس میں ارض کا سایہ دبیز اور گراں
کہ ہو ملاحظہ جوزا کی چشم آب چکاں
فلک تلک جو جنوبی کُرے سے چھا جائے
سیاہ سانس سے اپنے گگن کو دھندلائے۔
شروع چاہئے فسطاس اپنے منتر پھونک
جلا فلیتے یہ سب بدّیا عمل میں جھونک
پتہ چلے کہ ہیں تابع غلام بھوت پریت
تپسّیا کرے، دے بھینٹ انہیں، پڑھے شبھ گیت
یہ دائرہ ہے حصارِ اسمِ جاح نقش یہ خوب
ادھر ادھر یہ الٹ پھیر صورتِ مقلوب،
یہ گنتییں بھی کئی اولیائے برحق کی،
شبیہ و شکل ان افلاک سے معلّق کی،

اچھر پچھتر کے، عکسِ نجومِ آوارہ
ہے آتماؤں کو جن سے صعود کا یارا
نہ خوف چاہیے فسطاس، پختہ پائی ہو
یہ چلّہ کھینچ، جہاں تک تری سمائی ہو
تمام دیوتا پاتال کے دیالو ہوں/ وداع جاح کی ترموتی خوشا رواح/ ہوا کی، آگ کی، پانی کی —— اور بیلز بب/ خوش آمدید شہ شرق و بادشاہِ جحیم/ مہابلی کرو کرپا کہ ہو نمودار اب/ یہیں سے اٹھ کے مرے سامنے مفستفلی/ قسم بہ جاح و جہنّم، بہ آبِ دم دادہ/ جسے چھڑکتا ہوں میں اب، صلیب جس کا نشاں/ بنا رہا ہوں جتنی اٹھائی ہیں سوگندیں/ طفیل ان کے نمودار ہو مفستفلی / وہ مستعد مرا فرمان بر یہاں حاضر ——

(داخل مفستفلی)

تجھے یہ حکم مرا ہے پلٹ یہ روپ سنوار
کر یہ شکل میں ایسی نہ بن مرا ہم کار
چل اور لوٹ فرانسکی اک متیں درویش
وہ شکل پاک ہی جچتی ہے اک خبیث کو بیش

(رخصت مفستفلی)

سجل سجاؤ سے رچ میرے شبد آکاشی
کرے نہ کیوں کوئی فن میں یہاں جگر پاشی

کہ ہو حصولِ مہارت ـــــ یہی مفستقلی
ہے ایک حلقہ بگوشِ مودّب و فدوی
کمال یہ مرے منتر/ کمال یہ جادو
رئیسِ ساحراں فسطاس ہو گیا اب تو
ہے تیرے تابعِ فرماں کلاں مفستقلی
ترا کرے گا یہ سکّہ رواں مفستقلی

(داخل مفستقلی بہ حلیۂ فرانسسکی راہب)

مفس: جو حکم ہو کوئی فسطاس میں بجالاؤں
(کروں زمین کو شق یا پہاڑ اٹھالاؤں)

فسطاس: اطاعت امر یہ میرا ہے تا حیات کرے
نبھائے تو اسے فسطاس جو بھی بات کرے
کہے وہ خواہ کہ سر کا الگ مدار سے چاند
سمندروں سے لبالب بھر اس جہان کی ناند

مفس: میں صرف حضرتِ طاغوت کا کمیرا ہوں
وہ گر مجاز نہ ہو کب اسیر تیرا ہوں
مجھے نہ اور ہو تعمیل کے لیے ارشاد ـــــ

فسطاس: مگر نہیں تری آمد پہ کر چکا وہ صاد؟

مفس: نہیں میں آپ رضا سے ادھر چلا آیا

فسطاس: تو کیا نہیں مرے منتر نے تجھ کو بلوایا؟

مفس: وہ علّت اک سہی تاہم یہ اتفاقاً ہے
سنیں اگر کہیں کوئی خدا سے بدظن ہے
مسیح اور صحیفوں سے صاف روگرداں
ہم آس میں چلے آتے ہیں روح کا ارزاں
کسی سے پٹ سکے سودا مگر نہیں آتے
کہ جب تلک کوئی فرد ان امور کے ناتے
جلا کے خاک نہ کردے بھلائی کے کھاتے
کچھ اس طرح کہ وہ ملعونیت کی زد میں ہو،
ہے سہل نسخہ طبیعت نہ رد و کد میں ہو
بصد وثوق وہ تثلیث سے ابا کرلے،
بصد خلوص جہنّم کے شہ کا دم بھرلے۔

فسطاس: یہی معاملہ فسطاس نے چکایا ہے
وہ اس اصول پر ایمان صاف لایا ہے،
نہیں ہے کوئی مقدم سوائے بیلذ بب
اسی کی نذر یہ فسطاس کا ہے تن من سب
نہ لفظِ لعنت اسے کرسکے گا خوف زدہ
سقر سے اس نے کیا خلط ملط خلد کدہ،
رواں ہے حکمائے قدیم کے ہم رہ
روانِ مردم خاکی کا چھوڑ یہ ہرزہ

بتا یہ کون ہے طاغوت وہ ترا آغہ

مفس: کمانداز، کل ارواح کا اتابک تھا
معلم الملکوت، اک فرشتہ، کل تک تھا
بڑا مقربِ یزداں،

فسطاس: پر آج بے دیں ہے
ہوا یہ کیسے کہ اب قائد شیاطیں ہے؟

مفس: نتیجۂ ہوسِ خودنمائی و کیں ہے
پٹخ دیا کہ بپاداش جرم زیریں ہے
سر فلک سے اسے قہرناک یزداں نے

فسطاس: یہ ہے معاملہ کیا، کون ہو، کس ارماں نے
تمھیں کیا ہے رہائش پذیر با طاغوت؟

مفس: یہ بدنصیب وہ روحیں ہیں، جب گرا طاغوت
اسی کے ساتھ گریں، جنگ آزما طاغوت
ہمارے حضرت یزداں سے جب ہوا، طاغوت
بنا ہمیشہ کو مردود، ہم شریک اس کے
تھے سازشی ہوئے مقہور ساتھ ٹھیک اس کے۔

فسطاس: کہاں پہ خوار

مفس: جہنم میں

فسطاس: پھر یہ کیوں کر ہے

کہ تو محیطِ جہنّم سے آج باہر ہے؟

مفس: یہی محیطِ جہنّم ہے، میں بروں کب ہوں
ترا خیال غلط ہے، کہ پرسکوں کب ہوں
تھا فیضیاب میں دیدارِ وجہِ یزداں سے
نشاطِ جشنِ ازلی سرمدی خمستاں سے
یہ دس ہزار جہنّم سے کم عذاب نہیں
کہ در سعادتِ جاوید حصہ یاب نہیں،
بس اب مطالبِ مذموم ترک کر فسطاس
سواہے ان سے مری روحِ غش زدہ پہ ہراس

فسطاس: اثر پذیر و لے یوں کلاں مفستفلی
ہوئی جو عرش کے خرمستاں سے بے دخلی
تجھے تو جوہرِ مردانگی کا درس ملے
ترے رفیق اسی فسطاس سے ــــ جو پھول کھلے
مسرتوں کے ترے واسطے یہ عام نہیں
تو آنکھ اٹھا کے بھی مت دیکھ انہیں دوام نہیں،
سناؤ حضرتِ طاغوت کو یہ آج خبر
قبول کرلی ہے فسطاس نے اجل یکسر
زبوں خیال، خلاف خدائے حق ہو کر،
بہ اہتمام دل و ذہن کا لے کرتا ہے

خوشی سے روح وہ اس کے حوالے کرتا ہے۔
مگر یہ شرط ہے چندے نہ پائمال کرے
حفاظت اس کی وہ بست و چہار سال کرے۔
حیات حرص وہوا میں تمام کرنے دے
تجھے کچھ اس طرح اپنا غلام کرنے دے
کہ صبح وشام تو خدمت مری بجالائے
تمام میری ادق گتھیوں کو سلجھائے
کرے ہلاک مرے دشمنوں کو دے امداد
مرے عزیز رفیقوں کو جو کروں ارشاد
مؤدبانہ ہمیشہ کیا کرے تعمیل؛
پلٹ کے حضرت طاغوت کو سنا تفصیل
مل آدھی رات کو دارالمطالعہ میں آ
جو ذہن ہو ترے آغہ کا' جو کہے' بتلا

مفس: اس طرح کروں فسطاس (رخصت مفستفلی)

فسطاس: گر نجوم اتنی
شمار میں مری ارواح ہوں' تو ہوں جتنی
تمام بھینٹ چڑھاؤں ترے مفستفلی
کہ اس طرح بنوں سمراٹ جگ کا' بیر بلی
کروں پل اک متحرک فضاؤں میں تعمیر

کروں عبور سمندر، جلو میں جمِ غفیر
پہاڑیوں کو کروں حلقہ ہائے یک زنجیر
کنارِ قلزمِ افریقہ صورتِ دیوار
جو ایستادہ ہیں اسپین سے ملے ہموار
وہ ملک — تاج کے ماتحتِ تیرے باجگذار
کرے وہ کام شہنشاہ جو مرا منشا
ملوک جرمنی دیگر نہیں ہیں مستثنیٰ
دلی مراد مری آج خوب بر آئی
یہاں پہ میں ہوں، مری یہ طلسم فرمائی!
پلٹ کر آتا ہے جس وقت تک مفستفلی
عمل رہے یہی جاری علوم کا سفلی

(رخصت)

چوتھا منظر

(ایک کوچہ)

(داخل وگنر — بھانڈ)

وگنر: میاں ادھر کو ارے چھوڑ،

بھانڈ: کیا ہے بے چھورے
دماغ تیرا ٹھکانے ہے، کیا ہوا تو رے
مری طرح تجھے جھٹ سے ملے ہیں چھور بڑے

سنا، یہ چھوکرا اب منہ سے کچھ تو پھوٹ پڑے

وگنر: میاں ہے بیچ میں گھپلے سے نقد پلّو بھی

بھانڈ: نظر لگا نہ کہ باہر ہے پھر اڑنچھو بھی

وگنر: غلام ہائے غریب اس قدر/ غریبی دیکھ/ مذاق اڑاتی ہے کیا ننگے پن میں، یہ شہدا/ کہ ہے برہنہ و بیکار و گرسنہ اتنا/ مجھے خبر ہے کہ شیطان کو روح تک اپنی/ وہ ایک دستی پہ برّے کی بیچ دے بے شک/ لہو ٹپکتا ہوا اس سے تمام کچی ہو

بھانڈ: عوض میں دستیِ برّہ کی روح شیطاں کو/ لہو ٹپکتا ہو جس سے، تمام کچی بھی/ مجھے رفیق نہیں ہے قبول، مریم کی/ قسم، بھنی ہوئی چٹنی کے ساتھ ہے درکار/ ----- مجھے جو کرنا پڑے مہنگا اس قدر بھوار۔

وگنر: بھلا کرے گا مرا کام گر ملے انعام
کہ خاص میرا ہے چیلا

بھانڈ: ترا خیال یہ خام

وگنر: نہیں میاں کھلی آنکھوں، یہ نقرئی سب تھام

بھانڈ: یہ نقرص اس کا کروں کیا

وگنر: یہ چہرہ شاہی ہیں
فرانسیسی ارے

بھانڈ: کر پرے ـــــ تباہی ہیں
فرانس کے کھرے سکّے یہ ہوں ہزاروں بھی

تو قیمتی کہیں جعلی ہمارے انگریزی
کروں میں کیا انہیں

وگنر: کر انتظار چار گھڑی
کہ ترے سامنے لے آئے گا ابھی شیطان
جسے کہے گا جہاں سے بھی ہو کوئی انساں

بھانڈ: نہیں نہیں، یہ ترے نقرصی تجھے دیدوں'

وگنر: قسم مجھے کہ اگر ایک ان میں واپس لوں

بھانڈ: تجھے قسم ہے مگر لے ضرور

وگنر: آپ گواہ
ادا کئے ہیں اسے میں نے سب کے سب
واللہ
اسی کے منہ پہ یہ مارے تمام ہیں

وگنر: اخاہ
عمل کروں کوئی اب' اور دوں نہ بات کو طول
کریں دفان تجھے یاں سے بلچر وبلیول

بھانڈ: بلا ہیں بچر وبلیول کیا' ذرا آئیں
کہ ہاتھ دو مرے آج ان کے ساتھ ہو جائیں
کروں ٹھکائی وہ ان کی کہ یاد آ جائے/ چھٹی کا دودھ' گت ایسی
بنی نہ ہو ان کی/ وہ جب سے بھوت بنے ہیں' ٹھکانے لگ جائیں

کروں بُری میں وہ ان سے کہ لوگ چیخ اٹھیں/لنگوٹی پیڑ کے
لندھور ایک آیا تھا/کہ کر گیا ہے ہر اک بھوت کا تیاپانچہ/علاقہ
بھر میں مرا نام قتل دیو پڑے

(داخل بھوت' بھانڈ چیختا چلاتا بھاگتا ہے)

وگنر: یہاں سے بلچر وبلیول بھاگ لو

بھانڈ: بھونکو

کہ ہوں دفان' انہیں لاگ بھاڑ میں جھونکو

(بھوت رخصت)

بڑے ہی لمبے تھے' مکروہ بدنما ناخون
تھی ایک بھوتنی بدذات بھوت اک ملعون
شناخت یہ ہے کہ ہوتے ہیں بھوت سینگ سرے
ہیں بھوتنی کے مگر سامنے سے پیر چرے

وگنر: یہ چھوڑ آ مرے پیچھے

بھانڈ: سنے تو بات کہوں

ترا جو دل ہے میں حلقہ بگوش بن کے رہوں
تو کیا عجیب یہ کرتب مجھے سکھائے گا
بلاؤں بلچر وبلیول؟

وگنر: درک پائے گا

جو چیز چاہے بنے چوہا' کتا' بلی' گھونس

بھانڈ: عجب ہے سچے مسیحی کے واسطے یہ دھونس
بنے تو گربہ وسگ، ہو تو موش و فار کبیر
نہیں جناب نہیں، پھر کرو تو یہ تصویر
کہ اک ذرا سا ہمکتا پتنگ بن جاؤں
اڑا پھروں، وہاں پہنچوں، کبھی ادھر آؤں
گداز جسم زناں گد گداؤں اے واللہ
رہوں میں ساتھ لگا ان کے

وگنر: ہو گیا آگاہ
بس آمیاں

بھانڈ: ارے وگنر مگر کچھ اور سنا

وگنر: یہ پھر سے بلچر و بلیول (داخل)

بھانڈ: اے مرے مولا
یہ التجا ہے انہیں غرق خواب فرما دے
بلائیں بلچر و بلیول ہیں،

وگنر: کمیں زادے
مجھے پکار گورو وگنر آنکھ کی بائیں
لگا تنک ایڑی پہ میری اٹل، ادھر دائیں
کہ جس طرح گئی قدموں سے راہ ناپی ہو

بھانڈ: خدا معاف کرے جو سنے سو پاپی ہو

عجیب ہے تری ہفوات خیر جو شے ہے
بتوں میں حلقہ بگوش اس قدر نگر ٹے ہے
(رخصت)

حصہ دوم
پہلا منظر

(فسطاس دار المطالعہ میں)

فسطاس: ضرور ہو گیا فسطاس تو مگر مردود
تری نجات کی ہر راہ ہو گئی مسدود
کہ حاصل اب کوئی ذکرِ خدا جناں کا نہیں
محل خیالِ عبث رنج رائیگاں کا نہیں
امید بیلز بب سے خدا سے نومیدی
قدم ہٹے نہیں فسطاس بن نہیں گیدی
ہے کس لئے متزلزل ــــ یہ کان بجتے ہیں
سنا رہا ہے کوئی یا کہ نیک تجتے ہیں
سیاہ سحر کا سب کاروبار ــــ تج اس کو
خدا کی سمت پلٹ پھر خدا کی سمت ــــ اوہو
پلٹ کے جائے گا فسطاس پھر خدا کی طرف
خدا جسے نہیں کچھ انس تجھ سے بس موقف

ترا درست یہی ہے کہ دیوتا سیوک
ہوس کا ہو تری سب پوجا پاٹ بس اس تک
ہے چاہ بیلز بب کی تری اسی مد میں
رہے نہ قید عقیدت یہ اب کسی حد میں
کنسیہ ہر کہیں قربان گاہ میں تعمیر
کروں بنا مش و نذرانہ گرم خوں جوں شیر
چڑھاؤں ان پہ میں نوزاد طفلکوں کا ——
(داخل نیک سروش بد سروش)

نیک سروش: پلید
سیاہ فن بھلے فسطاس ترک کر،

فسطاس: یہ مفید
مگر رہے نہیں توبہ، ندامت اور نماز

نیک سروش: بہشت کا ہیں ترے واسطے ضرور جواز

بدسروش: ڈھکوسلے، مئے سودا سے پر پیالہ ہیں
کہ بے وقوف بنائے یہ لامحالہ ہیں
انہیں کہ ان پہ بہت جو عقیدہ رکھتے ہیں

نیک سروش: یہ جان لے بھلے فسطاس چیدہ رکھتے ہیں
بہشت زار میں جو بھی نعم بہشتی ہیں

بدسروش: یہ دھیان دے ذرا فسطاس، ہم بہشتی ہیں

تو کچھ کمال نہیں ـــــ لے انہیں جو ہمت ہے
کہ اصل چیز تو دولت ہے اور عزت ہے
(رخصت سروش)

فسطاس: چلی ہے بات یہ دولت کی، کیوں نہ ہو ساری
مری ہی ملکیت ایمڈان کی عملداری
مرا غلام مفستقلی کمربستہ
خدا ہے کون کرے دل نگار جاں خستہ
کسی طرح تجھے فسطاس ـــــ بسکہ ہے مضون
تجھے نہ چاہئیں کوئی شکوک اور شگون
پلٹ کے حضرت طاغوت سے مفستقلی
اب آئے لے کے مسرت کی اطلاع جلی
کہ شاد روح ہو، کھل جائے میرے دل کی کلی
ہے بیم شب ارے آئے بھی اب مفستقلی
(آمد مفستقلی)
کہا ہے کیا ترے طاغوت نامدار نے کہہ

مفس: تمام زندگی فسطاس کے حضور میں رہ
عوض میں روح کے خدمت مگر خرید کرے

فسطاس: یہ دام پہلے ہی فسطاس نے تمام بھرے

مفس: مگر وثوق سے فسطاس یہ چکانا ہے

وثیقہ رہن کا ضبطِ رقم میں لانا ہے
لہو سے اپنے کہ طاغوت یہ ضمانت لے
ہو حیص بیص تو بندہ سفر کو یہ چل دے

فسطاس: مگر یہ بات مفستفلی عزیز بتا
ہے روح سے مری آغہ کو تیرے فائدہ کیا؟

مفس: وسیع اس کی قلمرو ـــــ

فسطاس: تبھی سکھاتا ہے
یہ کجروی، اسی خاطر وہ ورغلاتا ہے

مفس: الم زدوں کا مگر مشترک جو کھاتا ہے
تو بخت گشتہ کو یہ باعثِ تسلّی ہے

فسطاس: اذیت اور کو دے کر جو یہ تعلّی ہے
تمہیں بھی کیا کبھی تکلیف کوئی ہوتی ہے؟

مفس: بہت کہ جس طرح انساں کی آنکھ روتی ہے
مگر بتا مجھے فسطاس روح کا سودا
تجھے قبول ہے، گر میں بنوں ترا امولیٰ
ہمیشہ حکم کی تعمیل کے لیے تیار
وہ دوں تجھے کہ تری عقل کر سکے نہ شمار

فسطاس: تو پھر مفستفلی یہ تیرے حوالے ہے

مفس: تو جس طرح کوئی جی دار گھونپ ڈالے ہے

اتار دشنہ یہ بازو میں اپنے، کر اقرار
کہ تیری روح کا طاغوت ہو گیا مختار
بنے گا آپ بھی جیسا عظیم ہے طاغوت

فسطاس: (بازو چیرتا ہے) یہ بانہہ چیر دی، ایسا چڑھا ہے تیرا بھوت
ہبہ میں خون سے اپنے کروں مفستفلی
یہ روح حضرت طاغوت کو — شبِ ازلی
مطیع جس کے ہے وہ راج منتری، راجا
یہ خوں چکاں مرا بازو نظارہ کرتا جا
مساعد آئے یہی میری آرزو کے لیے

مفس: مگر رقم کرے فسطاس روح جُو کے لیے
مثیلِ نذر تمسک میں

فسطاس: ٹھیک ہے لکھ دوں
مگر مفستفلی جم چلا ہے میرا خوں
کچھ اس طرح کہ نہیں یہ قلم ذرا چل جائے،

مفس: میں آگ لاؤں کہ جس پہ یہ جھٹ پگھل جائے
(رخصت)

فسطاس: لہو رکا ہے تو فال اس میں کیا نکل جائے؟
ممانعت ہے یہ اقرار نامہ لکھنے کی
کرے نہ کیا کوئی زحمت یہ! خامہ لکھنے کی؟

تیرے سپرد یہ فسطاس روح کرتا ہے
یہ آہ تھم گیا یاں جیسے ڈنڈ بھرتا ہے
کوئی ـــ یہ کیا ہے بھلا کس لئے مگر نہ کروں
یہ روح کیا نہیں اپنی مری ـــ سو پھر لکھوں
ترے سپرد یہ فسطاس روح کرتا ہے
یہ حق اسے ہے کو خود اپنا کرتا دھرتا ہے
(داخل مفستقلی دہکتی منقل لئے)

مفس: یہ آگ پر ذرا فسطاس اس کو آنچ دکھا

فسطاس: ہوا ہے صاف لہو جلد کام یہ نمٹا

مفس: (ایک طرف ہو کر) حصولِ روح کو اس کی ہر اک کروں کرتوت

فسطاس: یہ تمت اب ہے تمسک سنبھال اے طاغوت
یہ روح سونپ دی فسطاس نے تجھے ـــ تحریر
مگر یہ کیا مرے بازو پہ ـــ آدمی، رہ گیر!
میں راہ کون سی لوں کس طرف فرار کروں
خدا کی سمت مگر اور خود کو خوار کروں
دھکیل دے گا جہنم میں وہ مجھے یک دم
مرے حواس کا سب وہم ہے نہیں ہے رقم
یہاں پہ حرف کوئی ـــ صاف آشکار مگر
یہ کتبہ دیکھ، یہاں سے کرو فرار ـــ مگر

نہیں یہاں سے نہ فسطاس ٹل کے بھاگے گا ——

مفس: (ایک طرف ہو کر) کچھ اہتمام —— کہ ذوق طرب تو جاگے گا

(رخصت)

(دوبارہ بھوتوں کے طائفہ کے ساتھ داخل وہ فسطاس کو خلعت و تاج دیتے ہیں، ناچتے گاتے ہیں —— پھر رخصت ہوتے ہیں)

فسطاس: ارے مفستقلی سب یہ کیا تماشہ تھا

مفس: کچھ اور تو نہیں فسطاس بے تحاشہ تھا
طلسم، تاکہ ترا قلب پُر نشاط کرے
اثر کناں ہے یہ کتنا، عیاں بساط کرے

فسطاس: بلا سکوں گا میں ارواح، گر یہ جی چاہے

مفس: ارے کہیں بڑے کرتب، یہ بات ہی کیا ہے،

فسطاس: ہزار روح کے بدلے بھی پھر تو ارزاں ہے
پکڑ مفستقلی، یہ وثیقۂ جاں ہے
معاہدے کی مگر تو شقیں نبھائے گا

مفس: کمی نہ کوئی بھی فسطاس مجھ میں پائے گا
قسم یہ دوزخ و طاغوت جو ہوئے مابین
قرار قول نبھائیں گے مستعد دن رین

فسطاس: بغور سن تو یہ دفعات اس قبالے کی

بموجب ان کے تجھے روح اب حوالے کی ــــــ (پڑھتا ہے)
یہ مد ہے پہلی ــــــ ہیولیٰ و شکل میں فسطاس / رہے گا روح کے
تمثال، دوسری اس کے / رہے گا حکم کا بندہ سدا مفستقلی / یہ تیسری کہ
مفستقلی اس کی منشا پر / کرے گا سامنے حاضر وہ خواہ کچھ بھی ہو / یہ
چوتھی نظروں سے اوجھل رہے گا کمرے میں / وہ ہو کہ گھر میں ہو
موجود، آخری یہ ہے / سدا وہ آئے گا جس روپ میں یہ چاہے گا /
میں ڈاکٹر یہاں (ورتان برگ کام ☆ فسطاس / بہ ایں شرائط اب اپنے
یہ روح اور بدن / حوالے کرتا ہوں طاغوتِ شرق اس نائب /
مفستقلی کو اس کے، انہیں مزید براں / برائے مدتِ بست و چہار
سال شقیں / یہ سب بحولہ بالا رہیں گی بے تنسیخ / ــــــ یہ اختیار کہ مذکورہ
جان فسطاس اب / منال مال بدن روح گوشت خون کے ساتھ /
وہ لے کے جونسی بستی میں اپنی جائیں گے / خوشی سے جائے
گا ــــــ فسطاس جان راقم ہے۔

مفس: یہ مان مثل تمسک ہمیں یہ دی فسطاس

فسطاس: بلے یہ لے مجھے شیطاں نواز دے بہ سپاس

مفس: جو دل میں ہے ترے فسطاس، کر اب استفہام

فسطاس: سوال پہلا ہے دوزخ کے ضمن میں، کہ مقام
بتا وہ کیا ہے کہ رکھا گیا یہ جس کا نام؟

مفس: یہیں ہے وہ تہِ افلاک

فسطاس: ہاں مگر اس کا
مجھے صحیح محلِ وقوع تو بتلا

مفس: یہیں ہے وہ انہی امعائے عنصرانہ میں
مقیم ہم یہاں ایذائے جاودانہ میں
جہنم اس کی حدوں میں نہ حلقہ بندی ہے
کسی مقام تک' اس کی فضا یہ گندی ہے'
کہ ہم جہاں ہیں' جہنم ہے' در جہنم ہیں
ضرور جس جگہ موجود جب بھی تم ہم ہیں
سخن تمام میں اس پر کروں کہ جب دنیا
یہ منتشر ہو تمام اور خوب پاکیزہ
ہر ایک ہو یہاں مخلوق —— تو جہنم ہو
ہر اک مقام فضائے ارم جہاں کم ہو

فسطاس: چل آ' پتہ یہ چلا دوزخ اک فسانہ ہے
بجا خیال سہی' گر یہ آزمانا ہے
کہ تجربہ کرے اس رائے کو تری تبدیل'

فسطاس: ہے کیا خیال کہ فسطاس خواہ مخواہ ذلیل
بنے گا'

مفس: دیکھ یہ تحریر خود قبالے کی
کہ روح آپ جو طاغوت کے حوالے کی

فسطاس: فقط نہ روح بدن بھی دیا ـــ مگر اب کیا
ترا خیال ہے فسطاس سوچتا ہوگا
فضول یہ کہ کوئی غم پسِ حیات بھی ہے
پرے بھی کر یہ بڑی واہیات بات بھی ہے
کہانیاں کہ بڑی بوڑھیاں سناتی ہیں

مفس: یہ مسئلے نہیں لیکن تو ہماتی ہیں،
ابھی تضاد میں فسطاس دوں ثبوت اس کا
میں اب سفر میں ہوں، مردود چونکہ ہوں ٹھہرا،

فسطاس: نہیں مفستفلی، کس طرح جہنّم میں
یہ ہے جہنّم اگر، لعنتوں کے قلزم میں
رہوں بخاطر خوش، خواب، خور، خرام، خلش
یہ کیا ہیں، چھوڑا نہیں چاہئے کثیر کشش
وہ زوجہ مملکتِ جرمنی میں یکتا ہو
جمال و ناز میں جو ـــ اب نہیں گذارا ہو
مرا حیات میں بے زوجہ

مفس: تجھ سے ہے درخواست
نہ بات زوجہ کی فسطاس کر،

فسطاس: نہیں تو راست
بھلے مفستفلی ایک، لے کر، آدرکار

مجھے ہے ایک، رکھوں گا ضرور

مفس: تب سرکار

ضرور ایک ملے گی تجھے، جب آؤں گا

بنام اہرمن اک زوجہ ساتھ لاؤں گا

(رخصت)

(دوبارہ داخل ساتھ ایک چڑیل، بشکلِ زن، آتشبازی چھوٹتی ہے)

مفس: بتا سہی تجھے فسطاس زوجہ بھائے بھی؟

فسطاس: تباہ وہ اسے ڈھائی گھڑی کی آئے بھی

مفس: فش او بیاہ تو فسطاس رسمِ بازی ہے

ہوں میں عزیز تو پھر شرط بے نیازی ہے

ترے لیے کہ نہ اس ضمن میں ارادہ ہو

مگر وہ آنکھ میں جس کی طلب زیادہ ہو

ضرور راحتِ دل وہ مہیا آئے گی

کہ پینی لوپ کی مانند پاکدامن بھی

سبا مثال خردمند، پر جمال ایسی

کہ آب تاب تھی پیشینیٔ زوال ایسی

وجود حضرت طاغوت میں ــــ کتاب اٹھا

بدقتِ نظر اس کا مطالعہ فرما

کرے جو ورد یہ سطریں تو دستیاب ہو زر

لکیر کھینچ کے گرتو بنائے یہ چکر
زمین پر، تو اندھا دھند آندھیاں آئیں
بگولے اٹھیں، کڑک گونجے، کوندے لہرائیں۔
یہ تین مرتبہ کر جاپ۔ جی میں جوگی سار
سجا کر آئیں گے بلونت سورما ہتھیار
ہر ایک حکم کی تعمیل کے لیے تیار

فسطاس: ترا مفستفلی شکریہ، بہ طیب دلی
کتاب لوں کہ ہیں جس میں علوم کل سفلی
فلیتے، ٹوٹکے، تعویذ، ٹونے، چھومنتر
کہ ان کے زور سے روحیں بلا سکوں اکثر

مفس: پکڑ یہ پوتھی — کہ جادو سب اس کتاب میں ہیں
(ورق الٹتا ہے)

فسطاس: کروں ملاحظہ اس میں بڑے حجاب میں ہیں
جو راس نکشترا اپچھر، فلک کے سیّارات
سمجھ میں آئیں اثر، چال، رخ، چلن، حرکات (ورق الٹتا ہے)

مفس: یہ سب ہیں اس میں

فسطاس: ارے چاہیئے کتاب اک اور
تو پھر یہ کھیل مکمل ہو، کر سکوں میں غور
درخت، پھول، جڑی بوٹیوں پہ سنجیدہ

تمام جو بھی ہیں روئے زمیں پہ روئیدہ

مفس: یہاں یہ دیکھ،

فسطاس: غلط تو ہوا،

مفس: کشادیدہ!

دوسرا منظر

(خانۂ فسطاس، داخل فسطاس و مفستقلی)

فسطاس: نظر مری سرِ افلاک جس گھڑی جاوے
زبوں مفستقلی ہوں مجھے یہ پچتاوے
کہ تو نے واں کی سعادت سے کر دیا محروم
تجھے تو دل سے، بڑی بددعائیں دوں،

مفس: معلوم
تجھے ہو کیوں بھلا فسطاس، عرش اعظم ہے
مقابلے میں ترے نصف سے کہیں کم ہے
یہ خوشنما، تجھے بتلاؤں میں، کہ مدھم ہے
ہر آدمی سے جو لیتا ہے اس زمین پہ سانس

فسطاس: دلیل؟ تا کہ نکل جائے میرے جی کی پھانس

مفس: ہے افضل آدمی اس کے، لیے بنا جو ہے

فسطاس:	یہ آدمی کے لیے گر بنا، ہوا پھر طے بنا ہے میرے لیے بھی، یہ سحر پس تج دوں کئے پر اپنے دل و جاں سے میں پشیماں ہوں کروں میں توبہ
	(داخل نیک سروش بد سروش)
نیک سروش:	جو توبہ کرے تو اے فسطاس کرے گا اب بھی خدا تجھ پہ رحم
بد سروش:	اس کی آس ہے اب فضول، خدا رحم کر نہیں سکتا تو محض سایہ ہے
فسطاس:	سر گوشیوں میں ہے بکتا یہ کون، سایہ ہوں، خناس بھی اگر میں ہوں مجھے یقین ہے پھر بھی خدا ضرور فزوں کرے گا رحم اگر صدق دل سے توبہ کروں
بد سروش:	ارے نہ ہو کبھی فسطاس کو پشیمانی کبھی نہ وہ کرے توبہ
فسطاس:	عجیب انجانی یہ کیفیت مری پتھر بنا گئی دل کو کو توبہ اب یہ سمجھتا ہے سعیِ باطل کو

نجات عرش عقیدہ غم مآل ہوا
زباں پہ نام بھی لاؤں، مجھے محال ہوا
مگر ڈراؤنی گونجیں کڑک کی کانوں میں
یہ کہہ رہی ہیں کہ فسطاس نحس جانوں میں
شریک ـــــ تو ہوا مردود ـــــ سامنے سم دار
تفنگ، تیغ، چھرے زہر میں بجھے ہتھیار
دھرے ہیں کام ہی اپنا کروں تمام اک بار،
ضرور جان سے اپنی ابھی گذر جاتا
اگر نہ یاس حزیں کا پیالہ بھر جاتا ہے
خوش آب لطف مسرت سے ـــــ کور ہومر کو
کہا نہیں ابھی میں نے کہ زمزمہ زن ہو
سنائے مثنویٔ عشق وہ سکندر کی
پڑھے وفات پہ نوحہ زنانِ دلبر کی
ہوا نہیں تھا ابھی کیا یہاں سرود نواز
مرے عمل سے وہی امفین کہ جس کا ساز
چھڑا تو چل کے چٹانیں بنی تھیں شہر پناہ
تمام تھیبز کے اطراف ـــــ نغمہ زن ہمراہ
مرے مفستقلی کے وہ تھا مرے دم سے
نہیں ٹلے گا یہ فسطاس عزمِ محکم سے

نہیں کرے گا یہ توبہ — چل آ مفستقلی
شروع پھر ہو، ہم تھی ابھی جو بحث چلی،
سخن طرازیٔ علمِ نجوم غیب کریں
بتا مجھے کچھ ایسے نہ شک وریب کریں
ہیں عرش اور بھی کیا ماورائے ماہ — تمام
کُرہ ہیں ایک ہی یا سب سماویہ اجرام
کہ جس طرح ہے یہ اس مرکزی زمیں کا قوام؟

مفقس: ہم ہیں جیسے عناصر، اسی نمط سارے
ہمہ گر ہیں اکٹھے کُرے میں سیارے
دُھرے پر ایک ہی ڈنڈے کے مشترک گرداں
یہ اس طرح ہیں کہ فسطاس اصطلاح گراں
ہوئی — جہان کا یہ قطب بے کراں مشہور
یہ سب فریبِ نظر کے سبب نہیں مذکور
رواں ستارے ہیں مریخ و مشتری و زحل

فسطاس: بتا مگر کہ ہے گردش میں سب کا ایک عمل؛
نہیں ہے کوئی بھی سمت و زماں میں چنداں فرق؟

مفقس: رواں ہیں قطب پہ دنیا کے سوئے غرب ز شرق
یہ ساتھ آٹھ پہر، قطب ہائے برج پہ گو
جدا ہیں گردشیں — جیسے الگ الگ رہرو —

فسطاس: یہ مسئلے ــــ ارے پھٹ ــــ یہ جواب معمولی
کہ سوجھتے مرے وگنو کو بھی ــــ چڑھے سولی
مگر مفستقلی بس ہنر ہے یہ سارا
کسے نہیں بھلا معلوم ایک سیارا
دگانہ گردش و حرکت میں ہے ــــ تمام اوّل
ہے ایک قدرتی دن میں، دوم طویل عمل
زحل کا تیس برس میں ہو ختم، بارہ میں/ یہ مشتری کا، برس چار میں
کرے مریخ/ تو ختم سال میں شمس و عطارد و زہرہ/ قمر کو چاہیئیں اس
کے لیے دن اٹھائیس/
پھٹ ایسی بات نو آموز کو بھی سوجھتی ہے
بتا اگر تری دانشوری یہ بوجھتی ہے
کُرے کے خطّے میں ذی روح کا وجود ہے کیا؟

مفس: بلے،

فسطاس: ہیں کتنے کُرے اور عرش یہ بتلا؟

مفس: سماہ عرش اثیر اور سبع سیارے
یہ نو ہیں،

فسطاس: خوب معمّہ مگر یہ سلجھا رے
گہن، مقابلے، رخ برملا، عیان، قران
وقوع کیوں نہیں ہوتے تمام ہی اک آن

ہیں کم کبھی' متعدد ہیں بعض سالوں میں؟

مفس: جواب اس کا ضروری نہیں مقالوں میں
بس ایک کلیّہ حرکت میں ان کی حاوی ہے
یہ کائنات کے کل نظم کے مساوی ہے

فسطاس: یہاں تلک تو تسلّی چلی اس جواب سے ہے
بتا مجھے کہ یہ تخلیق کس حساب سے ہے
جہاں بنایا ہے کس نے

مفس: نہیں بتاؤں گا

فسطاس: بھلے مفسقلی کہہ

مفس: نہیں سناؤں گا
تجھے میں قصۂ خالق' نہ کر مجھے مجبور

فسطاس: تجھے کیا نہیں پابند میں نے اے مقہور
قضیہ مجھ پہ ہر اک آشکار کرنا ہے؟

مفس: ضرور پر نہیں حد اپنی پار کرنا ہے
یہ بات ایسی ہے' ایسا نہ ذکر کر اب تو
جہنمی ہے' جہنّم کی فکر کر اب تو

(داخل نیک سروش)

نیک سروش: خدا کے باب میں فسطاس غور کر' دنیا
بنائی ہے یہ اسی نے

مفس: رہے یہ ذہن فزا

(رخصت مفستقلی، نیک سروش)

فسطاس: پلید روح ارے واصلِ جہنّم زار
یہ اس لئے کہ کیا تو نے روح کو فی النار
بچارے دل زدہ فسطاس کی، پشیمانی
یہ بعدِ وقت سراسر ہے فعلِ نادانی

(داخل نیک سروش بد سروش)

بد سروش: یہ بعد وقت ہے

نیک سروش: کب بعدِ وقت ہے فسطاس
گرے جو توبہ

بد سروش: اگر توبہ کی تو صد خنّاس
اڑائیں گے ترے پرزے،

نیک سروش: کوئی ڈرے، توبہ
نہ چھو سکیں گے تجھے، تو اگر کرے توبہ

(رخصت دونوں)

فسطاس: مسیح، آہ مرے ناجی کہ اب نجات طلب
ہے روح دل زدہ فسطاس کی، نکال سبب

(داخل طاغوت، بیلذ بب، مفستقلی)

طاغوت: سبب مسیح کرے روح کو بچانے کا،

محال ہے کہ وہ منصف ہے کل زمانے کا
خبر اسے ہیں ترے روح وتن مری املاک

فسطاس: پھٹ اوئے کون ہے تو اس قدر جو ہیبت ناک
دکھائی دیتا ہے

طاغوت: طاغوت نام ہے میرا
یہ شاہ یارِ جہنّم مقام ہے تیرا

فسطاس: یہ شاید آئے کہ فسطاس روح لے جائیں

طاغوت: ہوئے ہیں ہم یہاں وارد تجھے یہ بتلائیں
ہمارے ساتھ عجب واردات کرتا ہے
خلافِ وعدہ مسیحا کی بات کرتا ہے
خدا کا دھیان بھی مت کر اب اہرمن کی سوچ

بیلزیب: اور اس کے ساتھ کوئی روح بھی اگر لے نوچ

فسطاس: کبھی نہیں یہ خطاب کروں گا آئندہ
خطا معاف یہ فسطاس آپ کا بندہ
کبھی نہ عرش کی جانب نظر اٹھائے گا
خدا کا نام بھی ہونٹوں پر اب نہ لائے گا
کروں کبھی نہ میں تسلیم بندگی اس کی
صحیفے آگ میں دوں جھونک اس کے مستعدی
دکھاؤں وہ کروں تہ تیغ مرسلین اس کے

زمین بوس کلیسا' حریم دین اس کے

طاغوت: جو اس طرح کرے مسمار' قتل' ہم تجھ پر
نوازشیں کریں بسیار' اب ورود مگر
ہے یاں ہمارا جہنّم سے' دل لگی کا سماں
ترے لئے کریں فسطاس' دیکھ' بیٹھ یہاں
کہ تیرے سامنے آئیں گے صورتِ تصویر
اب اصل روپ میں ساتوں گناہ ہائے کبیر

فسطاس: بعینہٖ مجھے منظر یہ لطف پرور ہو
بہشت روزِ نخستین جیسے آدم کو
پسند آئی تھی حد درجہ آفرینش پر'

طاغوت: فسانہ ہائے بہشت آفرینش اب بس کر
تماشہ دیکھ تو' آ اس طرف کو اب مذکور
کر اہرمن کا نہ اس کے سوا تجھے منظور
کچھ اور چاہئے ـــــ فسطاس ہوں ملاحظہ اب
یہ نام ان کے جداگانہ' یہ خواص عجب

فسطاس: ہوا جو وارِدِ اوّل' ترا لقب کیا ہے؟
میں کبر ہوں' مگر کبر اپنا حسب نسب کیا ہے
خبر نہیں' کہ مرے کوئی والدین نہیں
میں تظلِمِ شاعرِ اووِڈ کا پشۂ خود بیں'

ہو کنج و گوشہ کوئی سہل واں گذر میرا'
کہ ہے کبھی کسی خاتون کا جبیں گھیرا
مثیل وگ کے' کبھی میں کسی کے لب چوموں
بہ شیوہ جیسے ملائم پروں کی پنکھی ہوں'
بھبک سی' کیسی یہ چھی' چھی یہاں پر آتی ہے
میں لفظ اک نہ کہوں - ہاں گر عطر یاتی ہے
فضا' بنارسی جاجم کی ہے بساطِ زمیں
تو والہانہ وہاں ہوں میں زمزمہ آگیں

فسطاس: دوم' جناب کی تعریف

ہوس: میں ہوس فرتوت
کسی لئیم کی زادہ' اگر ہو میری ہوت
کروں بس ایک تمنا' مکان اور مکیں
تمام زر میں بدل جائیں میں یہ سب زرّیں
خزانہ پیاری تجوری میں قفل میں رکھ دوں
ارے میرا زرِ محبوب

فسطاس: اب مگر میں ہوں
جناب سے ذرا واقف' کہو کہ کون ہو آپ

طیش: ہے نام طیش مرا' ماں مری نہ میرا باپ
بمشکل آدھ گھڑی کا میں ہوں گا جب دھم سے

برون آیا نکل کر دہانِ ضیغم سے
تبھی سے دہر میں اک قہر ہے مرے دم سے
اٹھائے نیچہ ہر سمت دوڑا پھرتا ہوں
ملے نہ کوئی جو لڑنے کو خود پہ گرتا ہوں
کہ خون خون کروں —— میں جحیم زادہ ہوں
نظر کرو کہ نسب میں قریں زیادہ ہوں
تمہیں سے میں، مرا تم ہی میں باپ دادا ہو

فسطاس: چہارم، آپ سے بندے کو استفادہ ہو
کہو کہ کون ہو

حسد: صاحب حسد ہے اسم مرا
ہے چمنی روب کا کستوربی سے جسم مرا
ہوں ان پڑھ اس لیے خواہش ہے سب کتب جل جائیں
میں دبلا ہوتا ہوں، گر لوگ پیٹ بھر کھائیں
ارے جو سارے جہاں میں ہو قحط سامانی
مریں تمام، مری زندگی ہو طولانی
جیوں اکیلا تو پھر دیکھ فربہی میری
نشستہ تو، میں ستادہ، یہ دلدہی میری
ترے قریں ہے، بھڑک جا اب انتقام کی آگ

فسطاس: ہو دفع حاسدِ بدذات، چل، یہاں سے بھاگ

تعارف اب ذرا پنجم سے چاہیئے، فوری
بتا مجھے کہ ہے تو کون

پرخوری: میں تو پرخوری
جناب ہوں، پہ یہ باندی بڑی نگوڑی ہے
کہ پھوٹی کوڑی بھی مجھ کو نہ ایک چھوڑی ہے
مَرے جو ماتا پتا میرے، بس یہ آزوقہ
ہے سارے دن میں فقط تیس کھانے دس بوقہ
شراب کب مجھے وافی بھلا یہ قدرِ خفیف
ہیں ابّ و جد مرے شاہانہ شان، با توصیف
ہے گر مرا مہا پرکھا سوّر، وہ فربہ ران
صراحئ مئے احمر ہے میری دادی جان
اچار مچھلی کا اور خشک گوشت گائے کا
تھے میرے دھرم پتا اور دھارمک ماتا
تھی ایسی ایک گُنی چنچل استری، محبوب
ہر اک حسین دہ و قصبہ کی خوب وہ مرغوب
صبوحیٔ مئے اردی تھی کنیت خانم
سنی ہے کیفیتِ خاندانِ من، ہمدم
اب آزمائشِ کام و دہن کی بات رہے

فسطاس: تجھے تو دار پہ کھینچوں، نہیں یہ گھات رہے

تری تمام مرے آب ودانہ پر اس طور
کہ ہاتھ صاف کرے سامنے جو ہو فی الفور

پرخوری: تو پھر گلا ترا شیطان گھونٹ دے'

فسطاس: پرخور
تجھے بھی سانس نہ آئے شِشم نہیں منہ زور
تو اس طرح کی تو اب تجھ سے آشنائی ہو'

کاہلی: میں کاہلی' کہیں مجھ سے نہیں رسائی ہو
جنم ہوا مرا اک مہرتاب ساحل پر
وہیں دراز تھی' آرام دہ مرا بستر
ہوا تجھے نہ گوارا' وہاں سے لے آیا
یہ میری جان پہ تو نے بڑا ستم ڈھایا
وہیں پہ لے چلیں نفسانیت' یہ پرخوری
مجھے اٹھا کے' تو پھر کوئی بھر کے سو پوری
شہانہ دے زر فدیہ' تو حرف اک لب پر
نہ لاؤں میں

فسطاس: مگر آخر میں ہفتمیں پیکر
بتائے کون مسماۃ ہے چھمک چھلّو

نفسانیت: جناب کون ہوں میں نون سے ہے اوّل لو
شروع نام مرا ـــــ

طاغوت: سب چلو جہنّم کو
چلو تمام جہنّم کو میرے ہمدم کو
پسند آیا ہے کیسا بھلا یہ ہنگامہ؟
فسطاس: ہوئی ہے روح مری سیر اس سے
طاغوت: اف تامہ
بہر طریق جہنّم ہے دلربائی میں
فسطاس: کروں جو سیر جہنّم کی رہنمائی میں
تری پلٹ کے وہاں سے مگر پھر آجاؤں
تو اپنے آپ کو مسرور کس قدر پاؤں!
طاغوت: کرے گا سیر، تجھے نیم شب بلاؤں گا
تو کر مطالعہ اچھی طرح کہ جاؤں گا
تجھے میں دے کر ابھی ایک نسخہ نادر
کہ پڑھ کے تو جسے اس امر پر بنے قادر
ہر ایک روپ جو خواہش ہو، کر سکے تبدیل
فسطاس: ہزار شکریہ، طاغوت بے نظیر، مثیل
میں اپنی جاں کے رکھوں گا عزیز اسے
طاغوت: فسطاس!
وداع ہوتا ہوں، رکھیو خیال میں خنّاس
فسطاس: عظیم حضرت طاغوت، الوداع

(رخصت طاغوت، بیلذیب)

آچل

چل آمفستقلی میرے ساتھ، چلتا چل

(رخصت)

حصہ سوم

(داخل منڈلی)

وقوف یافتہ فسطاس ہے تمنائی

رموز سے ہو کواکب کی اب شناسائی

جو مشتری کے صحیفہ، عرش پر کندہ

ہیں دور فوق کہیں —— چڑھ سکے یہ جوئندہ

بلند کوہ اولمپس کی سخت چوٹی پر ——

سوار رتھ پہ ہوا، رتھ منور آتش بر

بندھا تھا جس کا جوا اژدھوں کی گردن پر،

کہ ایک دم اسے سرپٹ جو چل پڑے لے کر ——

ملاحظہ کیے اس نے حسین نظارے

سحاب پارے، ستارے، روان سیارے

تمام منطقے، خطے، فلک کے سب گوشے،

مہِ دو شاخ کے انوار پاش صد خوشے

بلندیوں تک ازل کے رواں کرے پہ دواں

مڑا وہ گھوم کے گردِ محیط سرگرداں
درونِ قطب کے کل رقبۂ محدّب میں،
وہ اس کے اژدہے پویہ، جنونِ مرکب میں،
بسوئے غرب، سبک شرق سے روانہ تھے،
کہ اسّی روز میں واپس درونِ خانہ تھے
کیا نہ خانۂ خاموش میں طویل قیام،
تھکن سے چور ذرا ہڈیوں کو دے آرام،
نئے جنونِ مہمات نے دیا نہ قرار
نکل کے گھر سے ہوا پھر وہ اژدہوں پہ سوار،
پروں سے چیر کے نکلے وہ نرم پروائی
تھی اس کے مدِّ نظر اب کے ارض پیمائی۔
(مساحتِ ایک اک اقلیم و ساحلِ کل کی)
جو بات بوجھے دل کی، وہ تیز یاد لگی
چلا ہے روم کو پہلے کہ پوپ کو دیکھے
وہ بارگاہ کے سب روپ انوپ کو دیکھے
ہو اس جگہ پہ شریکِ ضیافتِ پطرس
جو پاک جشن مناتے ہیں اب تک آئے برس۔

پہلا منظر

فسطاس: بھلے مفستفلی، میرے ہمرہی شاداں

گذر کر آئے ہیں شہر تریرِ عالی شان'
پہاڑ سر بفلک جس کے ہر چہار اطراف
حصار جھیلیں عمیق اور وسیع اور شفاف
فصیلیں ایسی کہ چقماق سنگ سے تعمیر
نہ کر سکے کوئی کشور کشا جنھیں تسخیر۔
وہاں سے گرمِ سفر ساحلِ فرانس پہ ہم
حسین بلدۂ پیرس میں واردانِ ارم
حسین رائن و مین آب رودوں کا سنگھم
کنارے جن کے چمن میوہ دار تاک کے تھے
بہشتِ ارض پہ روئیدہ حسن خاک کے تھے۔
تمام تا حدِ نیپلز و شہر کمپنیا
نظر پہ کھلتی تھیں جن کی عمارتیں کیا کیا'
نمونۂ فنِ تعمیر رشکِ صناعاں
کھرنجے عمدہ لکھوری کے' سیدھ میں گلیاں
مربعوں میں ہے اربعہ منقسم قریہ
ملاحظہ کیا زرتاب ہم نے واں روضہ
فہیم ماروٗ (ورجل) کا میل تک چھیلی
وہ شب میں شاہ نے اس تک چٹان پتھریلی
سیاحت اور بھی شہروں کی ---- پنڈوہ دیکھا

پھرے ہیں وینس خوش میں، نجوم کی ریکھا
تمام اس کی، کلیسائے پُرشکوہِ ولی
وہاں پہ (حضرت مرقس کا) اے مفستفلی
گذارا اسیر میں فسطاس نے زمانہ یہ
بتا مگر کہ وہیں پر ہے اب ٹھکانہ یہ
جہاں کا حکم مرا تھا، ہوئی ہے کیا تعمیل
تو روم میں مجھے لے آیا اندرونِ فصیل؟

مفس: ہوئی ہے پوری جو فسطاس کی تھی فرمائش
پھر اسلئے کہ رہے ہر طرح کی آسائش
چنی برائے رہائش یہ خاص خلوتگاہ
یہاں جناب تقدس مآب کی

فسطاس: دل خواہ
کریں گے اپنا تقدس مآب استقبال
امید چاہیئے،

مفس: فسطاس امر یہ فی الحال
اہم کچھ ایسا نہیں ہے ــــــ مگر دلیرانہ
شریک چاہیئے، آراستہ جو رندانہ
یہاں پہ ہوں گی نشاط و سرور کی محفل،
نظارے روم کے پھر دیکھ دید کے قابل ــــــ

ستادہ سات چٹانوں پہ شہر، مثلِ عماد
زمین پر ہیں جو زیرین مستقل بنیاد
ہے درمیان سے ٹائبر کی آب رود رواں
کہ خم بہ خم ہے کناروں کا سلسلہ پیچاں
کیا ہے شہر اس تیز سیل نے دو لخت
ملا دیا اسے حکمت سے ـــ وہ ہمتِ سخت ـــ
پھر آدمی نے، بلند اس میں جھانکتے پل چار،
ہر اک علاقے میں محفوظ جایئے، اس پار
کہ روم کے ہوئے یوں ایک کوچہ و بازار
پوائنٹ اینجلو پل پر وہ قلعۂ مصبور
کثیر جس میں ذخیرہ ہے اسلحہ بارود،
وہ دو دہانہ کی توپیں منقش و روئین
مساویانۂ ایامِ سال در تخمین،
مزید جولیس سیزر کے یادگار انعام
مظفرانہ جو افریقہ سے بلند اہرام
عظیم اب وہ پلٹا لیے ہوئے وہ چمن

فسطاس: عزیز دوست نرک راج کی مجھے سوگند
یہ عرضہ ہائے جہنم، یہ رود ہائے رواں
سٹکس (لا بھد ندی) (جوئے شعلہ) فلیجتاں

(یہ آتماؤں کی کھے پار جھیل) اسچیر اں
مجھے قسم ہے، مرا راہوارِ شوق ہے تیز
عمارتوں کا کروں میں تماشہ حیرت خیز
چل آکے روم کی گلیوں کو گھوم پھر دیکھوں
رہے نہ جی میں یہ حسرت کہ روم پھر دیکھوں،
وقوف ذہنِ محلِ وقوع سے پائے

مفس: ذرا ٹھہر مجھے فسطاس دھیان یہ آئے،
زیارت اسقفِ اعظم کی آج ہو جائے،
پس اب ضیافتِ پطرس میں ہو شریک یہاں
نظارہ دیکھ کر جمِ غفیرِ درویشاں
یہ گنجِ لذتِ کام و دہن پہ مرتے ہیں
بساطِ خوانِ مرغن پہ سجدہ کرتے ہیں
انہیں تو زیستن خوردن سے ہے فقط تعبیر

فسطاس: رگ ظرافت اٹھی ہے پھڑک مری، تاخیر
نہ چاہیئے، رہے پہ کچھ دیر دل لگی، ساماں
کروں مذاق کا ان کی حماقتوں سے یہاں
طلسم پھونک کہ غائب نظر سے ہو جاؤں
جو آئے جی میں کروں بے دھڑک، نہیں پاؤں
کسی بھی کام کو دشوار ـــــ ہاں الوپ رہوں

مقیم روم میں جب تک قریب پوپ رہوں

(دم پھونکتا ہے)

مفس: جو آئے جی میں کر اب شوق سے، تجھے فسطاس

کوئی نہ دیکھ سکے گا

(نوبت، داخل اسقف اعظم، اسقف لورین راہب برائے ضیافت)

پوپ: کرم نما، آ پاس

یہاں پہ اسقفِ لورین،

فسطاس: (او جھل) پھٹ، ترا شیطان

گلا دبوچ لے ایسا، نکال ڈالے جان

پوپ: یہ کون، کس نے یہاں بدزبان کھولی ہے

نظر تو راہبو دوڑاؤ،

ایک راہب: کھوج ہو لی ہے

نہیں ہے کوئی تقدّس مآب،

پوپ: امیر نواب

عزیز اسقفِ میلان سے خصوصی قاب

لذیذ، نذر ہے، لو

فسطاس: شکریہ کے ساتھ جناب

قبول آپ سے کرتا ہوں (چھینتا ہے)

پوپ: کون ہے، یہ کباب

اڑائے کس نے مرے ہاتھ سے، کوئی دیکھے
پتہ لگاؤ ارے — خوانِ پرتکلف سے
ضرور لیجئے میرے نواب کچھ، یہ تھال
بطورِ ہدیہ فلورنس سے کیا ارسال
ہمارے اسقفِ اعلیٰ نے

فسطاس: خوب، خوب، یہ مال
میں صاف ہاتھ کروں اس پہ، (اڑاتا ہے)

پوپ: ہائیں دوبارہ،
نوابِ من، چلیے اب ایک جام دلآرا
بنامِ حضرت،

فسطاس: اگر میں بنامِ حضرت لوں؟ (چھینتا ہے)

اسقف لورین: حضور یہ کسی آسیبِ بد کا ہے داؤں
نکل جو بھاگا ہے کفارہ خانہ سے تازہ
کہ کھٹکھٹاتے تقدس مآب دروازہ
یہ آپ کا کہ دعائے نجات فرمائیں

پوپ: یہی معاملہ شاید ہو، راہباں گائیں
وہ بول شبد فرو بھوت کا غضب ہو جائے۔
نوابِ من، وہی شغلِ دہان ولب ہو جائے
(نشانِ صلیب بناتا ہے)

فسطاس: یہ کیوں صلیب کا خود پر نشاں بناتا ہے
نہ چل یہ چال، مجھے کس لئے چلاتا ہے
(پوپ پھر نشانِ صلیب بناتا ہے)
نہیں سنا ہے مرا مشورہ، لگاتا ہے
یہ دوسرا ابھی، خبر دار، کیوں ڈراتا ہے
یہ تیسرے سے —— تجھے صاف اب کروں تنبیہہ
(پوپ جونہی نشانِ صلیب سے خود پر دم کرتا ہے، فسطاس اس کے کان پر مکہ جماتا ہے، وہ سب بھاگ جاتے ہیں)
چل اب مستقلی اور کچھ کریں تفریح

مفس: نہیں مجھے نہیں معلوم، اف قیامت ہیں،
کتاب و مشعل و ناقوس وجہ شامت ہیں

فسطاس: کتاب و مشعل و ناقوس —— کس طرح، ناقوس
کتاب و مشعل انہیں، پیش و پس کروں معکوس
عمل، دھکیل جہنم میں دے تجھے فسطاس
کریں کچھ اس طرح مختل یہ تیرے ہوش حواس
سنے ابھی کسی اک سورنی کو ڈکراتا
گدھے کو رینکتا، بچھڑے کو سخت بھنبھاتا
کہ آج یوں بھی تو پطرس ولی کا ہے تہوار
(داخل راہب شبد گاتے)

پہلا راہب: سب آؤ بھائیو، ہم تا کہ اپنا کاروبار
کریں شروع عقیدت سے ــــ اس پہ ہو پھٹکار
جو لے اڑا تھا تقدس مآب سے پُر کار
کباب خوان خداوندی ہو اس پر مار
رخِ جلیلِ تقدس مآب پر یوں وار
کیا تھا جس نے، ہزار اس پہ لعنتیں ہوں ہزار
ہمارے پاک خداوند اس پہ صد اد بار
وہ جس نے دھول سندیلو کے سر پہ دی، ہو خوار
مخل جو پاک عبادت میں تھا، وہ ہو مردار
زبون، جس نے تقدس مآب کی رنگین
شراب اڑائی، ولی پیر اس پہ تف، آمین
(مفستفلی اور فسطاس راہبوں
کی درگت بناتے ہیں، دھماکے
کرتے ہیں، دھما چوکڑی
سب رخصت)

حصّہ چہارم

(داخل منڈلی)

ہر ایک منظرِ پرلطف سے ہوا محظوظ
تمام شاہوں کے دربار میں ــــ تو پھر ملحوظ

جہان گشت کو ختمِ سفر ہوا' فسطاس
وطن کو خیر سے لوٹا' کہ نقشِ رنج و یاس
ہر ایک دل پہ تھا' جب سے وہ گمشدہ ٹھہرا
مگر خوشی کا ہر اک رخ پہ رنگ اب گہرا
چڑھا' وہ کوئی شناسا تھا یا کہ ہمسایہ
کہ خیریت سے تھا دانائے شہر لوٹ آیا۔
خلوص مند دلوں کی مبارکیں سو سو
بڑے وثوق سے یاروں کو آپ نے پھر تو
سنائی اپنی جہاں گردیوں کی سب روداد
سرِ زمین روانہ کبھی بہ شانۂ باد
نجوم و ماہ پر احباب کے کچھ استفہام
تو کیفیت انہیں فسطاس کہہ سنائے تمام
وہ مدح خواں' متحیّر خرد پر اس کی تھے
تمام ملک ہی شہرت کی زد پر اس کی تھے
تھا قدردان شہنشاہ چارلس پنجم تک
تھی قصرِ خاص میں فسطاس کی وہاں بیٹھک
وہاں ہی ساتھ امرا کے ضیافتیں کیا کیا
وہیں پہ فن کی اٹھائی تھیں آفتیں کیا کیا
بیاں کروں نہ میں تفصیل' چشمِ نظارہ

کرے تماشہ یہ خود ناظرین اب سارا

(رخصت)

پہلا منظر

(نگرانِ اصطبل رابن کتاب در دست)

رابن: کتابِ سحر جو فسطاسِ حکمتی کی ہے
بڑی صفائی سے میں نے وہ پار کر لی ہے
میں اس سے زائچے کھینچوں گا، فال بھی لوں گا
پرائے اپنے کا سب حال چال بھی لوں گا
کروں گا بگڑے ہوئے کام ٹھیک ٹھاک یہ سب

(داخل ریلف رابن کو پکارتا ہے)

ریلف: کہاں ہے رابن ادھر آ ذرا کہ اک صاحب
کھڑے وہاں پہ برونِ درِ سرائے ہیں
سمیت اسپ وہ اس میں ٹھہرنے آئے ہیں
مصر کہ ہم یہاں ہر چیز پاک صاف کریں
کچھ ان کے ساتھ بھی بھٹیارن اختلاف کریں
اسی لئے مجھے دوڑایا ہے بلانے کو
پس آ

رابن: پرے ہی ٹھہر یو کہ ہے اڑانے کو
ابھی یہ بھک سے بدن ریلف پرزے کر دے گا

پڑے ہی رہیو کہ حیرت تمام بھردے گا
دل ونظر میں یہ ہنگامہ خیز کارِ عجیب

ریلف: چل آ، کتاب سے کرنے لگا ہے کیا ترکیب
الف کے نام تجھے بے تلک نہیں آتی

رابن: نہیں ہیں خانم و آغا، یہ بات کھل جاتی
نہیں ہے یا کہ ہے شُد بُد مجھے

ریلف: مگر اے یار
کتاب کونسی یہ ہے،

رابن: کتاب، نا ہنجار
نہ مثل کر سکا آتش بجان دیو ایجاد

ریلف: ہے کوئی ٹوٹکا بر آئے دوست آس مراد؟

رابن: تمام کام اب انجام سہل اس سے دوں
لئے ابھی کہیں یورپ کے میکدے میں چلوں
لنڈھائے مفت مئے ارغوان کے خم تو
اسی کو کہتے ہیں سر چڑھ کے بولتا جادو

ریلف: یہ یار سن، میرے آقا تئیں ہے لایعنی

رابن: یہ حق ہے ریلف ہیں اس میں کچھ اور بھی معنی
دل آگیا ترا گر نن سپیٹ مہری پر
تو گود میں تری ڈالے اسے یہ چھو منتر

ریلف: اوشیر رابن اگر نن سپیٹ کا ہو وصال
تو عمر بھر ترے ہمزاد کے لیے اک تھال
سر فرس کی نہاری مری طرف سے ہوئی

رابن: بس اچھے ریلف یہ ہاتھوں کی میل ان دھوئی
پتھی کتب پہ ذرا جھاڑ پھونک کرتے ہیں
بنامِ دیو پھر آ جھاڑ پھونک کرتے ہیں

(رخصت)

(دوسرا منظر)

(داخل رابن و ریلف چاندی کی بط لئے)

رابن: کہا نہیں تھا تجھے ریلف آ، کہ بہرہ یاب
ہمیں کرے گی یہ فسطاسِ حکمتی کی کتاب
علامت آئی نظر ——— لوٹ لائے گھوڑر کھوال
یہ چیز اب نہیں گھوڑوں کی فکر، وافر پیال
میسر آئے گی ان کو

ریلف: وہ مے فروش آیا

رابن: خموش ابھی کروں زچ ڈال کر مہا چھایا

(داخل مے فروش)

کلال، اپنا ترا لین دین چکتا ہے
خدا ہو ساتھ ترے ریلف آ، کہ رکتا ہے

سفر میں کب کوئی

مے فروش: دھیرج جناب باقی ہے

یہ بات اک بطِ مے کا حساب باقی ہے

سفر پہ جانے سے پہلے

رابن: اٹھائی بط میں نے

بط اور میں، بھئی ریلف اس قدر غلط میں نے

نہیں اٹھائی ہے بط — شوق سے تلاشی لو

مے فروش: غرض تھی یہ، کوئی کرتا تھی بدمعاشی، لو

(تلاشی لیتا ہے)

رابن: کہو خیال ہے اب کیا،

مے فروش: تمہارے دوست سے بھی،

ذرا سا روئے سخن، ہو زحمت، آپ اجی

ریلف: مجھے میاں، مجھے، جی بھی کے لو ٹٹول مجھے

کہ خود پسند نہیں بات گول مول مجھے

(مے فروش ٹٹولتا ہے)

میاں تمہیں بھی کوئی شرم چاہیے، سرِ عام

شریف آدمیوں پر لگا دیں یوں الزام

مے فروش: تمہیں سے ایک نے بط کو بغل میں مارا ہے

رابن: کلال، جھوٹ، مرے سامنے یہ یارا ہے

ارے سبق تجھے اب گاؤدی سکھاؤں گا
چھٹی کا دودھ تجھے یاد میں دلاؤں گا
کہ ہاتھ ہے کسی عزت پہ ڈالنا کیسا
ہے پگڑیاں کھلے بندوں اُچھالنا کیسا
کھڑا تو رہ تجھے بط سے بناؤں میں بطخا
ہٹ اک طرف نہیں تو ایک الو کا چرخا
کھڑا کٹہرے میں کردوں بنام بیلذ بب
(ایک ہو کر) یہ دھیان بط کا مگر ریلف ٹھیک رکھیو اب'

مے فروش: سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ اول فول میاں

رابن: بیان کرتا ہوں تجھ پر ابھی تمام عیاں
(کتاب پڑھتا ہے)
یہ سینکٹو بے لورن پری فرازٹی کان
یہ گدگداؤں تجھے مے فروش' رکھیو دھیان
تو بط کا ریلف یہ' (ایک طرف ریلف سے) پولی براگماس' یہ پھُو
بلس' فرس' فرامنٹو پلستی، فس تستو'
چل آ مفستفلی و وغیرہ
(داخل مفستفلی' ٹھوکے دیتا ہے' رخصت)

مے فروش: او ربا
یہ بط کی چوری کا رابن غلط ہے کیا دھبہ؟

ریلف: اثام اثم —— یہ بطِ مے فروش نیک سنبھال
(بطِ مے دیتا ہے رخصت مے فروش)

رابن: چھما کر اب نہیں سوجھے کچھ گور و گھنٹال
کروں گا گول نہ دار الکتب سے تیرے مال
(مفستقلی پھر داخل)

مفس: جحیم جاہ! جہنم کے خسروِ اعظم
اٹھے ہیں جس کے جدھر بھی کبھی سیاہ قدم
ہوئے ہیں خوف سے فرمانروا کلاں پابوس
وہ آستان پہ جن کے ہزار ہا مایوس
ضرورجاں سے گذرتی ہیں آتمائیں بھی
دہائی تیری پریشاں کریں، بھگائیں بھی
زشہرِ انقرہ افسون سے مجھے شہدے
غلام زادۂ یہ مردود دل لگی کے لیے

رابن: زشہرِ انقرہ، لمبے سفر سے آئے ہو
ہیں چھ چھدام یہ کیسہ میں پاس، لو پکڑو
کچھ ان سے تھور لو پھر اس جگہ سے چلتے بنو

مفس: ارے لفنگو، کروں ایسی خیرہ چشمی پر
تمہاری کایا کلپ —— کتا ایک، اک بندہ
دفان یاں سے (مفستقلی رخصت)

رابن: یہ بندر بنا ہوں کیا اچھا
رہے گی لونڈوں سے اب کھیل کود ہاہاہا
بس ان سے چھین کے کھایا کروں گا سیب اخروٹ

ریلف: ضرور میں رہوں کتا؟

رابن: نہیں کچھ اس میں کھوٹ
کہ سر رہے گا ترا اور راتبی ٹملوٹ

(رخصت)

تیسرا منظر

(داخل شہنشاہ، فسطاس، بانکے، خدمت گار)

شہنشاہ: سنا یہ ہم نے ہے فسطاس اے حکیم استاد
ہے کالے علم میں تجھ کو وہ درک و استعداد
کہ سلطنت میں ہماری تو کیا، زمانے میں
نہیں یہ ملکہ کرامات کے دکھانے میں
کمال کا یہ اثر دیکھنے میں کم آئے
ترا بتاتے ہیں آسیب ایک ہم رائے
ہر ایک کام کی تکمیل حسب منشا تو
مدد سے کرتا ہے اس کی ہمیں بھی یہ جادو
دکھا کہ فن کا مہیا ہو با کمال ثبوت
سنا جو کان نے ہو آنکھ دیکھ کر مبہوت

قسم ہمیں اسی ناموسِ تاجِ شاہی کی
کرشمہ جو بھی دکھائے، تنگ نگاہی کی
شکایت، اور نہ تشویش ہو تباہی کی

ایک بانکا: یہ کوئی شعبدہ گر ہے کہوں جو ایماں کی

فسطاس: مرے عظیم شہنشاہ، صاف گپ ہانکی
یہ میرے باب میں لوگوں نے ورنہ ہیچمد ان
کہاں فقیر، فضیلت مآب آپ کہاں
ہیں فرض پیشگی میری، مری وفاداری
یہ مقتضی کہ جو حکمِ حضور ہو جاری
وہ مخلصانہ بجالاؤں

شہنشاہ: تب سن اے فسطاس
حکیم، غور سے فرمائیں، ہم جو یہ احساس
عجیب ہوتا ہے، خلوت کدے میں جب تنہا
سمندِ فکر کو دیتا ہے کوئی ایڑ لگا،
ہوئے تھے کیسے ہمارے شکوہ مند اجداد
مظفر ایسی مہمات میں بزور، ایزاد
عظیم اتنی اقالیم، مال یہ انبار
کہ جانشین ہوئے ہم، ہمارے بعد ہزار
جو تخت و تاج کے وارث بنیں گے ـــــ صد افسوس

نہ چھو سکیں کبھی شہرت کی بامِ گردوں بوس
جلال و جاہ و تجمل نہ کر سکیں حاصل
مثیل ان کے — سلاطیں میں ہم چنیں شامل
ہے ملک گیر و شہیر و مسخّر عالم
بالامتیاز شہنشہ سکندرِ اعظم
وہ کارہائے نمایاں کی جس کے تابندہ
فروغ پاش شعاعیں جمیل درخشندہ
جہان کر گئیں جگ مگ — کبھی جب اس کا نام
بگوش' ہو تو لگاتی ہے حسرت ناکام
ہماری روح پہ چرکا' نہیں نصیب ہوئی
زیارت ایسے عظیم آدمی کی' پھونک کوئی
فسون' تا کہ جو نیچے ہے کھو کھلی محراب'
جلا سکے' اگر اس شخص کو ہے محو خواب
جہاں وہ نامور فاتح — کرشمہ کر یہ شتاب'
بغل میں ساتھ طرحدار ہو حسینہ بھی
وہی ادا و خد و خال سب قرینہ بھی
وہی لباس کا' جو زیب تن وہ کرتے تھے
حیات میں جو سبھاؤ چلن وہ کرتے تھے
دکھائے کرتب اگر یوں' دل تمنائی

ہو مطمئن یہ ہمارا تو سحر آرائی
یہ عمر بھر کے لیے ٹھہرے قابلِ تعریف

فسطاس: حضور میرے ولی نعمت ایک درک لطیف
ہے جو فسوں کا مجھے جس قدر مرا آسیب
بساط رکھتا ہے بے حجت و بغیر فریب
یہ فرض ہے کریں تعمیل دل سے فرماں کی

بانکا: اسے نہیں ذرا مشکل کہوں جو ایماں کی (الگ)

فسطاس: مگر حضور کا اقبال ہو بلند نہیں
مری مجال کہ عرصہ ہوا جو خاک ہوئیں
وہ نعش ہائے شہنشاہ و بیگم مغفور
کروں درست حقیقی بدن کے ساتھ نشور
نہیں ہے سحر کا مقدور یہ کہ اصل اعضا
ہوئے تمام جو تحلیل آب و خاک و ہوا
بہم یہ ہیئتِ فطری کرے کوئی احیا

بانکا: کیا ہے خوش مرا دل واہ وا حکیم استاد
یہ راست گوئی یہ اقرار تو ہے قابلِ داد ـــــ (الگ)

فسطاس: مگر وہ روپ جو بالکل درست کھلتا ہو
سکندر و جہاں آرا سے ملتا جلتا ہو
انہیں حضور کے میں روبرو بلاؤں گا

وہ عین مین سب ان کی دھجیں دکھاؤں گا
زمانہ، جب کہ بصد آب تاب خوش ہوں گے
مجھے یقیں ہے جلالتمآب خوش ہوں گے

شہنشاہ: یہی سہی ہمیں منظور ہے حکیم استاد
اسی طرح کرو محظوظ

بانکا: شاہ کا ارشاد
سنا ہے یا نہیں اب آپ نے حکیم استاد؟
سکندر آئے، کرو پیش ماہ حور نژاد
وہ اس کی یارِ طرح دار شاہ کے آگے

فسطاس: پڑھوں گا شبد، جلاؤں گا پڑھ کے کچھ دھاگے

بانکا: تماشہ لگتا ہے یوں میں کہوں جو ایماں کی
کہ بارہ سنگھا بنائی تھی صورت اقطاں کی
کبھی ڈیانہ نے جیسے

فسطاس: تماشا دیکھ میاں
مرا تو چھوڑ گیا سینگ وہ تجھے اقطاں
چل اب مفستقلی ـــــ (رخصت)

بانکا: شوق سے تم افسوس خواں
جناب شعبدہ گر، ہم یہاں سے چلتے ہیں (رخصت)

فسطاس: خبر ابھی تری لیتا ہوں لوگ جلتے ہیں

الجھتے ہیں تری مانند مجھ سے کیوں لیجے
پہنچ گئے ہیں وہ آقا ملاحظہ کیجئے
(داخل دوبارہ مفستفلی ــــ ہمراہ ارواح بشکلِ سکندر)

شہنشاہ: سنا گیا ہے کہ خاتون کی ــــ حکیم استاد ــــ
مسہ کہ خال تھا گردن پہ کس طرح ہو صاد
نہ دیکھ لوں اسے جب تک؟

فسطاس: بلا جھجک جائیں
حضور پاس سے جا کر مشاہدہ فرمائیں

شہنشاہ: بلاشبہ نہیں روحیں یہ سارے ہیں اجسام
انہی ملک ملکہ کے ــــ وہ رفتگانِ کرام

فسطاس: نہ ہو گراں تو وہ بانکا حضور کیجے طلب
گیا اڑا کے مجھے چٹکیوں میں جو بے ڈھب

شہنشاہ: کوئی بلائے اسے (رخصت خدمتگار)
(داخل بانکا سر پر سینگ)
دیکھ تو ذرا سر پر
یہ کیا ہے بانکے میاں؟

بانکا: او خبیث جادوگر
سگِ پلید، پلا کھوہ میں کسی منحوس
چٹان کی، تجھ جرأت ہوئی ہزار افسوس

شریف آدمی کو اس طرح کرے تو خوار
انہیں میں اب تجھے کہتا ہوں دور کر مردار

فسطاس: میاں یہ تاؤ یہ تیزی نہیں مگر درکار
مچائی آپ نے جلدی یہ کیا بھلی سرکار
مخل تھا شاہ سے تو گفتگو میں یاد نہیں
حساب تجھ سے چکایا ہے' کچھ زیاد نہیں

شہنشاہ: چلو ہماری سفارش پہ اب حکیم استاد
پرانچپت یہ بہت کر چکا کرو آزاد

فسطاس: مرے حضور ولی نعمت ـــــ اس قدر تضحیک
جو کی تھی آپ کی موجودگی میں تو یہ ٹھیک
سمجھ رہا تھا کہ ہوں گے جناب بھی محظوظ
وقوع آیا جو فسطاس کو ہوا ملحوظ
یہ بانکا' مضحکہ خیز اپنی کرنی کی بھرنی
جو پا چکا ہے تو اب کیا زیادتی کرنی
بڑی خوشی سے میں کرتا ہوں دور اس کے سینگ
پر اہلِ علم سے آیندہ یہ نہ مارے ڈینگ
کرائے مفستفلی ٹھیک اسے ـــــ حضور اعلیٰ

(سینگ دور ہوتے ہیں)

اجازت اب ہمیں

شہنشاہ: ہیروں کی قیمتی مالا
کرو قبول تم انعام خاص ___ شاہی داد
یہ قبل رخصت ___ اجازت ہے اب حکیم استاد

چوتھا منظر

فسطاس: سدا مفستقلی وقتِ نرم پا خاموش
نچنت رہ پہ روانہ ہے اور پیالہ نوش
مئے حیات سے میری دنوں کو کم کرتا
عزیز عمر کی ڈوری کو کھینچتا ___ بھرتا
ہوں ڈنڈ آخری سالوں کا ___ اب مفستقلی
بھلے سے واپسی ورتان برگ ہی کو بھلی ___

مفس: سوار اسپ پہ یا لوشا پیادہ ہے
نہیں چلیں گے یہ پیدل، مرا ارادہ ہے
جہاں تلک ہے تراوت پہ تازہ ہریالی
(داخل اسپ راں)

اسپ راں: گذر گیا ہے مرا دن تلاش میں خالی
اک آدمی کی، وہ استاد فسطیوں نامی
کہیں پہ دیکھا اسے، تیرا میاں خدا حامی
اگر یہ تم ہو بتا ناذرا حکیم استاد

فسطاس: ملے ہو خوب میاں اسپ راں، ہے کیا ارشاد؟

اسپ راں: سنوا جی کہ یہ دینار پاس ہیں چالیس
اگر فروخت کرو'

فسطاس: دام کم' کمیت نفیس

اسپ راں: قسم ہے پلّے زیادہ جو ایک پیسا ہو'
کہیں مرے لئے کچھ آپ سے گذارش ہے

مفس: یہ دے بھی ڈال اسے اسلئے سفارش ہے
ہزلاسوختہ ساماں سہی پہ نیک ہے یہ
نہ بال بچہ نہ جورو بچارہ ایک ہے یہ

فسطاس: چل آ، نکال رقم دے ادھر وہاں گھوڑا
وہ کھول دے گا خلاصی مرا —— جہاں گھوڑا
خیال میں کہیں آئے خوشی سے دوڑانا
سوار اس پہ نہ پانی میں تم مگر جانا
ضرور تھا کروں آگاہ پیشتر

اسپ راں: یعنی
ڈکوس لے گا یہ سارے جہان کا پانی

فسطاس: چلو جہان کا پانی کرے گا نوش تمام
کہوں' دلیر تو ڈھیلی کہیں بھی چھوڑ لگام
اڑائے پھرا سے بن جھاڑ کھائی میں پویا
مگر یہ بار دگر صاف صاف ہوں گویا

سوار اس پہ اتر یو کبھی نہ پانی میں ——

اسپ راں: کمی نہیں کوئی استاد مہربانی میں

مرا ہوا جو یہ چالیس ہی کے نرخ جناب

ہوئی ہے دائماً تقدیر خوش مجھے دریاب

کہ بول دم دمادم دم دما بھی دام لگے

کما تو کھائے گا روٹی غریب' کام لگے

خدا جناب کا حامی' کرے حوالے وہ

مجھے خلاصی تمہارا' سنو تو' ڈالے وہ

نڈھال ہو کے جو گردن' پڑے اگر بیمار

بتاؤ کوئی تم اس کا بھی نسخۂ آزار

فسطاس: سمجھ رکھا ہے مجھے گھر' سلوتری گندے

دفان ہو —— بھلے فسطاس' تو بنا بندے

مثیلِ مجرمِ سنگین دار مستوجب

قریب لمحۂ مہلک ہے دمبدم' جواب

کرے گا کام ہی تیرا تمام —— یہ عالم

دماغ میں ترے زہراب شک بھرے ہر دم

لگے جو آنکھ' اگر نیند آئے' سو جاؤں

نجاتِ شدتِ ہیجان سے ذرا پاؤں

نہ دل گرفتہ مگر ہشت' یوں نصیب پہ بھی

خدائے خیر پڑھی ٹنگ کر صلیب پہ بھی
مسیح نے تو منافق پہ بھی رقیب پہ بھی
امید ہاتھ سے فسطاس یوں نہ دے، چل کر
ذرا سی دیر کر آرام ——

اسپ راں: تف، ترے ہر پر
جہاں کی خاک پڑے، فسطیوں، فہیم حکیم
نہیں ہے ڈاکٹر لوپس بھی مثل نیم حکیم،
کیا وہ ہاتھ کہ ہتھیا لیے سرِ بازار
ملیں نہ جو، مرے چالیس قیمتی دینار
عجیب گاؤدی پن میں بھی کیا عجب خر تھا
نہ خاک تھی مجھے پروا ذرا نہیں ڈر تھا
کیا تھا منع نہ پانی میں جاؤں میں چڑھ کر
مگر میں گاؤں کے جوہڑ میں گھس گیا بڑھ کر
ادھر جوانی دوانی، ادھر کمال گمان
مجھے تھا اسپ پر، جس کی تھی کم مگر پہچان
بمشکل آیا تھا منجدھار بھی نہ جوہڑ کا
الف ہوا مرا گھوڑا، الوپ، یوں بھڑکا
نشستہ پٹھے کے گٹھے پہ خود کو پھر پایا
گھر اپنے خیر سے بدھو یہ گھر کا یوں آیا

کہ بال بال بچا، ڈوب ہی گیا ہوتا
رقم مگر نہیں میں سہل ہاتھ سے کھوتا
ملے سہی مجھے استاد وہ کہیں اک بار
کیے وصول نہ چالیس جو ابھی دینار
پڑے گا ورنہ یہ مہنگا اسے، بہت گھوڑا
پرے وہ اس کا ہے لندھور، ارے ہوا بوڑا
تجھے خبر ہے کہاں ہے بتا ترا استاد

مفس: میاں جی خیر، مگر اس سے چاہیئے کچھ داد
بتاؤں میں کہ اب اس سے ہے بات ناممکن

اسپ راں: ضرور بات اسی وقت اس سے

مفس: اور ہی دن
پھر آئیو وہ ابھی گہری نیند سوتا ہے

اسپ راں: ابھی یہ بات، نہیں تو فساد ہوتا ہے
دریچے شیشے یہ سب اس کے کان میں پھوڑوں

مفس: میاں جی کچھ سہی مشکل جو ماس بھی چھوڑوں
کہ سو سکا نہیں وہ پچھلی آٹھ راتوں سے

اسپ راں: نہ آٹھ ہفتوں سے سویا ہو، اس سے باتوں سے
نہ باز رکھ مجھے

مفس: ہے دیکھ گہری نیند میں دھت

(کہ جس طرح کوئی بے جان لاش، سنگیں بت)

اسپ راں: پڑا مزے سے ہے سمجھے خدا حکیم استاد
ارے حکیم ارے استاد فسطیوں، بیداد
یہ کیا، چہل لئے دینار تو اکٹھا ہی
عوض دیا مجھے پٹھے کا ایک گٹھا ہی

مفس: یقیں ہوا کہ تری بات سن نہیں سکتا

اسپ راں: مگر یہ بندہ بھی بیٹھا اسے نہیں تکتا
مچا کے شور شرابہ اسے جگاؤں گا
تمام کر کے خرابہ اسے جگاؤں گا
(ٹانگ کھینچتا ہے —— ٹانگ ہاتھ میں آجاتی ہے)
نئی یہ کیا پڑی بپتا، اپائے کیا ہوگا

فسطاس: کہاں ہے ٹانگ، مری ٹانگ، ہائے کیا ہوگا
مدد، "مفستفلی"، کوتوال، تھانے دار
کہاں گئی ہے مری ٹانگ

مفس: چل ابے مکّار
تجھے حوالے کروں سنتری کے،

اسپ راں: اے سرکار
مجھے معاف کرو اور لو چہل دینار

مفس: نکال جھٹ

اسپ راں: یہاں پلے کہاں، وہ گھوڑ خانہ
چلے تو اس جگہ بھر دوں تجھے یہ جرمانہ
مفس: چل آپ لا، وہ گیا، ٹل گیا، چلو فسطاس
تمہاری ٹانگ تو واپس ہوئی بچارا گھاس
عوض میں لے گا مگر اسپ ران مٹھی بھر
فسطاس: تمام اس کی یہ محنت، تمام یہ چکّر
پڑا ہے اور بھی چالیس کے گراں بھاؤ
رہا مفید بھی، دلچسپ بھی مراداؤ

(داخل وگنر)

کہو تم آئے ہو کیسے، خبر ہے کیا وگنر
وگنر: رئیس وانلی کی ہے دلی تمنا گر
جناب ہوں کبھی ان کے بھی ہم جلیس
فسطاس: رئیس
یہ وانلی کا ہے انساں معزز اور نفیس
کروں نہ اس سے کوئی بخل شعبدہ بازی
رہے مفستفلی واں کچھ انجمن سازی

(رخصت)

پانچواں منظر

(ایوان رئیس وانلی)

رئیس: یقین مان یہ سچ بات ہے حکیم استاد
ہوا بہت ترے دلچسپ کھیل سے دل شاد

فسطاس: ہوئی مجھے بھی تسلی حضور، خوش فرجام
ہوئے تماشہ سے محظوظ اس قدر — مادام
ہوئی نہیں ہیں مگر آپ خاص لطف اندوز
مشاہدے میں یہ آیا ہے، چاہ روز بروز
عجب عجب ہے خواتین کو نفائس کی
ابھی یہ شے ابھی کچھ اور — خیر ہو جس کی
طلب، تو حکم کریں وہ ابھی مہیا ہو

مادام: تمہارا شکریہ، اُف کوئی اتنا اچھا ہو
مری خوشی کا جسے پاس یہ، حکیم استاد
نہیں چھپاؤں گی جس چیز کی ہوائے زیاد
ہے جی کو میرے، اگر گرمیوں کا موسم ہو
یہ جنوری میں کڑا جس طرح ہے جاڑا، تو
کروں نہ اور کسی خوردنی کی میں خواہش
کہ طشتری میں ہوں انگور رس بھرے، کشمش
مٹھاس میں — مگر اعلیٰ ہرے ہرے تازہ

فسطاس: یہ کوئی بات ہے خانم — برونِ دروازہ (رخصت)
نکل مفستقلی — گر بہت گراں ہوتی

تمہارے سامنے یکدم وہ شے یہاں ہوتی

(داخل مفستفلی انگور لئے)

یہ لیجئے مری مادام شوق فرمائیں

رئیس: یقین کر متحیر ہمیں یہ کر جائیں

جہت زیادہ کرشمے عجب حکیم استاد

یہ جنوری، یہ کڑاکے کی ٹھر، عجیب تضاد

جو اس طرح کئے پیدا کہیں سے یہ انگور

فسطاس: سماعت آپ جو فرمائیں تو بتاؤں حضور

ہماری ارض پر دو دائروں میں ہے تقسیم

یہ سال جبکہ ہماری طرف کا ہو یک نیم

گرفتہ فصل زمستاں میں، دائرہ دیگر

مخالف اس کے —— سبا، ہند، ملک دور اُدھر

بہ سمت شرق وہاں پر ہے فصل تابستاں

گیا وہاں مرا آسیب برق رو، پرّاں

ملاحظہ کیا جیسے، وہاں سے لایا ہے

ہیں کچھ لذیذ، انہیں مادام کیسا پایا ہے

مادام: یقین کر، بڑے شیریں ہیں یہ حکیم استاد

ہیں میرے کام و دہن کو یہ شہد کے ہمزاد

مجھے یہ ذائقہ پہلے کبھی نہیں ہے یاد

فسطاس: غلام خوش ہے کہ مادام کو پسند آئے

رئیس: چلو— انہیں کوئی دیوان خانہ میں لائے

فسطاس: نیاز مند کا ہو شکریہ حضور قبول

رئیس: کرو حکیم تم انعام آن کر موصول

(رخصت)

حصہ پنجم

پہلا منظر

(داخل وگنر)

وگنر: مرا خیال ہے مالک قریب مرگ ہے اب

کہ اس نے سونپ دیا ہے مجھے اثاثہ سب

خیال آتا ہے پھر موت اگر قریں ہوتی

یہ بزمِ کیف یوں آراستہ نہیں ہوتی

نہ شوخ شنگ گروہِ متین شاگرداں

نہ ہاو ہوئے تماشہ حدیثِ نکتہ وراں

یہ ناؤ نوش کا ہنگامۂ طرب آرا

کہ عمر بھر نہیں وگنر کیا تھا نظارا

مگر ٹھہر، وہ چلے سب بڑھا ہے دستر خواں

(رخصت)

(داخل دو چار دانشور/مفستفلی)

دانشورِ اوّل: رہی ہے بحث یہ فسطاس ـــــ فردِ نکتہ داں
حکیم، محترم استاد ـــــ کل زمانے میں
جمالِ رنگ بھی جو شمع، شمع خانے میں
وہ کون تھی، کسے خاتونِ حورزاد کہیں
مہ و ستارہ شمائل، پری نژاد کہیں،
اسی پہ ہم ہوئے سب متفق کہ تھی جانان
سروپ پدمنی، ہیلن، حسینۂ یونان،
کرم نمائی کرے گر ہمیں حکیم استاد
ہو عیدِ دید کو یوناں کی مہ جبیں شہزاد ـــــ
نظر نواز قد و جسم و دلکشی کی داد
ہر ایک عہد نے دی جس کے ـــــ جلوہ آرا ہو،
نیاز مند ہر اک دل، بہت تمہارا ہو

فسطاس: یقین ہے کہ تمہاری ہے دوستی حضرات
تہی غرض، یہی فسطاس میں بھی خاص ہے بات،
کہ ٹالتا نہیں خواہش وہ خیر خواہوں کی
ضرور ہوگی مدارات اِن نگاہوں کی
وہ بے نظیر حسینہ وہ حورِ یونانی
چراغِ عارض ولب سے کرے گی تابانی
وہی شکوہ کہ پارس عبور جب کر کے

سمندروں کو، غنائم سے کشتیاں بھر کے
لئے ٹرائے کی سمت آیا فتنہ ساماں کو
خموش! خطرہ ہے، روکو زبان جنباں کو
(موسیقی ہیلن حشر ساماں اسٹیج سے گذر جاتی ہے)

دانشور دوم: ثنا گری کرے اس کی یہ عقل بے چاری
محال ہے، کہ لب کل جہان پر جاری
قصیدہ دبدبہ و تمکنت کا جس کی ہے

دانشور سوم: نہیں کسی کو بھی حیرانگی اب اس کی ہے
کہ دس برس رہے فرطِ غضب میں یونانی
ستیز کار — جگر داری و رجز خوانی
کہ اس نے کی تھی وہ اغوا عظیم سلطانہ
جمال سرمدی جس کا، ادا سروشانہ
کوئی زمانے میں، جس کا نہ ہو سکا پاسنگ

دانشور اول: ہماری چشمِ نظارہ ہوئی ہے دیکھ کے دنگ
یہ شاہکارِ جمال و ادائے پُر اعجاز
یہ عمدگی کا نمونہ عدیم مثل کہ ناز
کرے بنا کے جسے فطرت آپ — دے آواز
کہ اب یہاں سے ہوں رخصت تمام، زندہ باد
ہمیشہ تو رہے فسطاس کامگارِ مراد

(رخصت)

(داخل پیر مرد)

پیر مرد: سفر میں زیست کے میں رہنمائی کچھ فسطاس
حکیم، کر سکوں شاید تری کہ آئے راس،
تجھے یہ گامزنِ راہِ مستقیم کرے
سکون دے، تری منزل سرِ نعیم کرے
شکستہ دل سے بہا اشکہائے خوں آمیز
ندامتوں کے، ہوئی تجھ سے معصیت انگیز
خباشتیں جو یہ سرزد، گھناؤنی، گندی
کہ گھن سا چاٹ گئیں باطن اور پابندی
اٹھائی ہر طرح اخلاق کی، وہ جرم قبیح
گناہ ایسے —— بھیانک، کہ مہربان مسیح ——
وہی نجات دہندہ ہے —— دور فرمائے
کرم کرے، تری آلودگی کو دھو جائے
لہو سے اپنے کہ فسطاس بس یہ چارہ ہے۔

فسطاس: کہاں ہے بول اب فسطاس، تیر مارا ہے
بڑا جو، دیکھو تو کرتوت بدقماش اپنی
ہوا ہے ناش، یہ ناش اے نراش، لاش اپنی
سنبھال، نارِ جہنم بجا پکارتی ہے

شکم میں دھاڑ کر اپنے یہ ٹھیک اتارتی ہے'
اجل قریب' دمِ واپسین آ پہنچا
کئے کا اب ترے خمیازہ بجا پہنچا
(مفستقلی پیش قبض تھماتا ہے)

پیر مرد: رک آہ اے بھلے فسطاس' روک ہاتھ کو روک
اتار دل میں نہ مایوس پیش قبض کی نوک
نگاہ میں مری منڈلا رہا ہے ایک سروش
لبا لب امن وسعادت کا مرتبان بدوش
اٹھائے' سر پہ ترے عین' تاکہ ٹپکائے
درونِ جان جل امرت —— معاف فرمائے
دعا کر ابر یہ نومیدیوں کا چھٹ جائے

فسطاس: مرے انیس بزرگ آہ' روح درماندہ
سبک ہوئی ترے الفاظ سے' دلِ راندہ
ہو لغزشوں پہ پشیماں' ملے جو تنہائی'

پیر مرد: اگر یہ بات ہے فسطاس' میں چلا بھائی
اگرچہ خدشہ رہے گا مجھے بڑا بھارا
کہ پائمال نہ ہو تیری روح ناکارا (رخصت)

فسطاس: کروں میں توبہ مگر ہے یہ نا اُمیدی بھی
نرک نے یہ مری چھاتی تمام چھیدی بھی

وہ گھر بنائے یہاں پر، فریب دھندوں سے
میں کیا کروں، رہوں محفوظ اجل کے پھندوں سے

مفس: فریب کار ہے فسطاس اسیر کرتا ہوں
یہ تیری روح کہ ہے سرکشی کا مجرم یوں
ہمارے والیٔ والا کا...... کیوں سراسیمہ؟
کہ ارتداد نہیں تو کروں ترا قیمہ۔

فسطاس: بھلے مفستفلی کر گزارش آقا سے
توہمات غلط میرے درگزر کر دے،
پھر اپنے خوں سے وہ میثاق میں کروں تجدید
کیا تھا پہلے جو طاغوت سے......

مفس: بلا تمہید
یہ کار خوب دلِ بے ریا سے جھٹ کر لے
نئی نہ اور مصیبت بڑی کہیں سر لے

فسطاس: پکڑ عذاب میں اس کوز پشت بڈھے کو
خرانٹ وہ، مرے ساتھی جسے یہ جرأت ہو
کرے مجھے مرے طاغوت شہ سے برگشتہ
سب اس پہ پھینک یہ طومار دوزخ آغشتہ

مفس: وہ پختہ اپنے عقیدہ کا، صاحبِ ایماں
میں روح چھو سکوں اس کی، مری مجال کہاں

مگر جو بس میں مرے ہے وہ کر کے چھوڑوں گا
بدن کو اس کے اذیت سے میں جھنجھوڑوں گا
اگرچہ ہوگا نہیں خاص فائدہ

فسطاس: اک چیز
جو کر سکے بھلے مانس، مری مرادِ عزیز
برآئے دل کے لئے اب یہی ہے مطلوبہ
حسین ہیلنِ عرش آشیاں، وہ محبوبہ
نظر ہوئی تھی ابھی جس کی دید سے سرشار
ہو پھر یہاں پہ قدم رنجہ شربتِ دیدار
عطا کرے، کئے وا مجھ پہ وہ گداز کنار
شکستِ عہد کی چھٹ جائے ذہن سے ترغیب
قسم جو کھائی تھی طاغوت سے، کروں ترکیب
صمیم قلب سے ایفا کی۔

مفس: خیر یہ فسطاس
سوا ہے بلکہ اگر اور کوئی دل کی پیاس
بجھائی جائے گی چشم زدن میں حسبِ قیاس
(دوبارہ داخل ہیلن)

فسطاس: ہوا تھا شعلۂ درخشندہ باعثِ یلغار
یہی، کہ شعلہ فگن تھے جہاز ایک ہزار

فلک نما کلس و برج پر تھا ڈھیر الیوم
حسین ہیلن اگر لوں لبانِ لعلیں چوم
کر ایک بوسۂ شیریں سے لازوال مجھے
عتیق اس کے ہوئے مژدۂ کمال مجھے

(بوسہ لیتا ہے)

تمام روح کو میری بدن سے چوس لیا
یہ روح مائل پرواز اس کی سمت ہے کیا
چلی بھی آؤ، چلی آؤ، جانِ من ہیلن
ملیں جو لب تو بنے ان میں روح کا مسکن
یہی بہشت ہیں، باقی جو ہے سو کچھ بھی نہیں
یہ جان ہے مری، ہیلن نہیں تو کچھ بھی نہیں،
ترے لئے بنوں پارس دل اپنا چاک کروں
ترائے گر نہیں، ورتان برگ خاک کروں
میں تیرے شوہر بزدل منے لیاس کو اب
مبارزت پہ پکاروں، حصول داد طلب
نشان ہوں جو کروں زیب طرّہ و دستار
لگاؤں ایڑی پر ایچا ئلز کی موثر وار
رہے وہ کھیت —— پلٹ کر میں یوں ترا اک پیار
حسینہ شام کے تارے سے تو حسیں تر ہے

ضیا ہزار ستاروں کی تیری چادر ہے،
تو شعلہ تاب جوپیٹر سے بھی منور ہے
کہ روبرو وہ ہوا بد نصیب سیمل کے
تو خاک ہو گئی محبوبہ تاب سے جل کے
حسین تر ہے اپالو سے، جب شہِ گردوں
اری تھسائی کے بازوئے نیلی فام میں یوں
وفورِ شوق میں بدمست تھا، کہ کیا کہیئے،
مگر جو بات ہے برحق وہ برملا کہیئے
ترسوا نہ کسی کو بھی دلربا کہیئے۔

(سب رخصت)

دوسرا منظر

(داخل پیر مرد)

پیر مرد: نصیب واژگوں فسطاس، دوزخی، مقہور
سعادتِ ازلی سے ہے تری روح یہ دور
ترے نصیب میں بالکل نہیں سیریِ سرور

(داخل شیاطین)

بڑے غرور سے ابلیس دے کر ایذائیں
خدا کی جس طرح بھٹی کو خوب دہکائیں
کہ میری پختگیِ دیں کی آزمائش ہو

مگر یہ پختگی صد قابلِ ستائش ہو
یہ دیں مظفر و محمود میرا، نادانو
فزوں ہے گرچہ تمہاری امنگ شیطانو
رہے نظر میں حقیقت، تم اس قدر جانو
بنی ہے عرش پہ وجہِ مذاق پسپائی
ہوئی تمہاری یہ ہیئت کذائی رسوائی
چلو تمہارے لئے ہے درِ جہنّم باز
مرے لئے، تو میں سمتِ خدا کروں پرواز

(رخصت)

تیسرا منظر

(داخل فسطاس، دانشوروں کے ساتھ)۔

فسطاس: معززین!

دانشور اول: ہے فسطاس، طبع کیا ناساز

فسطاس: اگر میں آہ مرے ہم اطاق خوش انداز
ترے ہی ساتھ رہائش پذیر رہ جاتا
تو اب بھی رہتا، مگر ٹوٹتا ہے اب ناتا
مراحیات سے —— آیا، وہ کیا نہیں آتا؟

دانشور دوم: سمجھ کچھ آئی کہ فسطاس کا ہے کیا مطلب؟

دانشور سوم: کوئی مرض اسے شاید ہوا، کہ جس کا سبب

شدید قسم کی تنہائی ہو۔

دانشور اول: معاملہ گر
ہے یہ، طبیب بلائیں کئی ـــــ مگر اکثر
طبیعت ایسے برادر، اپھر ہی جاتی ہے
نہیں ہے بات یہ تشویش کی،

فسطاس: دکھاتی ہے
گنہ کبیرہ کی کثرت یہ رنگ ـــــ خوار کیے
یہ جان و جسم بھی

دانشور دوم: فسطاس، بے کنار کیے
ہے فضل دیکھ خداوند عرش پر، یہ بات
رہی نہ یاد تجھے

فسطاس: ہے مگر محال نجات
گناہ ایسا ہے فسطاس کا، یہ بہکاوا
ہے اور سانپ کا، حوّا کرے جو پچھتاوا
نجات ممکن اسے ہے، مگر نہیں فسطاس
اسے کچھ آس نہیں، تم کرو نہیں وسواس
کتھا سنو یہ بھلے مانسو تحمل سے
کہ تیس سال گذارے ہیں اس جگہ میں نے
حصولِ علم میں، جب یہ خیال آتا ہے

تو خون روتا ہے دل، کیا ملال آتا ہے
نہ کاش وارِ دورتان برگ میں ہوتا
کتاب خوان جو ماخوذِ مرگ میں ہوتا
دکھائے ہیں جو طلسمات میں نے ہوش رُبا
جہاں کو علم ہے، سب جرمنی میں ہے چرچا
جہاں مگر ہے خفا، جرمنی ہے بیگانہ
یہی تھا آہ کمالِ فنون وافسانہ
کہ میرے ہاتھ سے جاتا رہا ہے —— وائے زیاں ——
سریرِ سرمدی وسعدِ پرورِ یزداں،
بجائے اس کے زبوں حال میں قیام پذیر
رہوں مدام جہنم میں دوستو —— وہ سعیر
کہ خوفناک ہے جس کا خیال —— بجیس مصیر

دانشور: خدا کو یاد کر استاد، اب بھی

فسطاس: یادِ خدا
کہ جس کی ذات سے فسطاسِ نے فرار کیا
خدا کہ شان میں جس کی ہزار کفر بکا،
دہن دریدہ یہ فسطاس نے، خداوندا
کروں وہ گریہ، کہ آنکھوں سے ہوں رواں دریا
مگر یہ کیا کہ ہے ابلیس نے سکھا ڈالا

اک ایک اشک مری آنکھ کا ـــــ لہو اب تو
ابل کے بہہ نہیں آنکھوں میں گر رہے آنسو
زبان شل کیے دیتا ہے وہ، اٹھاؤں بلند
دعا کے واسطے ہاتھوں کو، یہ مگر تا چند
کہ وہ انہیں بھی جھٹکتے ہیں، کر رہے ہیں بند

تمام: مگر وہ کون ہیں فسطاس ـــــ

فسطاس: وہ وہی طاغوت
وہی مفستفلی ـــــ آہ وہ مری کرتوت
کہ ان کو روح بھلے مانسو ہبہ کر دی

تمام: خدا نخواستہ

فسطاس: خواہاں نہ تھا خدا، بھر دی
فسوں کے بھاؤ بلا شک یہ قیمت ـــــ اب فسطاس
رہے ہمیشہ ہی فسطاس، دل گرفتہ، اداس،
وہ کھو چکا ہے نشاط و سعادتِ ابدی
وثیقہ میں انہیں تحریر خون سے لکھ دی،
خود آپ خون سے اپنے ـــــ ہے ختم وہ میعاد
گھڑی وہ آئی کہ بنجارہ اب چلے گا لاد ـــــ

دانشور اول: خبر جو پہلے یہ فسطاس تجھ سے ہم پاتے
تو حق میں پہنچے ہوؤں سے دعائیں کرواتے

فسطاس: خیال آیا بھی اکثر تمہیں بتانے کا
تو اہرمن کا ڈرا وا تھا پھاڑ کھانے کا
جو ایک بار بھی لب پر خدا کا نام آئے
کہ جسم و جاں مرے چنگل سے اس کے چھڑوائے
کبھی جو بھول کے باتوں پہ دیں کی کان دھروں،
ہوا تمام یہ قصہ —— تمہیں یہ عرض کروں۔
کہ اس جگہ سے بھلے مانسو چلے جاؤ
گیہوں کی ساتھ نہ گھن کی طرح دلے جاؤ

دانشور دوم: بچے کسی طرح فسطاس کیا سبیل کریں

فسطاس: قیام، فکر میں میری، نہ یاں طویل کریں
بچاؤ جان، بس اب اس جگہ سے رخصت ہو

دانشور سوم: رہوں گا ساتھ میں فسطاس کے، یہ ہمت ہو
مرے خدا،

دانشور اوّل: نہ خداوند کو دلا غیرت
عزیز دوست چلے جائیں ساتھ کمرے میں
کہ اس کے واسطے ہم عجز سے دعا مانگیں

فسطاس: دعائیں مرے لئے' آہ میرے حق میں دعائیں
سنا یہ غل، نہ قریب آپ اب مرے آئیں
مجھے تو کوئی بھی حکمت بچا نہیں سکتی

دانشور دوم: دعا ـــ کہ رحمتِ حق راہ بھی نہیں تکتی
دعا تو مانگ، کریں ہم بلند دستِ دعا
یہ تیرے حق میں کہ فرمائے فضل تجھ پہ خدا

فسطاس: بس الوداع، بھلے مانسو، کہ تا بہ سحر
رہا جو زندہ، ملوں گا تمہیں ضرور آکر
اگر نہ آیا تو فسطاس پھر جہنّم کو
گیا سدھار

تمام: اے فسطاس تیرا اللہ ہو
(دانشور رخصت ـــ گھڑیال گیارہ بجاتا ہے)

فسطاس: بس ایک گھنٹہ ہے فسطاس آہ تیری حیات
پھر اس کے بعد ابد تک کے واسطے ظلمات'
فلک کے دائمی گرداں کرو، ٹھہر جاؤ ـــ
مکمل اس طرح ساکن، کہ پاؤں جم جائے
نہ نیم شب کبھی آئے، یہ وقت تھم جائے
پھر آنکھ فطرتِ خوش روکی دے حسیں تاؤ، ـــ
اٹھے، یہ اٹھ کے کرے لازوال روز طلوع،
کرے وہ یا اسی ساعت کو اس طرح موضوع
کہ ہفتہ، ماہ، برس بھر کا قدرتی دن ہو۔
کرے وہ عجز سے توبہ، نجات ممکن ہو

اثیم روح کی، فسطاس کے لئے، تم چال
چلو اب اشہبِ شب دلکی دلکی ـــــ صورتِ حال
یہ ہے، اسی طرح گرداں نجوم، وقتِ رواں
کرے گا پھر ابھی گھڑیال بھی منادی یاں'
ضرور آئے گا ابلیس، پھر فنا فسطاس۔
لگاؤں فوق چھلانگ ایک دم خدا کے پاس،
مگر یہ کون تجھے کھینچتا ہے نیچے کو
وہ دیکھ کھول کر آکاش کے دریچے کو،
رواں ہیں ندیاں خونِ مسیح کی جس جا،
بس ایک بوند، نہیں آدھ بوند ہی سے، بچا
مرے مسیح مری روح کو ـــــ نہ یوں برما
مرا دل اپنے مسیحا کا نام اگر میں لوں
اُسے پکاروں گا طاغوت میں، نہ کر محزوں!
وہ اب کہاں ہے، یہاں سے چلا گیا ـــــ بازو
جہاں خدا نے کیا ہے کشادہ دیکھ ـــــ ابرو
وہ خشمگین جھکائے ـــــ پہاڑ یو آؤ
چلو عظیم پہاڑو کہ مجھ پر گر جاؤ
چھپاؤ قہر خدا سے مجھے ـــــ نہیں آئے'
سماؤں سر کے بل اس میں زمین پھٹ جائے۔

زمین شق نہیں ہوتی مجھے قبول کرے۔

تمہیں ستارو —— مرے دودھ کے کٹورے بھرے

جنم پہ میرے تمہیں نے —— تمہیں کرو منسوب

مجھے اجل بھی، جہنّم بھی —— اب تمہیں مرطوب

بنا کے دھند سا فسطاس کو بلند کرو

زچہ گھٹاؤں کی ان انتڑیوں میں بند کرو

کرو فضاؤں میں جب قے تو عضو یہ میرے

برون آئیں تمہارے دھواں دھواں منہ سے

سبک یہ روح مری عرش پر رفیع چڑھے۔

(گھڑیال نصف گھنٹہ بجاتا ہے)

گیا ہے قافلہ اب گردِ راہ باقی ہے

بجا ہے نصف کا گھنٹہ، اب آہ باقی ہے

جو نصف، وہ بھی گذر جائے گا ابھی —— ہائے

خدا نہ روح پہ میری جو فضل فرمائے!

کرے وہ مجھ پہ مگر اب تو التفات کرے

بنامِ حضرت عیسیٰ مری نجات کرے

انہی کے خون سے فدیہ ادا ہوا میرا

کہیں یہ ختم ہو اب دردِ لا دوا میرا

سقر میں ڈال دے فسطاس کو، یہ بھون، جھلس

چل اک ہزار برس، ایک سو ہزار برس
مگر نجات تو آخر ملے — کہاں ارواح
لعین اثیم بھلا فیضیاب حسن وفلاح۔
بنی نہ کیوں کوئی مخلوق روح سے عاری
جو آئی تجھ میں امر کیوں بنی یہ بے چاری
یہ فیثا غورثی چکر اواگون، جاری
درست ہوتا اگر تن سے جاں نکل جاتی
ژیاں درندہ کی اک جُون میں بدل جاتی،
ہیں خوش نصیب درندے کہ جب وہ مر جائیں
تو روحیں ان کی عناصر میں جھٹ بکھر جائیں،
مرا بھی میں تو امر روح، ہر گھڑی ہوگی
بلا کی روگی، کہیں نرک میں پڑی ہوگی
خدا ہی سمجھے انہیں، چل دیئے ہیں غم دے کے
یہ والدین نے مارا مجھے جنم دے کے۔
نہیں مگر نہیں فسطاس خود پہ کر نفریں
تو بھیج لعنت اس طاغوت پر، کہ جس نے بریں
بہشت کی برکت سے کیا تجھے محروم
(گھڑیال بارہ بجاتا ہے)
بجا، وہ بجتا ہے، پہیہ گیا ہے وقت کا گھوم

ہوا میں جسم ہو تحلیل، ورنہ یہ طاغوت
تجھے اٹھا کے جہنم کو جائے گا —— یہ ثبوت
مٹا وجود کا اے روح، قطرہ قطرہ مل
بسیط بحر میں 'یوں' پھر نشان ملے مشکل

(داخل شیاطین)

غضب سے دیکھ نہ میری طرف —— خداوندا ——
اذیتیں ارے یہ سانپ بچھو دھندا
یہ روک دو کہ ذرا دیر سانس تو لے لوں
نہ خون خوار جہنم یہ پھاڑ جبڑا یوں
نہ پاس لگ مرے طاغوت —— پستکیں پھونکوں
ارے مفستفلی، بھاڑ میں یہ سب جھونکوں!

(فسطاس کو گھسیٹتے ہوئے شیطان رخصت)

(داخل منڈلی)

وہ شاخ کٹ گئی جو راست بارور ہوتی
جلائی تھی جو اپالو نے وڈیا جیوتی
اس آدمی میں 'وہ بجھتی ہے —— چل بسا فسطاس
کرو تم اس کے ہبوطِ جہنمی پہ قیاس
یہ بھیانک اس کا اف انجام —— لیں سبق دانا
خلافِ شرعِ امور ان پہ عقل نے مانا ——

کیا ہے غور ۔۔۔ کرے وہ مگر بہ حیرانی
کہ سعیٔ عقدہ کشائی ہے فعلِ نادانی
بہم ہزار وہ سامان دلربائی کریں
خردوراں، نہ مگر طبع آزمائی کریں
کہ قوتِ ازلی جس کی ہو مجاز خفیف

گھڑی تمام کرے دن، مصنّف اب تصنیف

(تمّت)

ٹیگور

راگ کی آگ

گیتانجلی (بھجن بھینٹ)

کا منظوم ترجمہ

شوکت واسطی

انتساب

لڑکپن کے پیارے ساتھی

محمد امین

کے نام

اشاریہ

○

دیکھو رنگا رنگ چمک دمک سے موسیقی
نور کے سانچے میں ڈھلی ناچ رہی ہے

○

راگ من کو سلگا دیتا ہے دیپک راگ
تو آگ بھڑکا دیتا ہے ارسطو سے دانتے
اور ٹیگور تک ایک ایسی موسیقی میں عقیدہ
رکھتے ہیں جو نوری ہے یعنی اس کے ہر
بول اور سُر سے روشنی پھوٹتی ہے
ع شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو!

○

گیتانجلی ایسے ہی راگوں کی آگ کا لالہ زار ہے
اس میں محبت، سچائی اور امید کی کلیاں اور چنگاریاں
مہکتی اور دہکتی ہیں۔ یہ عظیم شاعری ہے!
کوئی ترجمہ اصل کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس
شاہکار کو ہلکی پھلکی بولی گیتوں کی رواں بحر
اور قافیے کی خوبصورتی کے ساتھ اردو میں اس طرح
ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سادگی اور برجستگی
برقرار رہے۔

○

میں بھی امر ہوں
تو نے مجھے تخلیق کیا یوں
جب جب مٹی کا یہ پیالہ
خالی ہوا تو اس میں ڈالا
تو نے جیونوالہ

یہ دو چار انگل کی
بنتی ہے نرسل کی
گھاٹیوں اور پہاڑیوں میں تو اسے لئے، گھمائے
پھونک کر اس میں دھنیں ہمیشہ نئی نئی سنوائے
میرے اس چھوٹے سے من کر
تیری امر انگلی چھو جائے
اس کی خوشی کا انت نہیں ہو
یہ شبھ تان اڑائے
گیت خوشی کے گائے
میرے چھوٹے چھوٹے ہات
ان میں تو ڈالے ہے پل پل بڑی بڑی سوغات
بیت رہے میں زمانے
تیری دین کے ہیں پر وہی ٹھکانے
جھولی میں بھی گنجائش ہے ڈال دے اور خزانے

○

میں گاؤں — تو حکم جو یہ فرمائے
ڈرتی ہوں دل خوشی سے ٹوٹ نہ جائے
تیرے چہرے پر آنکھیں جم جائیں
آنکھوں سے آنسو بہ نکلیں یوں نہ پھر تھم جائیں
ڈھل جائے دکھ میٹھے سر میں ان مل اور کٹھن جیون کا
میرے پریم کا پنچھی اپنے پر پھیلائے
ساگر پار اڑ جائے —
مجھے پتہ ہے — لطف مجھے بھی آئے میرے بھجن کا
مجھے پتہ ہے، تیرے دوارے پہنچوں صرف میں ڈھول بجاتی من کا
میرے گیت نے پھیلایا ہے اپنا پنکھ کنارا
اس سے تجھ کو چھوا ہے ورنہ مجھے نہیں تھا یارا
دارو گیت پیا تو میرا دیوانہ پن جانا
تورا جا مستی میں میں نے تجھ کو ساجن جانا

○

میرے راجا مجھے نہیں معلوم تو کیسے گائے
میں حیران کھڑی سنتی ہوں لیکن کان لگائے
تیری راگنی کی اگنی جگ کو کیسا چمکائے
تیری راگنی کا جیون سُر گگن گگن اڑ جائے
تیری راگنی کی پاکیزہ ندی کی شبھ تانیں
بہتی جائیں روک سکیں کب ان کو ٹھوس چٹانیں

تیرے راگ میں گھل مل جائے میرا دل یہ چاہے
لاکھ جتن کرتی ہوں پر آواز نہ ساتھ نباہے
میں بولوں تو گیت کی دھن میں میرا بول نہ بولے
یہ البتہ رو لے
آہ یہ تیرے راگ کا پھیلا پھیلا تانا بانا
اس میں دل کو باندھ لیا ہے میرے راجا رانا

○

اے میرے جیون کے جیون
میں رکھوں گی صاف ہمیشہ اپنا تن
ہے میرے انگ انگ سے تیرا اک بندھن
اپنے خیالوں سے ہر جھوٹ کو دور رکھوں گی
تیرے سچ نے انہیں کیا ہے روشن
سوچ کے دیپک میں پرنور رکھوں گی

اپنے من سے میل کچیل برائی کی دھو ڈالوں گی
اپنا پیار سنبھالوں گی
میرے من مندر میں تیری بیٹھک
میری یہ ہی کوشش ہو گی بے شک
تیری مرضی سے میرا ہر کام سدا ہو
تو ہی دے توفیق تو نیک انجام سدا ہو

○

ایک ذرا مہلت دے آ کر بیٹھوں تیرے پاس
اپنے کام سو نمٹا لے گا پھر یہ تیرا داس
تیرا چہرہ بن دیکھے تو جی کو چین نہ آس
اپنے کام میں جی نہیں لاگے، تھکن کا ہو احساس

جیسے کٹھن کا ساگر ایک ـــــ اپار
گرمی کی رت آئی میں سنتا ہوں صاف پکار
اور کھڑکی کے دوار
صاف سنائی دیتی ہے پھولے ہے جہاں پھلوار
شہد کی مکھیوں کی بھنکار
ان کی میٹھی سی ملہار

ہے یہ سمے اس وقت انسان
تجھ سے لگائے تیرے آگے بیٹھ کے اپنا دھیان
اس کو ہو تیرا گیان
ایسی شبھ چپ چاپ گھڑی ہے
میری زندگی صرف ترے قدموں میں آن پڑی ہے

○

یہ غنچہ توڑ لے اور ساتھ لے جا
اسے تو دیکھ ہاتھوں ہاتھ لے جا
مجھے ڈر ہے کہ یہ مُرجھا نہ جائے
گرے مٹی اسے پھر کھا نہ جائے
نہ تیرے ہار میں شاید گندھے یہ
کہ پھر اپنی ہی بپتا میں رندھے یہ
اسے تو چھو، اسے اچھا ہے توڑے
یہ دھڑکا ہے نہ دن ہی ساتھ چھوڑے

چڑھاوے کا سمے نکلے نہ یکدم
ہے اس کا رنگ ہلکا اور بو کم
اسی کو توڑ لے — یہ کام میں لا
گذرتے وقت کو تو دام میں لا

○

روپ سنگار دیا ہے سب تج
گیت نہ چاہے کوئی سج دھج
بھد ڈالے گا ملن میں گہنا
اس سے جب جھنکار اٹھے گی
بیچ میں اک دیوار اُٹھے گی
رہ جائے گا سننا کہنا

یہ میرے شعروں کی بانی
میرے من کی رام کہانی
تیرے آگے پانی پانی
اے میرے شاعر لاثانی

تیرے پیروں میں آبیٹھی ہوں —— ہوگی آسانی
اپنے جیون کو کرلوں گی اب میں سیدھا سادا
نرسل کی مُرلی میں بھر دے تو نغمے کا بادہ

○

گردن میں ہیرے کا ہار سجا دو
راجکماروں کے کپڑے پہنا دو
تم اس بچے پر یہ سب کچھ لا دو
کھیل کی دلچسپی کھوئے یہ دکھاوا
روکے ہر گام اس کو یہ پہناوا
یہ ڈر مسکے، گندا ہو جائے گا
دھڑکا، ہیرا موتی کھو جائے گا
بیچارے کو نہ ہلنے ہلانے دے گا
الگ رکھے گا پاس نہ آنے دے گا

ماں! یہ کوشش جائے اکارت
یہ سج دھج کرتی ہے غارت
اس کی خوشی کو اس کے من میں
اس بھولے بھالے جیون میں
چاہے، کھیلے کودے ہنسے وہ
گرد اور مٹی میں دھنسے وہ

ہر سو ہے اِک میلا کیسا
ہائے پھرے وہ اکیلا کیسا

○

او بگلے، اپنے کاندھے پر اپنا بوجھ اٹھائے
وائے بھکاری تو اپنے دروازے ہانک لگائے
چھوڑ یہ سارا بوجھا اس پر جس کا ہاتھ سنبھالے
پیچھے مڑ کر بھی مت دیکھ پڑیں گے جان کے لالے

یہ تیری آشا جھٹ اس دیپک کی لاٹ بجھائے
اس کا سانس جسے چھو جائے
اس کے گندے ہاتھ سے کوئی بھی تحفہ مت لے
دے جو کوئی پاک محبت ——— لے

○

دور ہے تیرا پائیداں
ٹکے ہیں تیرے پیرو ہیں
راندے کنگلے اور کمیں
رہتے ہیں یہ لوگ جہاں

چاہا میں نے جب جھک کر
تیرے پیر پر رکھ دوں سر
لیکن یہ پہنچا نہ وہاں
مل ہی نہ سکی اس کو وہ زمیں
راندے کنگلے اور کمیں
رہتے ہیں یہ لوگ جہاں

اتراہٹ واں پہنچے کب
پھٹے پرانے کپڑے سب
تو پہنے گھومے ہے کہیں
ڈیرہ ڈالے جہاں ہیں کمیں
راندے کنگلے اور کمیں

میرا دل رستہ ہی نہ پائے
تو جس جا پر چلتا جائے
ساتھ لئے سارے مسکیں
راندے کنگلے اور کمیں،

○

کیرتی آرتی مالا چھن کو چھوڑ
مندر کے سونے کونے سے ناتا توڑ ـــــ
بند کواڑ، اندھیرا اور نہیں ہے دوجا
یوں کرتا ہے کس کو پوجا ـــــ
آنکھیں کھول
تیرا خدا کیا تیرے آگے نہیں ہے، بول؟
ـــــ وہ تو اس کے پاس ملے گا
جو دھرتی کو جوت رہا ہے ہل بیلوں کو جوڑے
سڑک کنارے پر جو بیٹھا کوٹ رہا ہے روڑے
دھوپ اور برکھا میں وہ ان کی بن کر آس ملے گا
گردے دھول کا اوڑھے پہنے گھور لباس ملے گا
ـــــ اپنا جبہ قبہ اتار
اس کی طرح تو اوڑھ لے مٹی اور غبار

اور نجات؟

کیسے آئے گی یہ بات؟

○

ہمارے مالک نے ہنس ہنس کر ہمیں کیا تخلیق

اور سدا ہے ساتھ ہمارے وہ غم خوار رفیق

داغوں دھبوں والے تیرے کپڑے پھٹے پرانے

ان میں وہ کچھ عیب نہ جانے

اس سے مل' مورکھ ساتھ اس کے رہ کر سیکھ لے جینا

محبت سے کر ایک لہو پسینہ!

○

طے ہو سفر یہ دیر لگے گی، رہ لمبی سنسان
پہلی کرن کی رتھ پہ سوار
آیا ہوں میں کر کے پار
کتنے ہی ویران دیار
کتنے تاروں سیاروں کی راہ
سب پر چھوڑے ہیں اپنے قدموں کے نقش نشان
تیرے پاس تو پہنچے کوئی دور کا چکر کاٹ
سادہ سُر گانے کو چاہیئے انت کا مشکل پاٹ
کتنے کواڑ پرائے
گھر آنے سے پہلے راہی رستے میں کھڑکائے
مارا مارا یہ تو پھرے ہے کیسا دیس بدیس
کیسی کیسی لگے ہے دل پر ٹھیس
آنکھیں کتنی بھٹکیں دور اور پاس

موند کے ان کو تب بولا یہ داس
"یاں ہے تیری ذات"
کہاں ہے پیچھی کھوج لگا کر گھات
آنسوؤں کی کتنی ہی ندیوں میں یہ بہتی آئی
ایسا جل تھل کر کے میری آتما پھر چلائی
کر کے اب وشواس
"میں ہوں — کر احساس"

○

ڈرتی ہوں یہ رہ جائے نہ ادھورا
میں جو گیت آئی تھی گانے ہوا نہیں وہ پورا
میں بنجارن لئے پھروں طنبورا
تاروں کے سُر تال ملائے
کتنے ہی بولوں کے پھول کھلائے
گیت رہے انمل بے جوڑ
بات نہ پہنچی کوئی توڑ
دل میں ہے آشا کی ٹیس
کھلی نہیں ہے ابھی کلی
سسکی بھرتی ہوا چلی
کس کے آگے نواؤں سیس
میں تو نہ اس کے میٹھے بول کی تھاپ سنوں
جائے کبھی جو گونج گلی

خالی اس کے پیروں ہی کی چاپ سنوں
جیون دن بیتا ہے، ڈالا
میں نے صرف یہ مرگ کا چھالا
یہ نہ ہوا اک دیپ جلاؤں
اور کروں اجیالا ——
گھر میں اسے اب کیسے بلاؤں
اس سے ملنے کی ہے آس
یہ نہیں جانوں وہ کیسے آئے گا میرے پاس

○

میری چیخ ہے درد بھری بے انت مری آشائیں
تو نہ کٹھور پنے سے روکے، یہ پوری ہو جائیں
تو ہے دیالو
تیرا سدا سے چلن یہ چالو
مجھ کو دے تو ایسا گُن
جب بھی کرے تو دان اور پُن
میں لے لوں جھولی پھیلائے
بن مانگے جو تجھ سے آئے
یہ آکاش، اُجالا، تن
میرا جیون، میرا من
ساری دگداؤں سے بچائے
کسی گھڑی لیٹا ستاؤں میں سستی کا مارا
کسی گھڑی اٹھوں اور چاہوں پکڑ دوں بھاگ ستارا

لپکوں تیز کہ ہاتھ آجائے کنارا
لیکن تو وہ کٹھور کہ چھپ چھپ جائے
مجھ کو دے تو ایسا گن
بے شک یہ جائے جل بھُن
من یہ ہٹ چھوڑے اس اوندھی مت سے باز آجائے
اپنے مکھ سے تو پردہ سرکائے
جلوہ صاف دکھائے!

○

آئی ہوں میں راگ سنانے
تیرے نغمے گانے
تیری گپھا میں دور ملا ہے مجھ کو بھی اک کونا
ہے لیکن یہ رونا
جیون ہے بے کار
بے مقصد چھڑتے ہیں من کے تار ——
پس جب آدھی رات کے اندھیارے مندر میں آئے
تیری پوجا کا پل، تو چپ چاپ
ہو سارا جپ جاپ
تو فرمائے اور کرے جھٹ پھر ہو کر بے آپ
تیرے بھجن کا میری روح الاپ
بھور بھئے جب پروا لائے
سونا روپ ستار
سُر کر کے اک سار
دے مجھ کو اعزاز
حاضر ہو کر دوں میں تجھ کو پریم کی پاک نیاز

○

جگ میلے کا بلاوا آیا
میں نے جیون پایا
آنکھیں دیکھیں کان سنیں ہیں
میں نے ساز پہ گائیں جو بھی ممکن خاص دھنیں ہیں

اب میں پوچھوں ـــــ آخر کار
وقت آیا ہے میرے یار
اندر آن کروں دیدار

کیا ممکن ہے ایک غلام
عرض کرے چپ چاپ سلام؟

○

میں تو بیٹھی صرف یہ دیکھوں پیار مجھے کب آ لے
اور کرے اس پیتم ہاتھ حوالے
بس اس کارن ہو گئی ویری
اس کارن سب بھول یہ میری
باندھنے آئے ہیں وہ لے کر اپنے رسم رواج
ان کو میں نے کل بھی ٹالا ان کو ٹالوں آج
میں تو بیٹھی صرف یہ دیکھوں پیار مجھے کب آ لے
اور کرے اس پیتم ہاتھ حوالے

لوگ دھریں سو نام
مجھے کہیں وہ بے پروا نا کام
لیکن میں جانوں جھوٹا ہے مجھ پر یہ الزام
بند ہوا بازار
سارے دن کا نبٹا کاروبار
غصے میں لوٹے وہ ساتھ مجھے لے جانے والے
میں تو بیٹھی صرف یہ دیکھوں پیار مجھے کب آ لے
اور کرے اس پیتم ہاتھ حوالے

○

بادل اوپر بادل چھائے' چھایا گھور اندھیارا
کیوں روکے ہے کواڑ سے باہر مجھ کو میرا پیارا
ہائے اکیلی ہوں میں —— نہیں سہارا

بھیڑ بھڑکے میں گذری ہے میری بھری دوپہر
میری آس بندھی ہے تجھ سے —— اور سمے یہ قہر
تو جو اپنا مکھ نہ دکھائے
تنہائی تڑپائے
برکھا رت میں کیسے گذاروں سمجھ نہیں کچھ آئے
میرا دل آکاش پہ دیکھے گھور اندھیارے رنگ
کرتا بَین پھرے ہے یہ بے چین ہوا کے سنگ

○

آشنا ہے تو بولے
اب بھی تو نے ہونٹ نہ کھولے
تیری خموشی کے یہ بگولے
اپنے دل میں بھرلوں گی
برداشت میں چپ چپ کرلوں گی
سہہ لوں گی جو بھی آگے ہے
جیسے صبر سے تاروں بھری شب سر کو جھکائے جاگے ہے

بے شک پھر پھوٹے گا سویرا
چھٹ جائے گا اندھیرا
پھر آکاش سے تیرے بول سنہرا جل برسائیں گے
میرے پرندے بھی تیرے لفظوں کے نغمے گائیں گے
گھونسلے گیت سنائیں گے
میری بَن بگیا میں تیرے سروں کے گل لہرائیں گے
اجلے غنچے کھل جائیں گے

○

اس دن جب وہ کنول چٹکا تھا
دھیان مرا کیسا بھٹکا تھا
اور نہ یہ معلوم ہوا
میری پھونس پٹاری
خالی رہ گئی ساری
دیکھے کوئی اسے اس پھول کا ہائے نہ یہ مقسوم ہوا

پھر میں ہوئی اداس
مجھ کو بے سدھ کر گئی یاس
کچھ ہی دیر میں چونک اٹھی بھی ـــــ اور ہوا احساس
دکھنی پون لے کر آئی ہے ایک نرالی باس
جس کی بے معلوم مٹھاس
میرے دل کو کرتی جائے ہے بے چین
گرمی رت کا سانس لگا یہ عین

میں تو نہ سمجھی اور وہ آیا میرے اتنا پاس
میرا بن کر میرے من میں اس نے رچائی راس

○

چاہیے لے کر چل دوں اپنی ناؤ
وقت کا سُست بہاؤ
گھاٹ کنارے جاری،
میں برہا کی ماری ——

آئے بسنت اور پھول کھلائے اور چلی بھی جائے
میں ہوں اب یاں ملے دلے پھولوں کا بوجھ اٹھائے
موجیں شور مچائیں
گھاٹ پر ایک گلی میں ڈیرا ڈالے ہے پرچھائیں
اس میں کانپنے پیلے پتے گر گر کر اڑ جائیں

خالی خالی نظروں سے میں تکتی
کیا محسوس نہیں کر سکتی
یہ جو پون میں تھرتھراہٹ ہے
گیتوں کے سرتال کی اک آہٹ ہے
پار۔ اس گھاٹ سے جو بہتی ہے
کچھ کہتی ہے ——

○

ہے جولائی
برکھا کی رت آئی
ہر سو چھائے
اس کے گہرے گہرے سائے
دبے دبے پیروں تو آئے
بھور آج آنکھیں موندے آئی
پروائی دیتی ہے دہائی
کیسی راڑ مچائے

سدا کے جاگے نیل گگن نے کرلی گہری آڑ
گیت ہوئے چپ جنگل جنگل گھر گھر بند کواڑ

اس سنسان گلی میں تو تنہا جاتا ہے
میرے دوست مرا تجھ سے گہرا ناتا ہے
میں نے کھول دیا پٹ اپنا
کیوں گذرے تو بن کے سپنا

○

رین ہے یہ کتنی طوفانی
تو چل نکلا دور سفر پر پیار کے دلبر جانی
دگدا سے ہے نیل گگن میں کیسی کھینچا تانی
نیند آنکھوں سے ہانکے جاؤں
دروازہ کھولے میں اندھیارے میں جھانکے جاؤں

میرے دلبر جانی
کیسی بڑھتی جائے میری حیرانی
کچھ بھی نہیں دیتا ہے سجھائی
پگڈنڈی دھندلائی

گھور سیاہی کی ندیا کے کون سے مدھم تٹ پر
کون سے بھائیں بھائیں بن کے دوسرے سے چل کر
یاس بھری اک بھول بھلیاں بھی رستے میں آئی
تو لیکن آتا ہے میری جانب دلبر جانی

○

دن یہ گیا ہے گر اب بیت
اور نہ پنچھی گائیں گیت
پون پھریرے بھی تھک ہار
ٹھہرے ہیں لیں سانس اتار
کھینچ دے مجھ پر تب ہر سو
اندھیارے کا پردہ تو

جیسے دی ہے زمیں پر تو نے نیند کی چادر ڈال
جیسے لیا ہے جھکتے کنول کی پنکھڑیوں کو سنبھال
بھور بھئے نرمی سے
اس راہی کو دیکھ بچا لے غربت بے شرمی سے
جس کا سفر میں توشے سے سب ہو گیا خالی تھیلا
جس کا لباس ہوا ہے لیریں، گرد غبار سے میلا
جو تھک ہار کے ٹوٹ گیا ہے
جس کا جی اب چھوٹ گیا ہے

اس کا جیون تازہ پھول بنا دے
اس کو رات کی نرم رضائی اوڑھا دے

○

لو میں تجھ سے لگاؤں
اور کٹھن راتوں میں کروٹ بدلے بن سو جاؤں
اپنی بے دل روح کو کیوں مجبور کروں میں
ایسے سر تیری چوکھٹ پہ دھروں میں

تو ہی دن کی تھکی آنکھوں پر رین کا پردہ ڈالے
تو ہی جگائے پھر اس کو بھر کر مسرور اجیالے

○

میرا ساجن جب آیا تھا
رات تھی ——— سناٹا چھایا تھا
اس کے ہاتھ میں تھا اکتارا
اس کی تان پہ بہہ نکلا میرے سپنوں کا دھارا
آہ مری سب راتیں کیوں
گذری ہیں بے فائدہ یوں

دل اس کے نظارے سے محروم رہا ہے
جس کا سانس مری نیندوں کو چوم رہا ہے

○

اوہ اجالا کہاں ہے اجالا
روشنی کر جلتی آشا —— لا
دیپ ہے لیکن کوئی نہیں لو
اے دل تیری یہ قسمت ہو

بدبختی کنڈی کھڑکائے
تجھ کو یہ پیغام سنائے
تیرا مالک جاگ رہا ہے
اس نے کہا ہے
رین اندھیرے پریم سبھا میں آ کر مل تو
بھینٹ چڑھا دے اپنا دل تو
ہیں آکاش پہ گھور گھٹائیں
تانتا باندھ کے مینہ برسائیں

میرے اندر ہوک اٹھے ہے

پر نہیں جانوں کون یہ ایسے کوک اٹھے ہے

ایک ذرا جو بجلی کوندے

اور آنکھوں میں آس کو روندے

دل جانے کو راہ ٹٹولے

دور جہاں پر کوئی بولے

اوہ اجالا کہاں ہے اجالا ——— روشنی کر جلتی آشالا

سخت کڑک ہے آندھی چیخے ——— گھور فضا ہے خالی

رات ہے کوئلے ایسی کالی

بیت نہ جائیں اندھیارے میں ساری گھڑیاں

چھوڑ جلا کر پریم اگر کی تو پھلجھڑیاں

○

سخت ہیں بندھن
پیڑ ہوا ان کو توڑنا چاہے جب میرا من
میں تو چاہوں صرف رہائی
کی یہ آشا ——— تو لاج آئی
میں یہ پکاروں دل کو کھول
تیری ذات میں، دھن انمول
تو میرا اِک ہمجولی
لیکن میں نے قسمت کھولی
چھوٹی مایا پھینکوں جس سے بھری ہے میری جھولی
تجھ سے اپنی بھلائی مانگوں میں یہ سب کچھ بھولی
جی ڈرتا ہے تو میری بنتی کر لے نہ قبول
میرے سر ہے ڈھیروں بیاج
دے نہیں پاؤں کچھ بھی مجھ کو آئے ہے یہ لاج

جس چادر میں لپٹی ہوں وہ ہے مٹی اور کوڑھ
بھائے نہیں ہے پھر بھی جی سے یہ رکھی ہے اوڑھ

○

پیا ملن کی ریت نبھانے ——
اپنا رستہ چلوں اکیلے
اندھیاروں کے گھور جھمیلے
میں نے سو دکھ دگدا جھیلے
کوئی نہیں یہ جانے

چاہوں اس سے بچ کر آؤں
پیچھا لاکھ چھڑاؤں
یہ تو دھونس جمائے
اور اکڑفوں کیا دکھلائے
مجھ پر مٹی دھول اڑاتے
چیخے اور چلائے
میرے بول میں اپنا شور ملائے

لاج نہ اس کو آئے —— یہ میرا اپنا چھوٹا آپ
لاج مجھے اس کی سنگت میں تجھ سے کروں ملاپ

○

اس بھورے میں بند ہے جو ہم نام کرے وہ پکار

مجھ کو دھن — میں اس کے چاروں اور چنوں دیوار

ہر دن یہ دیوار آکاش کو جیسی اٹھتی جائے

میرا اصلی روپ چھپائیں اس کے کالے سائے

اس دیوار پہ مجھ کو کتنا مان

اس میں میری جان

بالو مٹی سے لیپوں رہ جائے نہ اس میں چھید

اپنا اصلی روپ گنواؤں — یہ ہے کیسا بھید

گرچہ اس دیوار کی رکھشا کرتی ہوں ہر آن

سو رکھتی ہوں دھیان

○

کہہ مجھ سے یہ بانی
''کون تھا جس نے تجھ پر یہ بندھن ڈالا، زندانی''؟
تو زندانی بولا
''وہ میرا آقا تھا'' —— آگے پھر یہ عقدہ کھولا
میں نے سوچا کیا ہے مری ہمت جو نہیں کر سکتی
ڈھیر کروں گا اتنا دھن اور شکتی
مجھ سے پیچھے رہ جائے گا دنیا میں ہر کوئی —— پس میں وہ نردوئی
آقا کے حصے کی تھی جو مایا اپنی کر لی —— خوب تجوری بھر لی
جا لیٹا اس پر جو تھی میرے آقا کی چٹائی —— یعنی وہ ہتھیائی
جب جاگا تو پھر یہ حقیقت جانی
میں اپنی ہی آشاؤں کے جال میں تھا زندانی!

اب یہ بول اسیر

کون تھا وہ جس نے ڈھالی ہے اٹوٹ ایسی زنجیر؟
زندانی بولا۔ زنجیر کو اتنا پکا ڈھالا
میں تھا آپ ہی ایسا کرنے والا
مجھے گھمنڈ تھا اپنے بل بوتے پر خوب
سمجھا تھا دنیا کو کرلوں گا مغلوب
آپ رہوں گا میں آزاد
کوٹا چھیتا بھٹی میں دے کر اس کا فولاد
اور ہوئے زنجیر کے حلقے جب تیار اٹوٹ
میری ہی آزادی لی تب لوٹ
ان میں اپنے آپ کو قیدی پایا
آپ شکاری اپنے جال میں آیا——

○

میں دنیا میں جن کو بھاؤں
کب چھوڑیں وہ مجھ کو ان سے پیچھا لاکھ چھڑاؤں
لیکن اور ہے تیرے پیار کی لیلا
ان سے پکّی ڈور مگر تو اس کو رکھے ڈھیلا

بھول نہ جاؤں اس ڈر سے کوئی بھی میری سہیلی
چھوڑے نہ مجھے اک دم بھر کو بھی اکیلی
اور ادھر میرا یہ حال کہ ہر پل تجھ سے دوری
ختم ہوا دن، رات بھی گذری پوری
کر نہ سکی میں تیری پوجا
— بیچ میں گر آ جائے دوجا
بھول بھی جائے تجھ کو یہ میرا من
میرے تیرے پیار میں پھر بھی رہتا ہے اک بندھن

○

دن نکلا تو میرے گھر آکر بولے ہمجولی
تو اس میں ہم کو بھی دے دے اک چھوٹی سی کھولی
ہم دیں گے بھگوان کی پوجا پاٹ میں تیرا ساتھ
اس کی کرپا چاہیں گے پھیلا کر اپنے ہاتھ
——اور سنبھالا پھر اندر استھان
بیٹھ گئے چپ چاپ لگے وہ کرنے دھیان اور گیان

لیکن آدھی رات کا چھایا جب ہر سو اندھیارا
میں کیا دیکھوں ان کو لالچ نے جو دیا ٹھوکا
توڑ کے مری پوجا پاٹ کا چوکا
زور سے چھین لیا بھگوان کا بھینٹ چڑھاوا سارا

○

بے شک اتنا ہی رہ جاؤں ادھورا
تیرا نام پہ جب لوں پورا پورا
بے شک اتنا تھوڑا دم رہ جائے
پر تو میرے دھیان میں پیہم آئے

ہر اک چیز نثار کروں میں
ہر پل تجھ کو پیار کروں میں
اپنی ذات میں اتنا سا رہ جاؤں
تجھ پر اپنی اوٹ نہیں کر پاؤں

مجھ سے اتنا تو رہ جائے بندھن
تیری مرضی میں ڈھل جائے یہ من
جو تو چاہے کرتا جاؤں میں جیون بھر
تیری محبت کی ڈوری میں بندھ کر

○

ہو نہ جہاں دل ذہن کو ڈر
اور جہاں ہو اونچا سر
اور جہاں بانٹے نہ ہوں جگ کے چھوٹے چھوٹے گھر
اور جہاں سچ کا ٹھپہ ہو سارے بولوں پر
اور جہاں ان تھک محنت سے نکلے ٹھیک کسر
اور جہاں نہ سمجھ کی ستھری ندی جائے بھر
میری ہٹ کے سوکھے بالو سے، رستہ کھو کر
اور جہاں ہوں اچھی سوچ مری اور اچھے گن
اچھے اچھے کام کروں میں اچھی باتیں سن

ایسی آزادی سے کردے تو اک جنت لیس
میرے مولا پھر جس میں جاگ اٹھے میرا دیس

○

شاہا! تجھ سے ہے فریاد
میرے دل کے چھوٹے پن کو جڑ سے کر برباد
کر یہ دور فساد
دے ہمت ہر رنج خوشی میں ایک رہے احساس
دے ہمت ہوں سچا عشق شناس
دے ہمت میں ہوں نہ کبھی ناداروں سے بیزار
دے ہمت، مجھ کو نہ جھکائے کوئی غرور وقار
دے ہمت، مجھ کو اس طور نواز
چھوٹی چھوٹی باتیں مجھ پر ہوں نہ اثر انداز

دے ہمت، ہمت سے تجھ پر جان نثار کروں
تجھ سے پیار کروں

○

میں سمجھا تھا ہمت ہوئی تمام
میرے سفر کا آ پہنچا انجام
بند ہوئی ہے آگے راہ گذر
ختم ہوا ہے سب توشہ بھنڈار
میں رہ جاؤں گا ہو کر گم نام ——

لیکن اب یہ بات ہوئی معلوم
تیرا کرم رکھے نہ مجھے محروم
جوں ہی بھولیں پہلے لفظ زبان
دل سے ابھر آتی ہے تازہ تان
جہاں پرانی ریت ڈگر کھو جائے
نئی بہاریں اور نگر ہو جائے

○

بس کہ تجھے چاہوں میں — تجھ کو
یہ ہی پکارے میرا من تو

دن اور رات جو گھر گھر آئیں
جھوٹی کھوکھلی سب آشائیں
کب یہ تجھ سے دھیان ہٹائیں
رین اندھیری — جی کلپائے
لوہو، کوئی دیا جل جائے
بے سدھ ہو کر من چلائے
میری روح بھی چیخے رو رو
بس کہ تجھے چاہوں میں تجھ کو

شانتی سے ٹکرا کر آندھی
شانتی ہی سے جائے باندھی

ایسے ہو جاتا ہے ڈھیر
میرے اندر سرکش شیر
تیرے پیار سے الجھے جو
چیخے تو یہ ظاہر ہو
بس کہ تجھے چاہے تجھ کو

○

جب دل توڑ رہا ہو درد
چھائے محرومی کی گرد
تو برسا دے لطف اور پیالہ
گیتوں کی کردے بوچھار

جب ہنگاموں کا ہو شور
میں کٹ جاؤں چاروں اور
تو میری چِتا کے میت
آجا لے کر چین پریت

کوٹھڑی میں جب ہو کر بند
میرا من لے لے سنیاس
تو تو آجا میرے پاس
راجہ راؤ کی مانند

جب مایا کی چھائے دھول
تو کہ نہ جس کو نیند اور ٹول
اے تو پاک پوتر ذات
آجا لے کر اپنے سات
بجلی، کڑکے کی بارات

○

ہو گئے مولا کتنے دن
اب اس رت کو بھیگے پن
میرا بنجر دل ترسے ہے
مینہ کی بوند نہیں برسے ہے
اور نہیں پھیلائے بادل
ننگے افق پر اپنا آنچل
دور تلک جیسے سوکھے اب
ٹھنڈے چھینٹوں کے جھرنے سب
بھیج دے اپنی اندھی آندھی
موت کے کانے پن میں باندھی
تھرا دے آکاش کو سارے
بجلی ایسے کوڑے مارے
جو چاہے وہ کر لے تیور لیکن مولا کر واپس کر

اس چھائی خاموش جلن کو
گھور نراشا اس موذن کو
یہ بھونڈی گھنّی کٹ کھات
من سندھ کائے بھاڑ میں جاتی
لطف کا بادل تو بیچے کر
جیسے باپ کی ناراضی پر ممتا کی آنکھیں آئیں بھر

○

سرگوشی ہے صبح سویرے
بیچ رہے یہ میرے تیرے
ناؤ میں چل دیں میں اور تو
ایک ایسے تیرتھ کی سو
جس کے سفر کا انت نہ ہو
چلنے والا نچنت نہ ہو
گھاٹ نہیں ہو ساگر کا
گھر لہروں پہ مسافر کا
تو چپ چپ مسکاتا ہو
مجھ سے دھیان لگاتا ہو
میرے گیتوں کو سن کر
میٹھا پن دے ان میں بھر
ایسا ان کا سرگم ہو

کوئی نہ مدھم پنچم ہو
بات کہیں کہنے والی
لیکن شبدوں سے خالی
اب بھی وقت نہیں آیا
کام نہیں کیا نبٹایا!

دیکھ کنارے پر ڈالا ہے سانجھ نے آ کر ڈیرا
ساگر کے پنچھی بھی گھونسلوں میں کرتے ہیں بسرا
کون یہ جانے کب لنگر کھل جائے —— رین اندھیرے میں نیا رل جائے
جیسے ڈوبتے سورج کی لو ساگر میں گل جائے

○

میرے پیتم کہاں کھڑا ہے پیچھے لوک پرایوں کے
اوٹ میں ان کے سایوں کے
دھکے دے کر وہ رستے پر تجھ سے آگے جائیں
دو کوڑی کا نہ جانیں تجھ کو تجھ پر دھول اڑائیں
میں گھنٹوں سے لئے کھڑی ہوں تیرا بھینٹ چڑھاوا
جانے والے کر دیتے ہیں دھاوا
اک اک کر کے لے جائیں گے وہ تو کلیاں ساری
خالی ہوتی جائے پھول پٹاری
بیت گئی ہے بھور، دوپہری چڑھ آئی ہے
شام ڈھلی ـــــ اب آنکھوں میں نندیا چھائی ہے
جانے والے دیکھ رہے ہیں کیا مجھ کو ہنس ہنس کے
شرم سے میں رہ جاؤں زمیں میں دھنس کے
ایک بھکارن سی بیٹھی ہوں منہ پر پلّو ڈالے

مجھ سے پوچھ رہے ہیں جانے والے
میں کیا چاہتی ہوں —— لیکن میں انہیں نہیں بتلاؤں
بس اپنے نین جھکاؤں
آہ یہ کیسے کہہ سکتی ہوں
میں تیرا رستہ تکتی ہوں
اور کہ تو نے وعدہ کیا تھا لوٹ آنے کا
شرماتی ہوں نردھن واج نہیں ہے یہ دکھلانے کا
آہ اسے سینے میں چھپاؤں
پھر بھی اس پر یوں اتراؤں ——
گھاس پہ بیٹھی دور گگن میں دیکھ رہی ہوں
تیرے اچانک آنے کا رنگین سپن میں دیکھ رہی ہوں
ہو جائے اجیالے کی دیوالی
آئے تیری رتھ سونے کے پھول پھریروں والی
لوگ کھڑے ہوں پگڈنڈی پر حیرت سے منہ کھولے
رتھ سے اُتر کر میری طرف تو آئے جو ہولے ہولے
اور مجھے مٹی سے اٹھائے
اپنے پاس بٹھائے
چیتھڑوں میں لپٹی سمٹی میں ایک بھکارن لڑکی

مان کرے اور شرم سے جائے پھر چھاتی بھی دھڑکی

جیسے بسنت سمے کی بیل یہ

وقت کا جاری لیکن کھیل یہ

کیسے بیتا جاتا ہے

اک جھرمٹ لوگوں کا جائے اور اک جمگھٹ آتا ہے

ہر اک ان میں کیسی ایک سے اک سج دھج دکھلاتا ہے

یہ مسکائے، گائے بجائے

وہ نعرہ پر نعرہ لگائے

کیا بس تو ہی بیٹھا رہے گا اوٹ میں یوں چپ دھارے

کیا بس میں ہی راہ تکوں گی رو رو دل کو مارے؟

○

تیری خاطر کر نہ سکی میں کوئی روپ سنگار
میں نہ ہوئی تیار
لوگوں کے ٹھٹ کھڑے رہیں اور تو دل میں در آئے
پوچھے اور نہ بتائے
جیون کے اڑتے لمحوں پر اپنے نقش جمائے

آج اچانک روشنی ان پر ڈال
دیکھے ان میں صاف ترے خد خال
لیکن کیسے ہو گئے یہ برباد
کرتی ہوں میں یاد
شاد کبھی ہو جاؤں اور کبھی ناشاد

مٹی میں میں کھیل رہی تھی بچگانہ سا کھیل
اس پر روٹھ کے تو جو گیا پھر ہوا نہ تجھ سے میل
کھیل کے کمرے میں جو سنی تھی میں نے تیری چاپ
ویسی تھی تارے سے تارے جس کی گونجے تھاپ

○

لطف آتا ہے راہ کنارے
ٹھہروں دیکھوں میں نظارے
اجیالے کا پیچھا جس جا کرتے ہیں اندھیارے
اور گرمی کے بعد برستے ہیں برکھا کے دھارے
نامعلوم آکاشوں پر سے ایلچی اترے آئیں
مجھ سے خیر خبر پوچھیں اور تیز گذرتے جائیں
میں ہنس ہنس کے بھرتی جاؤں ہونکے
پاس سے گذریں پروائی کے جھونکے

میں بیٹھی ہوں نور کے تڑکے سے یاں سانجھ ڈھلے تک
اور ہے یہ وشواس وہ نیک گھڑی آئے گی اچانک
تیرا مکھ دکھلائے گی جو
وہ پرتو جھلکائے گی جو
اس دوران اکیلی ہی بیٹھی مسکاؤں گاؤں
اس دوران ہوا میں آس کی باس مہکتی پاؤں

○

پی کی چپ چپ چاپ یہ پیارا پیارا گیت سنائے
وہ آئے ہے، آئے ہے وہ، آئے وہ، وہ آئے
گھڑی گھڑی پل پل دن رات —— ہر اک احساس دلائے
وہ آئے ہے، آئے ہے وہ، آئے وہ، وہ آئے
میں نے اپنی دُھن میں کیسے کیسے نغمے گائے
ایک ہی لے تھی جو بھی بول اٹھائے ——
وہ آئے ہے، آئے ہے وہ، آئے وہ، وہ آئے
مہکا ہے وقت اور بسنت کی دھوپ اجلی لہرائے
بن کے رستوں کی آہٹ بتلائے
وہ آئے ہے، آئے ہے وہ، آئے وہ، وہ آئے
جب برکھا رت کا اندھیارا چھا جوں مینہ برسائے
اپنی گرجتی رتھ کو تیز ہنکائے
وہ آئے ہے، آئے ہے وہ، آئے وہ، وہ آئے

اس کی چاپ سے میرے دل میں دکھ پر دکھ کا دباؤ
پاؤں دھرے تو اس میں خوشی کے بھڑکیں ہون الاؤ

○

میں نہیں جانوں دور سے
کتنے ہمیشہ کر کے طے
تو مجھے ملنے آئے ہے
تیرے سورج کی یہ آڑ
اور ستاروں کے سب جھاڑ
مل کر ان کے سارے نور
مجھ سے نہ کردیں تجھ کو دور

کتنے دن سے سویرے شام
سنتی ہوں، آسودہ گام
تیرے ایلچی دل میں آئیں
چپکے چپکے مجھے بلائیں
دل نہیں جیسے اکیلا ہے
اس میں خوشی کا میلا ہے
بھید یہ جیسے پالوں میں
کام ترت نبٹالوں میں
مجھ کو ہوتا ہے احساس
ہلکی ہلکی پھیلی باس
تو ہے پاس

○

صبح کے خاموش سمندر میں اٹھا ہیجان
پنکھ پکھیرو چھیڑیں میٹھی تان
پگڈنڈی پر راس رچائیں پھول
اور گھٹاؤں کے موکھوں میں بکھرا دھن انمول ——
ہم نہ مگر یہ دھیان میں لائیں
اپنی دھن میں چلتے جائیں
چہل کریں ہم اور نہ چھیڑیں کوئی رسیلا گیت
اپنی رسم نہ ریت ——
بستی میں جائیں تو کریں لوگوں سے بھاؤ تاؤ
بولیں اور مسکائیں —— چلائیں ایسے ویسے داؤ
ہم تو نہ ڈالیں رستے میں بھی پڑاؤ ——
تیز ہی کرتے جائیں اپنی چال
جیسے منادی دیتا جائے یہ پیچھے گھڑیال ——

——سورج سر پر آیا بیچ گگن کے

کونپلیں کونپلیں——سائے سائے بن کے،

مرجھائے پتوں کو وہ دوپہرے کی گرم ہوائیں

بکھرائیں، چکرائیں، اڑائیں اور کہیں لے جائیں

——بڑ کی چھاؤں تلے چرواہا، اونگھے، دیکھے سپنے

میں نے بھی پھیلائے انگ اب اپنے

گھاس پہ ندی کنارے

کیسے ٹوٹے جائیں تھکن کے مارے

یہ سارے کے سارے——

دیکھ کے ٹوٹا ہارا مجھ کو——میری ہر اک سہیلی

طعنے کستی، کرتی ہوئی اٹکھیلی

میرے پاس سے آگے نکلے——مڑ کے نہ دیکھے کوئی

ہر اک نیل دھندلکے میں پھر اوٹ میں آئی، کھوئی

گھاٹیاں اور پہاڑیاں طے کیں پہنچیں دیس پرائے

سب نے اپنے گھر جا دور بسائے——

شاباش اے جھمگٹ کے جھمگٹ لمبے جانے والو

مجھے ملامت کر کے یوں چٹکی میں اڑانے والو

مجھ سے جواب نہ لیکن پانے والو

میرا ہنس ہنس کر ذلت کی کھائی میں گرتے جانا
پھر اس سے ہلکی ہلکی تسکین برابر پانا
من میں دھیرج رچتی جائے چین سموتا جائے
درد چمک کر جیسے جیسے تازہ ہوتا جائے
نکلی تھی میں کیسے سفر پر بھول گئی ہوں سیاں
یہ سائے گیتوں کی بھول بھلیاں
میرے لیے گورکھ دھندا ہے سارا
میں ہاری ہوں یہ میرا من ہارا ——
لیکن جونہی سو کر اٹھی، جونہی آنکھیں کھولیں
میں نے تجھ کو سامنے پایا —— تو کیسا مسکایا
اپنی نیند میں تیری مسکانیں بھرپور سمولیں
میں کتنا ڈرتی تھی رستہ لمبا اور کٹھن ہے
تجھ تک آنا جاں جوکھوں کا جتن ہے

○

تو آیا ہے مسند سے اتر کر
میری کٹیا کی چھوکھٹ پر
میں گاتی تھی اک کونے میں بیٹھی گیت اکیلی
تو نے سن گن لے لی
اور آیا ہے نیچے اتر کر
میری کٹیا کی چوکھٹ پر ـــــ
تیری سبھا میں کیسے کیسے گائیک ہیں گن وان
کیسی کیسی راگنیوں کی میٹھی میٹھی تان
میں اک نو آموز
میری دھن سے تیرے دل میں پیدا پیار کا سوز
میرا درد بھرا چھوٹا سا گیت
جگ کے مہا راگوں میں بھی گھل مل کر جائے جیت
میرے من کے میت
تو رنگیں پھولوں کا تحفہ لے کر
آیا میری کٹیا کی چوکھٹ پر

○

یونہی بیتی جائے رینا پی کا رستہ تکتے
جب میں سو جاؤں پھر تھکتے تھکتے
تو میرا دل دھڑکے
وہ نہ اچانک میرے گھر آ نکلے نور کر تڑکے ـــــ
دروازہ کھولے ہی رکھیو
اس کو روکیو مت اے سکھیو
اس کی چاپ سے آپ نہ میں جاگوں نہ مجھے جگانا
منت سے کہتی ہوں جھنجھوڑنا اور نہ شور مچانا
بسکہ نہ چاہوں میری نیند اڑائیں
پنچھی اتنا اونچا اونچا گائیں
اور نہ مجھ کو اٹھائیں
بھور کی اجیالی لیلا میں چل کرے تیز ہوائیں
مجھ کو سوتے رہنے دینا دروازے پر ـــــ بے شک

میراجی آجائے اچانک

آہ مری ننديا اچھی ننديا ہے آس لگائے

اڑ جائے جب آوہ پاس لگائے ـــــ

آہ کھلیں یہ میری موندی پلکیں

جب اس کی مسکان کے تارے جھلکیں

وہ سپنا سا آجائے یاں چل کر

نیند کے اندھیاروں سے صاف نکل کر

آ کر میری نظروں کو سہلائے

شعلوں شکلوں میں پہلا کہلائے

میری جاگی روح میں پہلے لطف کا رس گھل جائے

لوٹوں اپنے آپ میں اس کو اپنے میں لوٹائے

○

مانگتی بھرتی تھی میں ماری ماری
نگری کے کوچے کوچے بے چاری
تیرا سنہرا رتھ جب جھلکا جیسے خواب سہانا
میں حیران تھی کون آیا ہے یہ راتوں کا رانا
آس بندھی، یہ سوچا بیتے اب بپتا کے دن
بھیک ملے گی مجھ کو مانگے بن

میرے چار چپیر
اب تو لگ جائیں گے سونے اور چاندی کے ڈھیر
آن رکا رتھ میں جس اور کھڑی تھی
کیسی نیک گھڑی تھی ـــــ

تو میرے پاس آیا
دھیرے سے مسکایا

سوچ رہی تھی، میرے جیون کو تو بھاگ لگائے

دیکھتی کیا ہوں آپ ہتھیلی کو پسرائے
تو بولا ''جو بھی ہے میرے پلے
تجھ کو دے دوں کر کے دھوم دھڑ لے ــــــ''
آہ مگر یہ راج ٹھٹھول نیارا
بھیک کو ایک بھکارن آگے تو نے ہاتھ پسارا
میں ایسی الجھن میں اُلجھی سمجھ نہیں کچھ آیا
اپنے جھولی میں سے دان کا دانہ ایک تھمایا

دن جب ختم ہوا، کی فرش پر اپنی جھولی خالی
دیکھی بات نرالی
میری اس معمولی سی ڈھیری میں صاف ابھرتا
تھا سونے کا اک دانہ کیا جگ مگ جگ مگ کرتا

پھر تو میں وہ پھوٹ کے روئی پیٹی ــــــ رام دہائی
ساری جھولی کیوں نہ الٹ دی اس کو یہ پچھتائی

○

سارے کام نبیڑے دن کے، رین اندھیرا چھایا
اور یہ جانا رین بسیرا کرنے
آخری آنے والا جو بھی تھا، نگری میں آیا
بھیڑ دیئے پس پٹ گھر گھر نے
گو اک آدھ نے پھر بھی ٹوکا، روکا، یہ سمجھایا
اک ہے باقی ـــــ اور ابھی آنا ہے راج کنور نے
''یہ ناممکن ہے'' یوں سب نے ہنس کر بات اڑائی
جیسے کسی نے پھر کنڈی کھڑکائی ـــــ
ہم نہیں بولے، سمجھے ہو گی تیز پون پروائی
اٹھ کر بتی بھی ہر ایک بجھائی
کچھ اونگھے کچھ سوئے
پھر اک بولا نیند میں کھوئے کھوئے
''آہٹ سی ہے شاید ایلچی آیا''

ہم ہنس کر بولے ''یہ پھر جھونکے نے کواڑ بجایا''
آدھی رات کو گونجی ایک صدا سی، پھر دل دھڑکا
ہم سوتے میں بولے ہو گا یہ بجلی کا کڑکا
دھرتی دہلی، ہلیں دیواریں، اچٹی نیند ہماری
اک بولا پہیے چرکے ہیں گذری کوئی سواری
ادھ سوئے سے باقی بولے ——— ہو گی ژالہ باری
ڈھول کی تھاپ پہ کوئی بولا ——— رات ابھی تھی چھائی
''جاگو جاگو دیر نہ ہو، پہلے ہی دیر لگائی
یہ سن کر دل بھینچ لئے، یوں ڈر سے ہم تھرائے
کچھ بولے ''وہ دیکھو راج کنور جھنڈا لہرائے
وقت نہیں جو ٹھہریں وقت بھی کب ٹھہرے، ٹھہرائے
راج کنور تو آیا لیکن کدھر ہیں گجرے دیپک
کہاں بٹھائیں کب ہے یاں پر راجہ جی کی بیٹھک
وہ لاج آئی، دھرتی میں گڑ جائیں لاج کے مارے
کوئی سبھا چوپال نہ کوئی جھنڈیاں پھول غبارے
ایک پکارا ہے بیکار یہ رام دہائی یارو
خالی ہاتھ سواگت کر کے بولو ''آؤ پدھارو'' ———
خالی خولی کوٹھڑیوں کے بیچ ہی لاؤ، اتارو

پھونکو سنکھ اپنے دروازے کھولو
اپنے اندھیر گھروں کے راج کنور کی تم جے بولو
بادل کڑکے اور فضا تھرائے ——
بجلی اندھیارے کو لگاتی ہے گھاؤ پر گھاؤ
ایسی آدھی رات میں وہ گھر آئے ——
پھٹی پرانی جیسی بھی ہے وہی چٹائی لاؤ
آنگن بیچ بچھاؤ

آندھی اور طوفان کے سنگ اچانک گھر آیا ہے
ایسی ڈراؤنی رات میں اپنا راج کنور آیا ہے

○

تیرے گلے کی مالا
نرم گلابوں کا یہ ہالا
جی چاہا میں تجھ سے مانگوں کھلا ہیا ؤ نہ لیکن
آس لگائی پس —— نکلے دن
تو جس وقت سدھارے
کھاٹ پہ سے میں چن لوں گی خوشبو کے بکھرے پارے
صبح ہوئی تو ڈھونڈا جیسے کوئی بھکارن ہو
ہاتھ لگیں تو بس یہ بکھری پتیاں اک یادو!
اوئی ری میں مرجانی
تیرے پیار کی اتنی ہی سی پاؤں ہائے نشانی
عطر پھلیل کی شیشی کوئی اور نہ دھونی کلیاں
تیری بجلی سی تلوار سے آگیں تیز اچھلیاں
بھور بھئے کھڑکی سے کرن اس گھاٹ پر آکے دہکے
پنکھ پکھیر و یہ پوچھے جب چہکے
کیا ہے تیرے پاس اری او ناری

عطر پھلیل، اگر لوبان نہ کلیاں ــــ بس یہ کٹاری
یہ کیسی سوغات ــــ مجھے یہ سن کر وہ حیرانی
کونا کھدرا بھی نہ ملے، گو چاہوں لاکھ چھپانی
لاج آئے ہے لگائے پھروں جو ــــ پھر میں کومل ایسی
چھاتی سے بھینچوں اس کو تو پیڑ اٹھائے کیسی
پھر بھی من میں اس ساری بپتا کا روگ سہوں میں
آخر ہے تیری سوغات ــــ کہوں میں
اب کے پیچھے اس دنیا میں خوف نہیں پنپتے
میرے سب جنجالوں میں تو جیتے
تو نے کر دی موت مری ہمجولی
جیون ماتھے جھمکا لگا کر اسے بٹھاؤں ڈولی
تیری کٹاری سے یہ اپنے سارے بندھن کاٹوں
اس دھرتی پر اپنے گھاؤ نہ چاٹوں
اب سے پیچھے تج دوں، جھوٹے کھوٹے روپ سنگار
کونوں میں بیٹھی نہ پروئیں آنسو موتی ہار

کیوں رہ تکنا، کاہے لاج سے لال گلابی رہنا
میں نے تیری کٹار کا زیور پہنا
مجھے سجے کیا اب گڑیا کا گہنا

○

تیرے کنگن پیارے پیارے
ان میں جڑے ہیں رنگ برنگے موتی تارے
مجھ کو لیکن بھائے، لگے کچھ اور ہی پیاری
تیری بجلی سی یہ بانک کٹاری
جیسے دیو آکاش کا پنچھی پورے پَر پھیلائے
ڈوبتے سورج کی گہری لالی میں اڑتا جائے
حرکت میں جب آئے جیسے لیوے کوئی سنبھالا
یا وکے دور میں آخر ہچکی لے کر مرنے والا
جب یہ جھلکے جل اٹھتی ہیں لاٹیں
جیتے میں جو ہر احساس کو اک جھٹکے سے کاٹیں

تیرے کنگن پیارے پیارے
اس میں جڑاؤ تارے
لیکن تیری اندر دیو کٹاری
اس میں ڈھلی ہے کیفیت یہ نرالی رام سنواری
سوچوں تو ڈر جاؤں
دیکھوں تو مر جاؤں

○

تیرا دل بوجھل ہے اب آنکھوں میں نندیا چھائی
تجھ تک خبر یہ نہیں کیا آئی؟
کیسی آن سے کانٹوں میں وہ پھول کھلا ہے
جاگ کہ بیتا وقت تو پھر بیکار گلہ ہے
تنہائی کے دیس جہاں ہے ختم ڈگر پتھریلی
ساجن اکیلا بیٹھا ہے —— تو اس سے چھیل چھبیلی
چھل مت کر اٹھ جاگ بھی جا، ری، اٹھ جا
دیکھ کسل مت کر آ کاش اگر ہے سلگا سلگا
سندھکائے اور تاپ چڑھائے
جلتا بالو پیاس کپٹ پھیلائے
تن یوں پھونکے، جاں ہونٹوں پر آئے

کیا نہیں ہے کوئی خوشی بھی تیرے دل کے اندر
تیرے پیروں کی اک اک آہٹ پر
رستے کا اکتارا
چھیڑے گا راگ ایسا میٹھا —— اور دکھیارا

○

جی سے تجھے سراہا
میں نے تجھ سے کچھ نہیں چاہا
اپنا نام تلک نہ بتایا
پھر تیرے جانے کا جب وقت آیا
کیسی سخت گھڑی تھی
پنگھٹ پر چپ چاپ کھڑی
پیڑ کا سایہ ٹیڑھا ڈھلکا، جلتی دھوپ اڑی تھی
اپنے گھڑوں میں پانی بھر کر
گھر چل دیں سکھیاں رستے پر
ہر کوئی بولے اور پکارے
"ری، آ جا بھی ساتھ ہمارے
صبح ڈھلی ہے
یہ دوپہر اوڑھ چلی ہے"

میں کچھ دیر تھکن سے سوئی
واں ٹھہری سوچوں میں کھوئی
ایسی، آہٹ بھی نہ ہوئی جب تو آیا تھا
مجھ کو دیکھ کے آنکھوں میں دکھ لہرایا تھا
جو تیرے لہجے میں کچھ کچھ چھلکا
جب تو نے مجھ سے بولا — ہلکا ہلکا
"آہ میں اک پیاسا راہی ہوں
اپنے سپنوں سے چونکوں میں اوک میں پانی بھر دوں"
چونک اٹھی، پنکھا جھل جائیں جیسے تیز ہوائیں
پتے سر سر لہرائیں
کوئلیں کوکو تان اڑائیں
موڑ سے پھولوں کی باس آئی
تو نے میرا نام جو پوچھا، گنگ ہوئی — شرمائی

کب تجھ کو یادوں میں رکھا
پہنا ہار یہ کب نولکھا
آتی ہے بس یاد سہانی
پیاس بجھانا، پلانا پانی

یادیہی من میں بولے ہے

ذہن میں میٹھاپن گھولے ہے

صبح ہوئے اب دیر ہوئی ہے

ٹوٹ رہی ہے پنچھی کی لے

میں بیٹھی ہوں نیم کے پتوں کی سرسر میں

ڈوبی سوچوں کے ساگر میں

○

بس ایسا ہے ـــــ مجھ میں تیری راحت ہے بھرپور
بس ایسا ہے ـــــ تو آیا ہے میرے پاس ضرور
اے سارے آکاشوں کی سرکار
میں جو نہ ہوتی، کرتا کہاں بسرام یہ تیرا پیار
اس دولت میں تو نے کیا ہے مجھ کو حصے دار
دل میں ختم نہ ہو تیرا سکھ ایسی راس رچائے
جیسا تو چاہے جیون ویسا ہی روپ اپنائے
اور ہمیشہ اس پر ہو یہ نکھار
مہابلی اس کارن تو باندھے کا ہے تلوار
کرکے روپ سنگار
تو کر لے ہے میرے اس تن من کو سہل شکار
تو چاہے جو آپ
تیرا پیار رکھے اس میرے پیار سے میل ملاپ
اور پھر ایسا ہو
جیسے ایکتا میں مل جائیں دو!

○

اجیالے میرے اجیالے تو جگ کو اجیالے
اجیالے جو آنکھ میں جوت جگالے
اجیالے جو من میں میٹھا ڈھالے
اے اجیالے — میرے جیون اندر ناچے پیارے
پیار کی تاروں پر جو ہلکے ہلکے چوٹیں مارے
کھل جائے آکاش ہوائیں ہو کر پاگل چھوٹیں
دھرتی سے ہنسیوں کے جھرنے پھوٹیں
اجیالے تیرے ساگر پر
پال اپنے اپنے لہرائیں تیتریاں البیلی
اجیالے تیری لہروں کے ہو ہو جائے سر
چمپا اور چمیلی
اجیالے — تو روپا کنچن بادل میں بکھرائے
مٹھی بھر بھر موتی پھینکے، چم دم وہ چمکائے
تیرے دم سے پتہ پتہ جھومے راس رچائے
خوشیوں کا ہر کوئی جشن منائے

نکلیں
بہ باہر یہ ہنستے کھیلتے روپ دھارے
روک سکیں ان کو نہ گگن ندیا کے تنگ کنارے

○

آج پیا جی تم یہ بات بھی ہونے دو

گیت میں سارے بول خوشی کے آخری بار سمونے دو

دھرتی میں خوشی جو ڈالی ڈالی پتے پتے جھومے ہے

ڈھیروں کے حساب اس اگتے گھاس کو چومے ہے

جیتی مرتی جڑواں بہنوں سنگ رہے اور گھومے ہے

جگ میں ناچ رہے ہیں سارے

جس سے طوفانوں کے دھارے

وہ جیون کو جگائے بھگائے

ٹھٹھے باز' ٹھٹھول اڑائے

وہ جو دان آنسو کرتی ہے

لال کنول میں دکھ بھرتی ہے

ہنستے ہنستے ہر شے کو جو خاک میں رولے

پر منہ سے اک لفظ نہ بولے!

○

میں تو یہ جانوں میرے دلدار
اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے تیرا پیار

پتوں میں جو ناچ رہا ہے نور
بادل جو واں تیر رہا ہے دور
اور یہ پروائی آوارہ گرد
جو کر جائے میرا ماتھا سرد
نور آنکھوں میں صبحوں کے ہنگام
دل تک آتا سا تیرا پیغام

تو جو اوپر سے مکھڑا چمکائے
یہ تیری آنکھوں کے پیارے سائے
جو میری آنکھوں میں یوں لہرائے
یہ جو اک جاگی مستی سے چھائے

میرا سویا سویا دل اٹھ جائے
یہ سیدھا تیرے چرنوں میں آئے

○

جن کا کوئی انت نہیں ان سنساروں کے گھاٹ
بچے بالک کرتے ہیں ہنس ہنس کر میل ملاپ
اور گگن دم سادھے کیسا ٹھہرا ہے چپ چاپ
بے چینی دھاروں کو جائے کاٹ
جن کا کوئی انت نہیں ان سنساروں کے گھاٹ
گہرا پانی کھلا سمندر ــــ لہریں ماریں زور
بچے بالک کھیلیں کودیں، اور مچائیں شور
بن بن کر پتوں کی جو بھی یہ ڈالیں ہیں ناؤ
لے جائے ہے ساتھ بہا کر تیز اتار چڑھاؤ
کیسے تیریں پانی میں جانیں نہ یہ بالک بال
اور نہ آوے ان کو کیسے ڈالا جائے جال
موتیوں کے کھوجی ماریں ہیں ڈبکیاں لیتے ٹوہ
آئے جہازوں میں بیوپاری لوگ گروہ گروہ

بچے بالک بیٹھے رہے ہیں سیپیاں گھونگے رول
جال نہ پھینکیں، تہ میں چھپے جو ڈھونڈیں دھن انمول
پیلی پیلی کرنوں میں مسکاتا جائے گھاٹ
ہنس ہنس کر ساگر کا بڑھتا گھٹتا جائے پاٹ
موت کی کاروباری لہریں گونجیں راڑ مچائیں
بچے بالوں کو بے معنی لوری گیت سنائیں
جانو جیسے پالنے کو ہلکورے دے کر مائیں
ساگر کرتا ہے بچوں سے کھیل
پیلی پیلی کرنیں گھاٹ پر کرتی جائیں کلیل
بچے بالک ہنس ہنس کریں ملاپ
بے پگڈنڈی کے آکاش پہ آندھی کی ہے تھاپ
بے رستے کے پانی اوپر گئے سفینے ٹوٹ
موت نے ہر سو آن مچائی لوٹ
جس کا انت نہیں ہے کوئی اس سنسار کنار
بچوں کی ہے ایک ہنسی کلکار
بال ملن تہوار ـــــــ

○

دھیرے دھیرے نیند جو بالک کی انکھوں میں آئے
یہ آئے ہے کہاں سے —— کون بتائے
لیکن سنتے ہیں پریوں کے دیس میں ہے اک گاؤں
جس پر چھائی رہتی ہے جنگل کی گھنیری چھاؤں
جگنو بُنتے رہتے ہیں واں مدہم مدہم نور
اس کا ٹھکانہ ہے وہ —— دور
واں پر ہے دو نازک کلیوں پر مستی کا ہجوم
واں سے آکر یہ بچے کی آنکھیں لیوے چوم
سوتے بچے کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان
کون سے دیس سے آکر جھلکی کون کرے پہچان
سنتے ہیں یہ نئی کرن ہے لیکن زرد اور ماند
جاتی خزاں کے بادل پر سے جو جھلکائے چاند
سپنے میں جب بھور نہائے اوس

تب یہ ہنسی بچے کی ہو لب بوس
بچے کے انگ انگ کا ایسا نازک نرم سبھاؤ
کون چھپائے تھا یہ اب تک کون، کہو بتلاؤ
جب تھی کنواری کنیا ماں اس کے من کا گھیراؤ
پیار نے آن کیا تھا چل کر چپکے چپکے داؤ
اس کے تازہ رس کا بچے کے انگ انگ بہاؤ

○

میرے بچے جب دوں تجھ کو رنگ برنگ کھلونے
تب مجھ کو احساس لگے یہ ہونے
کیوں ہے گھٹاؤں میں رنگوں کی ایسی آنکھ مچولی
کیوں پانی میں ان کی پڑیا گھولی
اور ہے کیوں پھولوں میں ان کی ہولی
جب بھرتا ہوں رنگ برنگ کھلونوں سے میں جھولی
جب میں تجھے نچانے کو یوں گاؤں
جان سمجھ یہ پاؤں
پتوں میں کیوں گیت بھرا ہے
لہروں میں کیا ساز دھرا ہے
جو بھیجیں سنتی دھرتی کے من کو میل ملہاریں
میں گاؤں، جب ناچ یہ تجھ کو میرے بول ابھاریں
تیرے للچائے للچائے ہاتھوں بیچ تھماؤں

جان سمجھ یہ پاؤں

شہد سے کیوں بھرپور ہے پھول کٹوری

پھل میں کیوں رس بھرے ہے چوری

بھروں مٹھائی سے آگے آئی ہتھیلی توری

منہ چوموں تو کھل کھل ہنس دے میرے راج دلارے

اک ٹھنڈک سی میرے بدن میں سارے

گرمی کی رت میں پروائی اتارے

خون میں سکھ بھر جائے لہریں مارے

بھور بھئے آکاش سے اتریں نورندی کے دھارے

تجھے ہنسانے کو جب چوموں میں تیرا منہ پیارے

○

جن سے میری جان نہ پہچان ایسے دوست ملائے
ایسے گھروں میں تو لے آیا مجھ کو جو ہیں پرائے
دور پرے نزدیک کیے' پردیسی بھائی بنائے

بے کل ہوتی ہوں جب چھوڑوں اپنا رین بسیرا
بھول ہی جاؤں نئے نے پرانے میں آڈالا ڈیرا
بھول ہی جاؤں اس ہی میں ہے ٹھور ٹھکانہ تیرا

اس دنیا یا دوسری دنیاؤں میں جیتے مرتے
تو لے جائے مجھ کو' جدھر بھی راہ نمائی کرتے
وہ اک ساتھی تو کہ جیون جیون ساتھ نبھائے
اس دل کو ان دیکھی خوشیوں کے بندھن پہنائے
جن سے میری جان نہ پہچان اس کے ساتھ ملائے

مان لے میری اس بنتی کو تو
ایک کے مس کا لطف نہ جائے' کھیل میں سب کو چھو

○

چھلک چھلک جائے ہے یہ جو میرے جیو کٹورے
سوم رس اس سے تو کیا پینا چاہے ساجن مورے
اور اگر ہے آشا
اپنے جگ کا کرنا میری آنکھیں کھول تماشا
میرے کانوں کی کھڑکی میں آکر
اپنے گیت بھجن سنسا خود گا کر
تیرا میرے دھیان میں بننا لفظ کا تانا بانا
پھر یہ راگینوں سے میل ملانا
اور مزے سے گانا

تیرا اپنا آپ مجھے یوں پریم کے ناتے دینا
اور پھر اپنے میٹھے پن کا لطف مجھی سے لینا

○

جس جاندی اترے ہے ڈھلوان سے تیز اکیلی
میں نے لمبی گھاس میں سے یہ پوچھا بول سہیلی
اپنے دیپک پر آنچل کی ایسے اوٹ کیے تو
جاتی ہے کس اور لئے تو
میرا سونا جھونپڑا اندھیارے سے کالا کالا
دے جا، تجھ سے مانگوں بھیک اجالا
اس نے رک کر
کالی کالی آنکھیں پل بھر
اندھیارے میں ڈالیں مجھ پر
پھر بولی میں تو ندیا پر آئی ہوں
اور یہ اپنا جلتا دیپک لائی ہوں
جب دن ڈوبے گا میں اس کو لہروں پر تیراؤں گی
پھر اپنے گھر جاؤں گی ــــــ
لمبی گھاس میں سے پھر میں نے دیکھا ــــــ تو
اک دیپک کی ٹم ٹم لو
جیسے اس کی یہ بیکار سی کوشش ہو
اجیالے ان تیز امڈتی لہروں کو ــــــ

○

بیٹھی ہے، جو میری ذات کی گہرائی میں
پار افق کے اجیالے میں زیبائی میں
بھور بھئے بھی جو نہ اٹھائے اپنا گھونگھٹ
اس کو اپنے آخری گیت میں ڈھال کے جھٹ پٹ
میرے آقا تیری بھینٹ چڑھاؤں
آخری بار یہ لاؤں
بولوں نے چاہا لیکن یہ اس کو جیت نہ پائے
آئے نہ ان میں بے شک آشا بھی باہیں پھیلائے
میرے خیالوں آن سمائے
نیندوں سپنوں میں ستائے
کیسے کیسے حکم چلائے
لیکن ہاتھ نہ آئے
لوگ میرے پٹ کھڑ کاتے ہیں

پھر مایوس چلے جاتے ہیں

کوئی نہیں ہے جس نے اس کا مکھ دیکھا ہو

ایسے تنہائی میں جو

بیٹھی ہے یہ آس لگائے کب سے جانے

تو آئے دیکھے پہچانے

میں نے پوچھا —— ''رات کا ہے ایسا گھر اسناٹا

تو نے دیپک کی لو سے اندھیارے کو کچھ کاٹا

تو اس کو اس طرح اٹھائے

کس اور ایسے جلدی جلدی جائے

میرا سونا جھونپڑا اندھیارے سے کالا کالا

دے جا تجھ سے مانگوں بھیک اجالا

میرے مکھ پر اس نے اٹھائیں آنکھیں کالی کالی

پل بھر ٹھہری شک میں ڈوبی ایک نظر سی ڈالی

پھر بولی کیوں آئی ہوں —— بتلاؤں

اپنا جلتا دیپک اب آکاش کی بھینٹ چڑھاؤں

دیکھوں میں وہ دیپک ایک خلا کے خول تلے ہے

اس کی روشنی واں بے کار جلے ہے

تھی بن چاند اماوس کی آدھی شب —— اس سے میں نے پوچھا یہ جب

بول سہیلی کس کی کھوج میں آج ہوا ہے آنا

ایسے دل کے ساتھ لگائے دیپک کا نذرانہ

میرا سونا جھونپڑا اندھیارے سے کالا کالا ــــ دے جا تجھ سے مانگوں بھیک اجالا

وہ پل بھر کو ٹھہری ــــ مجھ پر اندھیرے میں سے نظر اب کے دوڑائی گہری

پھر بولی: دیوالی کے تہوار میں شامل کرنے

دیپکوں کے سنگ اس جالائی ہوں یہ دیپک دھرنے

اپنی منت بھرنے

میں نے دیکھا وہاں کھڑے وہ اس کا ننھا دیپک

روشنیوں میں کھو گیا بیکا اور نہ آئے نظر تک

○

تو ہے فلک اور تو ہی نشیمن
اے جان من ——
تیری محبت کا یہ مسکن
اس سے میری روح میں آئیں
خوشبوئیں رنگ اور نوائیں
صبح سبد زرین اٹھائے
دائیں ہاتھ میں گجرے لائے
ارض کو چپکے سے پہنائے
دور چراگاہیں جو خالی
کر کے گئے ریوڑ رکھوالی
شام اٹھائے سنہری گاگر
بے پگڈنڈی کے رستے پر
دھیرے دھیرے آئی چل کر

مغرب میں ساگر سے بھر بھر
لطف اور چین کا بادہ خوش تر
پیتی جائے اور پلائے
مستی کا اک عالم چھائے
لامحدود مگر پہنائی
روح کی یہ پرواز آرائی
اوپر اوپر بالا بالا
پاکیزہ بے داغ اجالا
اس میں دن اور رات نہیں ہے
رنگ برنگی ذات نہیں ہے
ایسی کوئی بات نہیں ہے

○

تیری کرن میری دھرتی پر آتی ہے
باہوں کو پھیلاتی ہے
میرے در پر آن کھڑی ہو جاتی ہے
دن ہو ختم تو وہ لے جا کر تیرے پاؤں میں ڈالے
میرے گیت آنسو میں ڈوبے میری آہیں نالے
اور بنا کر بادل ــــــ
جیسے ہو یہ آنچل
اپنی تاروں بھری چھاتی پہ لپیٹے
کتنے نمونے سلوٹ سلوٹ یوں رنگین سمیٹے
اور کبھی تو گہری چھب جڑ جائے
اور کبھی مدھم مدھم پڑ جائے
اور یہ جب بن جائے نازک آنسو
پھر اس کو کتنا چاہے تو
پس بے داغ متین اے پیارے
تیرے تیز اجیالے کے لشکارے
ان پر یہ غمگین پرچھائیں ڈالے
ایسے اسے چھپا لے ــــــ

○

میری رگوں میں جیون ندی دوڑے جو دن رات
وہ ہی جگ میں ناچ رہی ہے خاص سلیقے سات
یہ ہی جیون تو چیرے ہیں زمین کی مٹی خاک
اور جھلائے مستی سے ہر تنکا سب خاشاک
اور مچائے ٹہنی ٹہنی پتے پتے شور
خوب لگا کر زور ــــ
یہ ہی کھینچے ہے پھولوں کی ڈور! ــــ
یہ ہے موت جنم کا ساگر گہوارہ بھی جھلائے
جوار اور بھاٹا لائے
یہ جیون کا جگ جب میرے انگ انگ اندر آئے
یا مجھ کو چھو جائے
من کیسا اترائے

ــــ یہ اتراہٹ پائے
اس جیون دھڑکن سے جگ جگ جو جھومے لہرائے
اور جو اس پل میرا خوں گرمائے

○

کیا یہ تیرے بس میں نہیں ہے
خوش ہو سن کر یہ میٹھی لے
گر کر خود کو اس میں ڈبو کر
چور اس مستی سے ہو ہو کر
اور اس کی تندی میں سمو کر
تو یکسر ہو جائے کھو کر
بھاگ رہی ہیں چیزیں ساری
ان کا اب رکنا ہے بھاری
کوئی نہیں ٹھہرے ہے دم بھر
کوئی نہیں دیکھے ہے مڑ کر
ہر اک ایسی اندھا دھند بھاگے
روک سکے کون آ کر آگے
قدم ہر اک اس طور اٹھاتی

بے کل راگنی سنگ ملاتی
آئیں جائیں ناچتے موسم
جھرنوں سے ٹپکاتے ہر دم
رنگ اور تانیں اور خوشبوئیں
بس جائیں جو روئیں روئیں
ہر اک پل یہ روپ دکھائیں
نکھریں بکھریں اور مر جائیں

○

میں ایسی بن جاؤں ــــــ
گھوموں چاروں سمت اور چھاؤں
تیری چمک پر بن کر رنگ برنگا سایہ
ایسی تیری، مایا
اپنی ہستی کے گرد آڑ بنائے
پھر یہ لاکھوں بولوں میں سنوائے
اور یہ تیری آپی برہن میرا تن بن جائے ــــــ
گونجے فلک میں تیرا سوز کا سرگم
بن کر سو رنگوں کے آنسو ہر دم
دھڑکے، امیدیں مسکائیں
لہروں کی ڈبکیاں اور اٹھائیں
ٹوٹتے بنتے پتے
کیا کیا بن کر مجھ پر کھولے جائے تو گن اپنے ــــــ

تونے یہ پردہ جو آڑ بنایا
اس پر کیا کیا نقش بنائے کیا کیا رنگ لگایا
اس کوچی سے رات اور دن کی
بیٹھ گیا ہے پھر تو پیچھے آڑ لئے یوں جن کی ـــــ
بُن کر اپنی مسند کیسے ٹیڑھے میڑھے بھیدوں سے
سیدھے خطوں اور چھیدوں سے ـــــ

○

سنیاس بن جاؤں
میں ایسے مکتی تو نہ پاؤں
میرے گلے سے آن لگی ہے رہائی
تیری زنجیر اپنے آپ کو میں نے جب پہنائی
اس مٹی کے پیالے میں دائم تو بھر بھر ڈالے
کتنے ہی رنگوں خوشبوؤں والے
اپنی مدھرا کے تازہ رس ـــــ

تیرے اجیالے سے یہ پس
میری دنیا سینکڑوں دیپک کر کے روشن
تیرے مندر بھینٹ چڑھائے ہے سب تن من

میں نہیں روکوں میری سمجھ بوجھ

سننا چھونا، سب تیری مرضی سے سوجھے
ہاں پلٹے گی میری کایا
میری ساری مایا چھایا
تیری خوشی کے نور میں جلتی جائے
میری اک اک آشا تیرے پیار میں ڈھلتی جائے
پھولتی پھلتی جائے

○

تیرے اندر ہے جو گوری
تجھ کو چھو کر چوری چوری
تیرے تن میں رس بھرتا ہے
اور تجھے سدھ میں کرتا ہے
وہ ہی تیری آنکھوں میں مستی بھی گھولے
وہ ہی تیرے دل کے تاروں میں بھی بولے
دھیرے دھیرے ہولے ہولے
کتنی دھنوں میں ہنس لے رو لے

وہی ہی ہے مایا کا جالا
کچے کچے رنگوں والا
روپا ایسے صاف بجیلے
سونے ایسے پیلے پیلے
لال ہرے اور نیلے

تہ پرتہ پردے سے ڈالے
ان میں سے وہ پیر نکالے
تیرا جی چاہے جو چھولے
اپنے آپ کو بھولے
چلتا جائے تیز زمانہ
اس کا تیرے بیچ ٹھکانہ
تیرا دل دھڑکائے
اب اپنا یہ نام بتائے
اب وہ بھیس بنائے
اب خوشبوؤں سے بہلائے
اب دکھ دے —— تڑپائے

○

ختم ہوا دن پرچھائیں ہے اب دھرتی پر
وقت ہے جا کر ندیا سے بھر لاؤں گاگر
سانجھ کی پروائی دہرائے
پانی جو دکھ ٹھمری گائے
آہ یہ اندھیارے میں بلائے
سونی سونی پگڈنڈی پر
نظر نہ آئے کوئی مسافر
پروا شور مچائے
ندیا میں سر موج سے موج بھڑائے
کیا جانوں پھر گھر بھی لوٹ کر آؤں
کیا جانوں رستے میں کس کو پاؤں
گھاٹ پہ چھائی سی دنیا میں پردیسی انجانا
اپنی بانسریا میں بجائے گانا

○

ہم جانا انسانوں کو ہر چیز عطا کرتا ہے تو
اپنی ساری نعمتیں کیا بھر بھر کے دیا کرتا ہے تو
پھر تیری ہی سمت پلٹ جاتی ہیں یہ
لب کچھ گھٹ جاتی ہیں یہ——
روز کا فرض ندی کو پورا کرنا ہے
کھیتیاں سینچتی، کٹیاؤں میں برتن باسن بھرنا ہے
پھر بھی اس کی موجوں کو بن ٹھہرے چلتے رہنا ہے
تیرے پاؤں کو دھودے آکر—— بہنا ہے

پھول ہوا کو خوشبو سے مہکاتے ہیں
ٹھیک ٹھکانے لگتے ہیں جب بھینٹ تری چڑھ جاتے ہیں
تیری پوجا سے کب دنیا میں کچھ گھاٹا پڑتا ہے
شاعر جب لفظوں کے موتی جڑتا ہے
جو بھی چاہیں لوگ معانی لیتے ہیں
اصل پتہ لیکن یہ تیرا دیتے ہیں

○

دن پر دن جائیں اے میرے جیون دینے والے
یہ ہے تیرے حوالے ـــــ
میں بیٹھی ہوں دھرنا مارے
تیرے آگے جوڑے ہاتھ جگت کے پالن ہارے
تیرے منہ کی سمت کیے منہ پیارے
تیرے اس اونچے آکاش کے نیچے میں دم سادھوں
پھر چپ چاپ اکیلی اور یوں
دل میں تجھے اتارے ـــــ میں بیٹھی ہوں دھرنا مارے
تیرے منہ کی سمت کیے منہ پیارے
تیرا یہ جگ ہے دکھیارا
جتن کٹھن کا دنگل سارا
یہ لوگوں کے جمگھٹ
دوڑے جائیں سرپٹ

روپ مگران میں جوگن کا دھارے ـــــ میں بیٹھی ہوں دھرنا مارے

تیرے منہ کی سمت کئے منہ پیارے

جگ میں جب میرا نبٹے گا دھندا

توڑ کے اس کا پھندا

آ جاؤں گی راجاؤں کے راجہ تیرے دوارے

میں بیٹھی ہوں دھرنا مارے ـــــ تیرے منہ کی سمت کئے منہ پیارے

○

نئی نئی جب دنیا ہست میں آئی
تاروں نے پہلی شوبھا چمکائی
منڈلی فلک پر دیوتاؤں نے جمائی
مل کر یہ دُھن گائی
''اچھائی کے پورے خاکے
اے سکھ چین بنا جو سچے سچے روپ ملا کے''
لیکن ایک اچانک یہ چلایا
''میں نے تو یہ پایا
ٹوٹ گیا ہے بیچ کہیں سے اجلے نور کا دھارا
کھویا ہے اک تارا''
تار سنہری تب ان کی بربط کے جھن سے ٹوٹے
بول رکے گانے کے ــــ چھکے چھوٹے
اور وہ بولے

مایوسی میں ہولے ہولے

"ہاں جو سب سے اچھا تھا وہ تارا ہم نے کھویا

وہ سارے آکاشوں کا دل، گویا"

تب سے اس تارے کی کھوج ہے جاری

اک اک چیز پکاری

اس تارے کے ساتھ گئی ہیں اپنی خوشیاں ساری

رات کی چھائی ہے گہری خاموشی

تارے اس میں ہنس ہنس کر کرتے ہیں یہ سرگوشی

کس کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں بیکار یہ مارے مارے

ان کے اپنے گرد ہیں سارے اس کے نور نظارے

○

دور کھڑا ہوں ـــــ تو مالک میں داس
جان کے تجھ کو اپنا لگ جاؤں نہ تیرے پاس
باپ نہ کہہ کر چرنوں میں گر جاؤں
مان کے ساتھی ہاتھ نہ تیرے ہاتھوں میں پکڑاؤں
اپنے دل میں بٹھاؤں
تجھ کو اپنا میت بناؤں
تو بھائیوں میں بھائی
ان سے نہ لیکن میں نے توڑ نبھائی
اور نہ بانٹ کے کھائی
ان کے ساتھ کمائی
اور نہ تیرے سنگ ہی بانٹ بٹائی
لوگوں کے دکھ سکھ میں نہیں میں آؤں کسی کے کام
اور مری یہ آشا ہے یوں تیرا دامن تھام
جائے نہ میری جان مگر چاہوں ہو جائے ملاپ
جیون جل کے ساگر میں گر جاؤں نہ جا کر آپ

○

میرے بھاگ نہیں ایسے گر
تجھ سے ملنا ہو جیون بھر
میری نظر ہی — جانوں میں تو
دیکھ نہیں سکتی ہے تجھ کو
پل بھر بھی یہ مت بسراؤں — یہ دگدا سینے سے لگاؤں
اپنے سپنوں بیچ بھروں یہ — جاگوں تو محسوس کروں یہ
گذریں دن دنیا کی بھری منڈی میں میرے
فائدے ہاتھ لگیں دن رات بہتیرے
لیکن ہوا احساس نہیں کچھ بھی پایا ہے
ہر پل بیٹھا سوچوں کیا گھاٹا کھایا ہے
پل بھر بھی یہ مت بسراؤں — یہ دگدا سینے سے لگاؤں
اپنے سپنوں بیچ بھروں یہ — جاگوں تو محسوس کروں یہ
جب بیٹھوں رستے پہ کنارے
سخت نڈھال تھکن کے مارے
خاک پہ بوریا جب بھی ڈالوں!

دل سے نہ یہ اک بات نکالوں!!

کچھ ہی دیر ٹھکانہ ہو گا ـــــ مجھ کو لمبا جانا ہو گا

پل پھر بھی یہ مت بسراؤں ـــــ یہ دگدا سینے سے لگاؤں

اپنے سپنوں بیچ بھروں یہ ـــــ جاگوں تو محسوس کروں یہ

جب کٹیا کو ٹھیک سجاؤں!

ہنس ہنس گیت ترانے گاؤں

دل میں ایک کھٹک سی پاؤں

کیوں نہ تجھے اس بیچ بساؤں

نکلوں لاؤں جاؤں بلاؤں

پل بھر بھی یہ مت بسراؤں ـــــ یہ دگدا سینے سے لگاؤں

اپنے سپنوں بیچ بھروں یہ ـــــ جب جاگوں محسوس کروں یہ

○

اے میرے بھرپور چمکتے سورج — میں تو
جیسے گگن پر پت جھڑ کا بادل اڑتا ہو
تو نے چھو کر میری بھاپ نہیں پگھلائی
تجھ میں نہیں میں بن کے نور سمائی
کتنی گذری یہ دن رات جدائی
گر ہے تیری آشا
یہ ہے تیرا کھیل تماشا
تو میرا اڑتا خالی تن
لے کر کر دے اس کو کندن
رنگ آوارہ ہوا کے بھر دے
ایک اچنبھا کر دے
ختم کرے گا تو کھیل اپنا
تب میں رات کے اندھیارے سے کرلوں گی میل اپنا
یا پھر صاف سویرا جب مسکائے گا
میری ہنسی ٹھٹھو سے اجلے پن میں خود جھلکائے گا

○

کیا میرا من رویا ہے
وقت جواب تک یوں کھویا ہے
لیکن میں نے کھوئی کہاں ہے
یہ جیون کی جو گھڑیاں ہیں
وہ تو تو نے چھین لیاں ہیں
خود کو چیزوں بیچ چھپالے
بیجوں کو اندر سے ڈھالے
کلیوں سے تو پھول کھلائے
میووں کو شاخوں پہ پکائے

میں تھک کر کھٹیا پر لیٹی
جانا ہر اک چیز سمیٹی
سوچا دھندے ختم ہوئے سب
بھور بھئے سو کر اٹھی جب
دیکھا تو میری پھلواری
پھولوں سے بھرپور تھی ساری

○

وقت کی تھاہ نہیں ممکن ــــ لے
کون ترے پل گھڑیاں گن لے
دن رات اور جگ بیتے جائیں
پھول ایسے کھل کھل مرجھائیں
تو بیٹھا یہ جانے
آگے پیچھے جائیں زمانے
جنگلی پھول کھلا کر پورا
رہ جائے گا کام ادھورا
وقت نہیں جو وقت کو کھوئیں
ہاتھ لگے سے ہاتھ ہی دھوئیں
حیثیت کیا تیری میری
ہم جو لگائیں دیری!
وقت لگائے پر اڑتا ہے   تیری بھینٹ کو جو جڑتا ہے
جو حصہ اس میں جتلائے   مجھ سے جھگڑا الو لے جائے

تیری قرباں گاہ ہے خالی!

اس پہ چڑھا پاؤں نہ میں ڈالی

بھیڑ نہ لے تو پٹ ڈرتی ہوں

دن چھپ جائے گا مرتی ہوں

وقت ہے اطمنان آئے ہے

میری جان میں جان آئے ہے

○

ماں میں دکھ کے آنسوؤں
یہ نولکھا ہار پروؤں
کرنوں کی پازیب بنائے
تارے پاؤں سجانے لائے
تیری دین یہ شہرت یہ دھن
دے کہ نہ دے تیرا اپنا من
میرے دکھ کا یہ پشتارا
اپنا ہے سارے کا سارا
جب یہ تیرے بھینٹ چڑھاؤں
بدلہ جھولی بھر بھر پاؤں

○

یہ ہے درد جدائی کا جو
ڈھانپ رہا ہے سارے جگ کو
اور آکاش پہ بھی یہ بنائے
کتنی شکلیں کتنے سائے
آنکھ جہاں تک پہنچے جائے

یہ ہے درد جدائی کا جو
رات میں جب سب خاموشی ہو
تارے سے تارے تک جھلکے
راگ سنائے ہلکے ہلکے
جب پتوں کو آن جھلائیں
ساون کی گھنگھور گھٹائیں
روگ سا پھیلے دکھیاروں میں
ان کی آشاؤں پیاروں میں

دکھ دھوپوں میں سکھ چھاؤں میں
جھونپڑوں میں اور کٹیاؤں میں
یہ ہی روگ ہمیشہ پگھل کر
گیتوں اور نغموں میں ڈھل کر
اپنی پیڑ اور اپنی دھن سے
اٹھتا ہے شاعر کے من سے

○

راجہ کے دربار سے نکلے جب ساونت اور یل
کہاں چھپا کر آئے تھے وہ سب اپنا کس بل
کہاں جھلم ہتھیار دھرے تھے
کیسے بے بس ان کے پرے تھے
راجہ کے دربار سے نکلے کہیں نہیں تھیں آڑیں
دن بھر ان پر ہوتی رہی تھیں تیروں کی بوچھاڑیں

راجہ کے دربار کو لوٹے جب ساونت اور یل
کہاں چھپا کر رکھا تھا وہ سب اپنا کس بل
چھوٹے تیر کماں تلواریں
ماتھے پر تھیں امن بہاریں
پیچھے نچوڑ کے اپنے جیون کا سارا رس آئے
جس دن وہ پھر راجہ کے دربار کو واپس آئے

○

تیری باندی موت، مرے دروازے اوپر آئی
ان دیکھے ساگر طے کرکے پروانہ گھر لائی
رات ڈراؤنی اور اندھیاری، من میں خوف براجا
دیپک لے پٹ کھول کھونگی پھر بھی جھک کر آجا
تیرا ایلچی میرے گھر پر آیا
کروں سواگت اس کا دل بھر آیا
جوڑ کے ہاتھ کروں پرنام اسے میں
دے دوں سارا چام اور دام اسے میں

اپنا کام کرے وہ چل دے
میری صبح پہ کالا سایہ مل دے
یہ میرے گھر کی ویرانی
اس میں میری ہستی فانی
میری آخر نذر نشانی
دی جو منت مانی

○

یاس میں آس لئے ڈھونڈ رہا ہوں اس کو
وہ مرے کمرے کے کونے میں چھپی بیٹھی ہو
وہ ملے ہی نہ مگر
اور ذرا سا یہ گھر
جو یہاں سے جائے
پھر نہیں آئے ــــ نہیں پھر پائے

ـــــــــــــــــــ

وہ بڑی تیری حویلی ہے وہ اونچے پھاٹک
ڈھونڈتا ڈھونڈتا پہنچا ہوں اسے میں یاں تک
یہ تیرے شام کے آکاش کی زریں چھتری
تیرے چہرے پہ نظر شوق بھری
سخت کوشش سے مگر میں ڈالوں
اس کے نیچے یہ کھڑا ہو کر یوں

اس امر گھاٹ پہ جو آیا ہوں
کچھ نہیں مجھ سے رہا ہے اوجھل
آس، سکھ چین —— وہ مکھڑا کومل
نظر آتے ہیں، کیا آنسوؤں نے گو جل تھل
کائنات ایسی مکمل اور گرم
اس طرح تیرا ہو محسوس مجھے لمس یہ نرم

○

تیرا سونا سونا مندر
دینا کے ٹوٹے تاروں پر
تیری بانی گائی نہ جائے
گھنٹی ٹن ٹن بج نہ بتائے
شام سمے تیری پوجا کا
اور گھٹا ہے سانس ہوا کا

یہ تیرا سنسان دوارا
جھونکا پروا کا آوارا
پھولوں کا سندیسہ لائے
لیکن پھول نہ لے کر آئے
کوئی جو تیرے بھینٹ چڑھائے

تیری ایک پران پجارن
تن من تج کے تیرے کارن
آس لگائے ہے بے چاری

گھوم رہی ہے ماری ماری
اس کی جھولی خالی ساری

سانجھ سمے جب لائیں سائے
سب کچھ مٹیالا ہو جائے
وہ سونے مندر میں آئے
تیری آشا جوت جگائے
اے سونے مندر کے باسی
ہر تہوار یہ چپ چپ داسی
رین بتائے پوجا پاٹ کی
ایسی کالی بے لولاٹ کی

اچھے اچھے ماہر بت گر خوب دکھائیں فن کے جوہر
جو بت بھی محنت سے تراشے
بہہ گئے کیسے بن کر لاشے
بھولی بسری پاک ندی میں
بس رہتا ہے تو بن پوجا
اس نا مٹنے جوگ بدی میں
سونے مندر ہی کا دیوتا

○

کنڈی کھڑ کائے گی جب موت آن
کیا دوں گی میں اس کو دان
وہ میری مہمان
پیش کروں گی اس کو اپنی جان
باسن بھر جل پان
خالی ہاتھ نہ ہرگز اس کو جانے دوں
اس کو نذرانے دوں
اپنے خزاں کے دنوں کی بھات
گرمی راتوں کے پھل پات
جو بھی کمایا ہے دن رات
پیش کروں گی دے کر دھیان
آج بچھا کر دستر خوان
کنڈی کھڑکے گی جب آن
میری موت' مری مہمان

○

میرے مالک کب چاہے ہے اونچے اونچے بول
میرے لفظوں کے یہ بجتے ڈھول
پس گذرے ہے خاموشی میں
من بانی ہو سرگوشی میں

آدمی شاہی منڈی جائیں
بیچیں خریدیں بھیڑ لگائیں
لیکن ایک ادھر یہ میں ہوں
چلتے دھندوں کے اندر یوں
بے وقت اپنی چھٹی کرلوں

پھول اس بگیا میں کھلنے دو
ہو کہ نہ ان کی اب یہ رت ہو
دوپہرے مکھیاں آنے دو
شور مچا کر ستانے دو

میرے گھنٹے جائیں گذرتے
پاپ اور پن کی کوشش کرتے
چاہے بیکاری میں ساجن
میں بس اسی ہی کی جاؤں بن
سمجھوں نہ کیسا ہے یہ بلاوا
اچانک یہ کیسا دکھلاوا

○

موت کہہ یوں دیتی ہے جیو کٹورا بھر بھر
میری موت آ تو مجھ سے اب سرگوشی کر
میں نے تو ہر دن تیرا رستہ دیکھا ہے
سہہ لی ہے جو بھی دکھ سکھ کی لکھ ریکھا ہے
جو بھی میں ہوں جو بھی میرے پاس ہے سب کچھ
میرا سارا پیار ہے ساری آس ہے سب کچھ
ہر دم ہے تیری جانب کو ٹھیک روانہ
تیری بھیدی تھاہ میں ان کا ٹھور ٹھکانہ
جاتے جاتے اور نظر اک گر تو ڈالے
کر دوں تجھ کو میں اپنی یہ جان حوالے
دولہا کے لیے پھولوں کے گجرے ہار پروئے
پھیرے ہوئے بابل دیس اب دلہن سے کھوئے

اب یہ اکیلی اپنے ساجن سنگ سدھارے
رات کے پھیلے ہیں سونے سونے اندھیارے

○

مجھ کو یہ معلوم ہے اک دن آئے گا
جب مجھ سے یہ جگ اوجھل ہو جائے گا
چپکے سے جیون چھٹی پر چل دے گا
میری آنکھوں پر اندھیارے مل دے گا
رات یونہی تاروں کا جشن منائے گی
صبح بھی جیسے آتی ہے یہ آئے گی
پل گھڑیوں کا ساگر لہریں مارے گا
درد ڈبوئے گا اور چین ابھارے گا

اپنی آخری گھڑیوں کا دھیان آتا ہے
وقت کا پردہ آگے سے ہٹ جاتا ہے
موت اجالا تیرا جگ دکھلاتا ہے
اس میں دیکھوں ڈھیروں ڈھیر خزانے ہیں
اور وہاں پر جو اپنے بیگانے ہیں

کم سے کم پا کر بھی نہیں وہ خالی ہیں
نیچے سے نیچے رہ کر بھی عالی ہیں

میں نے جو یوں چاہا ہے یوں پایا ہے
وہ سب کچھ جھوٹا وہ سب کچھ مایا ہے

وہ مل جائیں جن چیزوں کو چھوڑا تھا
جن کو ہیچ سمجھ کر یوں منہ موڑا تھا

○

میں چھٹی کرتا ہوں — مجھ کو
میرے بھائیو رخصت کردو
تم کو اب آداب کروں میں
تم سے بس اب چلتا ہوں میں
لو یہ گھر کی چابی واپس
اس پر کوئی نہیں دعویٰ بس
تم سے ہوں یہ صرف سوالی
اچھی دو اک باتیں خالی
کالے کونے میرا دیپک
جو روشن جلتا تھا اب تک
بجھنے لگا ہے — ہوا سویرا
آ پہنچا ہے بلاوا میرا
کوچ کروں اب یاں سے ڈیرا
میں چھٹی کرتا ہوں مجھ کو
میرے بھائیو رخصت کردو

○

میں جاتی ہوں شاد رہو تم
سکھیو مجھ کو وداع کہو تم
جگ مگ جگ مگ کرے سویرا
اجلا اجلا رستہ میرا
مت پوچھو کیا پونجی لے کر
میں نکلی ہوں ایسے سفر پر
میرے دونوں ہاتھ ہیں خالی
دل میں ہے امید سوالی
میں پہنوں گی بواہ کا گجرا
پاس نہیں وہ جوڑا سجرا
جو پہنے ہے جانے والا
رستہ بھی کب دیکھا بھالا
اس میں کتنے خطرے کڑکے

من کب میرا ڈر سے دھڑکے
ختم سفر جب ہوگا سارا
تو نکلے گا شام کا تارا
مل جائے گا میرا پیارا
دھندلکے دھیمے گیت سنائیں
راج محل کی راہ سجھائیں

○

مجھ کو یاد نہیں وہ پل ــــ جھٹ
آدھی رات میں کھول کے چوپٹ
پار کرا کے جیون چوکھٹ
بھید بھرے جگ میں لے آئی
کس طاقت نے کلی یہ کھلائی
صبح کو پھر یہ نور جو دیکھا
یہ جوبن بھرپور جو دیکھا
یہ نہ لگا کچھ مجھ کو پرایا
میری سمجھ میں بھید نہ آیا
اس نے گود میں بھر لیا مجھ کو
بس جیسے وہ میری ماں ہو
غیر آئے گا موت میں بھی وہ
جس کو میں جانوں ہوں لے تو وہ

چونکہ ہے زیست مجھے یوں پیاری
موت پہ جاؤں واری واری

جب دائیں چھاتی سے چھڑائے
بچہ روئے فیل مچائے
منہ میں لیکن بائیں پائے
تو کیسا ٹک جائے

○

میں جب دوں گا اپنی جان
آخری بول کہے گی زبان
جو دیکھا اونچا ایوان
واں تک جانا کب آسان

نور کے ساگر کا پاتال
گیت کنول کا واں مکھیال
میں نے پیا میں خوش انسان
آخری بول کہے گی زبان

یہ دنیا کی روپ سرائے
بے گنتی یہ مورتیں سائے
یاں پر کھیلیں اپنا کھیل
میری نظر کا تو ہو میل
اس سے جس کا روپ نہ رنگ
جسے چھوئے تو تن ہر انگ
کانپے ہانپے اور تھرائے

جانے وہ گر جائے جان
آخری بول کہے یہ زبان

○

جب میں تیری ہمجولی تھی
کون ہے تو یہ کب بولی تھی
ڈرتی اور نہ شرماتی تھی
زندگی دل کو گرماتی تھی
صبح سویرے تیرا آنا
اور مجھے سوتے سے جگانا
جیسے میری اپنی سہیلی
وادی وادی پھر میں کھیلی
تیرے سنگ جہاں لے جائے
جیسے کھیلے اور کھلائے
وہ دن میں نے پروا کب کی
تیرے گیتوں کے مطلب کی
تو نے کوئی تان اڑائی
میں نے بس آواز ملائی
تال پہ جھٹ میرا دل جھوما
کھیلا حال یہ ناچا گھوما
کھیل سمے جو ختم ہوا اب
یہ دنیا آنکھوں کو جھکا کر تیرے پاؤں پڑی گھبرا کر
اور ہیں تارے گم سم سارے

○

میں ہارا ہوں — اس کے بدلے تجھ کو یار
میں پہناؤں سب انعام کے گجرے ہار
میری کب ایسی یہ ہمت اور مجال
میں بچ بھاگوں — جو چاہے کر دے پامال
اپنا حشر پتہ ہے ہو جاؤں گا خوار
ڈھے جائے گی میری شیخی کی دیوار
درد سے جیون توڑے گا اپنی زنجیر
سسکے گی سبکی سے زرسل کے مزمیر
اشکوں میں پتھر پگھلیں گے ہو کر موم
ہے مجھ کو معلوم —
کنول کی ساری پنکھڑیوں کے ہونٹ رہیں گے بند
اس کے اوجھل کونوں سے نکلیں گے مصری قند
نیلے گگن سے میرے اوپر جھانکے گا اک نین
خاموشی سے مجھ کو بلا لے گا وہ ہوگا بین
میرے لیے کچھ بھی نہ رہے گا کوئی بھی تو چیز
موت بنے گی مجھ کو تیرے پیروں کی دہلیز

○

جب چھوڑوں پتوار یہ جانوں میں یار
جب تو لے یہ سنبھال جو چلنی ہے چال
جھٹ اس پر تیار کوشش ہے بیکار
دیکھ اٹھالے ہاتھ کوئی نہ دے گا ساتھ
لے من ہار اب مان بلکہ تو ایسا جان
یہ ہیں تیرے بھاگ اور لگاؤ لاگ
کچھ مت کر اب آپ بیٹھا رہ چپ چاپ
پون کا جھونکا آئے تیرا دیپ بجھائے
جتن کا ہے یہ فضول جلانا جاؤں بھول
اب نہ بنوں نادان اندھیرا ہی لوں تان
بیٹھوں آس لگائے اپنی کھاٹ بچھائے

تیری خوشی بھگوان
جب چاہے اس آن
چپکے سے بے دھیان
کر لے یاں استھان

○

روپ انوپ کے ساگر میں نیچے تک غوطے ماروں
لے آؤں بہروپی موتی ہردم آس وچاروں
ناہیں گھاٹ سے گھاٹ لئے جاؤں یہ ٹوٹی ناؤ
بیتے دن جب مجھ سے کھیلیں تھے لہروں کے بہاؤ
موت نہیں ہے واں میں چاہوں جس جا مر کر جاؤں
تھاہ نہیں ہے جس کی واں جانے کی اجازت پاؤں

بے تانوں کے تار کریں واں راگنی کی گونجار
اس نگری میں جاؤں لے کر اپنا جیو ستار
اور کروں اک سار ہمیشہ ان تانوں سے تان
ہو جائے جب آخری بولوں کی خاموش زبان

اپنی ستار دھروں میں اس کے پیروں میں چپ چاپ
جس کی سدا آواز نہ کوئی جس کی چاپ نہ تھاپ

○

میں جیون بھر گیت سناؤں
گاؤں گا کر تجھ کو پاؤں
لے کر گھومے مجھ کو گھر گھر
ان سے یہ وشواش اپنے پر
ان سے میں بیدار ہوا تھا
جگ کو پایا اور چھوا تھا
ان گیتوں نے مجھے پڑھایا
جو جانا ان ہی نے سکھایا
سب اوجھل رستے دکھلائے
دل میں تارے سے چمکائے
مجھ کو گیت چلاتے آئے
دکھ سکھ کی بستی تک لائے
اب پہنچے یہ مجھ کو لے کر
کیسی حویلی کی چوکھٹ پر

میرے سفر کی شام ہوئی ہے
دوڑ اور بھاگ تمام ہوئی ہے

○

میں لوگوں میں کیا اترایا　　　جب تیرا پردہ سرکایا

جو کھینچے خط اور لکیریں

ابھری ہیں تیری تصویریں

مجھ سے پوچھیں لوگ آ آ کر

کون ہے یہ اور میں ہوں ششدر

آخر ان کو کیا بتلاؤں

صاف انہیں پھر کہہ دیتا ہوں

یہ تم کو بتلا نہیں سکتا

اور ان میں کوئی نہیں تھکتا

کرتا مجھ پر تھو پھٹکاریں

یوں وہ مجھ پر غصہ اتاریں

لیکن میں بیٹھا مسکاؤں　　　ایسے تیری بانی گاؤں

اس کو امر یوں کرتا جاؤں

گر یہ سارے نکتے کھولے　　　پھر بھی اک اک پوچھے بولے

تو ہم کو سب بات بتادے

یہ معنی مطلب سمجھا دے

اس پر میں حیراں ہوتا ہوں دوں تو جواب ان کو اب کیا دوں

پھر بولوں جانے کوئی کب

جو ہیں ان کے معنی مطلب

یہ سنتے ہیں تو پھر ہنس کر نفرت سے وہ سارے مجھ پر

چل دیتے ہیں تیوڑی چڑھائے

اور تو واں بیٹھا ـــــ مسکائے

○

تیرے آگے سر خم یار
تو ہے میرا پالن ہار

میں ہوں تیرا سیس نواس — جاگا ہے میرا احساس
ساون رت کے ابر سمان — نیچے جس کی آج مچان
بن میں برسے میگھ پھہار — من آیا ہے میت دوار

تیرے آگے سر خم یار
تو ہے میرا پالن ہار

گھل مل گیتوں کی ہر تان — ایک کریں سارا ہیجان

کرے یہ لے کر اک طوفان
چپ ساگر کی سمت خرام
تجھ کر کرتا ایک سلام
جیسے کر کے گھر کو یاد
اندر سے دل ہوں ناشاد
دن رات اک کونجوں کی ڈار
گھونسلوں کا رخ کر کے پار

جاتی ہو سوئے کہسار
اپنے سفر کی راہ گزار
زیست مری لے ہوتیار
جہاں اسے مل جائے دوام
تجھ کو کرکے ایک سلام

بڑے وثوق سے دُنیا فریب دیتی رہی
بڑے خلوص سے ہم اعتبار کرتے رہے